سرگزشت میں شائع ہونے والا سلسلہ
مقدر
2
محی الدین نواب

مقدر

انسان کے روز وشب پر مقدر کی آہنی گرفت کا دلچسپ تماشا

اس کتاب میں نواب صاحب نے معاشرے کی زہریلی کہانیوں کو بیان کرنے کے لئے ایک نیا اسلوب، نیا ڈھنگ اپنایا ہے کہ یہ کہانیاں کسی انسان کی زبانی بیان نہ کی جائیں بلکہ ان کا راوی اس بازی گر کو بنایا جائے جسے مقدر کہا جاتا ہے جو انسان کی توقع کے خلاف، اس کی سوچ کے برعکس بازی پلٹنے کا ماہر ہے۔ زیر نظر کہانی کے کردار بظاہر افسانوی ہیں لیکن درحقیقت ان کا تعلق اسی معاشرے سے ہے اور یہ اسی معاشرے کی کہانی ہے۔

اس کے جانے کے بعد ہی وحید اکبر نے فون پر آسرا سے رابطہ کیا تھا پھر آسرا نے مجھے ڈھونڈ کر اپنا موبائل فون دیا اور کہا ''حمید کے ڈیڈی تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

میں نے فون لے کر کان سے لگا کر کہا ''ہیلو مسٹر وحید اکبر......! کیا میری سچائی ثابت ہوگئی؟''

وہ بولا ''مسٹر......! تم کون ہو......؟ کہاں رہتے ہو......؟ مجھ سے صبح آ کر ملاقات کرو۔ آج اگر تم مجھے عین وقت پر یہ بات نہ بتاتے تو میں بہت بڑا دھوکا کھا جاتا۔ اپنے پارٹنر کو اسی فیصد کا حصے دار بنا دیتا۔ اب میں اس پارٹنر سے بھی نمٹ لوں گا۔ تم کل صبح ضرور آؤ۔ میں تمہیں ایک لاکھ روپے دوں گا۔ اپنی خوشی سے۔''

''آپ یہ ایک لاکھ روپے اپنے پاس ہی رکھیں اور کسی دماغی علاج کے ڈاکٹر سے اپنا علاج کروائیں۔ دراصل قصور دشمنوں کا نہیں ہوتا ہے۔ خود اپنا ہوتا ہے۔ ہم غلطیاں کرتے ہیں اس کے نتیجے میں ہمیں جھوٹ اور فریب ملتا ہے۔ اگر آپ اپنی وفادار بیوی سے بے وفائی نہ کریں۔ اس سے چھپ کر ایک داشتہ کو نہ پالیں تو ایسے دن دیکھنے نہ پڑیں۔ پھر بھی خوش نصیب ہیں کہ ڈوبنے سے پہلے ہی کنارے تو لگ گئے۔''

یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ آسرا میرے سامنے کھڑی میری باتیں سن رہی تھی اور مجھ سے متاثر ہو رہی تھی۔ اس نے کہا ''میں نہیں جانتی کہ قصہ کیا ہے لیکن اتنا سمجھ گئی ہوں کہ انکل آنٹی کو دھوکا دے رہے تھے کسی بازاری عورت پر بھروسا کر رہے تھے۔ تم نے انکل کو اچھی طرح طعنے دیئے ہیں لیکن انہیں ڈوبنے سے بھی بچایا ہے۔''

''میں تمہارے ہاتھ کی لکیریں بھی دیکھنا چاہتا ہوں لیکن تم کہہ چکی ہو کہ تمہارا نام آسرا ہے اور تم مقدر کا آسرا نہیں کرتیں خود اپنی تقدیر بناتی ہو۔''

''ہاں یہ تو ہے لیکن انکل کی باتیں سن کر میرے اندر تجسس پیدا ہو گیا ہے۔''

''تو پھر یہاں کرسی پر بیٹھو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو۔''

انسان خواہ کتنا ہی ذہین ہو، عملی طور پر زندگی گزارتا ہو اور اپنی تدابیر سے بدنصیبی کا علاج کرتا ہو، پھر بھی وہ مقدر کی لکیروں پر چلتا ہے اور معلوم کرنا چاہتا ہے کہ آئندہ اس کی زندگی میں کیا ہونے والا ہے۔

آسرا بھی ذہین تھی۔ اپنی زندگی آپ گزارنے کے سلسلے میں بڑی پُراعتماد تھی پھر بھی اس کے اندر تجسس پیدا ہو رہا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ دکھانا چاہتی تھی ایسے ہی وقت اس کی پھوپی آ گئی۔ اگرچہ وہ سگی پھوپی تھی لیکن عمر رسیدہ نہیں تھی اس نے آتے ہی مجھے بڑی لگاوٹ سے دیکھا پھر اس سے کہا ''ہائے آسرا! تم یہاں ہو اور میں تم کو ادھر ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔''

آسرا نے مجھ سے کہا ''یہ میری پھوپی ہیں۔''

وہ بولی "دیکھو آسرا کتنی بار سمجھایا ہے کہ مجھے پھوپی کہہ کر کسی سے تعارف نہ کرایا کرو۔ کیا ہم سہیلیاں نہیں ہیں؟"

میں نے کہا "ہاں یہ تو کسی صورت سے پھوپی نہیں لگ رہی ہیں۔ تمہاری ہم عمر لگتی ہیں۔"

وہ خوش ہوگئی۔ مجھ سے بولی "یہ میری بدنصیبی ہے کہ اس خاندان میں اس کی پھوپی بن کر پیدا ہوگئی۔ ورنہ عمر میں اس سے چھ مہینے چھوٹی ہوں۔"

میں نے پوچھا "تمہارا کوئی نام تو ہوگا؟"

وہ شرماتے ہوئے بولی "میرا نام حجاب ہے۔"

میں نے حجاب کو سر سے پاؤں تک دیکھا، جو تقریباً بے حجاب تھی۔ اس نے بغیر آستین کا بلاؤز اور ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ پیٹ کمر تک ننگا تھا۔ ہندوستانی عورتیں ناف سے نیچے ساڑھیاں باندھتی ہیں اس نے بھی یہی کیا تھا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ میری طرف بڑھایا جیسے خود کو پیش کر رہی ہو۔ میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی "میں تمہاری بڑی تعریفیں سن رہی ہوں۔ سب کہہ رہے ہیں کہ تم بہت ہی سچی پیش گوئی کرتے ہو۔ میں اپنے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

آسرا نے حجاب کا ہاتھ تھام کر کہا "یہ اگرچہ پھوپی ہے لیکن میری اچھی سہیلی ہے۔ پلیز پہلے اس کا ہی ہاتھ دیکھ لو۔"

میں نے اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی کو تھام لیا پھر اس سے پوچھا "کیا سچ کو سچ تسلیم کرو گی یا انکار کرو گی؟"

"میں سچ بولتی ہوں اور سچ سنتی ہوں جھوٹ سے مجھے نفرت ہے۔"

"تو پھر یہ بتاؤ کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ جیسے چوری پکڑی گئی ہو پھر وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "میں تو ابھی کنواری ہوں۔ قسم سے کنواری ہوں۔ آسرا سے پوچھ لو۔"

آسرا نے کہا "تم مجھے بیچ میں کیوں لاتی ہو؟ اپنی باتیں سچ بولو یا جھوٹ بولو، خود ہی سمجھو۔"

حجاب ہچکچاتے ہوئے بولی "یہ تم کیسے نجومی ہو۔ مجھ سے ہی پوچھ رہے ہو۔ میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر خود ہی سمجھ لو اور مجھے بتاؤ؟"

"تمہارے ہاتھ میں شادی کی ایک ہی لکیر ہے اور وہ شادی ہو چکی ہے۔"

حجاب نے پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ آس پاس سے گزرنے والے مہمان یہ بات سن لیں۔

اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر کہا "یہ کیا مذاق ہے۔ یہاں سب جانتے ہیں میری شادی نہیں ہوئی ہے۔"

"ہاں سب سے یہ بات چھپائی گئی ہے۔ صرف آسرا کی دادی اور دادا جانتے ہیں تم پہلے انڈیا میں تھیں۔ اپنے ننھیال میں پرورش پا رہی تھیں۔ وہیں تمہاری شادی ہوئی پھر تم ایک بچے کی ماں بن گئیں۔"

وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر بولی "اٹ از ٹو مچ! میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتی۔"

"اگر اسے مذاق کہتی ہو تو چلو یہی سہی لیکن تم چاہو تو تمہارے ہاتھ میں شادی کی دوسری لکیر بن سکتی ہے۔"

وہ ناگواری سے بولی "کیا قسمت کی لکیر بنانا اور بگاڑنا انسان کے ہاتھ میں ہے؟"

"بے شک انسان خود کو بگاڑ سکتا ہے تو خود کو بنا بھی سکتا ہے۔ وہ طنزیہ انداز میں بولی "اچھا ذرا معلوم تو ہو کہ میں اپنے ہاتھ پر شادی کی دوسری لکیر کیسے بنا سکتی ہوں؟"

میں نے کہا "ایک کروڑ پتی بزنس مین ہے۔ وہ کسی کنواری لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ کہتا ہے لڑکیاں اناڑی ہوتی ہیں اس کے بزنس کو سنبھالنے میں اس کا ساتھ نہیں دے سکیں گی۔ کوئی ایسی شادی شدہ عورت ہو جو بیوہ ہوگئی ہو یا طلاق یافتہ ہو تو وہ اس سے شادی کرے گا۔"

وہ ذرا نرم پڑ گئی پھر بولی "کون ہے وہ کروڑ پتی؟ کیا تم اسے جانتے ہو؟"

"جانتا ہوں تبھی تو کہہ رہا ہوں۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں بے شمار عورتوں کے ہاتھ دیکھتا رہتا ہوں۔ اگر ایسی کوئی عورت نظروں میں آئے جو بیوہ ہو یا مطلقہ ہو، بہت سمجھ دار ہو، تعلیم یافتہ ہو اور کاروبار کی اونچ نیچ کو سمجھتی ہو تو وہ فوراً ہی اس سے شادی کر لے گا۔"

آسرا نے کہا "میں ہوں حجاب ہے، ہم سب نے تاجروں کے خاندان میں جنم لیا ہے اور حجاب نے تو کامرس پڑھا ہوا بھی ہے اور اسے کاروبار کی بڑی سوجھ بوجھ ہے۔"

"صرف کاروباری سوجھ بوجھ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ بزنس مین تو بیوہ یا مطلقہ عورت چاہتا ہے۔"

حجاب سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے آسرا کو دیکھا پھر مجھ سے کہا "ایکسکیوزی۔ ذرا ایک منٹ۔ میں آتی ہوں۔"

وہ آسرا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتی ہوئی ذرا دور لے گئی پھر بولی "کیا یہ سچ کہہ رہا ہے؟ کوئی ایسا کروڑ پتی بزنس مین کسی مطلقہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے؟"

آسرا نے کہا "اگرچہ یہ اجنبی ہے لیکن ایک بات تو میں یقین سے کہتی ہوں کہ یہ سچ بولتا ہے۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھا پھر آسرا نے کہا "وہ بڑا خطرناک نجومی ہے۔ ہاتھ کی لکیریں اس کے سامنے ایک ایک بات بول دیتی ہیں کوئی بات نہیں چھپاتیں۔"

حجاب نے بڑی بے قراری سے کہا "مجھے مشورہ دو میں کیا کروں؟"

"کرنا کیا ہے رشتے بہت مشکل سے ملتے ہیں تمہاری ایک شادی ناکام ہو چکی ہے شوہر نے چھوڑ دیا۔ بچہ تم سے چھین لیا۔ تم ہندوستان چھوڑ کر یہاں چلی آئیں۔"

"وہ خود غرض اور بے وفا تھا۔ اس نے میری قدر نہیں کی۔"

"فضول باتیں نہ کرو میں نے دادی اور دادا کی زبان سے سنا ہے وہ شوہر ہیرا تھا۔ تم نے اس کی قدر نہیں کی۔ اپنی حرکتوں سے اسے مجبور کر دیا کہ وہ تمہیں طلاق دے اور بچہ چھین لے۔"

"اب زور سے تو نہ بولو۔ ادھر ادھر سے گزرنے والے سن لیں گے۔ میں ابھی کیا کروں؟"

"سچ بولو۔ سچ بولنے سے اگر کبھی فائدہ نہ پہنچے تو نقصان بھی نہیں پہنچتا۔"

"ٹھیک ہے میں سچ بولوں گی پہلے تم اسے اس بات پر راضی کرو کہ مجھے اس کروڑ پتی سے ملائے۔ باقی میں اس رئیسِ اعظم سے نمٹ لوں گی۔"

وہ دونوں وہاں سے پلٹ کر میرے پاس آئیں آسرا نے کہا "میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

میں نے کہا "اگر تمہاری بات ہے تو تم پوچھو اور حجاب کی بات ہے تو حجاب پوچھے۔"

حجاب نے کہا "ٹھیک ہے میں پوچھتی ہوں کیا تم مجھے اس کروڑ پتی سے ملا سکتے ہو؟"

میں نے پوچھا "کس کروڑ پتی کی بات کر رہی ہو؟"

"وہی جس کا ذکر تم نے ابھی کیا تھا کہ وہ کسی مطلقہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"ہاں مگر تمہیں اس سے کیا لینا ہے تم تو مطلقہ نہیں ہو۔"

اس نے مجبور ہو کر کہا "میں ہوں۔ تم درست کہہ رہے تھے میری شادی ہوئی تھی طلاق بھی ہو گئی اور بچہ اس نے چھین لیا ہے۔"

میں نے کہا "میرے ساتھ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے جب میں سچ بولتا ہوں تو سننے والے سچ سے انکار کرتے ہیں اور مجھے جھوٹا کہنے لگتے ہیں۔ ایسے میں مجبور ہو کر مجھے ان سے سچ اگلوانا ہی پڑتا ہے جیسا کہ ابھی میں نے تم سے اگلوایا ہے۔"

دونوں نے چونک کر مجھے دیکھا پھر حجاب نے پوچھا "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم نے جھوٹ بول کر مجھ سے سچ اگلوایا ہے؟"

"جب جھوٹ بولنے والوں کا آپریشن کیا جاتا ہے تب ہی ان کے حلق سے سچ نکلتا ہے۔ میں کسی ایسے احمق کروڑ پتی کو نہیں جانتا جو تمہاری جیسی جھوٹی مطلقہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہو۔"

حجاب نے غصے سے چیخ کر کہا "یو شٹ اپ......!"

آس پاس کے لوگ چونک کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے کہا "دیکھو لوگ ادھر دیکھ رہے ہیں۔ سچ سب کے سامنے کھلنے والا ہے۔ اگر ابھی تم نے مجھ سے معافی نہ مانگی تو میں ان سب سے کہوں گا کہ تم کنواری نہیں ہو ڈھول کا پول ہو۔"

وہ چھ ماہ پہلے طلاق حاصل کرنے کے بعد یہاں اپنے میکے آئی تھی۔ یہاں ماں باپ نے یعنی آسرا کی دادی اور دادا نے یہ حقیقت سب سے چھپائی تھی کہ انڈیا میں اس کی شادی ہو چکی تھی اور وہ ایک بچے کی ماں تھی۔ وہاں کے حالات دوسرے نہیں جانتے تھے اس لیے پردہ پڑا ہوا تھا۔ اب وہ نہیں چاہتی تھی کہ میں پردہ اٹھاؤں اس نے عاجزی سے کہا "سوری......"

میں نے کہا "سب تمہاری سوری نہیں سن رہے ہیں۔"

وہ جبراً ہنستی ہوئی سب کی طرف دیکھتی ہوئی بولی "کوئی بات نہیں۔ یہ ہماری آپس کی بات ہے ماہر بیگ ماہر بہت ہی نفیس انسان ہیں۔"

آس پاس پھیلے ہوئے مہمان اپنی اپنی باتوں میں مصروف ہوگئے۔ حجاب نے گھور کر مجھے دیکھا پھر پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ میں نے آسرا سے کہا "تمہیں بھی میرے جھوٹ پر غصہ آ رہا ہوگا؟"

وہ مسکرا کر بولی "نہیں تم نے مصلحتاً اس لیے جھوٹ کہا کہ سچ سامنے آ جائے اور وہ آ گیا۔ کیا اب میرا ہاتھ دیکھو گے؟"

میں نے کہا "ہاتھ دیکھنے سے پہلے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم سچ بولتی ہو اور سچ سننا پسند کرتی ہو اور کیا سچ کا زہر برداشت کر لیتی ہو؟"

"ہاں میں سچ بولتی ہوں۔ جھوٹ سے مجھے نفرت ہے لیکن کبھی کبھی مصلحتاً مجبور ہو جاتی ہوں جیسا کہ آج ہو گئی تھی۔"

''آج کیا مجبوری تھی؟''

''میں آج پورے چوبیس برس کی ہو چکی ہوں لیکن دادی جان اور دادا جان میری عمر چھپاتے ہیں۔ انہوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں خود کو بیس برس کی کہتی رہوں۔ اسی لیے آج میرے کیک کے اطراف بیس موم بتیاں روشن کی گئی تھیں۔ میرے دادا جان پکے کاروباری ہیں۔ مصلحتاً منافع دیکھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کا خیال ہے بیٹیوں کو کم عمر بتا کر رکھا جائے تو کاروباری نقطۂ نظر سے منافع بخش رشتے آ ہی جاتے ہیں۔''

''تمہارے سچ نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ ہم بہت دیر سے کھڑے ہوئے ہیں۔ آؤ یہاں بیٹھو۔''

وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں نے کرسی کھسکا کر اس کے قریب کرتے ہوئے کہا ''لاؤ اپنا ہاتھ۔''

اس نے اپنا ہاتھ پیش کیا۔ میں نے اس نرم و نازک سے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دیکھا۔ گوری اور گلابی ہتھیلی پر یوں انگلی پھیرنے لگا جیسے لکیروں کو پڑھ رہا ہوں۔

وہ بولی ''میری قسمت کا حال بتانے سے پہلے اپنے دوست مقدر حیات کے بارے میں بتاؤ۔ کیا یہ حضرت اپنے خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟''

''ہاں! مقدر حیات مجھ سے کہہ رہا تھا کہ وہ کراچی جائے گا اور اپنے خاندان کی لڑکیوں سے ملے گا۔ جو بھی اسے متاثر کرے گی۔ وہ اس سے شادی کر لے گا۔''

''اب میرا ہاتھ دیکھ کر بتاؤ کیا وہ میرے مقدر میں ہے؟''

میں نے اس کی نرم و نازک ہتھیلی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ''یہ جو مقدر حیات ابھی تم سے ملنے آیا ہے یہ تمہاری زندگی میں نہیں آئے گا۔''

وہ مطمئن ہو کر بولی ''تھینکس گاڈ! میں سوچ رہی تھی کہ اس سے کیسے پیچھا چھڑاؤں گی۔''

میں نے کہا ''تعجب ہے وہ رئیس اعظم ہے وہ ایک دو کروڑ کی نہیں پانچ سو کروڑ کی دولت اور جائداد کا مالک ہے۔''

''میں لعنت بھیجتی ہوں دولت اور جائداد پر۔ میں صرف اپنے آئیڈیل سے شادی کروں گی۔''

میں نے پوچھا ''کون ہے تمہارا آئیڈیل؟''

''ایسا جوان جو ہماری ہی تاجر برادری سے تعلق رکھتا ہو لیکن دیکھنے میں خوش شکل ہو، خوش لباس ہو اور مردانہ وجاہت رکھتا ہو۔''

میں نے کہا ''ایسا شخص شاید تمہاری زندگی میں آ سکتا ہے۔''

''یعنی یقینی بات نہیں ہے۔ آ بھی سکتا ہے اور نہیں بھی آ سکتا؟''

''ہاں! کچھ ایسے حالات پیش آ سکتے ہیں اور ایسے حالات میں تم اپنے بہتر اعمال سے ذہانت سے یعنی تدبیر سے تقدیر کو بدل سکو گی۔ اس سے آگے کچھ نہ پوچھو۔''

''کیوں نہ پوچھوں؟''

''آئندہ پھر ہماری ملاقات ہو گی تو تمہیں آگے کچھ بتا سکوں گا۔''

یہ کہہ کر میں نے اس کی کھلی ہوئی ہتھیلی کو بند کر دیا پھر کہا ''اب یہ مٹھی بندھ گئی ہے۔ انسان کوئی عزم کرتا ہے تو بڑے جوش اور جذبے سے مٹھی باندھ کر مستحکم ارادہ کرتا ہے۔ تم نے ہاتھ کی ان لکیروں کو مٹھی میں بند کر لیا ہے۔ اب یہ عزم کرتی رہو کہ ناموافق حالات کو موافق بنا کر رہو گی۔''

وہ الجھ کر بولی ''تم آگے کچھ کہنے سے جان بوجھ کر گریز کر رہے ہو۔ شاید کوئی دل توڑنے والی بات ہے۔''

''دل کی کیا بات ہے۔ دنیا کی ہر چیز ٹوٹتی ہے اسے جوڑنے کا سلیقہ آنا چاہیے اور تم میں یہ سلیقہ ہے۔''

''تم باتیں بناتے جا رہے ہو۔ پلیز مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ میرے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر خود سمجھ لو کہ میں کتنی مستقل مزاج اور عزم و حوصلے والی لڑکی ہوں۔ میں کبھی کسی سے شکست نہیں کھاتی۔ میرا نام آسرا ہے۔ میں کسی کا آسرا نہیں کرتی۔''

بے شک وہ بڑے عزم اور حوصلے والی لڑکی تھی۔ میں نے کہا ''اچھی بات ہے۔ میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ جو بدنصیبی ہے اسے بیان کرتا ہوں اور یہ وعدہ کرتا ہوں اس بدنصیبی کو دور کرنے کے سلسلے میں تم سے تعاون کروں گا۔''

میں چپ ہو گیا۔ وہ بھی چپ رہی میرے بولنے کا انتظار کرنے لگی پھر میں نے کہا ''تمہارے ہاتھ پر زندگی کی جو لکیر ہے۔ اس پر بہت سی کاٹ چھانٹ ہے۔''

''بس اتنی سی بات ہے۔ میں سمجھ گئی۔ میری زندگی مختصر ہے اور موت قریب ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے۔ زندگی مختصر ہے اور نہیں بھی۔ ایک خاص موقع پر تمہاری موت واقع ہو سکتی ہے۔''

''وہ خاص موقع کیا ہو گا؟''

''جب تمہارا آئیڈیل تمہارا چاہنے والا تمہاری زندگی میں آئے گا اور تم اس کی چاہت کو قبول کر دو گی۔''

وہ ذرا پریشان ہو کر بولی ''یہ کیا بات ہوئی محبت تو زندگی

دیتی ہے اور میرے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے کہ محبت سے مجھے موت ملے گی؟''

''ہاں! تمہاری زندگی میں دولت ہے، شہرت ہے، عزت ہے، خوش حالی ہے سب کچھ ہے بس محبت نہیں ہے۔ محبت چاہو گی تو زندگی ہار جاؤ گی۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ کسی سے محبت ہو گی نہ کبھی شادی ہو گی۔''

''ہمیں اتنی بڑی دنیا میں سبھی کچھ حاصل نہیں ہو جاتا۔ کسی نہ کسی بات کی کمی رہ جاتی ہے۔ تمہیں تو بہت کچھ حاصل ہوتا رہتا ہے۔ صرف محبت نہیں ملے گی۔''

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کوئی مجھ سے محبت نہیں کرے گا؟''

''ایسی بات نہیں ہے تم اتنی خوب صورت ہو اتنی پرکشش ہو کہ تمہارے چاہنے والوں کی کمی نہیں ہو گی لیکن یہ تمہارے اختیار میں ہے۔ تم چاہنے والوں سے دوری اختیار کرو۔ نہ اپنا دل کسی کو دو۔ نہ دل سے کسی کو چاہو۔''

اس کا سر جھک گیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ یہ بات ہی ایسی تھی۔ ہر نوجوان لڑکی سہانے سپنے دیکھتی ہے۔ کیسے کیسے آئیڈیل کا تصور کرتی ہے اور اپنی زندگی میں اس کے آنے کا انتظار کرتی ہے یہاں تو آنے والے کے لیے دروازہ ہی بند ہو رہا تھا۔ اگر وہ دروازہ کھولتی تو محبوب کے لیے نہیں موت کے لیے کھولتی۔

میں نے اس کی ہتھیلی پر ایک انگلی رکھتے ہوئے کہا ''دیکھو یہاں شادی کی ہلکی سی لکیر ہے لیکن یہ کٹی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی جبراً تمہاری شادی کی گئی یا تم نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کبھی کسی سے شادی کی تو ازدواجی زندگی نہیں گزار سکو گی اس دولہا کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی تمہاری سانسیں پوری ہو جائیں گی۔''

یہ ایسی بات تھی جو کسی کو بھی صدمے سے توڑ دیتی ہے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ وہ بہت ہی حوصلہ مند تھی۔ موت سے ڈرتی نہیں تھی لیکن جو صدمہ پہنچ رہا تھا وہ یہ تھا کہ اسے کسی کی محبت نہیں ملے گی۔ اگر ملے گی تو وہ اسے قبول نہیں کرے گی۔ اگر قبول کرے گی تو محبوب کو حاصل نہیں کر پائے گی۔ یہ سانسیں کیا ہیں؟ دن رات کی سہیلیاں ہیں ہمارے اندر آتی جاتی ہیں لیکن وہ تنہائی میں اپنے محبوب سے ملنے جائے گی تو یہ سہیلیاں اس کا ساتھ چھوڑ دیں گی۔

میں نے اس کی ہتھیلی کو تھپکتے ہوئے کہا ''وہ جو ہم سب کا کاتبِ تقدیر ہے وہ اپنے لکھے ہوئے کو حرفِ آخر نہیں بناتا۔ انسان کا حوصلہ اس کا ایمان اور نیک نیتی دیکھتا ہے۔ تم بہت نیک لڑکی ہو خدا تمہاری نیک نیتی کو سمجھنے والا ہے۔ کراچی میں ایک بہت بڑے بابا انعام الحق رہتے ہیں۔ ان کی زندگی صرف اور صرف عبادت کرتے ہوئے گزر رہی ہے۔ وہ روزانہ شام کو صرف اپنے عقیدت مندوں سے ملتے ہیں انہیں نیک مشورے دیتے ہیں۔ راہِ مستقیم دکھاتے ہیں اور ان کے مسائل کا حل بھی بتاتے رہتے ہیں۔ تم کراچی جاؤ تو ان سے ضرور ملاقات کرنا۔ زندگی کی یہ لکیر جو ٹوٹ رہی ہے۔ شاید وہ اسے آگے بڑھا سکیں ایمان کی قوت کے آگے تقدیر کا لکھا بھی بدل جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ بدلنے والا نیک نیت اور ایمان دار ہو۔''

☆☆☆

دو ہفتے گزر گئے۔ دردانہ کو پتا چلا کہ حشمت اچانک ہی غائب ہو گیا ہے۔ اس کے حکم سے اسد عزیزی نے معلومات حاصل کیں تو پتا چلا وہ یہ ملک چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ شہباز درانی نے کہا ''دردانہ ایس پی ذیشان نے بڑی تیزی دکھائی کر تمہاری ایک چال کو ناکام بنا دیا ہے۔ اب تم نہ تو حشمت پر جان لیوا حملہ کرا سکو گی اور نہ ہی اس کی موت کا الزام ذیشان پر عائد کر سکو گی۔''

اسے دشمن کی کامیابی پر غصہ آ رہا تھا۔ اس نے شہباز سے کہا ''تم اتنے وسیع ذرائع کے مالک ہو۔ کیا ذیشان کی وردی نہیں اتروا سکتے؟''

''وہ کوئی معمولی افسر نہیں ہے۔ ایس پی ہے۔ پھر یہ کہ اس کا سروس ریکارڈ بہت ہی اچھا ہے۔ سبھی اعلیٰ افسران اس کی تعریفیں کرتے ہیں۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ میں وہی افسر زبردست اور قانون کا محافظ سمجھا جاتا ہے جس سے بڑے بڑے مجرم دہشت زدہ رہتے ہیں۔''

اسد عزیزی نے کہا ''ہم اس کی وردی اتروانے کے لیے ہی ایسی چالیں چل رہے ہیں۔ ہم نے ایسے مجرموں کے ریکارڈ حاصل کیے ہیں جنہیں عدالت سے رہائی مل گئی تھی لیکن بعد میں وہ اچانک ہی بے موت مارے گئے اور اس کا شبہ ذیشان پر کیا گیا۔ لیکن اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہیں ہوا۔ آپ کے صاحب زادے کی ہلاکت کے بعد بھی ہم اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہیں کر سکے اب حشمت کی موت سے ثابت کر سکتے تھے۔ ان کے علاوہ ایسے دو مجرم روپوش ہیں، جو ذیشان سے دہشت زدہ رہتے ہیں۔ وہ بھی اس کے خلاف بیان دینے کے لیے راضی ہیں لیکن اس کے خلاف کیس کو مکمل کرنے کے لیے حشمت کی موت لازمی تھی۔''

شہباز درانی نے کہا ''ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ حشمت کب یہاں سے گیا ہے اور کس ملک کی طرف گیا ہے تو ہم وہیں حشمت پر تشدد کر کے ذیشان کے خلاف بیان لکھوا سکتے ہیں اور اس کا قتل کرا سکتے ہیں۔''

دردانہ وہاں شہباز کے سامنے ٹہلتی رہی۔ سوچتی رہی پھر اس نے کہا ''میرے ایک داؤد بھائی ہیں۔ دور کے رشتے دار ہیں۔ ان کا تعلق انڈر ورلڈ والوں سے ہے۔ وہ معلوم کر سکتے ہیں کہ حشمت یہاں سے کہا گیا ہوگا۔''

شہباز درانی نے کہا ''ہاں انڈر ورلڈ والوں کا ایک جال پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ ایک ملک کے مجرم دوسرے ملک کے مجرموں سے با آسانی رابطہ کرتے ہیں۔ تمہارے داؤد بھائی جلد از جلد معلوم کر سکتے ہیں کہ حشمت کس ملک کے کس شہر میں ہوگا۔''

دردانہ نے فون کے ذریعے داؤد بھائی سے رابطہ کیا پھر کہا ''ہیلو داؤد بھائی! میں دردانہ بول رہی ہوں۔''

دوسری طرف سے اس نے چہک کر کہا ''ہائے دردانہ! تم تو ایسے غائب ہو گئی ہو جیسے گدھے کے سر سے سینگ......''

''کوئی اچھی مثال دیا کریں داؤد بھائی! میں آپ کی بہن ہوں۔''

''تم نے بہن بن کر مجھے بہت نقصان پہنچایا ہے۔ مجھ سے اپنے کام کراتی رہی ہو اور میرا کام کرنے سے کتراتی رہی ہو۔ میں نے تمہارے کہنے پر تمہارے بیٹے سے کام لینا شروع کیا تھا لیکن وہ آخری وقت مجھے دس لاکھ روپے کا نقصان پہنچا کر چلا گیا۔ کہاں ہے وہ؟ تم نے اپنے ساتھ اسے بھی کہیں چھپا کر رکھا ہے۔''

''آپ تو اپنی ہی بولے چلے جا رہے ہیں۔ میری بھی کچھ سنیں گے یا نہیں؟''

''سناؤ کیا سنانا چاہتی ہو؟''

''میرا بیٹا جواد اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اسے قتل کر دیا گیا ہے۔''

وہ بے یقینی سے بولا ''کیا......؟ کیا مجھ سے کوئی نیا ڈراما کر رہی ہو؟ جوان بیٹا ہلاک ہوا ہے اور اس قدر چہکتی ہوئی بول رہی ہو؟ تمہیں ایکٹنگ بھی کرنی نہیں آتی؟''

''میں نہ کوئی ڈراما کر رہی ہوں۔ نہ کوئی ایکٹنگ کر رہی ہوں۔ سچ بول رہی ہوں یقین کرنا چاہتے ہو تو کرلو۔ میرے بیٹے کا قاتل اس ملک سے باہر کہیں فرار ہو گیا ہے۔ تم اس کا سراغ لگا سکتے ہو اسی لیے میں نے تمہیں فون کیا ہے۔''

''میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔ تم نہایت ہی خود غرض اور مکار عورت ہو۔ یاد رکھو تمہارا بیٹا پچھلے دنوں میرے لیے جو کام کرتا رہا اس کا تمام ریکارڈ میرے پاس موجود ہے۔ میں وہ ریکارڈ پولیس والوں کے حوالے کردوں گا تو وہ اسے کہیں سے بھی ڈھونڈ کر گرفتار کر لیں گے۔ اس ریکارڈ کے مطابق اس نے کئی قتل بھی کیے ہیں۔''

وہ بڑے دکھ سے بولی ''میرے مظلوم اور مقتول بیٹے کو قاتل اور مجرم بنانا چاہتے ہو۔ اس کا جو بھی ریکارڈ تمہارے پاس ہے اسے میرے حوالے کردو۔''

''کیا مفت میں حوالے کردوں؟''

''جو قیمت چاہو گے، میں دوں گی۔''

''تمہارے بیٹے نے مجھے دس لاکھ روپے کا نقصان پہنچایا ہے۔ ایک تو مجھے وہ رقم چاہیے۔ اور دوسرا مطالبہ تم اچھی طرح جانتی ہو، مجھے ایک نئی نویلی حسین دوشیزہ چاہیے۔ ایسا لگتا ہے اس ملک میں یا شہر میں حسیناؤں کا قحط پڑ گیا ہے۔''

فون کا اسپیکر کھلا ہوا تھا۔ اس کی باتیں شہباز درانی سن رہا تھا۔ اس نے اسپیکر کو آف کر کے دردانہ سے کہا ''وہ جو کہہ رہا ہے اس پر راضی ہو جاؤ۔''

پھر اس نے اسپیکر کو آن کر دیا۔ وہ بولی ''ٹھیک ہے میں تمہارا مطالبہ پورا کروں گی۔ ایک نہایت ہی حسین لڑکی میری نظر میں ہے۔ میں آج رات اسے دس لاکھ روپے کے ساتھ بھیجوں گی۔''

''بھئی واہ! بہت خوب۔ تم تو بڑی جلدی راضی ہو گئیں۔ ایک بات یاد رکھو۔ میں نے اپنی کوٹھی کے اندر اور باہر سخت سیکورٹی کے انتظامات کیے ہیں۔ یہ بتاؤ اس لڑکی کو یہاں کون پہنچائے گا؟''

''اسے پہنچانے والا کوٹھی کے باہر ہی رہے گا اور لڑکی اندر چلی جائے گی۔''

''ہاں یہی ہونا چاہیے۔ اس لڑکی کو بھی پوری طرح چیک کیا جائے گا۔ تب اسے میرے بیڈ روم میں آنے کی اجازت ملے گی۔''

وہ بولی ''مجھے اس بات سے دلچسپی نہیں ہے کہ تم میرے جواد کے قاتل کو بیرونی ممالک میں تلاش کرو گے یا نہیں۔ مجھے صرف وہ فائل اور ثبوت چاہئیں جو میرے بیٹے کے خلاف تمہارے پاس ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ اس کی موت کے بعد تم اسے بدنام کرو۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''اگر وہ واقعی مر چکا ہے۔ تب بھی اس کے ساتھ تم بدنام ہو سکتی ہو۔ کیونکہ اپنی سوتیلی بیٹی عینی کو اغوا کرانے کے سلسلے میں جتنی باتیں تم نے کی تھیں اس کی آڈیو اور

ویڈیو کیسٹس میرے پاس موجود ہیں۔''

دردانہ نے پریشان ہو کر شہباز درانی کو دیکھا۔ اس نے آنکھ کے ذریعے اشارہ کیا۔ وہ بولی ''میں وہ تمام کیسٹس لینا چاہتی ہوں کیا آج رات وہ لڑکی دس لاکھ روپے لے کر آئے گی تو تم وہ تمام کیسٹس اس لڑکی کے ذریعے ہمیں پہنچا دو گے؟''

''تم جانتی ہو میں زبان کا دھنی ہوں جو کہتا ہوں وہ ضرور کرتا ہوں۔ تمہارے خلاف جو بھی ثبوت ہیں وہ سب میرے بیڈ روم میں موجود رہیں گے۔ جب مال وصول کروں گا تو رسید کے طور پر وہ تمام ثبوت دے دوں گا۔ لیکن آج رات نو بجے تک اس لڑکی کو دس لاکھ روپے کے ساتھ یہاں پہنچ جانا چاہیے۔''

''میں بھی زبان کی دھنی ہوں۔ ٹھیک رات نو بجے وہ حسینہ دس لاکھ روپے کے ساتھ تمہارے سامنے موجود رہے گی۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ شہباز درانی نے اسد عزیزی کو دیکھتے ہوئے پوچھا ''کیا تم نے تمام باتیں سنی ہیں؟''

''یس سر! میں سن چکا ہوں اور بہت کچھ سمجھ چکا ہوں۔''

''ہماری تربیت یافتہ لڑکیوں میں جو بہت حسین اور چالاک ہے اسے آج رات وہاں بھیج دو۔ اس کے بیڈ روم میں دردانہ کے خلاف کوئی ثبوت ہو یا نہ ہو میں ایسے شخص کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتا، جو دردانہ کی شان میں ایسی کوئی بات کہتا ہو یا اس کے خلاف کوئی ثبوت رکھتا ہو۔ اس کا کام تمام ہو جانا چاہیے۔''

''یس سر۔ وہ زندہ نہیں رہے گا۔''

دردانہ نے کہا ''اسد عزیزی یہ بہت مشکل کام ہوگا۔ سیکورٹی کے سخت انتظامات ہوں گے اس لڑکی کے ساتھ کوئی اندر نہیں جا سکے گا۔ پھر لڑکی اپنے ساتھ کوئی ہتھیار بھی نہیں لے جا سکے گی۔''

وہ ادب سے بولا ''میڈم! پھر بھی وہ زندہ نہیں رہے گا۔''

دردانہ نے پوچھا ''کیا وہ لڑکی اتنی زبردست فائٹر ہے کہ اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دے گی؟''

اسد عزیزی نے انکار میں سر ہلا کر کہا ''نہیں، وہ بہت ہی نازک اندام لڑکی ہے۔ وہ لڑنا جھگڑنا نہیں جانتی۔ سہولت سے کام کر کے واپس چلی آئے گی۔''

''کیا وہ اپنے لباس میں زہر چھپا کر لے جائے گی؟''

اسد عزیزی نے انکار میں سر ہلا کر کہا ''نو میڈم! ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ ہم کچے کھلاڑی نہیں ہیں۔ ہم جانتے

ہیں سر سے پاؤں تک اس کی تلاشی لی جائے گی۔ اس لڑکی کے پاس سے نہ تو زہر کی کوئی شیشی برآمد ہوگی اور نہ ہی کوئی کاغذ کی پڑیا دکھائی دے گی۔ وہ ایک سیدھی سادی لڑکی کی طرح جائے گی اور اپنا کام کر کے واپس آجائے گی۔"

دردانہ نے اسے حیرت سے دیکھا۔ شہباز درانی نے کہا "میری جان! حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا یہ دستِ راز بہت پہنچا ہوا ہے۔ اپنا کام کر گزرے گا۔"

اسد عزیزی انہیں سلام کر کے وہاں سے چلا گیا۔ شہباز نے کہا "میں نے سوچا تھا، تمہارے اس داؤد بھائی کے ذریعے حشمت کا سراغ مل جائے تو اچھا ہے، ورنہ میں ایسے کسی داؤد بھائی کا محتاج نہیں رہتا۔ تم فکر نہ کرو۔ میرے آدمی حشمت کو ڈھونڈ نکالیں گے۔"

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی "تمہارے سائے میں رہ کر مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں دنیا کی سب سے طاقت ور عورت ہوں۔ جو چاہتی ہوں وہ ہو جاتا ہے۔ حشمت عارضی طور پر میرے ہاتھوں سے نکل گیا ہے لیکن میں جانتی ہوں تمہارے آدمی اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ پھر داؤد بھائی جیسا انڈر ورلڈ کا شہ زور آدمی مجھے نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ چیونٹی کی طرح مارا جائے گا۔"

وہ اس کے شانے پر سر رکھ کر بولی "تم تو جیسے طلسمی چراغ کے جن ہو، میں جو کہتی ہوں، وہ کر گزرتے ہو میں عینی کی شادی روکنا چاہتی تھی۔ میرے پیچھے تمہاری اتنی قوتیں کار فرما ہیں کہ پاشا دولہا بن کر اس کے دروازے تک نہ پہنچ سکا ہمارے ہتھے چڑھ گیا۔"

"تم اس ٹیکسی ڈرائیور کو مار ڈالنا چاہتی تھیں۔ اس کی موت سے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔ میرے مشوروں پر عمل کر رہی ہو اور دیکھ رہی ہو کہ تم اس سے کس قدر فائدہ اٹھانے والی ہو۔"

وہ خوش ہو کر جھومنے کے انداز میں ہونٹوں کو سکیڑ کر بولی "آئی لو یو شہباز!"

وہ بولا "آئی لو یو ٹو۔ آؤ چلیں۔ ذرا اس ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھیں۔ کس حال میں ہے؟"

وہ دونوں بیڈ روم سے نکلے اور ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر اس محل نما کوٹھی کے ایک دور افتادہ کمرے کی طرف چل دیئے۔ اس کمرے میں پاشا جانی کو زیرِ علاج رکھا گیا تھا۔

☆☆☆

پاشا تو جیسے ایک زندگی ہار چکا تھا۔ اب مقدر سے ایک نئی زندگی مل رہی تھی۔ شہباز درانی نے اسد عزیزی کو حکم دیا تھا کہ اسے جان سے نہ مارا جائے۔ اس حد تک زخمی کیا جائے کہ وہ قابو میں آجائے اور پھر کہیں فرار نہ ہونے پائے لیکن اس رات تاریکی میں اندھا دھند گولیاں چل رہی تھیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ پاشا جانی اس بار بچ کر نکل جائے۔ محتاط فائرنگ کے باوجود اسے تین گولیاں لگی تھیں۔ ایک اس کی ران میں پیوست ہوئی تھی۔ دوسری بازو میں لگی تھی۔ تیسری گولی..... سر کی پچھلی ہڈی کو توڑتی ہوئی گزر گئی تھی۔ وہ بے دم ہو کر گر پڑا تھا۔ اس کے بعد اس کو ہوش نہیں رہا کہ وہ کہاں ہے اور اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

آپریشن کے ذریعے اس کی ران سے اور اس کے بازو سے گولیاں نکالی گئی تھیں۔ سر کے پچھلے حصے کی ہڈی میں سوراخ ہو گیا تھا۔ وہ گولی دماغ کو تقریباً چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ دماغ پر برا اثر پڑے گا۔ وہ ہوش میں آنے کے بعد ذہنی طور پر ایب نارمل رہے گا۔

وہ آپریشن کے بعد تقریباً بارہ گھنٹے تک بے ہوش پڑا رہا۔ سر کے پچھلے حصے پر ٹانکے لگائے گئے تھے۔ اس لیے اسے اوندھا لٹایا گیا تھا۔ نرسوں اور ملازمین کو اس بات کی ہدایت تھی کہ اسے ہوش آنے پر چت لیٹنے یا کروٹ لینے سے باز رکھیں۔ سر کا زخم کچا تھا ٹانکے کچے تھے۔ ڈاکٹر نے سختی سے سمجھایا تھا کہ اسے کم از کم چوبیس گھنٹوں تک اوندھا پڑا رہنا چاہیے۔

تین گولیاں کھانے اور زیادہ خون بہہ جانے کے باعث وہ اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ ادھر سے ادھر کروٹ بھی نہیں لے سکتا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی وہ جیسے اپنے آپ سے غافل رہا۔ اسے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ اور کس حال میں پڑا ہوا ہے؟ اور پھر گہری نیند سو گیا تھا۔ تقریباً تیس گھنٹوں تک یہی ہوتا رہا کبھی وہ آنکھیں کھول کر دیکھتا تھا۔ دھندلا دھندلا سا کچھ دکھائی دیتا تھا پھر نیند میں ڈوب جاتا تھا۔

تقریباً تیس گھنٹے کے بعد صحیح معنوں میں اسے ہوش آیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو سامنے ایک ڈاکٹر تھا۔ ایک نرس تھی اور ایک ملازم کھڑا ہوا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس وقت کس دنیا میں ہے۔ ڈاکٹر اور نرس بھی پوری طرح سمجھ نہیں آرہے تھے۔ ڈاکٹر نے اس پر جھک کر پوچھا "ہیلو ینگ مین! کیسا فیل کر رہے ہو؟"

پاشا نے پوچھا "تم کون ہو؟ میں کہاں ہوں؟"

"تم ایک محفوظ پناہ گاہ میں ہو۔ یہاں تمہیں کوئی دشمن نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

"دشمن؟" پاشا نے ذہن پر زور ڈال کر سوچنا چاہا تو سر

ـنے لگا۔ وہ ایک ہاتھ اٹھا کر سر پر لے گیا پٹیاں بندھی ہوئی ـیں۔ اس نے پوچھا "یہ میرے سر میں کیا ہو گیا ہے؟"

ڈاکٹر نے کہا "یاد کرو۔ تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

وہ سوچنے لگا۔ یاد کرنے لگا۔ اسے کچھ یاد نہیں آرہا تھا۔ ـنے کہا "میرے ساتھ کیا ہوا تھا، مجھے بتاؤ۔ کچھ یاد نہیں ـرہا ہے۔"

ڈاکٹر نے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

وہ سوچنے لگا پھر پریشان ہو کر بولا "میرا نام کیا ہے؟ مجھے ـچھ یاد نہیں آرہا ہے۔ میں کون ہوں؟ یہاں کیسے آگیا ـں؟"

وہ بے چینی سے کسمسانے لگا۔ کروٹ بدل کر چت لیٹنا ـچاہتا تھا۔ اسے ملازم اور نرس نے پکڑ لیا۔

ڈاکٹر نے کہا "نہیں چت نہ لیٹنا۔ سر کے پچھلے حصے میں ـم ہے جب تک اوندھے لیٹ سکتے ہو یا ایک کروٹ سے ـٹ سکتے ہو، لیٹے رہو۔"

ڈاکٹر نے اس کے بازو میں ایک انجکشن لگایا پھر نرس ـسے کہا "اسے سوپ پلاؤ۔"

نرس اس کے پاس آکر اسے ایک ایک چمچ کر کے سوپ ـانے لگی۔ اسے ایک بازو اور ران میں تکلیف کا احساس ہو ـرہا تھا۔ ڈاکٹر اسے بتا رہا تھا کہ وہ کہاں کہاں سے زخمی ہو چکا ـہے۔ اس وقت زیرِ علاج ہے اور اسے اس طرح پتا نہیں کتنا ـعرصہ بستر پر رہنا پڑے۔

اس نے پوچھا "مجھے یہ تو بتاؤ، میں کون ہوں؟ میرا نام کیا ہے؟ تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ کیا مجھے پہلے سے ـجانتے ہو؟"

"میں تمہیں نہیں جانتا۔ یہاں تمہیں زخمی حالت میں لایا گیا ہے۔ ہمارے درمیان ڈاکٹر اور مریض کا رشتہ ہے۔ اس ـسے زیادہ میں تمہارے بارے میں نہیں جانتا۔"

پھر اس نے سمجھایا "میرا مشورہ ہے تم اپنے بارے میں ـزیادہ مت سوچو۔ اپنے ذہن پر زور مت ڈالو۔ تمہارے دماغ کی تکلیف اور بڑھ جائے گی۔"

وہ بولا "میرے اندر بے چینی ہے۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں کون ہوں؟ میں تو سوچتا ہی رہوں گا۔ مجھے سکون ـنہیں ملے گا۔"

ڈاکٹر نے کہا "تمہیں صبر کرنا چاہیے۔ انتظار کرنا چاہیے۔ زخم بھرتے رہیں گے تو تمہاری یادداشت واپس آجائے گی۔ تم اپنے بارے میں سب کچھ یاد کرنے لگو گے۔ ـفی الحال تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

ڈاکٹر وہاں سے چلتا ہوا کمرے سے باہر آیا پھر ایک کوریڈور سے گزر کر دوسرے کمرے میں پہنچا وہاں دردانہ اور شہباز بیٹھے ہوئے تھے۔

اس نے کہا "سر! اسے ہوش آگیا ہے۔ ابھی اس نے کچھ باتیں کی ہیں۔"

دردانہ نے پوچھا "وہ کیا کہہ رہا ہے؟"

"وہ کیا کہے گا؟ وہ تو اپنے آپ کو بھول چکا ہے۔ اپنا نام تک اسے یاد نہیں ہے۔"

شہباز نے کہا "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے؟"

"یہی بات ہے۔ اسے تو یہ بھی یاد نہیں ہے کہ دشمنوں نے اس پر حملہ کیا تھا۔ اس پر گولیاں برسائیں تھیں۔ وہ اپنی پچھلی زندگی کی تمام باتیں بھول چکا ہے۔"

دردانہ نے مسکرا کر شہباز کو دیکھا۔ شہباز نے کہا "میں نے تم سے کہا تھا کہ جب یہ ہوش میں آئے گا تو ہم دواؤں اور انجکشن کے ذریعے اس کے دماغ کو اس قدر کمزور بنا دیں گے۔ یہ پچھلی تمام باتوں کو بھول جائے گا۔ دردانہ! مقدر تمہارا ساتھ دے رہا ہے ہماری کسی کوشش کے بغیر ہی یہ تمام باتیں بھول چکا ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا "اس کے دماغ کے پاس گولی لگی تھی اس لیے دماغ متاثر ہوا ہے خون زیادہ بہہ جانے کے باعث وہ دماغی اور جسمانی طور پر بہت کمزور ہو گیا ہے۔"

شہباز نے کہا "وہ ہمیشہ کمزور نہیں رہے گا۔ اس کا توجہ سے علاج ہو رہا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ دماغی اور جسمانی توانائی حاصل کرتا رہے گا۔ کیا اس کے بعد اس کی یادداشت واپس آجائے گی؟"

"ہو سکتا ہے واپس آجائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی پچھلی زندگی کو یاد نہ کر سکے اور خود اپنے لیے ایک اجنبی بن کر رہ جائے۔"

دردانہ نے کہا "میں نہیں چاہتی کہ وہ توانائی حاصل کرنے کے بعد خود کو پہچانے۔ عینی اور عروج کو یاد کرے۔ پھر ان کے پاس جانا چاہے۔"

شہباز نے کہا "ڈاکٹر میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ میں کسی بھی طرح اس کا برین واش کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تنویمی عمل کے ذریعے ایسا ممکن ہے؟"

"ہپناٹزم کے ذریعے برین واش ہو جاتا ہے لیکن یہ عمل پائیدار نہیں رہتا۔ رفتہ رفتہ یادداشت واپس آجائے گی۔ آپ اطمینان رکھیں۔ ابھی ہم اس مریض کی اسٹڈی کر رہے ہیں جب

یہ دیکھیں گے کہ توانائی حاصل کرنے کے دوران یہ پچھلی باتیں یاد کرنے لگا ہے تو میں دواؤں اور انجکشن کے ذریعے اس کے دماغ کو کمزور بناتا جاؤں گا۔ یہ جسمانی توانائی تو حاصل کر سکے گا لیکن ذہنی توانائی اسے حاصل نہیں ہو سکے گی۔"

دردانہ نے کہا "ڈاکٹر! اگر تم ایسا کرتے رہے اور اسے ہمیشہ دماغی کمزوری میں مبتلا رکھتے رہے تو میں تمہیں منہ مانگی رقم دیتی رہوں گی۔"

وہ بولا "میں تو آپ کا خادم ہوں۔ ہاں مجھے اتنا کچھ دیتے ہیں کہ پھر کسی سے کچھ لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ میں جا رہا ہوں اسے اٹینڈ کرتے رہنا ضروری ہے۔"

وہ وہاں سے چلا گیا۔ دردانہ نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے ایک ڈائری نکالی۔ شہباز نے پوچھا "یہ کیا ہے؟"

وہ بولی "اسد عزیزی نے پاشا کے مکان میں گھس کر اس کے سامان کی تلاشی لی تھی۔ وہاں سے اس کا ایک اٹیچی اٹھا کر لے آیا تھا۔ اس اٹیچی میں یہ ڈائری رکھی ہوئی تھی۔"

"کیا اس ڈائری میں کوئی اہم بات لکھی ہوئی ہے؟"

"ایسی اہم بات لکھی ہوئی ہے جس کے بارے میں ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔"

"اچھا۔ ایسی کیا بات ہے؟"

"پاشا نے جگہ جگہ اپنی محبوبہ کے قصیدے لکھے ہیں۔"

"اور اس کی وہ محبوبہ عینی ہوگی؟"

"یہی تو چونکانے والی بات ہے، وہ عینی سے نہیں، عروج سے محبت کرتا ہے اور عینی پاشا سے محبت کرتی ہے۔ میں ان دو سہیلیوں کے بارے میں کسی حد تک بتا چکی ہوں۔ ان دونوں میں آپس میں اتنی محبت ہے کہ وہ شادی کے بعد بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں رہنا چاہتیں۔"

شہباز نے کہا "ذرا ٹھہرو مجھے سمجھنے دو تم کہہ رہی ہو کہ پاشا عروج کو چاہتا ہے اور عینی پاشا کو چاہتی ہے تو کیا عروج بھی پاشا کو چاہتی ہے؟"

"ہاں دونوں ہی سہیلیاں اس کی دیوانی ہیں۔ عروج چاہتی تھی کہ پاشا عینی سے محبت کرے اور اسی سے شادی کرے۔ وہ اپنی محبت کی قربانی دینا چاہتی تھی لیکن پاشا کو یہ منظور نہیں تھا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ وہ دونوں ہی پاشا سے شادی کریں گی اور شادی کے بعد ایک دوسرے کی سوکن نہیں ہمیشہ کی طرح سہیلیاں بن کر رہیں گی۔"

"یہ تو بڑی عجیب اور دلچسپ بات ہے ایسا میں نے کبھی نہیں سنا۔ یہ تو پہلی مرتبہ سن رہا ہوں کہ دو لڑکیاں ایک ہی شخص سے شادی کر کے سوکن بن کر رہنا قبول کر رہی ہیں۔ پاشا تو بڑا خوش نصیب ہے۔"

دردانہ نے کہا "ان تینوں سے زیادہ خوش نصیب تو میں ہوں۔ عینی اور عروج کیا ہیں؟ پاشا میری شطرنج کی بساط کا بادشاہ، میری مٹھی میں ہے اس کی یادداشت کبھی واپس نہیں آئے گی۔ میں اسے جیسا سمجھاؤں گی وہ ویسا ہی سمجھے گا اور دو سہیلیوں کی کمزوریاں بن کر ہمیشہ میرے پاس رہے گا۔"

"اگر وہ دونوں اس کی دیوانی رہیں گی تو پھر تمہاری بڑی زبردست ہوگی۔ تمہاری سوتیلی بیٹی عینی تمہاری طرف جھکنے پر مجبور ہو جائے گی اور اگر عروج بھی پاشا کو دل و جان سے چاہتی ہے تو وہ بھی تمہارے سامنے کمزور پڑ جائے گی۔"

"میں تو انہیں اب تگنی کا ناچ نچاؤں گی۔ بس اب دیکھنے کے لیے بے چین ہوں کہ پاشا ہمیشہ کے لیے یادداشت کھو چکا ہے یا اس کی یادداشت واپس آ جائے گی۔"

"میری جان اس کی فکر نہ کرو۔ اس کی فکر نہ کرو۔ اس کی یادداشت کبھی واپس نہیں آئے گی۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔"

پھر پندرہ دن گزر گئے۔ پاشا اب سر کے پچھلے حصے پر رکھ کر چاروں شانے چت لیٹ سکتا تھا اور اٹھ کر بستر کے سرہانے بیٹھ سکتا تھا۔ دردانہ اور شہباز کی پلاننگ کے مطابق ڈاکٹر نے پاشا کو بتایا تھا کہ اس کا نام سلامت پاشا عرف جانی ہے۔ وہ ایک امیر کبیر خاندان کا چشم و چراغ ہے۔ اس کی ممی کا نام دردانہ بیگم ہے اور وہ دنیا میں سب سے زیادہ اپنی ممی کو چاہتا ہے۔

پاشا نے پوچھا "جب میں اپنی ممی کو اتنا چاہتا ہوں تو وہ میرے پاس کیوں نہیں آ رہی ہیں۔ وہ کہاں ہیں؟"

"وہ آنا چاہتی ہیں لیکن میں نے انہیں یہاں آنے سے روک دیا ہے۔"

"آپ ماں بیٹے کو ملنے سے کیوں روک رہے ہیں؟"

"اس لیے کہ تم اپنی تمام پچھلی باتیں بھول چکے ہو۔ تمہارا علاج بھی کرتا جا رہا ہوں اور تمہیں پچھلی باتیں یاد دلاتا جا رہا ہوں۔"

اس نے ایک اردو کی اور ایک انگریزی کی کتاب دیتے ہوئے پوچھا "کیا تم یہ زبانیں پڑھ سکتے ہو۔"

اس نے ان کتابوں کو کھول کر پڑھا۔ ڈاکٹر نے کہا "تم نے جو تعلیم حاصل کی ہے، وہ سب کچھ تمہیں یاد ہے۔ کتاب کی طرح تمہیں اپنا گھر یاد ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ ڈاکٹر نے پوچھا "کیا اپنی ممی دردانہ بیگم کا چہرہ یاد ہے؟"

اس نے پھر انکار میں سر ہلایا۔ ڈاکٹر نے دردانہ اور شہباز کی تصویریں اس کے سامنے پیش کیں، پھر کہا "یہ تمہاری ممی دردانہ بیگم ہیں اور یہ تمہارے ڈیڈی شہباز درانی ہیں اور یہ تمہارا شناختی کارڈ ہے۔"

اس نے اپنا شناختی کارڈ لے کر پڑھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا سلامت پاشا عرف پاشا جانی ولد شہباز درانی۔"

ڈاکٹر نے کہا "ان تصویروں کو دیکھو۔ کیا ان کے لیے اپنائیت محسوس کر رہے ہو؟ تمہارا شناختی کارڈ بھی کہہ رہا ہے کہ تم شہباز درانی کے بیٹے ہو اور شہباز درانی کی وائف دردانہ بیگم تمہاری ممی ہیں۔"

وہ ان تصویروں کو دیکھتے ہوئے بولا "میں سب کچھ بھول چکا ہوں۔ خود کو تنہا محسوس کر رہا تھا۔ ان تصویروں کو دیکھ کر دل میں ایک امنگ پیدا ہوئی ہے کہ میرے اپنے اس دنیا میں موجود ہیں اور یہ میرے ماں باپ ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد دردانہ اور شہباز اس کے کمرے میں آئے۔ دردانہ بیگم اسے دیکھتے ہی پاس آ کر لپٹ گئیں "میرے بچے تمہارا کیا حال ہو گیا تھا۔ میں تمہارے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔ منتیں مانگ رہی تھی اور علاج کرا رہی تھی۔ خدا کا شکر ہے اب تم اٹھنے بیٹھنے کے قابل ہو گئے ہو۔"

شہباز نے اس کی پیشانی کو چوم کر کہا "بیٹے! تم سب کچھ بھول گئے ہو۔ رفتہ رفتہ تمہیں بہت کچھ یاد آ جائے گا۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ تم کتنے رئیس اعظم کے بیٹے ہو اور میری ایک ہی اولاد ہو۔ دردانہ تم اسے البم دکھاؤ۔ اس کی بہت سی تصویریں دیکھ کر شاید اسے کچھ یاد آ جائے۔"

دردانہ نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے ایک بڑی سی البم نکالی پھر اسے کھول کر پہلی تصویر دکھاتے ہوئے کہا "دیکھو یہ اس وقت کی تصویر ہے، جب تم پیدا ہوئے تھے اور میری گود میں آئے تھے۔ اس البم میں ترتیب وار ہر برس کی تصویر ہے۔ دس برس کی عمر میں ہم نے تمہیں تعلیم حاصل کرنے کے لیے لندن بھیج دیا تھا۔ اس کے بعد کوئی تصویر نہیں اتاری گئی۔ جب تم بیس برس کے ہوئے تو اس کے بعد میری تمہاری یہ تصویر ہے۔"

اس تصویر میں پاشا نے خود کو دردانہ بیگم کے ساتھ دیکھا۔ وہ اپنی ماں سے لپٹا ہوا تھا یہ کمپیوٹر کا کمال تھا۔ اسد عزیزی پاشا کے مکان میں گھس کر جو سامان اٹھا کر لایا تھا۔ اس میں پاشا کی البم تھی اور البم میں ایسی بہت سی تصویریں تھیں جس میں وہ اپنی اصل ماں سے لپٹا ہوا تھا۔ اس ماں کی جگہ دردانہ بیگم آ گئی تھیں۔ کسی تصویر میں وہ ٹیکسی چلا رہا تھا۔ ٹیکسی کی جگہ کار آ گئی تھی۔ ایک سالگرہ کی تقریب میں وہ اپنی ممی کے ساتھ تھا کیک کاٹ رہا تھا اور کیک کا ایک پیس اپنی ممی کو کھلا رہا تھا۔

شہباز کے وفاداروں میں ایک ایسا ماتحت تھا جو تحریر کی اور دستخطوں کی کامیابی سے نقالی کیا کرتا تھا۔ دردانہ بیگم نے اس سے پچھلے دو سال کی ڈائریاں لکھوائیں۔ اس نے پاشا کی تحریر میں وہ سب کچھ لکھا جو دردانہ چاہتی تھی۔ اس نے بیگ میں سے وہ ڈائریاں نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا "بیٹے! یہ ڈائریاں تم نے مختلف اوقات میں لکھی ہیں۔ انہیں پڑھتے رہو گے تو شاید تمہیں اپنی پچھلی باتیں یاد آتی رہیں گی۔"

شہباز درانی نے کہا "ڈاکٹر نے ہمیں تاکید کی ہے کہ تم سے زیادہ باتیں نہ کریں اور تمہاری پچھلی زندگی کے بارے میں زیادہ کچھ نہ بولیں۔ اس لیے ہم یہ سب چیزیں لائے ہیں۔ ہم جا رہے ہیں تم انہیں پڑھتے رہو۔ اس کے بعد جب تم ہمیں بلاؤ گے تو ہم چلے آئیں گے۔"

اس نے پوچھا "میں اس وقت کہاں ہوں؟"

"بیٹے! اس وقت تم اپنی ذاتی کوٹھی میں ہو۔ یہ عالی شان محل نما کوٹھی تمہاری ہے۔ تم جب چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤ گے تو خود ہی ہر طرف گھوم پھر کر دیکھو گے۔ بے انتہا دولت اور شان و شوکت دیکھ کر ہماری اولاد ہونے پر فخر کرو گے۔"

دردانہ نے مسکرا کر اس کی پیشانی کو چوما پھر وہ دونوں اس کمرے سے چلے گئے۔ اس کے ہاتھوں میں دو برسوں کی تحریریں تھیں۔ اس نے ایک ڈائری کو کھولا۔ دوسرے لفظوں میں کہنا چاہیے کہ میں اس کی تقدیر کا ایک نیا دروازہ کھول رہا تھا۔ ایک نئی داستان شروع کر رہا تھا۔ اس ٹیکسی ڈرائیور کی زندگی ایک نئی کروٹ لے رہی تھی۔

☆☆☆

پندرہ دن گزر چکے تھے۔ پاشا کی طویل غیر حاضری نے عینی اور عروج کو مایوس کر دیا تھا۔ اس کی گمشدگی یہ سمجھا رہی تھی کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا ہے۔ لیکن ان کا دل نہیں مانتا تھا پھر بھی طرح طرح کے سوالات اندر ہی اندر بھڑکتے رہتے تھے۔

اگر وہ زندہ ہے تو رابطہ کیوں نہیں کر رہا ہے؟ اب تو پندرہ دن گزر چکے ہیں۔ اتنے دنوں میں اسے رابطہ کرنے کا موقع نہیں ملا ہوگا؟

عروج نے کہا "اس کے ساتھ کوئی ایسی مجبوری ہے جو ابھی ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ وہ اچانک ہی ایک دن آئے گا پھر جب آئے گا اور اپنی مجبوریاں بتائے گا تب ہمیں

یقین ہوگا کہ اس کے ساتھ کتنا ظلم ہوتا رہا تھا اور اس نے ہمارے پیار کی خاطر کتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔"

مرنے والوں پر صبر آ جاتا ہے لیکن جو زندہ ہو اور لاپتا ہو جس کے نہ مرنے کی خبر ہو اور نہ جینے کی، اس کے لیے طرح طرح کے اندیشے پیدا ہوتے ہیں لیکن دل میں امید کی کرن بھی جگمگاتی رہتی ہے۔ مرنے والا کبھی واپس نہیں آتا لیکن جینے والے کی آس بندھی رہتی ہے کہ کبھی نہ کبھی وہ ضرور آئے گا اور اچانک آئے گا۔

ساری زندگی کسی کا سوگ منایا نہیں جاتا۔ دنیا داری بھی ضروری ہوتی ہے اس لیے عروج پھر ڈیوٹی پر جانے لگی۔ عینی ہمیشہ کی طرح اس کے ساتھ لگی رہتی تھی۔ جب پاشا اس کی زندگی میں نہیں آیا تھا تب بھی عروج کا ساتھ تھا۔ اب بھی عروج اس کی کل کائنات تھی۔

صرف وہی دونوں بجھی بجھی سی رہتی تھیں۔ ورنہ گھر میں بڑی رونق تھی خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ کیونکہ میں نے پندرہ دنوں کے اندر آنے کا وعدہ کیا تھا پھر دو روز پہلے فون پر کہا تھا کہ میں آ رہا ہوں لیکن وقت اور دن نہیں بتا سکتا کیونکہ بہت مصروف ہوں۔ میری اس اطلاع کے بعد اس گھر میں ہر روز عید کا سماں تھا اور ہر رات رت جگا ہوتا تھا۔ منصوبے بنتے رہتے تھے کہ کس طرح مجھے اپنی اپنی طرف مائل کیا جا سکے گا۔

نمرہ وہاں آ چکی تھی۔ اس کے آتے ہی بیگم آفتاب اور فلک آفتاب اس کے ساتھ ایک کمرے میں بند ہو گئے تھے۔ نمرہ نے حیرانی سے پوچھا "ڈیڈی آپ دروازہ اندر سے کیوں بند کر رہے ہیں؟"

ممی نے کہا "بیٹی ابھی ہم نہیں چاہتے کہ تم اپنی پھوپی فلک ناز سے ملو۔ وہ پتا نہیں، کیا الٹی پٹی پڑھا دے گی۔ وہ تو کم بخت اپنی بیٹی آسرا کے لیے راستہ ہموار کر رہی ہے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "کیسا راستہ ہموار کر رہی ہے۔ آخر بات کیا ہے؟"

"بات کہنے کے لیے ہی ہم نے دروازے کو اندر سے بند کیا ہے۔ کتنی بار تم سے فون پر رابطہ کرنا چاہا لیکن تم پہاڑی علاقوں کی طرف گئی ہوئی تھیں۔ کیا تمہاری نانی نے ہمارا کوئی پیغام نہیں دیا تھا؟"

"جب میں لاہور واپس آئی تو انہوں نے صرف اتنا ہی کہا کہ آپ نے مجھے کئی بار فون کیا ہے۔ آپ مجھ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔"

باپ نے پوچھا "تو پھر تم نے ہم سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟"

"میں ایک سہیلی کی شادی میں مصروف ہو گئی تھی۔ شادی کی تقریبات ختم ہونے کے بعد آج ہی یہاں ہوں۔"

ماں نے کہا "تمہیں سہیلیوں کی شادی میں ناچنے گا بہت شوق ہے۔ اپنی شادی کی فکر نہیں ہے؟"

"اوہ ممی! ہمارے خاندان میں تو بس یہی رہتا جہاں لڑکیاں جوان ہوئیں۔ ماں باپ ان کے پیچھے پڑ جا ہیں۔ شادی کرو۔ شادی کرو۔ میں تو نہیں کروں گی۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟ شادی کیوں نہیں کرو گی؟ جا ہو، تمہاری عینی کا ایک سوتیلا بھائی بھی ہے۔"

"میں بچپن سے جانتی ہوں وہ سوتیلا بھائی جواد ہے۔"

"وہ تو مر چکا ہے۔ میں اس کی نہیں ایک اور بھائی بات کر رہی ہوں۔ تمہارے چچا فلک سکندر حیات نے چھ کر ایک شادی کی تھی۔ ان سے ایک بیٹا ہوا تھا۔ آج وہ جوان ہو گیا ہے۔ اپنے باپ کا کاروبار سنبھال رہا کروڑوں کی دولت اور جائیداد کا تنہا وارث ہے۔ عینی تو یونہی ہے۔"

"ارے واہ! پہلے تو آپ عینی کو بہو بنانے کے لیے پاؤں پر کھڑی ہوئی تھیں اور اس کے گن گاتی تھیں۔ اب رہی ہیں کہ وہ یونہی ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "بیٹی تمہارے چچا نے عینی کو اچھی خاصی دولت اور جائیداد دی ہے لیکن مقدر حیات کی با ہی کچھ اور ہے۔"

وہ میرا نام سنتے ہی چونک گئی۔ ایک دم سے میں اس نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

میں نے مسکرا کر کہا "میری جان! مجھ سے کتنی دور گی؟ میں تمہارا مقدر ہوں۔ تمہاری حیات کی دہلیز پر آ ہوں۔"

ماں نے پوچھا "کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ چونک کر بولی "یہ صاحب کون ہیں؟"

"تمہارے مرحوم چچا کا بیٹا ہے۔ عینی کا سوتیلا بھائی بس یوں سمجھو کہ وہ تمام دولت و جائیداد اور تمام کاروبار سیاہ اور سفید کا مالک ہے۔"

"ہم نے اسے تمہارا فون نمبر دیا تھا۔ تمہارا پتا دیا تھا لیکن تم تو پہاڑی علاقوں میں چلی گئی تھیں۔ وہاں بھی جا کر فو بند رکھا تھا۔ اس بے چارے نے تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہوں گی۔ آخر تمہارا بچپنا کب جائے گا؟"

بیگم آفتاب نے کہا "اس نے فون پر مجھ سے باتیں

تھیں۔ وہ تم سے بڑی دلچسپی ظاہر کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا، تم سے فون پر باتیں کرے گا۔ تم سے ملاقات کرے گا پھر تم سے شادی کرے گا۔"

میں پھر نمرہ کے سامنے آ گیا۔ مسکرا کر بولا "اور دیکھ لو کہ میں نے تم سے فون پر بھی گفتگو کی تم سے ملاقاتیں بھی کیں۔ تمہیں سر سے پاؤں تک دیکھ بھی لیا۔ کہو کیسی رہی؟"

ماں نے پوچھا "تم ادھر گلدان کو کیا تک رہی ہو؟"

وہ پھر چونک کر بولی "وہ پہاڑی علاقے میں آیا تھا۔ اس نے فون پر بات کی تھی۔ مجھ سے ملاقات کی تھی۔ میں نہیں جانتی یہ وہی ہے یا نہیں؟ لیکن اس کا نام بھی مقدر حیات تھا۔"

ماں نے خوش ہو کر اس کے بازو کو تھام کر پوچھا "سچ کہہ رہی ہو؟ تم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا ہے؟ باتیں کی ہیں؟"

"ہاں مگر میں یہ نہیں جانتی کہ وہی میرے مرحوم چچا کا بیٹا تھا یا نہیں؟"

وہ خوشی سے اٹھ کر بولی "بیٹی پھر تو وہی ہوگا۔ ٹھہرو میں اس کی تصویر دکھاتی ہوں۔ اخلاق احمد نے اس کی ایک ایک تصویر مجھے اور فلک ناز کو دی ہے۔"

وہ الماری کے پاس گئی اور ایک تصویر لے کر آئی اسے نمرہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ ہے ہمارا مقدر......"

وہ میری تصویر دیکھتے ہی چونک گئی۔ میں پھر اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ اس کی طرف جھک کر کان میں بولا "شادی سے پہلے تصویر دکھائی جاتی ہے بول میری بنو! یہ البیلا چھیل چھبیلا کیسا ہے؟"

وہ میری تصویر کو ماں کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے بولی "میں ایک اندھے سے شادی نہیں کروں گی۔"

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے حیرانی سے بیک وقت پوچھا "اندھا......؟"

"ہاں یہ اندھا ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "بیٹی یہ کیا کہہ رہی ہو؟ وکیل اخلاق احمد نے کبھی ہم سے اس کے اندھے پن کا ذکر نہیں کیا۔ تمہیں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"ڈیڈی! میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

اس نے روانی میں کہہ دیا "یہ پہلے اندھا نہیں تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ہو گیا۔"

"کیا......؟" ماں باپ نے اسے حیرانی اور بے یقینی سے دیکھا پھر ماں نے ناگواری سے کہا "یہ کیا بکواس کر رہی ہو۔ یہ تمہیں دیکھتے ہی کیسے اندھا ہو گیا؟"

یکبارگی اس کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر آ گیا۔ جب اس سے پہلی بار سامنا ہوا تھا اور وہ تولیہ لپیٹے باتھ روم سے باہر آ رہی تھی۔

ماں نے پوچھا "یہ بار بار تم گلدان کی طرف کیوں دیکھنے لگتی ہو؟"

اس نے چونک کر ماں کو دیکھا پھر جھینپ گئی۔ اب وہ کیسے کہہ سکتی تھی کہ میں نے ایسا کیا دیکھ لیا تھا جو دیکھتے ہی اندھا ہو گیا تھا۔

باپ نے پوچھا "کیا تم ابنارمل ہو گئی ہو؟ کیسی بچکانہ باتیں کر رہی ہو؟ وہ تمہیں دیکھتے ہی بھلا اندھا کیسے ہو جائے گا؟"

ماں نے کہا "کوئی سنے گا تو کیا کہے گا کہ لڑکی منحوس ہے۔ اس سے شادی کے خواہش مند اسے دیکھتے ہی اندھے ہو جاتے ہیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ منہ پھیر کر بولی "میں کچھ نہیں جانتی لیکن یہ سچ ہے کہ یہ اندھا ہو چکا ہے۔ اپنے علاج کے لیے اسلام آباد گیا تھا۔ وہاں ایک بار اس سے فون پر رابطہ ہوا۔ اس کے بعد وہ پھر کہیں گم ہو گیا۔ میں نے کئی بار اس سے فون پر رابطہ کرنے کی کوششیں کیں لیکن اس کا موبائل ہمیشہ بند رہتا تھا۔ اس طرح میں نے سمجھ لیا کہ اس کی آنکھوں کا علاج نہیں ہو رہا ہے اور وہ مستقل اندھا ہو چکا ہے۔"

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر فلک آفتاب نے کہا "میں یقین نہیں کر سکتا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وکیل اخلاق احمد ہمیں ضرور اس سانحے کی اطلاع دیتے یہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے کہ اخلاق احمد صاحب ہم سے یہ بات چھپانا چاہیں گے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "آپ اپنا فون مجھے دیں۔ میں ابھی وکیل صاحب سے بات کرتی ہوں۔"

اس نے فون لے کر نمبر ملائے پھر اسے کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے ٹیپ چل رہا تھا ایک خاتون کی آواز سنائی دے رہی تھی "آپ کے مطلوبہ نمبر سے فی الحال رابطہ نہیں ہو رہا ہے آپ کچھ دیر بعد کوشش کریں!"

وہ جھنجلا کر بولی "رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ پتا نہیں وکیل صاحب کہاں مر گئے ہیں؟"

پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی بیٹی کے سامنے آ کر بولی "کیا منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی ہو۔ اگر وہ اندھا ہوا تو کیا ہوا؟ یہ دیکھو کہ وہ کس قدر دولت مند ہے ساری زندگی نوٹ گنتی رہو گی۔ تب بھی دولت ختم نہیں ہو گی۔"

''سوری ممی! اگر مجھے نوٹ گننے کا شوق ہوگا تو میں کسی بینک میں ملازمت کرلوں گی لیکن کسی اندھے سے شادی نہیں کروں گی۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی دروازے کے پاس گئی پھر اسے کھول کر کہا''میں سفر سے تھک کر آئی ہوں۔ نہا کر فریش ہونا چاہتی ہوں۔ پلیز مجھے تنہا چھوڑ دیں۔''

ماں نے جاتے ہوئے کہا۔''ایک گھنٹے کے اندر باہر آ جانا۔ ہم لنچ کے لیے انتظار کریں گے۔''

وہ دونوں باہر گئے۔ نمرہ نے دروازے کو اندر سے بند کرلیا پھر الماری سے ایک جوڑا نکال کر اسے بیڈ پر رکھا اور تولیہ لے کر باتھ روم کی طرف جانے لگی۔ ایسے ہی وقت ٹھٹک گئی۔ رک گئی۔ باتھ روم کے دروازے پر میں کھڑا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے مسکرا کر پوچھا''کیا ایک اندھے کی لاٹھی نہیں بنو گی؟''

وہ سحر زدہ سی ہوکر مجھے دیکھنے لگی۔ میں اس کے دل کا حال جانتا ہوں۔ وہ مجھ سے متاثر ہوگئی تھی۔ اس کے لاشعور میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ ہر شریف زادی کی زندگی میں صرف ایک ہی شخص آتا ہے جو اسے تنہائی میں دیکھتا ہے اور جب وہ دیکھ لیتا ہے تو پھر کسی دوسرے کو یہ حق نہیں دیا جاتا اور نہ ہی یہ حق وہ کسی کو دے گی۔

میں نے پوچھا''پھر میرے اندھے پن کا کیا بنے گا؟''

وہ بڑے پیار سے کھل کر بولی''کس نے کہا تھا دیکھنے کو؟ اچھا ہوا اندھے ہوگئے۔ کیوں میرے خیالوں میں آتے ہو اور مجھے اپنی طرف کھینچتے رہتے ہو۔ جاؤ یہاں سے۔ میں غسل کرنے جارہی ہوں۔''

اس نے تولیہ پھینک کر مجھے مارا۔ میں نے اسے کیچ کرتے ہوئے تولیے کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا''اس کا بھی کیا مقدر ہے۔ غسل کرنے کے بعد یہ تم سے لپٹ پڑے گا۔''

وہ گھور کر بولی''تم جاتے ہو یا نہیں؟''

تولیہ فرش پر گر پڑا۔ میں وہاں نہیں تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر تولیہ کو اٹھایا پھر باتھ روم میں جا کر دروازہ اندر سے بند کرلیا۔

وہ ایک گھنٹے بعد تازہ دم ہوکر کمرے سے نکلی پھر سیدھی عینی اور عروج کے پاس پہنچی۔ عینی کو دیکھتے ہی اس کے گلے لگ کر کہا''مجھے تمہاری ٹریجڈی کا علم ہے۔ ایک تو شادی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ دوسرے یہ کہ دولہا اب تک لاپتا ہے۔ یہ تمہارے ساتھ کیا ہورہا ہے عینی؟''

وہ نمرہ اور آسرا سب ہی بہنیں سہیلیوں کی طرح میل محبت سے رہتی تھیں۔ نمرہ کے گلے لگتے ہی اسے رونا آ گیا۔ وہ روتے ہوئے بولی''میں کیا بتاؤں۔ کوئی بندہ مارے تو اس کا ہاتھ پکڑا جا سکتا ہے لیکن مقدر مارتا رہے تو کوئی اسے روک نہیں پاتا۔''

''کچھ تو معلوم ہونا چاہیے عینی کہ وہ کہاں گم ہوگیا ہے؟ ہمارے بھائی جان بہت بڑے پولیس افسر ہیں۔ میں نے سنا ہے وہ بھی اس کا سراغ لگانے میں ناکام ہورہے ہیں۔''

وہ عینی سے الگ ہوکر عروج کے گلے لگ گئی۔ عروج نے کہا''ہمارا تو یہ حال ہے کہ صبح نکلتی ہیں اور شام کو واپس آنے تک تمام راستے اسے ڈھونڈتی رہتی ہیں۔ سڑکوں کے کنارے، بازاروں میں اور تفریح گاہوں میں جہاں جاتی ہیں۔ ہماری نگاہیں اسی کو تلاش کرتی رہتی ہیں۔''

عینی نے کہا''بھائی جان اور ان کی پولیس تھک ہار گئی ہے۔ ہمارے پاس لے دے کے دعائیں رہ گئی ہیں۔ ہم دعائیں مانگتی رہتی ہیں کہ وہ زندہ سلامت رہے۔''

نمرہ نے کہا''میں بھی دل سے دعائیں مانگتی رہوں گی۔ اب یہاں سے چلو کھانے کا وقت ہوگیا ہے۔''

عینی نے کہا''میں ابھی نہیں کھاؤں گی۔''

''یہ تو ہو نہیں سکتا۔ میں اتنے عرصے بعد یہاں آئی ہوں اور تم میرے ساتھ نہیں کھاؤ گی؟''

عینی اور عروج نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا پھر عروج نے کہا''گھر والوں کو اس بات کی بالکل پروا نہیں ہے کہ عینی کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ ہم یہ نہیں چاہتیں کہ پاشا کی گمشدگی کا سوگ منایا جائے۔ ہمیں کسی کو فکر اور پریشانی میں مبتلا کرنا گوارا نہیں ہے لیکن یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ یہاں قہقہے لگائے جائیں اور خوشیاں منائی جائیں۔''

عینی نے کہا''میرے ایک بھائی مقدر حیات ہیں۔ ان کے بارے میں تمہیں معلوم ہو چکا ہوگا۔''

نمرہ نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ عینی نے کہا''وہ آج کل میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔ ان کے استقبال کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ یہاں سب کا ہر دن عید کی طرح اور رات شب برات کی طرح گزرتی ہے۔ پتا نہیں یہ کب سوتے ہیں کب جاگتے ہیں۔''

عروج نے کہا''پاشا کے گم ہوتے ہی یہاں سب کو توقع تھی کہ عینی عدنان کی طرف یا بابر کی طرف مائل ہو جائے گی لیکن اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ ساری زندگی پاشا کا انتظار کرتی رہے گی۔''

عینی نے کہا''میرے اس فیصلے نے ان سب کو مایوس کردیا ہے۔ اب وہ جیسے مجھ سے انتقام لے رہی ہیں۔ میں یہاں صدمات سے دوچار ہورہی ہوں اور وہاں وہ سب خوشیاں منارہے ہیں۔''

نمرہ نے سر جھکا کر کہا''بڑے افسوس کی بات ہے۔ ہمارے بزرگ بہت ہی بچکانہ حرکتیں کرتے ہیں۔ پہلے تو وہ سب تمہارے آگے پیچھے گھومتے رہتے تھے۔ تمہاری خوشامدیں کرتے رہتے تھے۔ ٹکا سا جواب ملنے پر انہوں نے یہ رویہ اختیار کیا ہے۔ میں ممی اور ڈیڈی سے بات کروں گی۔''

عینی نے اسے تھپکتے ہوئے کہا''نہیں نمرہ! اپنے بزرگوں سے کوئی گستاخی نہ کرنا۔ تم بہت دنوں بعد آئی ہو.... ان سے اچھی طرح ہنستی بولتی رہو۔ میرے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ میرے بھائی جان مجھ سے بے حد محبت کرتے ہیں اور میرے دکھ میں برابر کے شریک رہتے ہیں۔''

نمرہ نے کہا''ہمارے خاندان میں لوگ لالچی ہیں۔ بغض اور کینہ رکھنے والے افراد ہیں لیکن محبت کرنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ تمہیں بھائی جان دل و جان سے چاہتے ہیں۔ میں جانتی ہوں عروج کی چاہت تمہارے لیے بے مثال ہے اور آسرا ابھی یہاں پہنچنے والی ہے۔ تم یہاں تنہا نہیں رہو گی۔ ہم سب کی محبتیں تمہارے ساتھ رہیں گی۔''

عروج نے مسکرا کر کہا''تم اسما بھابی کو بھول رہی ہو۔ وہ گرچہ ہماری بھابی ہیں لیکن عینی کو اور مجھ کو ایک ماں کی طرح چاہتی ہیں۔''

نمرہ نے کہا''ہماری بھابی جان تو بہت ہی اچھی ہیں۔ اچھا اب کھانے کے لیے چلو۔''

عینی نے کہا''یہاں دو گھریلو سیاسی پارٹیاں بن گئی ہیں۔ ایک پارٹی تمہارے والدین کی اور پھوپی جان کی ہے اور دوسری پارٹی میں ہم ہیں بھائی جان اور اسما بھابی ہیں۔ ابھی بھائی جان کھانا لے کر کمرے میں آئیں گی پھر ہم ان کے اور بھائی جان کے ساتھ مل کر یہیں کھائیں گے۔''

''پھر تو میں بھی یہاں تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گی۔''

عروج نے کہا''نہیں نمرہ تم بہت دنوں بعد آئی ہو۔ ابھی اپنے والدین کے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ۔ آج رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھالینا۔''

دروازے پر دستک ہوئی پھر کچھ کہنے سے پہلے ہی اسما نے دروازہ کھول کر جھانکتے ہوئے کہا''کھانا تیار ہے چلی آؤ۔''

پھر اس نے نمرہ کو دیکھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا''ہائے نمرہ! تم تو آتے ہی اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھیں۔ میں تم سے ملنے گئی تو پتا چلا فی الحال تم سے ملنے پر پابندی ہے۔''

نمرہ نے ہنستے ہوئے اس سے لپٹ کر اسے پیار کیا پھر کہا ''آپ تو یہاں کی سیاست جانتی ہیں۔ عینی کی طرف سے سب کا دل ہٹ گیا ہے۔ سب کو احساس ہوگیا ہے کہ کوئی اسے بہو نہیں بنا سکے گا۔ اس لیے اب مقدر حیات پر جال پھینکا جارہا ہے۔ ایک جال تو میں ہوں دوسری آسرا آنے والی ہے۔''

اسما نے کہا''ہمارے گھر میں ایک تماشا ختم ہوتا ہے تو دوسرا شروع ہوجاتا ہے۔ فی الحال تم نیچے جاؤ۔ کھانے پر تمہارا انتظار ہورہا ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ جارہی ہوں، لیکن جلد ہی واپس آؤں گی۔''

وہ کمرے سے باہر آئی۔ دوسرے کمرے سے ذیشان باہر آرہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی چہک کر بولا''ارے آ گئی میری گڑیا......!''

اس نے دونوں بازو پھیلائے۔ نمرہ دوڑتی ہوئی جا کر اس کے بازوؤں میں سما گئی پھر ایک ہاتھ سے اسے مارتے ہوئے بولی''میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔''

''کیوں بھئی! ناراضگی کیوں ہے؟''

''آپ عینی کی صورت دیکھتے ہیں؟ کیسی بجھ گئی ہے؟ معلوم ہوتا ہے خون کے آنسو روتی رہتی ہے۔ آپ اتنے بڑے افسر ہیں اس کے لیے کیا کررہے ہیں؟''

''کیا کروں میری بہن؟ سمجھ میں نہیں آتا پاشا کو زمین نگل گئی ہے یا آسمان کھا گیا ہے طرح طرح کے اندیشے پیدا ہوتے ہیں لیکن عینی کی محبت عزم اور حوصلہ کہتا ہے کہ وہ جہاں بھی ہے زندہ سلامت ہے۔''

''اب تو اس بے چاری کے پاس دعاؤں کے سوا کچھ نہیں رہا ہے۔''

''دعاؤں میں سب سے زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ ہم بھی اس کے لیے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو ہم سب کی دعائیں قبول ہوں گی۔''

نیچے ڈرائنگ روم سے بیگم آفتاب کی آواز سنائی دی ''نمرہ کہاں ہو۔ اب آ بھی جاؤ۔''

ذیشان نے کہا''جاؤ پہلے کچھ کھالو پھر باتیں ہوں گی۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی سیڑھیاں اترتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی پھر وہاں سے ڈائننگ روم میں پہنچی۔ کھانے کی میز کے اطراف بیگم آفتاب، فلک آفتاب، فلک ناز، بابر اور عدنان بیٹھے ہوئے تھے۔ نمرہ نے اپنی پھوپی ناز، عدنان اور

بابر سے سلام دعا کی اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گئی پھر ان کے ساتھ کھانے لگی۔ بیگم آفتاب نے پوچھا ''اوپر اتنی دیر کیا کررہی تھیں؟''

وہ بولی ''کیا مجھے یہاں آکر کہیں آنے جانے کا اور کسی سے ملنے کا حساب دینا ہوگا؟''

فلک آفتاب نے کہا ''یہ بات نہیں ہے بیٹی! تم یہاں کے حالات نہیں سمجھ رہی ہو۔ عینی کے تیور بدل چکے ہیں۔ وہ ہماری عزت نہیں کررہی ہے پھر بھی ہم بزرگ ہیں۔ اسے بچی سمجھ کر نظر انداز کررہے ہیں لیکن یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے بچے اس کے پاس جائیں اور اس کے ساتھ پاشا کی گمشدگی کا سوگ منائیں۔''

وہ بولی ''بھائی جان اور بھابی جان اس کے ساتھ ہیں لیکن اس کے ساتھ سوگ نہیں منا رہے ہیں۔ بلکہ اس کی دلجوئی کررہے ہیں۔''

پھر وہ بابر کو دیکھ کر بولی ''بابر بھائی! کیا آپ بھی گھریلو سیاست میں حصہ لے رہے ہیں؟''

وہ بولا ''ہرگز نہیں۔ میں کسی کا حمایتی نہیں ہوں اور نہ کسی کا مخالف ہوں۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ میں بھابی جان سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ میں ابھی کھانے کے بعد ان کے پاس جاؤں گا اور جب ان کے پاس جاؤں گا تو عینی سے بھی ملوں گا۔''

نمرہ نے عدنان سے پوچھا ''تم کیا کہتے ہو؟''

وہ بولا ''میری مما جو کہتی ہیں میں وہی کرتا ہوں۔''

اس نے پوچھا ''پھوپی جان! آپ کیا کہتی ہیں؟''

''کہنا کیا ہے؟ عینی تو دن بدن ضدی اور خود سر ہوتی جارہی ہے۔ خاندان سے باہر ایک ٹیکسی ڈرائیور کو پسند کیا۔ وہ ہمارے خاندان کا نہیں تھا۔ نہایت ہی نچلی سطح کا انسان تھا۔ دیکھ لو کہ کس طرح شادی کے موقع پر دھوکا دے کر چلا گیا۔ آج پندرہ دن ہو چکے ہیں۔ کیا کوئی اتنی دیر تک کہیں گم رہتا ہے؟ یا تو مر جاتا ہے یا کہیں فرار ہو جاتا ہے، یا منہ چھپا لیتا ہے۔ یہ بات عینی کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ وہ اس کے پیچھے دیوانی ہوگئی ہے اور اسے دیوانی بنانے والی عروج ہے۔ اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر ہمارے گھر میں گھسی رہتی ہے۔''

''یہ آپ کا گھر تو نہیں ہے پھوپی جان!''

وہ تڑخ کر بولی ''تو کیا تمہارا گھر ہے؟ تمہارے باپ کا گھر ہے؟''

فلک آفتاب نے گرج کر کہا ''یوشٹ اپ! اپنی حد میں رہو۔ یہ کیا بکواس کررہی ہو؟ اگرچہ یہ میرا گھر نہیں ہے لیکن میں اپنے مرحوم بھائی کی وصیت کے مطابق عینی کا سرپرست بن کر یہاں رہتا ہوں۔ تم کس حیثیت سے رہتی ہو جبکہ اسی شہر میں تمہاری اپنی کوٹھی ہے؟''

وہ تڑخ کر بولی ''آپ کتنی دیانت داری سے سرپرست بنے ہوئے ہیں، یہ دکھائی دے رہا ہے۔ عینی کی چھت کے نیچے رہتے ہیں۔ اس کا کھاتے ہیں اور اسی کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہاں مقدر حیات آنے والا ہے۔ اسے داماد بنانے کے خواب دیکھے جارہے ہیں۔ عینی سے اس لیے بیزاری ہے کہ اس نے آپ کے بیٹے بابر کی دلہن بننے سے انکار کردیا ہے۔''

بابر نے ناگواری سے کہا ''وہ آپ کے بیٹے عدنان کی دلہن بننے سے بھی انکار کرچکی ہے اور یہ تو سب جانتے ہیں میں نے کبھی عینی میں دلچسپی نہیں لی۔ آپ کا بیٹا تو دن رات اس کے خواب دیکھتا رہتا ہے۔''

فلک ناز نے گھور کر اسے دیکھا پھر کہا ''بابر! جب بزرگ آپس میں بول رہے ہوں تو بچوں کو نہیں بولنا چاہیے۔ چپ چاپ کھاتے رہو۔''

ایک ملازم نے آکر کہا ''آسرا بی بی آئی ہیں۔''

فلک ناز ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ نمرہ بھی خوش ہو کر اٹھتے ہوئے بولی ''ہائے! آسرا آگئی......''

فلک ناز نے کہا ''تم بیٹھو نمرہ پہلے میں اس سے ملتی ہوں۔ میرا مطلب ہے میں اسے یہاں لے کر آتی ہوں۔ کھانا چھوڑ کر مت جاؤ۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ڈائننگ روم سے باہر چلی گئی۔ بیگم آفتاب نے مسکرا کر کہا ''ہم نے آتے ہی تمہیں کمرے میں بند کیا تھا اور ضروری باتیں کی تھیں۔ وہ بھی کرے گی آسرا کو لے جا کر کمرے میں بند کردے گی اور داماد کے سلسلے میں کھچڑی پکاتی رہے گی۔''

عدنان نے کہا ''میری مما بہت اچھی کھچڑی پکاتی ہیں۔ میں جب بھی فرمائش کرتا ہوں۔ مجھے پکا کر کھلاتی ہیں۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''برخوردار یہ کھچڑی تمہاری مما نہیں پکا سکیں گی اور نہ ہی میں پکانے دوں گی۔''

نمرہ نے کہا ''ممی! آپ بھی نہیں پکا سکیں گی میں ... ہوں۔ وہ اندھا ہے اور میں کسی اندھے سے شادی نہیں کروں گی۔''

بابر نے چونک کر پوچھا ''کیا......؟ کون ہے......؟''

بیگم آفتاب نے کہا ''یہ تمہاری بہن مقدر حیات کہہ رہی ہے۔ اس کا دماغ چل گیا ہے۔''

''واہ ممی واہ! میں نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا ہے اور آپ نے اسے نہیں دیکھا ہے لیکن آپ دیکھنے والی کو جھوٹی سمجھ رہی ہیں۔''

بیگم آفتاب نے سخت لہجے میں کہا ''وہ اندھا ہے تو کیا ہوا؟ میں اسے اپنا داماد بناؤں گی اور تم انکار نہیں کروگی۔''

نمرہ وہاں سے اٹھنا چاہتی تھی۔ فلک آفتاب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا ''نہیں بیٹی! کھانا چھوڑ کر نہیں اٹھنا چاہیے۔''

پھر اس نے بیگم کو ڈانٹ کر کہا ''کھاتے وقت تو خاموش رہا کرو۔ کیا تم ضد اور غصے سے اپنی بات منوا سکو گی؟ یہاں بیٹھ کر چپ چاپ کھاؤ اس کے بعد وکیل اخلاق احمد سے رابطہ کیا جائے گا۔ اسے بتانا ہوگا کہ وہ مقدر حیات کا ایک عیب ہم سے کیوں چھپا رہا ہے؟''

فلک ناز ڈائننگ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں پہنچی تو آسرا اندر آرہی تھی۔ اس کے پیچھے ملازم سامان اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ اپنی بیٹی کو چوم کر بولی ''سیدھی میرے ساتھ کمرے میں چلو۔ بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

پھر وہ ملازم سے بولی ''یہ سامان آسرا بی بی کے کمرے میں رکھو۔''

پھر وہ آسرا کو لے کر اپنے کمرے میں آئی۔ دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے بولی ''یہ بھابی جان خود کو بہت چالاک سمجھتی ہیں۔ نمرہ یہاں آئی تو سیدھے اپنے کمرے میں لے گئیں۔ مجھ سے ملنے بھی نہیں دیا۔ ان کا خیال ہے میں نمرہ کو مقدر حیات کے خلاف بھڑکاؤں گی اور تمہارے لیے راستہ ہموار کروں گی۔ بہت ہی چھوٹے خیال کی ہیں بھابی جان۔ تم یہاں بیٹھو۔''

''کیا بیٹھوں ممی......؟ آپ سیدھی مجھے یہاں لے آئی ہیں۔ میں سفر سے تھکی ہوئی آئی ہوں۔ شاور لینا چاہتی ہوں فریش ہونا چاہتی ہوں۔ پلیز آپ جائیں۔''

''میں ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''ضروری باتیں میرے فریش ہونے کے بعد بھی تو ہوسکتی ہیں۔ میں کہیں بھاگی تو نہیں جارہی ہوں۔ اور آپ کیا باتیں کریں گی یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس لیے پہلے سے کہہ دوں مقدر حیات مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔''

وہ غصے سے بولی ''کیا......؟ تمہارا تو دماغ چل گیا ہے۔ لڑکیاں اچھے رشتوں کے لیے گھر بیٹھی رہ جاتی ہیں یہاں وہ رشتہ خود چل کر ہمارے پاس آرہا ہے۔ اس کے پاس اتنی دولت ہے کہ تم گنتے گنتے گنتی بھول جاؤ گی۔''

''سوری مجھے دولت نہیں چاہیے۔ مجھے عزت آبرو سے تین وقت کی روٹیاں کھلانے والا اور مستقبل کو تحفظ دینے والا جیون ساتھی مل گیا ہے۔ بس میں یہی چاہتی ہوں اور وہ مقدر حیات؟ کیا آپ نے اسے دیکھا ہے۔ اگر نہیں دیکھا ہے تو پلیز مت دیکھیے اُلٹی ہو جائے گی۔''

''کیا الٹی سیدھی باتیں کررہی ہو۔ وہ خوب رو اور اسمارٹ نوجوان ہے۔ اس کے پیچھے تو لڑکیاں پاگل ہو جاتی ہوں گی اور تم اس کی برائیاں کررہی ہو۔ میں ابھی اس کی تصویر دکھاتی ہوں۔''

وہ الماری کی طرف جانے لگی۔ آسرا نے اسے روک کر کہا ''پلیز اس کی تصویر دکھا کر میرا موڈ خراب نہ کریں۔ میں اسے اپنی سالگرہ کی تقریب میں دیکھ چکی ہوں۔ اس کے بعد دیکھنا نہیں چاہتی۔''

وہ ناگواری سے بولی ''بیٹی! کیا تمہاری نظریں کمزور ہوگئی ہیں۔ تم اچھے بھلے آدمی کو برا بھلا کیوں کہہ رہی ہو۔ وہ آج یا کل کسی وقت پہنچنے والا ہے اور تم ابھی سے اس کی توہین کررہی ہو۔''

''اگر وہ آرہا ہے تو اچھا ہے اسے آنے دیں لیکن وعدہ کریں اس کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کریں گی۔''

''اچھی بات ہے، تم بھی وعدہ کرو کہ اس کے سامنے نفرت اور بیزاری ظاہر نہیں کروگی۔''

''آل رائٹ! میں وعدہ کرتی ہوں۔ پلیز اب مجھے جانے دیں۔''

وہ دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ اپنے کمرے میں جانے کے لیے ڈرائنگ روم سے گزرنے لگی۔ ادھر سے نمرہ ڈائننگ روم سے باہر آگئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ آسرا نے کہا ''ہائے نمرہ تم ڈائننگ روم میں تھیں، کھانا ٹھونس رہی تھیں؟''

نمرہ نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا ''اور تم کہاں بھٹک رہی ہو۔ تمہاری ممی نے تمہیں اتنی جلدی چھوڑ دیا۔ میں تو پورے دو گھنٹے قید رہی تھی۔''

دونوں ہنسنے لگیں۔ آسرا نے کہا ''اب سے دو ہفتے پہلے مجھے مقدر حیات کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ ایک صاحب ہمارے خاندان میں شادی کرنے کے لیے آرہے ہیں۔ وہ ہم میں سے کسی لڑکی کو پسند کریں گے۔ میں نے کئی بار تم سے فون پر رابطہ کرنا چاہا مگر تمہارا موبائل مسلسل بند تھا۔''

''وہ اس لیے بند تھا کہ میں پہاڑی علاقے میں تھی اور وہاں موبائل کام نہیں کررہا تھا۔''

وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی ایک صوفے پر آکر بیٹھ

گئیں۔ نمرہ نے کہا ’’ہمارے بزرگ مقدر حیات کو اپنا اپنا داماد بنانے کے لیے ہمارے درمیان اختلافات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

آسرا نے کہا ’’نہ تو میں گئی گزری ہوں اور نہ کسی جیون ساتھی کے لیے باؤلی ہورہی ہوں۔ ہمارے درمیان کبھی اختلافات پیدا نہیں ہوں گے۔ ویسے میں ابھی سے کہہ دوں، مقدر حیات مجھے بالکل پسند نہیں ہے اور شاید تو بھی دیکھے تو اسے ناپسند کردے ’’ہائی داوے، کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟‘‘

نمرہ نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ وہ یہ نہیں کہنا چاہتی تھی کہ اسے دیکھ چکی ہے اور کن حالات میں ان دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے بات بدلتے ہوئے کہا ’’تو یہ بتا کہ تجھے مقدر حیات کیوں پسند نہیں ہے؟‘‘

آسرا نے ایک گہری سانس لی پھر کہا ’’میں کیا کروں، یہ دل بڑا بے ایمان ہے۔ اُسے دیکھتے ہی مجھے بھول گیا ہے اور اس کا ہوگیا ہے۔‘‘

نمرہ نے مسکرا کر پوچھا ’’ہائے! وہ کون خوش نصیب ہے؟‘‘

وہ بولی ’’میری خوش نصیبی تو اس وقت ہوگی، جب مجھے اس کے دل کا حال معلوم ہوگا۔‘‘

پھر وہ ایک دم سے اداس ہوگئی۔ سر جھکا کر بولی ’’میں اس کے بارے میں سوچتی ہوں تو ہواؤں میں اڑنے لگتی ہوں پھر زمین پر آگرتی ہوں۔ مجھے اپنی بدنصیبی کا علم ہو چکا ہے۔‘‘

نمرہ نے اسے غور سے دیکھا پھر پوچھا ’’یہ تم اچانک اتنی سنجیدہ کیوں ہوگئی ہو اور خود کو بدنصیب کیوں کہہ رہی ہو؟‘‘

اس نے اپنی ایک ہتھیلی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ’’دیکھو ہتھیلی کے اس کنارے پر شادی کی لکیر ہوتی ہے اور میرے ہاتھ میں یہ لکیر نہیں ہے بہت ہی مٹی مٹی سی ہے اور اس پر کراس کا نشان ہے۔ یعنی یہ لکیر کٹی ہوئی ہے۔ میری شادی کبھی نہیں ہوسکے گی۔‘‘

نمرہ اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی ’’یہ تم نجومی کب سے بن گئی ہو؟‘‘

’’میں نجومی نہیں ہوں لیکن ایک بہت ہی پہنچے ہوئے نجومی نے مجھے یہ بتایا ہے۔‘‘

’’نجومی تو اُلٹی سیدھی ہانکتے رہتے ہیں۔‘‘

’’نہیں نمرہ! وہ ایسا نہیں تھا۔ اس نے انکل وحید اکبر کے بارے میں بڑی سچی باتیں بتائی ہیں اور بڑے عین وقت پر بتائی ہیں۔ اگر وہ نہ سنبھلتے تو ان کا پورا کاروبار ڈوب چکا ہوتا پھر میری ایک پھوپی حجاب ہیں ان کے بارے میں بھی ایسی ہی راز کی باتیں بتائی ہیں جنہیں صرف دادی اور دادا جان جانتے تھے۔‘‘

’’کیا اس بوڑھے تجربہ کار نجومی نے یہ نہیں بتایا کہ ہاتھ کی لکیروں میں تھوڑی بہت تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ آئندہ تمہارے ہاتھ پر شادی کی لکیر بن سکتی ہے۔‘‘

’’وہ کوئی بوڑھا نجومی نہیں ہے۔ بہت ہی خوب رو اور جوان ہے۔ ایسا صحت مند اور قد آور ہے کہ دیکھو تو دیکھتے ہی رہنے کو جی چاہتا ہے۔‘‘

نمرہ نے اس کے بازو میں چٹکی لیتے ہوئے کہا ’’ہوں اب سمجھ گئی۔ تیرا دل اس نجومی پر آیا ہے۔‘‘

’’ہاں...... مگر میں اس سے کترا رہی ہوں۔ اس نے بعد میں فون پر مجھ سے باتیں کی تھیں۔ میں نے بہت ہی مختصر گفتگو کی پھر رابطہ ختم کردیا۔ جب میری شادی کی کوئی منزل ہی نہیں ہے تو میں کسی راستے پر کیوں چلوں؟‘‘

پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ’’میری بات چھوڑو۔ اپنی بات کرو۔ میں تو مقدر حیات سے دستبردار ہو چکی ہوں۔ اب وہ تمہارا ہے اور تمہارا ہی رہے گا۔‘‘

نمرہ نے انکار میں سر ہلایا۔ اس نے اسے گھور کر دیکھا پھر پوچھا ’’یہ انکار میں سر کیوں ہلا رہی ہو۔ کیا تمہارا دل بھی کسی دوسری جگہ اٹک گیا ہے؟‘‘

وہ ایک آہ بھر کر بولی ’’تم نے ابھی ٹھیک ہی کہا تھا کہ دل بڑا بے ایمان ہوتا ہے۔ اچھے برے کی تمیز نہیں کرتا۔ کسی ایسے ویسے پر آجاتا ہے۔‘‘

’’کسی ایسے ویسے کا کیا مطلب ہوا؟ کیا وہ کوئی غریب نوجوان ہے؟‘‘

’’نہیں غریب تو نہیں ہے لیکن بینائی سے محروم ہے۔‘‘

وہ حیرت سے چیخ کر بولی ’’کیا......؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ کیا تم کسی اندھے سے عشق کرنے لگی ہو؟ کون ہے وہ؟ تمہاری اس سے ملاقات کہاں ہوئی تھی؟‘‘

’’ابھی کچھ نہ پوچھو۔ میں خود ہی الجھن میں ہوں۔ وہ یہاں آنے والا ہے۔ تم اسے خود ہی دیکھ لو گی۔‘‘

’’تم تو پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔‘‘

’’وہ اندھا میرے لیے بھی ایک پہیلی بن گیا ہے۔ وہ یہاں آئے گا تو اس کی حقیقت معلوم ہوگی۔‘‘

وہ دونوں نہیں جانتی تھیں کہ ان کے گھر آنے والا ہے، اور وہ دونوں مجھے دیکھ چکی تھیں۔

بابر نے ڈرائنگ روم میں آسرا کو دیکھا پھر کہا ’’آسرا! کیسی ہو؟‘‘

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی پھر آگے بڑھ کر مصافحہ کرتے ہوئے بولی ’’میں تو ٹھیک ہوں مگر تمہاری صحت کچھ گر گئی ہے۔ کیا بات ہے؟ شادی کرنے کی فکر لاحق ہوگئی ہے؟‘‘

وہ اور نمرہ ہنسنے لگیں۔ اس نے کہا ’’شادی کی بات پر مجھے بھی ہنسی آتی ہے لیکن اب اس گھر میں شادی کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے۔‘‘

’’اور تم ہو کہ شادی کے نام سے بھاگتے ہو۔‘‘

اسما سیڑھیاں اترتی ہوئی آرہی تھی۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا ’’بھابی جان! آپ تو اس قدر مصروف رہتی ہیں کہ مجھ سے ملنے کا وقت بھی نہیں نکال سکتیں۔ میں کب سے انتظار میں ہوں کہ آپ کو فرصت ہوگی تو ایک ضروری بات کروں گا۔‘‘

اسما نے مسکرا کر کہا ’’تمہارے لیے تو فرصت ہی فرصت ہے۔ بولو کیا بات ہے؟‘‘

’’بات ایسی ہے کہ پہلے بزرگوں سے کرنی چاہیے لیکن میں پہلے آپ سے کروں گا۔ آپ میری بزرگ بھی ہیں اور دوست بھی۔‘‘

آسرا نے کہا ’’اگر بزرگوں سے کرنے والی بات ہے تو پھر وہ شادی کی بات ہوگی۔‘‘

بابر نے مسکرا کر کہا ’’بھابی جان! یہ آسرا بہت تیز ہے۔ چہرے پڑھ لیتی ہے اتنے دنوں کے بعد آئی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگی کہ میں شادی کی فکر میں مبتلا ہوگیا ہوں۔‘‘

اسما نے ہنستے ہوئے کہا ’’اگر آسرا نے درست کہا ہے تو اس کے منہ میں گھی شکر۔ جلدی بولو شادی کے لیے راضی ہوگئے ہو نا؟‘‘

’’آپ کی خاطر فیصلہ کررہا ہوں۔‘‘

پھر اس نے آسرا اور نمرہ کو دیکھ کر کہا ’’انہیں خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ اولاد نہ ہوئی تو ممی اور ڈیڈی ان پر سوکن لے آئیں گے اور میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔‘‘

نمرہ نے کہا ’’ہاں بابر بھائی! یہ بہت غلط ہوگا۔ بہتر تو یہی ہے کہ آپ شادی کرلیں۔ اللہ نے چاہا تو ممی اور ڈیڈی کی مرادیں برآئیں گی۔‘‘

آسرا نے کہا ’’بابر! تمہاری باتوں سے پتا چل رہا ہے کہ تم نے کوئی لڑکی پسند کرلی ہے۔‘‘

بابر نے اسما کو دیکھا پھر کہا ’’مگر وہ ہمارے خاندان کی نہیں ہے۔‘‘

اسما نے کہا ’’بلا سے ہمارے خاندان کی نہ ہو۔ تم شادی کے لیے راضی ہوگئے اور تم نے اسے پسند کرلیا تو سمجھو بات بن گئی۔ تمہاری ممی اور ڈیڈی تو چاہتے ہیں کہ تم کسی لڑکی سے بھی شادی کرلو مگر اس گھر میں اولاد ہونی چاہیے۔‘‘

نمرہ نے پوچھا ’’بابر بھائی کون ہے وہ لڑکی؟‘‘

’’وہ میری لیڈی سیکریٹری ہے۔‘‘

آسرا نے کہا ’’اچھا تو یہ چکر بہت دنوں سے چل رہا ہے؟‘‘

’’ہاں! پہلے ایک ہاتھ سے تالی بج رہی تھی۔ وہ میری طرف مائل تھی اور مجھے اپنی طرف مائل کرنا چاہتی تھی۔ تم سب کو پتا ہے کہ میں عاشق مزاج نہیں ہوں لیکن اس لڑکی نے رفتہ رفتہ مجھے اپنی طرف مائل کر ہی لیا۔‘‘

اسما نے خوش ہوکر کہا ’’پھر تو تمہیں مبارک ہو۔‘‘

وہ بولا ’’آپ کو مبارک ہو اس لیے کہ آپ کے سر سے سوکن کا بوجھ اترنے والا ہے۔‘‘

اسما نے دونوں ہاتھوں سے بابر کے چہرے کو تھام لیا پھر اسے اپنی طرف جھکا کر اس کی پیشانی کو چوم کر بڑی محبت سے بڑی ممتا سے بولی ’’میرا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ تمہارے جیسا ہوتا میری ہر بات مانتا جیسے تم میری بات مان کر اب شادی کرنے والے ہو۔‘‘

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب ڈرائنگ روم میں داخل ہورہے تھے۔ بیگم نے کہا ’’کیا بات ہے دیور بھابی میں بڑی محبتیں ہورہی ہیں؟‘‘

نمرہ نے کہا ’’ممی بہت بڑی خوش خبری ہے۔ بابر بھائی شادی کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

بیگم آفتاب نے خوش ہوکر کہا ’’آخر میرا بیٹا ہے۔ اس نے میری بات مان ہی لی اب تو میں چاند سی دلہن لاؤں گی اور اپنی پسند سے لاؤں گی۔‘‘

’’ممی! آپ کو پسند کرنے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی۔ بابر بھائی نے لڑکی دیکھ لی ہے۔‘‘

فلک آفتاب نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا ’’بیٹے! کون ہے وہ؟ ہماری ہونے والی بہو کے بارے میں کچھ بتاؤ؟‘‘

’’ڈیڈ! آپ دفتر آتے جاتے رہتے ہیں۔ آپ نے اسے دیکھا ہے۔‘‘

’’تمہارا اشتہارات کا شعبہ ہے۔ کتنی ہی لڑکیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ تم کس کی بات کررہے ہو؟‘‘

’’میں سمیرا کی بات کررہا ہوں۔‘‘

فلک آفتاب کی پیشانی پر شکنیں پڑگئیں۔ اس نے سوچنے کے انداز میں پوچھا ’’کون سمیرا؟‘‘

‘‘میری لیڈی سیکریٹری......’’

فلک آفتاب نے ناگواری سے کہا ‘‘کیا بک رہے ہو؟’’

‘‘ڈیڈی......! وہ کوئی جھاڑو برتن صاف کرنے والی فرش پر ٹاکی مارنے والی ماسی نہیں ہے۔ پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ زندگی میں پہلی بار مجھے کوئی لڑکی پسند آئی ہے۔ اگر آپ نے اور ممی نے اسے بہو نہیں بنایا تو پھر میں کسی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کروں گا۔’’

بیگم نے فوراً ہی کہا ‘‘نہیں نہیں ہم اسے پسند کریں گے، اسے ضرور بہو بنائیں گے۔ میں تو بس پوتی اور پوتے چاہتی ہوں مجھے آم کھانے سے مطلب ہے۔ میں یہ نہیں دیکھنا چاہتی کہ کس پیڑ کے آم ہیں اس کا مالی میرا بیٹا ہوگا بس یہی کافی ہے۔’’

فلک آفتاب نے ناگواری سے اپنے بیٹے کو دیکھا پھر کہا ‘‘جوان ہو اپنی مرضی کے مالک ہو پھر کاروبار بھی سنبھال رکھا ہے۔ اب میں تمہارے آگے کیا بول سکتا ہوں، جبکہ تمہاری ماں بھی راضی ہے۔’’

بیگم آفتاب نے کہا ‘‘بیٹے! تم آج ہی لڑکی والوں سے ہمیں ملواؤ۔’’

‘‘لڑکی والے نہیں ہیں۔’’

فلک آفتاب نے ناگواری سے پوچھا ‘‘کیا مطلب......؟ کیا وہ لڑکی آسمان سے اتر کر آئی ہے؟’’

‘‘اس کے ماں باپ مر چکے ہیں وہ اپنے ماموں کے گھر میں رہتی ہے۔ ماموں نہایت ہی لالچی ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لڑکی کماتی رہے اور انہیں کھلاتی رہے۔ اگر شادی ہو کر کہیں جائے گی تو ان کی ماہانہ آمدنی ختم ہو جائے گی۔ سمیرا کا رشتہ کہیں سے بھی آتا ہے تو وہ ہزار بہانوں سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس کی شادی نہیں ہونے دیتے۔’’

‘‘تو پھر وہ تم سے کیسے شادی کرے گی؟’’

‘‘سیدھی سی بات ہے۔ ہم شادی سے پہلے اس کے ماموں اور ممانی کو خبر نہیں ہونے دیں گے۔ یا تو کورٹ میرج کر آئیں گے یا خفیہ طور پر قاضی صاحب کو بلا کر نکاح پڑھوا لیں گے اور بعد میں شادی کا اعلان کر دیں گے۔’’

فلک آفتاب نے کہا ‘‘یہ ہمارے گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ ابھی دو ہفتے پہلے غنی نے ہنگامی طور پر شادی کا اعلان کیا۔ وہ شادی نہ ہو سکی اب یہ برخوردار کورٹ میرج کرنے کا اعلان کر رہے ہیں۔ شادی چھپ چھپا کر کیوں ہو گی کیا تم کوئی جرم کرنے جا رہے ہو؟’’

بیگم نے کہا ‘‘آپ کی سمجھ میں بات نہیں آئی ہے تو چپ رہیں۔ لڑکی کے ماموں اور ممانی شادی میں رکاوٹ پیدا کریں گے اور میں ایسی کوئی بات نہیں چاہتی۔ بیٹا راضی ہو گیا ہے تو فوراً شادی ہونی چاہیے۔’’

پھر اس نے بیٹے سے کہا ‘‘مجھے ابھی سمیرا کے پاس لے چلو۔ کل ہی کورٹ میرج ہو گی۔’’

‘‘ممی! اتنی جلدی شادی نہیں ہو سکتی۔’’

‘‘کیوں نہیں ہو سکتی؟’’

‘‘لڑکی کی ایک شرط ہے وہ پوری کرنی ہو گی۔’’

اسما نے پوچھا ‘‘کیا اس کی شرط کوئی مسئلہ پیدا کرے گی؟’’

‘‘ہو سکتا ہے مسئلہ پیدا کرے اور نہ بھی کرے۔’’

ماں نے کہا ‘‘تم بات کو الجھا کیوں رہے ہو۔ سیدھی طرح بتاؤ اس کی شرط کیا ہے؟’’

‘‘ممی! میں نے اسے اپنے گھر کے حالات بتائے ہیں۔ یہ بھی بتایا ہے کہ بھائی جان کی شادی کو کئی برس ہو چکے ہیں اور گھر میں اولاد نہیں ہو رہی ہے۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق بھائی جان باپ نہیں بن سکتے۔’’

بیگم نے پوچھا ‘‘تمہیں یہ سب باتیں بتانے کی کیا ضرورت تھی؟’’

‘‘ضرورت تھی۔ میں صرف اپنی بھابی جان کے لیے شادی کر رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ ان پر کوئی سوکن لے کر آئیں لیکن اب وہ لڑکی میرے گلے پڑ گئی ہے۔ کہتی ہے مجھے بھی میڈیکل چیک اپ کرانا چاہیے۔ جب میری میڈیکل رپورٹ پوزیٹیو ہو گی۔ تب ہی وہ مجھ سے شادی کرے گی۔’’

ماں نے کہا ‘‘یہ تم نے کس لڑکی کو پسند کیا ہے۔ شادی سے پہلے بے تکی شرط منوا رہی ہے۔’’

‘‘ممی! یہ شرط بے تکی نہیں ہے اسے یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں بھی بھائی جان کی طرح بانجھ ہوا تو اس کے لیے بعد میں خطرہ ہو گا کہ آپ اس پر بھی سوکن لانا چاہیں گی۔ وہ شادی کے بعد اندیشوں میں مبتلا نہیں رہنا چاہتی۔’’

ماں نے کہا ‘‘تم سمیرا پر لعنت بھیجو۔ میں دوسری لڑکی سے شادی کروں گی۔’’

‘‘آپ اس لڑکی کو تاریکی میں رکھیں گی میں بھی تاریکی میں رہوں گا۔ شادی کے بعد ہم انتظار کرتے رہیں گے۔ آپ اس بہو کو بھی سوکن لانے کی دھمکی دیں گی۔’’

‘‘بابر تم فضول بکواس کر رہے ہو۔ تم ذیشان کی طرح بدنصیب نہیں ہو۔ صاحبِ اولاد بن سکتے ہو ماں کی دعا تمہارے ساتھ ہوں گی۔’’

‘‘ممی آپ کی دعائیں بھائی جان کے ساتھ بھی رہی ہیں۔ آپ منتیں مانگتی رہی ہیں مزاروں پر جاتی رہی ہیں ایک سیدھی سی بات ہے۔ اس لڑکی کا مطالبہ پورا کر دیا جائے اور میں اپنا میڈیکل چیک اپ کرا لوں پھر سب کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ میری میڈیکل رپورٹ پازیٹیو ہو گی تو میں فوراً ہی شادی کر لوں گا۔’’

ذیشان سیڑھیوں سے اترتا ہوا آرہا تھا۔ اس نے کہا ‘‘بابر ٹھیک کہہ رہا ہے جو کچھ میرے ساتھ ہو چکا ہے وہ اس کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے اسے شادی سے پہلے اپنا میڈیکل چیک اپ کرانا چاہیے۔’’

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھنے لگے۔ اسما نے اپنے سسر سے کہا ‘‘انکل جو بات جائز ہے اسے مان لینا چاہیے۔’’

فلک آفتاب نے اپنے بڑے بیٹے ذیشان کو دیکھا پھر بابر کو دیکھتے ہوئے کہا ‘‘ٹھیک ہے۔ میں ڈاکٹر آفریدی کو فون کرتا ہوں۔ کل میرے ساتھ اسپتال چلو۔’’

بابر نے کہا ‘‘نو ڈیڈ! ہمارے میڈیکل چیک اپ کرانے سے سمیرا کی تسلی نہیں ہو گی۔ اس کا ایک کزن ڈاکٹر باسط ہے وہ اس سے چیک اپ کرانا چاہتی ہے تاکہ کسی قسم کا دھوکا نہ ہو۔’’

بیگم آفتاب نے جل کر کہا ‘‘یہ کیسی لڑکی پسند کی ہے جو تم پر بھروسا نہیں کرتی ہے؟’’

‘‘زندگی گزر جاتی ہے اور انسان کا انسان پر اعتماد قائم نہیں ہوتا اور سمیرا تو ابھی میرے ساتھ ایک نئی زندگی کی ابتدا کرنے والی ہے رفتہ رفتہ اعتماد قائم ہو گا۔’’

بیگم نے جل کر کہا ‘‘شادی سے پہلے ہی تمہارے منہ میں سمیرا کی زبان آگئی ہے۔ شادی کے بعد تو اپنے بھائی کی طرح تمہیں بھی صرف بیوی ہی بیوی دکھائی دے گی۔ ماں باپ نظر نہیں آئیں گے جو جی میں آتا ہے کرو میں تو بس پوتی اور پوتے چاہتی ہوں۔’’

وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔

فلک آفتاب نے اپنی بہو اسما کو دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کو اس بات پر فخر تھا کہ شادی کے بعد بھی اس کا شوہر اس کا محبوب ہے۔ اس کا دیوانہ ہے۔ وہ بڑے فخر سے چلتی ہوئی ذیشان کے پاس آئی پھر اس کے بازو کو تھام لیا۔ فلک آفتاب منہ پھیر کر وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

داؤد سبحانی انڈرورلڈ کے چار بڑوں میں سے ایک تھا۔ دردانہ جیسی عورت سے دھوکا نہیں کھا سکتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اتنے دنوں تک وہ کہاں غائب رہی اور اب کس طرح چہک کر بول رہی تھی؟ آخر یہ عورت کیا کرتی پھر رہی ہے؟

وہ کئی بار دردانہ کی کوٹھی میں جا چکا تھا۔ ہمیشہ یہی معلوم ہوا کہ وہ کوٹھی مقفل رہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے کوئی لمبا ہاتھ مارا ہے۔ داؤد کو یاد آیا کہ دردانہ فون پر باتیں کرتے کرتے اچانک چپ ہو گئی تھی۔ اس وقت ایسا لگا جیسے وہ کسی سے کوئی مشورہ کر رہی ہے۔ اس کے بعد ہی اس نے کہا تھا ٹھیک ہے وہ ایک حسینہ کو اس کے پاس بھیجے گی وہ دس لاکھ روپے لے کر آئے گی تو داؤد اس کی ویڈیو اور آڈیو کیسٹس اس کے حوالے کر دے گا۔

وہ داؤد سے رقم لے کر کبھی واپس نہیں کرتی تھی اور ہمیشہ اپنی تنگ دستی کا رونا روتی تھی آج وہ بڑی آسانی سے دس لاکھ روپے ادا کرنے پر راضی ہو گئی تھی۔ داؤد نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔ ایک تو وہ پہلے سے جانتا تھا کہ دردانہ بہت مکار ہے۔ قابل اعتماد نہیں ہے لیکن اب اسے اس کی طرف سے کچھ خطرہ بھی محسوس ہو رہا تھا۔

وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آج کل وہ کس کے پاس ہے؟ اور کیسے کھیل کھیل رہی ہے؟ اس نے فون سی ایل آئی سے اس کے نمبر نوٹ کیے تھے پھر اپنے ذرائع سے معلوم کیا تو پتا چلا کہ وہ شہباز درانی کا فون نمبر ہے۔

اس معلومات نے اسے چونکا دیا۔ انڈرورلڈ والے شہباز درانی کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے تھے۔ پاکستان میں پچھلے انتخاب کے دوران اسی کی وجہ سے انڈرورلڈ والوں کی پالیسی ناکام رہی تھی۔ اس نے فوراً ہی انڈرورلڈ کے تین بڑوں سے رابطہ کیا۔ ان میں سے ایک نے پوچھا ‘‘ہاں...... داؤد! کیا بات ہے؟’’

وہ بولا ‘‘ہم نے پچھلے انتخابات کے دوران میں شہباز درانی کو چیلنج کیا تھا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ چیلنج کا جواب ضرور دیتا ہے۔ انتقامی کارروائی ضرور کرتا ہے۔’’

‘‘ہاں یہ ہم سب جانتے ہیں لیکن اتنے عرصے بعد تم شہباز درانی کا ذکر کیوں کر رہے ہو؟’’

‘‘اس لیے کہ اب وہ ہماری طرف توجہ دے رہا ہے اور پہلے مجھ تک پہنچنا چاہتا ہے۔’’

‘‘کیا اس نے تم سے رابطہ کیا تھا؟’’

‘‘اس نے براہِ راست مجھ سے گفتگو نہیں کی لیکن ایک مکار عورت دردانہ بیگم ہے۔ شاید وہ اس کے ذریعے مجھے شکار کرنا چاہتا ہے۔’’

داؤد انڈرورلڈ کے تینوں پارٹنرز کو دردانہ کے بارے میں

بتانے لگا پھر اس نے کہا ''آج رات نو بجے میرے پاس ایک حسین لڑکی آنے والی ہے۔ دردانہ اسے میرے پاس بھیج رہی ہے۔ میں نے اسے یہ اچھی طرح جتا دیا ہے کہ کوٹھی کے اندر اور باہر سخت سیکورٹی ہے۔ میری اجازت کے بغیر ایک چیونٹی بھی اندر رینگ کر نہیں آسکے گی۔''

ایک پارٹنر نے کہا ''یہ بات ہمارے علم میں ہے، اس کے کئی دشمنوں نے سیکورٹی کے جدید انتظامات کیے انہیں یقین تھا کہ شہباز درانی کی طرف سے بھیجی ہوئی موت ان تک نہیں پہنچ پائے گی لیکن اس کا دستِ راست اسد عزیزی موت کا فرشتہ ہے۔ جب وہ کسی کی موت کا دن تاریخ اور وقت مقرر کرتا ہے تو اسی وقت اس کی موت واقع ہوتی ہے۔''

''لیکن ہم اس کی دھونس میں نہیں آئیں گے ہمیں اس سے نمٹنا ہے۔''

تیسرے پارٹنر نے کہا ''ہم تو بہت پہلے ہی اس سے نمٹ لیتے لیکن اپنے معاملات میں مصروف رہتے ہیں۔ اب جب وہ خود ہی ہماری طرف آرہا ہے تو پھر آنے دو......''

ایک نے کہا ''سب سے پہلے تو ہم اسد عزیزی کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ بھی اس لڑکی کے ساتھ آئے؟''

داؤد نے کہا ''نہیں دردانہ نے مجھ سے فون پر کہا ہے لڑکی تنہا آئے گی اس کے ساتھ کوئی نہیں ہوگا اور میں نے کہہ دیا ہے کہ لڑکی تنہا بھی ہوگی تو اسے سر سے پاؤں تک چیک کیا جائے گا میں اس کے پاس ایک ہیئر پن بھی نہیں رہنے دوں گا۔ وہ خالی ہاتھ رہے گی۔''

دوسرے پارٹنر نے کہا ''اب تک ہم نے یہی دیکھا ہے کہ جتنے بھی دشمنوں کو ہلاک کیا گیا ہے اس وقت اسد عزیزی جائے واردات کے قریب موجود تھا۔''

داؤد نے کہا ''ہوسکتا ہے وہ لڑکی کو میری کوٹھی تک چھوڑنے آئے پھر باہر ذرا دور رہ کر اس کی واپسی کا انتظار کرے؟''

''پھر تو ہمارا کام بن سکتا ہے۔ تم اس لڑکی کو خوش ہو کر نقد رقم دو گے اور اسے سونے کا ہار پہناؤ گے اس ہار میں کیپسول نما ایک لاکٹ ہوگا۔ اس لاکٹ میں دھماکا خیز مادہ بھرا ہوگا جب وہ لڑکی ہار پہن کر تمہاری کوٹھی سے واپس جائے گی اور باہر جا کر اسد عزیزی سے ملاقات کرے گی تو اسی وقت ریموٹ کنٹرول کے ذریعے ایک دھماکا کیا جائے گا تو اس لڑکی کے ساتھ اسد عزیزی کے بھی چیتھڑے اڑ جائیں گے۔''

''یہ تو یقین ہے کہ اسد عزیزی اس لڑکی کو میری موت بنا کر میری کوٹھی میں بھیجے گا تو اس کوٹھی کے قریب ضرور موجو رہے گا لیکن ہمارے ریموٹ کنٹرول کو استعمال کرنے وا کہاں رہے گا؟''

ایک پارٹنر نے کہا ''تمہارا ایک ملازم اس لڑکی کو واپ باہر پہنچانے جائے گا اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہوگا وہ خا ہاتھ رہے گا۔ صرف ایک موبائل فون اس کے پاس رہے گا دراصل ریموٹ کنٹرولر ہوگا۔ اس طرح اسد عزیزی کو کر طرح کا شبہ نہیں ہوگا۔''

دوسرے پارٹنر نے کہا ''داؤد اب تم اپنے تحفظ کی بار کرو۔ کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ وہ تنہا اور نہتی لڑکی تمہیں کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی؟''

''میں اپنے حفاظتی انتظامات سے مطمئن ہوں پھر ا لڑکی کو سر سے پاؤں تک چیک کیا جائے گا۔ میں اس کے بد پر زیورات بھی نہیں رہنے دوں گا بعد میں وہ میرے بیڈر میں آسکے گی۔ اسد عزیزی کا باپ بھی اس لڑکی کو آلہ کار بنا میری موت کا سامان نہیں کر سکے گا۔''

تینوں پارٹنرز نے کہا ''تو پھر ٹھیک ہے۔ اس لڑکی کو آ دو۔''

اسد عزیزی آج تک شہباز درانی کے دشمنوں کی موت سامان کرتا آیا تھا۔ اس وقت انڈر ورلڈ کے چار بڑوں اس کی موت کا سامان کیا تھا۔ ان کی پلاننگ میں ایسی پختگی کہ اسد عزیزی کا وہاں سے بچ نکلنا بہت مشکل تھا۔ یہ درد کی سمجھ سے باہر تھا کہ کس طرح ایک نازک اندام لڑکی تنہا نہتی وہاں جائے گی اور داؤد سجانی کا کام تمام کر کے آڈیو ویڈیو کیسٹس لے آئے گی۔

اسد عزیزی نے یقین دلایا تھا ''میڈم! آپ اطمی رکھیں وہ لڑکی اگر آپ کے کیسٹس یہاں نہ لا سکی تو وہیں کے بیڈ روم میں اس کو ضائع کر دے گی۔ وہ ہر حال میں دا کام تمام کر کے آئے گی۔''

دردانہ نے فون کے ذریعے پھر داؤد سے رابطہ کیا '' بھائی! اس وقت ساڑھے سات بجے ہیں۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد ٹھیک نو بجے وہ حسینہ آپ کے دروازے پر ہوگی لیکن وہ صر ایک گھنٹے کے لیے آئے گی۔''

داؤد نے کہا ''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ میرے زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں اسے ایک گھنٹے میں فارغ کر گا۔''

''جب وہ آپ کے پاس آئے گی تو اپنے سیکورٹی سے یہ ضرور کہیں کہ وہ لڑکی ٹھیک دس بجے کوٹھی سے باہر آ

گی تو اسے واپس جانے دیا جائے کوئی اس کا راستہ نہیں روکے گا۔''

''میں یہی کروں گا۔ میرا ایک ملازم اس لڑکی کو چھوڑنے کے لیے باہر تک جائے گا۔ کیا اس لڑکی کو چھوڑنے والا اور پھر واپس لے جانے والا باہر موجود ہوگا؟''

''ہاں۔ میرا ایک خاص آدمی ہے جو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس لڑکی کو چھوڑنے آئے گا لیکن آپ کی کوٹھی سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر رہے گا۔''

''ٹھیک ہے میرا جو آدمی اس لڑکی کو باہر چھوڑنے آئے گا وہ مسلح نہیں ہوگا۔ وہ لڑکی کے ساتھ سو گز کے فاصلے تک جائے گا پھر اسے تمہارے آدمیوں کے حوالے کر کے واپس آجائے گا۔''

دونوں کے درمیان تمام معاملات طے ہوگئے۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ مطمئن ہوگئے۔ اسد عزیزی بظاہر دردانہ کا کام کر رہا تھا لیکن دراصل اپنے باس شہباز درانی کے ایک دشمن کا کام تمام کرنے والا تھا وہ اپنی پلاننگ سے مطمئن تھا۔ دوسری طرف داؤد کو بھی پورا اطمینان تھا کہ اس قدر سخت سیکورٹی کے بعد کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔

سب اپنی اپنی جگہ تدبیریں کرتے رہتے ہیں اور ایسے وقت تقدیر کو بھول جاتے ہیں۔ میں رات کے ٹھیک نو بجے اس حسینہ کے ساتھ داؤد کے بنگلے میں پہنچ گیا۔ حسین لڑکیاں داؤد کی کمزوری بن جایا کرتی تھیں۔ اس کے باوجود اس نے خود کو بہت طاقت ور بنا رکھا تھا۔ اس حسینہ کو دیکھتے ہی داؤد کی رال ٹپکنے لگی۔ اس کے سیکورٹی افسر نے ڈیٹکٹیو آلے کے ذریعے اس لڑکی کو سر سے پاؤں تک چیک کیا پھر ایک عورت اسے کمرے کے اندر لے گئی۔ لباس کے اندر اس کی تلاشی لی پھر باہر آکر بولی ''کچھ نہیں ہے لڑکی نہتی ہے۔ اس کے بالوں میں ہیئر پن تک نہیں ہے۔''

داؤد نے مطمئن ہو کر لڑکی سے پوچھا ''تم کس کے ساتھ آئی ہو؟''

وہ بولی ''مجھے دردانہ بیگم کے محافظ یہاں تک لائے ہیں۔ وہ اس کوٹھی سے بہت دور اپنی گاڑی میں بیٹھے ہوئے میری واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔''

وہ بولا ''میرے ساتھ بیڈ روم میں آؤ۔''

وہ بولی ''پہلے اپنے سیکورٹی افسر سے کہہ دو۔ میں ٹھیک دس بجے اس کوٹھی سے باہر نکل آؤں گی اور مجھے باہر جانے سے کوئی نہ روکے۔''

داؤد نے سیکورٹی افسر سے کہا ''تم نے اس کی باتیں سن لیں میرا بھی یہی حکم ہے۔ جب یہ دس بجے باہر جائے تو اسے نہ روکا جائے اس کے ساتھ میرا یہ آدمی مین گیٹ کے باہر جائے گا اور اسے اس کے آدمیوں تک پہنچا کر آئے گا۔''

سیکورٹی افسر نے مؤدب ہو کر کہا ''یس سر! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔''

پھر وہ کوٹھی کے باہر چلا گیا۔ داؤد اس حسینہ کے ساتھ اپنے بیڈ روم میں آکر بولا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

وہ بڑی اداؤں سے مسکراتی ہوئی ادھر سے ادھر جاتی ہوئی اپنے بدن کے پیچ و خم دکھاتی ہوئی بولی ''میرا نام اور پتا پوچھنے میں وقت ضائع کرو گے تو یہ ایک گھنٹا گزر جائے گا۔''

''درست کہتی ہو وقت بوند بوند کر کے گزرتا ہے لیکن یہ ایک گھنٹا بعد میں معلوم ہوگا کہ تیزی سے گزر چکا ہے۔''

اس نے ساڑھی کے آنچل کو پکڑ کر کھینچا تو وہ گول گھومتی گئی اور ساڑھی کھلتی چلی گئی۔ اسے چیک کیا جا چکا تھا۔ لباس کے اندر کچھ نہیں تھا۔ موت کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی اور

وہ بد بخت بھول گیا تھا کہ موت دکھائی نہیں دیتی۔ دنیا کے ہر بد بخت کو یاد رکھنا چاہیے کہ موت ہتھیاروں سے نہیں آتی مقدر سے آتی ہے۔

وہ حسینہ اسے ترسانے اور تڑپانے کے لیے اس سے کترانے لگی۔ اس نے نوٹوں کی ایک گڈی دیتے ہوئے کہا۔ ''لو۔ ان سے عیش کرنا اور یہ اتنے ہیں کہ یہاں سے جا کر جی بھر کے شاپنگ کر سکو گی۔''

وہ بولی ''بس......؟''

اس نے زیورات کا ایک ڈبا کھول کر کہا ''تمہارے لیے سونے کا یہ ہار ہے۔''

اس نے ہار نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا ''بہت قیمتی ہے امید ہے تمہیں پسند آئے گا۔''

وہ اسے ہار پہنانے کے بہانے اس کے قریب آیا تو لوہے کی طرح مقناطیس سے چپک کر رہ گیا۔ ہماری دنیا میں سب سے زیادہ موت کے اندر کشش ہوتی ہے۔ ایک بار آدمی اس سے چپک جائے تو زندگی کی طرف واپس نہیں آتا۔

اس کوٹھی کے باہر سو گز کے فاصلے پر اسد عزیزی اپنی کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس کی گاڑیوں میں مسلح افراد موجود تھے۔ دشمنوں کا یہ خیال درست تھا کہ اسد عزیزی جائے واردات کے وقت آس پاس ضرور موجود رہتا ہے۔ اس وقت بھی وہ اس حسینہ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔

ٹھیک دس بجے وہ داؤد کے بیڈ روم سے باہر آئی۔ ڈرائنگ روم میں اس کا ایک خاص ملازم ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول لیے ہوئے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بولی ''مجھے باہر لے چلو......!''

اس نے حسینہ کے گلے میں سونے کے ہار کو دیکھا پھر مطمئن ہو کر اس کے ساتھ باہر آ گیا۔ حسینہ کے ہاتھ میں ایک کاغذ کا بیگ تھا'' جس کے اندر آڈیو اور ویڈیو کیسٹس تھے۔ سیکیورٹی افسر نے اس بیگ کو چیک کیا پھر اسے جانے کی اجازت دے دی وہ اس شخص کے ساتھ چلتی ہوئی کوٹھی کے احاطے کے باہر آئی پھر ایک ایک قدم چلتی ہوئی دور انتظار کرنے والے اسد عزیزی کی طرف جانے لگی۔ اس نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ داؤد کی طرف سے کوئی بھی تحفہ ملے تو اسے قبول نہ کرے پھر وہ اس قدر تربیت یافتہ تھی کہ اس نے ہار کے ساتھ منسلک سونے کے کیپسول نما لاکٹ کو دیکھ لیا تھا اور سمجھ گئی تھی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

جب وہ آگے بڑھتے ہوئے اسد عزیزی سے پچاس گز کے فاصلے پر رہ گئی تو ہار کو اپنے گلے سے نوچ کر فضا میں پوری قوت سے اچھالتے ہوئے دور پھینکتے ہوئے چیخ کر بول ''ماسٹر! شوٹ ہم!''

اسد عزیزی نے پھرتی سے ریوالور نکال کر فائر کیا۔ اس شخص نے ہار کو نوچ کر پھینکتے ہوئے دیکھا تھا وہ ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبانا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی اس کے سینے میں گول آ کر لگی وہ لڑکھڑا کر گرا ایسے ہی وقت اس کی انگلی سے وہ بٹن دب گیا فضا کی بلندی تک جا کر واپس آنے والے نیکلس میں ایک زوردار دھماکا ہوا وہ حسینہ اسد عزیزی کے ساتھ دوڑ ہوئی کار میں آ کر بیٹھ گئی پھر وہ گاڑیاں وہاں سے یوٹرن لے ہوئی جانے لگیں۔ دور کھڑے ہوئے کوٹھی کے احاطے میں سیکیورٹی افسر اور دوسرے مسلح گارڈز نے فائر کی بھی آواز تھی پھر وہ زوردار دھماکے سے چونک گئے تھے۔

سیکیورٹی افسر دوڑتا ہوا کوٹھی کے اندر آیا اور ڈرائنگ رو اور مختلف حصوں سے گزرتا ہوا داؤد کے بیڈ روم میں پہنچا ٹھٹک گیا۔ وہاں فرش پر اس کی لاش پڑی ہوئی تھی اور لاش نیلی رنگت بتا رہی تھی کہ اسے زہر کے ذریعے مارا گیا ہے۔

لیکن زہر اس حسینہ کے پاس کہاں تھا؟ اس کے پاس نہ زہر کی شیشی تھی نہ کاغذ کی کوئی پڑیا تھی۔ داؤد کی زندگی کی لکی نے کہا تھا کہ اسے مرنا ہے، ہزار حفاظتی انتظامات کے باوجو اسے مرنا ہے، اس لیے اسد عزیزی کی تدبیر سے داؤد کی تقد کا لکھا ہوا پورا ہوا۔ اس نے حسینہ کے پورے جسم پر زہر لوشن لگایا تھا۔ جو خشک ہو چکا تھا خوردبین کے ذریعے بھی اسے دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا کہ اس حسینہ کا بد عارضی طور پر زہریلا ہو گیا ہے۔ بعض ہوس پرست کتے طرح بدن کو سونگھتے ہیں اور چاٹتے ہیں وہ بھی ہوس پرستی کتا بن گیا تھا اور کتے کی موت مارا گیا تھا۔

اب کوئی سوچے اور سمجھے کہ میں نے اسد عزیزی کی تد کو کس طرح داؤد کی بدنصیبی بنا دیا اور پھر سوچے اور سمجھے کہ کیا ہوں؟

اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں!

دردانہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ شہباز درانی کے سامنے کیسٹ ریکارڈر کو آن کر کے موسیقی کی دھن پر رقص کر رہی تھی۔ اور جھوم جھوم کر کہہ رہی تھی ''شہباز تمہارے جیسا محبوب کوئی نہیں ہو گا۔ تم نے تو مجھے دنیا کی سب سے طاقتور عورت بنا دیا ہے۔ میں نے تمہاری آغوش میں آ کر انڈر ورلڈ کے ایک ستون داؤد بھائی کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں بڑے بڑے شہ زوروں کو ٹھوکروں میں اڑا سکتی ہوں۔''

وہ مستی میں رقص کرتی ہوئی آ کر اس پر گری تھی۔ اسے چومتی تھی۔ پھر ایک ادائے نازک سے الگ ہو کر رقص کرنے لگتی تھی۔ خوشی سے چہکتی جاتی تھی ''تمہارا یہ اسد عزیزی کمال کا آدمی ہے۔ دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کیسے کیسے خطرناک منصوبے بناتا ہے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس حسین لڑکی کے بدن پر زہریلا لوشن لگائے گا۔ اس کے پاس موت کا کوئی ہتھیار دکھائی نہیں دے گا لیکن وہ موت بن کر جائے گی۔''

وہ پھر ہنسنے لگی۔ اور کہنے لگی ''یہ مرد بھی عورت کے کیسے دیوانے ہوتے ہیں کہ اسے کھانے کی ڈش سمجھ کر منہ مارنے لگتے ہیں۔ وہ لڑکی اس کی زندگی کی آخری ڈش بن کر گئی تھی۔''

شہباز درانی اسے خوش دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ قہقہے لگا رہا تھا۔ اس نے کہا ''تم نے اس سے بھی بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے پاشا کو بیٹا بنا کر اپنے شکنجے میں کس لیا ہے۔ جو سوتیلی بیٹی تمہارے قابو میں نہیں آ رہی تھی، اب پاشا کی خاطر تمہارے پیچھے پیچھے آئے گی۔''

وہ بولی ''اس کی تیکھی عروج میرے خلاف زہر اگل رہی تھی۔ میں اس سے بھی نمٹ لوں گی۔ وہ بھی پاشا کی دیوانی ہے میں اس کی ساری دیوانگی نکال دوں گی۔ پاشا کے ہاتھوں اسے بازاری لڑکی بنا دوں گی۔ میں حکم دوں گی تو وہ ان دونوں سے محبت کرے گا میں حکم دوں گی تو وہ ان دونوں کو خاک میں ملا دے گا۔''

''میری جان! کب تک جھومتی، ناچتی رہو گی؟ تھک جاؤ گی۔ میرے پاس آ جاؤ۔''

وہ اس کی آغوش میں آ کر گر پڑی۔ اتنی قربت کے باوجود دوری تھی۔ مقتول بیٹے کا سوگ منانا بھی ضروری تھا اس لیے وہ چالیس دنوں کے بعد اپنے بدن کی جاگیر اس کے نام کرنے والی تھی۔

وہ بھی عجیب دیوانہ تھا۔ اس کی خاطر اس نے آج تک شادی نہیں کی تھی۔ اور اب اس کی عمر کا حساب نہیں کر رہا تھا۔ وہ سچا عاشق تھا۔ کسی حساب کتاب کے بغیر اپنے مطلوب کو طلب کر رہا تھا اور اس کے قریب رہ کر بھی بڑے صبر سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ دردانہ نے فون اٹھا کر اس کی اسکرین پر نمبر پڑھا پھر مسکرا کر کہا ''مقدر حیات کال کر رہا ہے۔''

شہباز نے کہا ''میں تو اسے بھول ہی گیا تھا۔ یہ بھی تمہارا ایک زبردست مہرہ بنے گا۔ تمہارے بہت کام آئے گا تم بات کرو میں خاموش رہوں گا۔''

وہ فون آن کر کے کان سے لگا کر بولی ''ہیلو بیٹے مقدر حیات! یہ تم بول رہے ہو؟''

میں نے کہا ''یس ممی! میں ہی بول رہا ہوں۔ آپ خیریت سے ہیں ناں؟''

''بیٹے! میں بالکل خیریت سے ہوں۔ تمہاری سلامتی کے لیے خدا سے دعا کرتی رہتی ہوں، میں نے ایک آدھ بار تم سے رابطہ کرنا چاہا لیکن تمہارا فون بند رہتا ہے یا شاید تمہارے فون میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی؟''

''جب ملک سے باہر جاتا ہوں تو میں یہ فون بند کر کے یہیں چھوڑ جاتا ہوں۔ واپس آ کر استعمال کرتا ہوں۔''

''تم نے کہا تھا کہ دو ہفتے کے اندر یہاں آؤ گے، بتاؤ کب آ رہے ہو؟''

''میں نے یہی بتانے کے لیے ابھی فون کیا ہے۔ میں کل صبح آٹھ بجے کی فلائٹ سے کراچی پہنچ رہا ہوں۔''

وہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولی ''سچ......؟ اب تو مجھے رات کو نیند نہیں آئے گی، میں صبح کا انتظار کرتی رہوں گی۔''

''رات کو جاگنا نہیں چاہیے۔ آپ وعدہ کریں سو جائیں گی اور صبح فریش ہو کر مجھے لینے ایئرپورٹ آئیں گی۔''

''وہاں تو عینی اور اس کا پورا خاندان ہو گا۔ وہ مجھے برداشت نہیں کریں گے۔''

''میں اپنے آنے کی اطلاع کسی کو نہیں دے رہا ہوں۔ ایئرپورٹ پر کوئی نہیں آئے گا۔ صرف ہم ماں اور بیٹے ہی ہوں گے۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''بیٹے! اب تم تمام رشتے داروں کو نظر انداز کر کے صرف مجھے اہمیت دے رہے ہو۔ تم ایسا کر کے مجھے ہمیشہ کے لیے خرید رہے ہو۔''

میں ہنس کر بولا ''میں بارہ سال کی عمر سے ڈیڈی کے ساتھ کاروباری معاملات میں شریک رہا ہوں۔ مجھے خرید و فروخت میں مہارت حاصل ہے آپ کو تو ایسا خریدوں گا کہ

آپ پھر کہیں بکنے کے قابل نہیں رہیں گی۔"

یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی وہ الجھ کر بولی" یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کیا میں کوئی بکنے والی چیز ہوں؟"

"جی ہاں...... ایسی بکنے والی ہیں کہ صرف محبت سے خریدی جاسکتی ہیں اور آپ کو محبت کی کیسی کرنسی سے خریدنا چاہیے یہ صرف میں ہی جانتا ہوں۔"

وہ ہنس کر بولی" تم بہت الجھی ہوئی باتیں کرتے ہو۔ مگر تمہاری باتیں محبت سے لبریز ہوتی ہیں۔ میں ابھی ملازموں سے کہہ کر تمہارے لیے ایک کمرا ٹھیک کرواتی ہوں۔"

"اوہ نومی! میں آپ کے ساتھ نہیں ٹھہروں گا آپ میری مصلحت اندیشی کو سمجھیں۔ مجھے عینی کے گھر جا کر رہنا چاہیے۔ میں ان رشتے داروں کے ساتھ رہوں گا لیکن آپ سے ملتا رہوں گا۔"

"وہ رشتے دار ہم ماں بیٹے کا پیار برداشت نہیں کریں گے۔"

"جو برداشت نہیں کرے گا وہ اپنے گھر میں خوش رہے گا۔ میں کسی کے دباؤ میں آنے والا نہیں ہوں۔ آپ ہی بتائیں کیا میں کسی کا محتاج ہوں؟"

"ہرگز نہیں...... خدا نہ کرے تم کسی کے محتاج رہو۔ ایک بات پوچھوں؟"

"آپ ہزار باتیں پوچھیں میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔"

"تم نے اپنے ڈیڈی کا تمام کاروبار سنبھالا ہوا ہے یہ بتاؤ کہ اس میں عینی کا کتنا حصہ ہے؟"

"وہ چالیس فیصد کی حصہ دار ہے۔ پہلے وکیل اخلاق احمد اس کے شیئر کا حساب کتاب رکھتے تھے بعد میں اتنا بھروسا ہوگیا ہے کہ اب وہ کوئی حساب نہیں کرتے۔ میں عینی کا جتنا شیئر دیتا ہوں اسے قبول کرلیتے ہیں۔ میرا عینی کے قریب رہنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ میں اسے پوری طرح اپنی مٹھی میں رکھوں گا، اور اسے کبھی حساب کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔"

"شاباش بیٹے! تم تو بالکل اپنے ہم مزاج ہو۔"

میں نے مسکا لگایا" آپ کا بیٹا ہوں اس لے آپ کا ہم مزاج ہوں۔"

وہ خوشی سے کھلی جارہی تھی بولی" آئی لو یو...... مائی چائلڈ!"

میں نے بھی کہا" آئی لو یو ٹو ممی! اب کل آٹھ بجے ایئرپورٹ پر ہی ملاقات ہوگی...... سی یو...... گڈ نائٹ۔"

میں نے رابطہ ختم کردیا۔ اس نے فون بند کر کے شہباز سے کہا" وہ کل صبح آٹھ بجے کی فلائٹ سے آرہا ہے ایسا لگتا ہے اس نے اپنی محبت سے سچ مچ مجھے خرید لیا ہے بالکل میرے مزاج کے مطابق باتیں کرتا ہے۔"

شہباز نے کہا" اس کی باتوں میں نہ آؤ، یہ نہ دیکھو کہ وہ صرف باتیں کرتا ہے بلکہ یہ دیکھو جو کہتا ہے وہ کرتا ہے یا نہیں؟"

"بالکل وہی کررہا ہے۔ اپنے باپ کے کاروبار پر پوری طرح مسلط رہنے کے لیے یہاں عینی کو اپنی مٹھی میں جکڑنے آرہا ہے۔ وہ وہی کررہا ہے جو میں چاہتی ہوں۔"

"پھر تو اس پر بھروسا کیا جاسکتا ہے۔"

"صرف یہی نہیں...... اس نے اپنے آنے کی اطلاع کسی بھی رشتے دار کو نہیں دی ہے۔ اسی سے اندازہ کرو کہ وہ مجھے اپنے تمام رشتے داروں پر کس طرح فوقیت دے رہا ہے۔"

"تم واقعی بہت خوش نصیب ہو۔ اِدھر پاشا کو اپنا تابعدار بنا کر عینی کو اپنے پیچھے دوڑاؤ گی' اِدھر وہ کاروبار میں عینی کا کباڑا کرتا رہے گا۔ ویسے ہونا یہ چاہیے کہ عینی کی تمام دولت اور جائیداد تمہاری طرف چلی آئے۔"

"تم دیکھنا یہی ہوگا۔ مقدر حیات میرے دماغ سے سوچتا ہے میری زبان سے بولتا ہے میں اسے اپنے رنگ میں رنگ لوں گی۔"

وہ خوش ہورہی تھی۔ خدا خوش رکھے میں سب ہی کو خوش کرتا آرہا ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ مجھ سے ملنے والی خوشیاں بہت مہنگی پڑتی ہیں۔

دوسری صبح ائیر پورٹ پر پہلی بار دردانہ سے سامنا ہوا۔ وہ مجھے چہرے سے پہچان نہیں سکتی تھی۔ اس لیے ہاتھ میں پلے کارڈ اٹھائے ہوئے تھی، میں نے وہ کارڈ پڑھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا" ممی! میں ہی آپ کا بیٹا مقدر حیات ہوں۔"

اس نے مجھے گلے لگایا۔ پھر پیشانی کو چوم کر کہا" تم بہت ہی قدآور اور وجیہہ ہو' کسی پہلو سے بزنس مین نہیں لگتے۔ مارشل آرٹ کے ماہر دکھائی دے رہے ہو۔"

میں نے مسکرا کر کہا" میں بزنس مین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فائٹر بھی ہوں۔ نجومی بھی ہوں یہ سمجھئے کہ ہرفن مولا ہوں۔ آپ کو رفتہ رفتہ میرے گُر معلوم ہوتے رہیں گے۔"

میں اس کے ساتھ ائیرپورٹ کی عمارت کے باہر آیا۔ اس کی کار میں بیٹھ گیا۔ وہ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا کر بولی" ابھی میں تمہیں عینی کی کوٹھی میں پہنچا دوں گی، تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گے ہماری یہ ملاقات اتنی مختصر ہوگی کہ میرا دل تمہارے بغیر نہیں لگے گا۔"

"مجبوری ہے ممی! اپنے سوتیلوں سے نمٹنے کے لیے ایک دوسرے سے دور رہنا ہوگا۔"

"ہاں...... یہی سوچ کر میں تمہاری دوری برداشت کرلوں گی۔"

"میں نے موبائل نکال کر نمبر ملاتے ہوئے کہا" اب میں انہیں اپنے آنے کی اطلاع دے رہا ہوں۔"

"پہلے کس سے بات کرو گے؟"

"میں گھر کا نمبر ملا رہا ہوں جو بھی اٹینڈ کرے اسی سے بات ہوگی۔"

میں نے فون کو کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے رابطہ ہوتے ہی فلک ناز کی آواز سنائی دی" ہیلو مقدر حیات میں سی ایل آئی پر تمہارا نمبر پڑھ رہی ہوں۔ کیا تم بول رہے ہو؟"

"ہاں پھوپی جان! میں ہوں' یہاں آگیا ہوں بس راستے میں ہوں گھر پہنچنے ہی والا ہوں۔"

وہ حیرانی سے بولی" یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اچانک یہاں پہنچ گئے ہو؟ آنے کی اطلاع تو دیتے ہم ایئرپورٹ تمہیں لینے کے لیے آتے۔"

"پھوپی جان! اب تو آ ہی گیا ہوں۔ آدھے گھنٹے میں پہنچنے والا ہوں۔ باقی باتیں ملاقات ہونے پر ہوں گی۔ خدا حافظ۔"

پھر میں نے فلک آفتاب کے نمبر ملائے۔ اس نے موبائل فون کی اسکرین پر میرا نمبر پڑھا تو خوش ہوکر پوچھا" بیٹے مقدر حیات! میں تمہارا تایا ابو ہوں۔ تم یہاں کب آرہے ہو؟"

"تایا ابو! میں آچکا ہوں' راستے میں ہوں بس آدھے گھنٹے میں گھر پہنچنے والا ہوں۔"

"ارے بیٹا! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اچانک ہی آگئے۔ اپنے آنے کی اطلاع تو کرتے؟"

"میں جانتا ہوں آپ سب یہی شکایت کریں گے۔ بہرحال میں آرہا ہوں پھر باتیں ہوں گی۔"

میں نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔ دردانہ نے ہنستے ہوئے کہا" تم نے بڑی مختصر باتیں کی ہیں۔ سب کو سرپرائز دیا ہے اب وہاں ہنگامہ برپا ہوگا سب بھاگ دوڑ میں لگے ہوں گے۔ تمہارے استقبال کی تیاریاں کررہے ہوں گے۔ اور تیاریاں کرنے کے لیے ان کے پاس وقت بھی زیادہ نہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا" عورتوں کے لیے بڑی مصیبت یہ ہے کہ کم سے کم وقت میں تیار نہیں ہو پاتیں۔"

وہ بولی" فلک ناز اور بیگم آفتاب کے لیے پریشانی یہ ہوگی کہ وہ اتنے کم وقت میں اپنی بیٹیوں کو تیار نہیں کرسکیں گی۔"

یہ کہہ کر وہ پھر ہنسنے لگی۔ اس کی ہنسی کے پیچھے یہ خوشی چھپی ہوئی تھی کہ وہ پوری طرح تیار ہوکر مجھے لینے ایئرپورٹ آئی تھی۔ خواہ وہ عمر میں کتنی ہی ہو، خواہ وہ رشتے میں میری سوتیلی ماں ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ بھی عورت تھی۔ اسے بھی تیاری میں دیر لگتی تھی۔ وہ بیٹے کو لینے آئی تھی مگر دنیا والوں کو انداز دکھانے آئی تھی' یہ عورت کی مجبوری ہوتی ہے۔

ہماری کار عینی کی کوٹھی کے احاطے میں پہنچ گئی۔ وہاں فلک ناز بیگم آفتاب اور فلک آفتاب میرا انتظار کررہے تھے۔ مجھے دردانہ کی کار سے اترتے دیکھ کر سب کے چہرے لٹک گئے پھر بھی وہ جبراً مسکرانے لگے۔ فلک آفتاب نے آگے بڑھ کر کہا" خوش آمدید میرے بیٹے! آؤ اپنے تایا ابو کے سینے سے لگ جاؤ۔"

میں بڑھ کر ان کے گلے لگ گیا۔ بیگم آفتاب میرے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دینے لگی۔ فلک ناز میری پیٹھ سہلا رہی تھی۔ مجھے چھونا ضروری تھا کہ میری کشش انہیں کھینچ رہی ہے۔ فلک ناز نے کہا" تم نے ہمیں سرپرائز دینے کے لیے اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی۔"

پھر فلک ناز نے دردانہ کو دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا" دردانہ بھابی کے ساتھ آئے ہو؟"

میں نے فلک آفتاب سے الگ ہوکر کہا" میری ممی نے تو مجھ سے محبت کی انتہا کردی ہے مجھے لینے کے لیے لاہور پہنچ گئیں' وہاں سے لے کر یہاں آئی ہیں۔ یہ مجھے اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتی ہیں' میں نے انہیں پیار سے سمجھا دیا ہے کہ مجھے اپنے تایا ابو، تائی امی اور پھوپی جان کے ساتھ رہنا چاہیے۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ آپ لوگوں کے درمیان رنجشیں ہیں۔ اس کے باوجود ممی میرے ساتھ یہاں تک آئی ہیں آپ سب مائنڈ تو نہیں کررہے ہیں؟"

فلک آفتاب نے کہا" بیٹے! اب ہم کچھ کہیں گے تو بات بڑھے گی مگر تمہارے آنے کی خوشی میں رنجش والی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ ہم ماحول کو خوشگوار رکھنا چاہتے ہیں۔"

دردانہ نے کہا" میں بھی یہ نہیں چاہتی کہ میری موجودگی یہاں کسی پر بھی گراں گزرے۔ اس لیے میں جارہی ہوں، بیٹے! یہ بتاؤ تم میرے ہاں کب آرہے ہو؟"

"میں آج رات کا کھانا آپ کے ساتھ کھاؤں گا۔ آپ اپنی گاڑی رات آٹھ بجے بھیج دیں میں چلا آؤں گا۔"

فلک آفتاب نے مجھے تھپک کر کہا" آؤ بیٹے! اندر چلیں۔"

میں ان کے ساتھ جانے لگا۔ بیگم آفتاب اور فلک ناز بھی ساتھ آرہی تھیں۔ دردانہ نے کہا" ناز! ذرا رک جاؤ میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

فلک ناز رک گئی۔ بیگم آفتاب نے سوالیہ نظروں سے دردانہ اور ناز کو دیکھا۔ دردانہ نے مسکرا کر کہا" بھائی جان! آپ بھی رک جائیں میں مختصر سی بات کہوں گی پھر چلی جاؤں گی۔"

وہ دونوں اپنی اپنی بیٹی کو سمجھا کر آئی تھیں کہ جب تک انہیں بلایا نہ جائے وہ میرے سامنے نہ آئیں۔ وہ دونوں اپنی موجودگی میں انہیں میرے سامنے پیش کرنا چاہتی تھیں۔ فلک آفتاب نے کہا" دردانہ! جو کہنا ہے جلدی کہو۔ اندر بہت کام ہے۔"

"میں جانتی ہوں کیا کام ہے۔ آپ دونوں اپنی اپنی بیٹی کو مقدر سے منسوب کرنا چاہتی ہیں۔ آپ یہ دیکھ چکی ہیں کہ میں مقدر پر کس طرح سے حاوی ہو رہی ہوں۔ اور وہ بھی مجھے کس قدر چاہتا ہے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اس خاندان کی جس لڑکی کو میں پسند کروں گی وہ اسی سے شادی کرے گا۔"

فلک ناز نے کہا" آپ ایسی ڈینگیں نہ ماریں آج کل کے نوجوان کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں تو سگی ماں تک کو نہیں پوچھتے پھر آپ تو مقدر کی سوتیلی ماں ہیں۔"

دردانہ نے کہا" میں اگر کچھ کہوں گی تو کہا جائے گا کہ ڈینگیں مار رہی ہوں۔ ویسے آزمائش شرط ہے۔ میں یہ تماشا دکھاؤں گی کہ وہ اگر بھائی جان کی بیٹی نمرہ کو پسند کرے گا تو میں اسے آسرا سے شادی کرنے پر مجبور کروں گی۔ اور اگر وہ آسرا کو پسند کرے گا تو میں اسے نمرہ سے شادی کرنے پر مجبور کردوں گی۔ میں یہ راز کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ میرا سوتیلا بیٹا مقدر حیات کس طرح میری مٹھی میں رہتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتی ہوئی اپنی کار تک آئی اور اسے اسٹارٹ کر کے وہاں سے چلی گئی۔ وہ دونوں اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ جانے والی اپنی اہمیت جتا کر ان دونوں کے اندر تجسس پیدا کر گئی تھی۔

بیگم آفتاب نے دل میں سوچا کہ دردانہ سے اب رشتے داری نہ سہی لیکن اسے اپنا بنا کر رکھنا چاہئے۔ یہ کسی بھی وقت کام آسکتی ہے۔

وہ بظاہر منہ بنا کر فلک ناز سے بولی" یہ دردانہ بڑی مکار ہے اپنی مکاری دکھا گئی ہے۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔"

فلک ناز نے دل میں سوچا" مجھے مقدر حیات کو ٹٹولنا چاہئے کہ وہ دردانہ سے اس قدر متاثر کیوں ہے؟ مقدر حیات کو خوش کرنے کے لیے مجھے دردانہ سے رنجش ختم کردینا چاہئے۔ میں کسی وقت دردانہ سے بات کروں گی۔"

پھر وہ بھی بظاہر ناگواری سے بولی" یہ دردانہ بھابی ہمیشہ مجھے زہر لگتی ہیں، میں اس زہر کو کبھی منہ نہیں لگاؤں گی۔"

وہ دونوں وہاں سے پلٹ کر کوٹھی کے دروازے کی طرف جانے لگیں۔ اندر ڈرائنگ روم میں ذیشان' اسما' عینی' عروج' بابر اور عدنان موجود تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا۔ ذیشان نے مجھے گلے لگا کر کہا" اخلاق احمد کے ذریعے تمہارا غائبانہ تعارف ہو چکا ہے۔ اپنی بہن عینی سے ملو۔"

عینی نے سامنے آکر سلام کیا۔ میں نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ پھر اس کی پیشانی کو چوم کر کہا" جب بھائی بہن کے گھر آتے ہیں تو اس کے لیے بہترین تحفہ لے کر آتے ہیں اور میں تو پہلی بار آیا ہوں۔ جانتی ہو کیا تحفہ لایا ہوں؟"

عروج نے آگے بڑھ کر کہا" اسلام علیکم...... آپ تو خالی ہاتھ ہیں۔"

عینی نے کہا" یہ میری جان سے زیادہ عزیز سہیلی عروج ہے۔"

میں نے عروج کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا" تم دونوں سہیلیوں کے چرچے لندن تک پہنچے ہوئے ہیں۔ عروج کا بھی غائبانہ تعارف ہو چکا ہے۔"

عروج نے پوچھا" وہ تحفہ کہاں ہے؟ جو عینی کے لیے لائے ہیں۔"

"اب تو وہ تحفہ تم دونوں کے لیے ہے۔"

"مگر کہاں ہے؟"

میں نے کہا" یہاں میں کھڑا ہوا ہوں جو وہ تمہارا سوتیلا بھائی بہت پہلے پیدا ہوا تھا وہ مر چکا ہے۔ یہ جو مقدر حیات تمہارے سامنے ہے اسے میں سگے بھائی کے طور پر تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں یہی ہے تمہارا تحفہ۔"

عینی نے خوش ہو کر آگے بڑھتے ہوئے اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔ میں نے کہا" اور یہ تحفہ صرف تمہارے لیے نہیں عروج کے لیے بھی ہے۔ جب تمہارا سگا ہوں تو میں عروج کا بھی سگا بھائی ہوں۔"

عروج نے بھی آگے بڑھ کر اپنا سر میرے سینے پر رکھ

دیا۔ میں نے اسما کو دیکھ کر کہا" آداب بھابی جان! آپ اتنی پیچھے کھڑی ہوئی ہیں کہ میں نے آپ کو ڈھونڈ کر نکالا ہے۔"

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ اسما نے کہا" میں ہمیشہ پیچھے ہی رہتی ہوں۔ صرف محبت کرنے والوں کو دکھائی دیتی ہوں تم نے محبت سے دیکھا تو میں نظر آگئی۔"

بیگم آفتاب اور فلک ناز ڈرائنگ روم میں آئیں۔ بیگم آفتاب نے کہا" یہ کیا' کوئی مقدر کو بیٹھنے کے لیے نہیں کہہ رہا ہے، میرا بیٹا کب سے کھڑا ہوا ہے۔"

فلک ناز نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ کو تھام کر ایک طرف لے جاتے ہوئے کہا" یہاں صوفے پر بیٹھو۔"

بیگم آفتاب نے گھور کر ناز کو دیکھا۔ وہ صرف بیٹھنے کا کہہ رہی تھی۔ ناز نے مجھے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔

بیگم آفتاب میرے برابر صوفے پر بیٹھنا چاہتی تھی۔ فلک آفتاب نے کہا" بیگم...... یہ کیا تم یہاں بیٹھنے جا رہی ہو؟ کیا اپنے مقدر بیٹے کو کچھ کھلاؤ پلاؤ گی نہیں؟ انہیں بھوکا رکھو گی؟"

وہ وہاں سے تیزی سے جاتے ہوئے بولی" میں نے کھانے کے لیے سارا انتظام کر دیا ہے۔ بس کیا کروں اپنے مقدر بیٹے کو دیکھ کر سب کچھ ہی بھول گئی۔ ابھی لاتی ہوں بس اپنے ہاتھوں سے منہ میٹھا کراؤں گی۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر آئی۔ وہ مٹھائی سے پہلے اپنی بیٹی نمرہ کی مٹھاس پیش کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ملازم سے کہا" جاؤ ٹرالی لے کر یہاں آؤ۔ جلدی' میں ابھی آرہی ہوں۔ خبردار وہ ٹرالی ڈرائنگ روم میں نہ لے جانا۔"

پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی نمرہ کے بیڈ روم کی طرف گئی۔ وہاں جا کر دروازے پر دستک دی اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکتے ہوئے پوچھا" نمرہ کہاں ہو تم؟"

نمرہ کے اندر تو بے چینی بھری ہوئی تھی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ مقدر حیات کون ہے؟ کیا یہ وہی ہے جس سے پہاڑی علاقے میں سامنا ہوا تھا؟

وہ مجھے چھپ کر دیکھنا چاہتی تھی۔ ڈرائنگ روم کی طرف آرہی تھی کہ ٹھٹک گئی میں اسے روبرو دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ نظریں چرانے لگی۔ میں نے پوچھا" کہاں جا رہی ہو؟ مجھے دیکھنے کے لیے اتنی دور ڈرائنگ روم میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ذرا سر جھکا کر تم اپنے دل میں جھانکو وہاں میں دکھائی دوں گا۔"

وہ بولی" تمہیں اپنے بارے میں بڑی خوش فہمی ہے۔ میرے دل میں نہ کوئی تھا، نہ ہے اور نہ ہی ہوگا۔"

"بڑا بول نہ بولو۔ جب عشق ہوتا ہے تو اندھے لنگڑے اور لولے سے بھی ہو جاتا ہے۔ پھر مجھے تو تمہاری تجلی نے اندھا کیا ہے۔ بس تمہاری ایک جھلک دیکھی تھی۔ پھر اس کے بعد کچھ نہ دیکھ سکا۔ اور نہ ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارے بعد ان آنکھوں میں اب تک دوسری نہیں سمائی۔"

"اچھا...... زیادہ نہ بولو' راستے سے ہٹو مجھے جانے دو۔"

بیگم آفتاب اس کی طرف آرہی تھی اور حیرانی سے دیکھ رہی تھی اسے اپنی بیٹی کے سامنے کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے شانے جھنجوڑ کر پوچھا" یہ تم کس سے بات کر رہی ہو؟"

نمرہ نے چونک کر ماں کو دیکھا پھر اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی نہیں تھا اس کے اندر کا چھپا ہوا خیال تھا دھیما دھیما سا پیار تھا جو اس کے سامنے چلا آیا تھا۔ ماں کی مداخلت سے پھر اس کے اندر آکر چھپ گیا تھا۔

ماں نے پوچھا" تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

نمرہ کو یوں لگا جیسے چوری پکڑی گئی ہے۔ اس نے فوراً ہی بات بنائی" وہ...... وہ کیمسٹری کا ایک سوال ہے میں اسے چلتے پھرتے یاد کرتی ہوں۔"

"تعلیم حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چلتے پھرتے پڑھو۔ اور یہ کوئی پڑھنے کا وقت ہے؟ مقدر حیات آیا ہوا ہے چلو میرے ساتھ۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے چلتی ہوئی اس کوریڈور میں آئی جہاں ملازم کھانے پینے کے سامان کی ٹرالی کے ساتھ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے نمرہ سے کہا" چلو یہ ٹرالی تم لے جاؤ اس کے سامنے پہنچتے ہی سر جھکا کر سلام کرنا، کوئی الٹی سیدھی بات نہ کرنا۔"

نمرہ کے اندر تجسس بھرا ہوا تھا۔ اس نے ماں کی طرف جھک کر آہستگی سے پوچھا" آپ مجھے سچ سچ بتائیں وہ اندھا ہے ناں؟"

اس نے چونک کر بیٹی کو دیکھا پھر کہا" کیوں اس بے چارے کو اندھا بنا رہی ہو؟ وہ اچھا خاصا آنکھوں والا ہے تم ملو تو سہی۔"

وہ ٹرالی کو دھکیلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ میں فلک ناز کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اسے میری پشت دکھائی دے رہی تھی، وہ میری صورت دیکھنا چاہتی تھی۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک طرف ٹرالی گھما کر لا رہی تھی۔ میں ذیشان سے بات کرنے کے بہانے اس

کی طرف سے منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

''بھائی جان! ہمارے باپ دادا تاجر تھے ہم بھی بزنس کر رہے ہیں۔ آپ کیوں ملازمت کی طرف چلے گئے؟ اور وہ بھی پولیس کی ملازمت' دن رات خطرات سے کھیلتے ہوں گے!''

نمرہ نے ٹرالی کو ایک جگہ روک دیا تھا۔ میری باتیں سن رہی تھی۔ پھر میرے پیچھے آ کر بولی ''خطرات سے تو تم بھی کھیلو گے مجھ سے منہ چھپا رہے ہو۔ میں نے آواز سے تمہیں پہچان لیا ہے۔''

میں نے اس کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ پھر حیرانی سے کہا ''ارے تم......؟ یہ تم ہو......؟''

وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کو بولی ''ہاں...... میں ہوں۔ زیادہ بھولے نہ بنو تم ایک نمبر کے مکار ہو۔''

فلک آفتاب نے ایک دم سے اٹھ کر کہا ''نمرہ......! یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تم مقدر میاں کو کیا کہہ رہی ہو؟''

میں نے فلک آفتاب کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا ''تایا ابو! ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ آرام سے بیٹھیں میں آپ کی اس کالی بلی کو پہلے سے جانتا ہوں۔''

وہ پیچھے ہٹ کر بولی ''میں تمہیں کالی دکھائی دے رہی ہوں؟ جھوٹے بہروپیئے۔ اندھے بن کر مجھے دھوکا دے رہے تھے۔''

بیگم آفتاب نے تیزی سے اس کی طرف آتے ہوئے کہا۔ ''نمرہ! یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تمہیں شرم نہیں آتی مقدر میاں کو جھوٹا اور بہروپیا کہہ رہی ہو۔ فوراً ان سے معافی مانگو۔''

وہ بولی ''ممی! آپ کے مقدر میاں نے درجنوں اسٹوڈنٹس کے سامنے مجھے اُلو بنایا ہے۔ معافی میں نہیں مانگوں گی۔ یہ مجھ سے معافی مانگیں گے۔''

میں نے کہا ''ارے واہ...... میں کیوں معافی مانگوں؟ تم اُلو بن رہی تھیں۔ اس لیے میں بنا رہا تھا۔''

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ نمرہ نے ٹرالی سے ایک کانٹا اور ایک چھری اٹھا کر کہا ''تمہیں اندھا بننے کا بہت شوق ہے، ناں......؟ میں تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں گی۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو مجھ سے معافی مانگو۔''

وہ اس انداز میں حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھی جیسے میری آنکھیں پھوڑ ہی ڈالے گی۔ میں نے پیچھے ہٹ کر ادھر ادھر جاتے ہوئے کہا ''تایا ابو! آپ نے یہ کیا چیز پیدا کی ہے؟ سنا تھا کہ چڑیلیں کلیجہ نوچ کر لے جاتی ہیں۔ یہ چڑیل تو میری آنکھیں نکالنا چاہتی ہے!''

میں اِدھر سے اُدھر جا رہا تھا' کبھی صوفے کے درمیان اور کبھی پیچھے اور وہ میرے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ سب ہنس رہے تھے۔ فلک ناز کا چہرہ اتر گیا تھا۔ یہ دیکھ کر مایوس ہو رہی تھی کہ میرے اور نمرہ کے درمیان پہلے سے بے تکلفی ہے۔

میں اِدھر سے اُدھر بھاگتا ہوا آ کر بیگم آفتاب کے پیچھے آ پھر اسے پکڑ کر کھڑا ہو گیا ''بڑی امی! اب آپ ہی مجھے اس سے بچا سکتی ہیں۔''

بیگم آفتاب نے اپنی بیٹی کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر کہا ''نمرہ! اب رہنے بھی دو تمہاری ان حرکتوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں پہلے سے مل چکے ہو۔''

وہ ایسا کہتے ہوئے طنزیہ انداز میں چور نظروں سے فلک ناز کو دیکھ رہی تھی۔ نمرہ نے کانٹا اور چھری کو ٹرالی پر پھینکتے ہوئے ادھر سے جاتے ہوئے کہا ''یہ حضرت جب تک مجھے سوری نہیں کہیں گے میں یہاں نہیں آؤں گی۔''

وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔ بیگم آفتاب آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا ''آپ رہنے دیں میں اسے منا کر لے آتا ہوں۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''ہاں بیٹا اب تو تم اسے مناتے رہو گے۔''

میں ڈرائنگ روم سے نکل کر ایک کوریڈور میں آیا۔ وہ دروازے کے باہر دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ میں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ تو وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے قریب آ کر سرگوشی میں کہا ''تم دوسری طرف دیکھ رہی ہو۔ وہاں بھی میں ہی دکھائی دے رہا ہوں۔''

وہ ایک ادائے ناز سے بولی ''جی نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے تم ایسے نہیں ہو کہ تم پر کوئی لڑکی بھروسا کرے۔''

''میں نے ایسا کیا کیا ہے جو بھروسے کے قابل نہیں رہا؟''

''فریب دینے والے کبھی نہیں مانتے کہ وہ فریبی ہیں۔''

''میں نے کس سے فریب کیا ہے؟ کیا تم سے؟''

''اور نہیں تو کیا...... اندھے بن کر مجھے دھوکا نہیں دے رہے تھے؟''

''میں تمہاری شرم رکھنے کے لیے اندھا بن گیا تھا۔ اس وقت اگر اچانک اندھے کی ایکٹنگ نہ کرتا تو تم شرم سے زمین میں گڑ جاتیں۔ میری اس حرکت سے تمہیں اطمینان ہوا کہ ایک اندھے نے کچھ نہیں دیکھا ہے۔''

اس نے شرما کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ میں نے کہا ''چلو دوسری باتیں کرتے ہیں۔ وہ تصویریں کیسی تھیں؟

نے ان تصویروں کو دیکھ کر اندازہ کیا ہوگا کہ میں کس طرح ہمارے پیچھے رہا کرتا تھا؟ جب بھی موقع ملتا تھا تصویر اتار لیتا ہا۔ کیا وہ تصویریں تم سے یہ نہیں کہتیں کہ تم میرے دل ں آ کر بیٹھ گئی ہو؟''

وہ دیوار کی طرف منہ کر کے بولی ''تم دھوکے باز بھی ہو ر پکے بے شرم بھی، نہ جانے کس رات میرے بیڈ روم میں ھس آئے تھے۔ وہاں تم نے کیسی کیسی تصویریں اتاری ہیں۔ نہیں شرم نہیں آئی؟''

''شرم آتی تو میں نہ آتا، میں نے تمہارے بیڈ روم کے بصورت لمحات کی تصویریں اتاری ہیں۔ تم گہری نیند میں ھیں' تمہارے سونے کے انداز میں بھی حسن اور ادا میں ں۔ تمہاری تصویریں کہتی ہیں کہ خوابیدہ حسن میں بڑی دلکشی دلی ہے۔''

''ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے شرم آتی ہے۔ میں چلی جاؤں لی۔''

''چلو...... ایسی باتیں نہیں کروں گا۔ اب ڈرائنگ روم ں چلو۔ وہاں سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔''

وہ میرے ساتھ چلتی ہوئی۔ ڈرائنگ روم میں آئی۔ اس ی خاموشی دیکھ کر بابر نے کہا ''تالیاں۔''

سب ہی تالیاں بجانے لگے۔ بابر نے کہا ''نمرہ کا جھکا وا سر بتا رہا ہے کہ دونوں میں صلح ہو چکی ہے۔ ہم سب ایک نگِ عظیم سے بچ گئے ہیں۔''

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ بیگم آفتاب سے تو خوشی کے ارے صوفے پر ٹکا نہیں جا رہا تھا۔ عروج نے کہا ''نمرہ! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ تم نے اتنی جلدی ہار کیوں مانی؟''

میں نے کہا ''اس لیے ہار مان لی کہ یہ مقدر حیات کسی سے ہار ماننے والا نہیں ہے۔''

نمرہ نے مجھے بڑے پیار سے گھور کر دیکھا پھر کہا۔ عروج! یہ حضرت بڑی ہی اکڑ دکھا رہے ہیں۔ وہاں تنہائی میں جا کر کہہ رہے تھے کہ سب کے سامنے سوری کہتے ہوئے شرم آ رہی ہے مجھ سے غلطی ہو گئی پلیز! مجھے معاف کر دو۔ اب تم ی بتاؤ ہم لڑکیوں کے دل کتنے بڑے ہوتے ہیں۔ آخر معاف کرنا ہی پڑا۔''

ذیشان نے کہا ''مقدر میاں! یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ تم نے اس چھپکلی سے معافی مانگی ہے؟''

''بھائی جان! یہ بات جھوٹی ہے یہاں آ کر خوامخواہ ڑکیوں کی برتری ثابت کر رہی ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''بھئی...... مجھے تو اس نوک جھونک میں بڑا مزہ آ رہا ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''مقدر میاں نے آتے ہی یہاں کے ماحول کو قہقہوں سے بھر دیا ہے۔ ورنہ یہاں تو اداسی اور خاموشی رہتی ہے۔''

اس نے ان الفاظ کے دوران عینی اور عروج کو دیکھا۔ عینی نے کہا ''کل سے ماتمی خاموشی تھی۔ آج قہقہے گونج رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ کل یہ قہقہے نہ رہیں۔''

اسی وقت فلک ناز اپنی بیٹی آسرا کے ساتھ وہاں آئی۔ اسے دیکھ کر فلک آفتاب اور بیگم آفتاب ذرا بجھ سے گئے۔ عروج نے کہا ''آنے والا کوئی بھی لمحہ قہقہے چرا کر لے جاتا ہے۔''

فلک ناز نے کہا ''بیٹے مقدر! یہ میری بیٹی آسرا ہے۔''

آسرا نے چونک کر پوچھا ''تم......؟ تم مقدر حیات ہو؟''

اس نے گھور کر مجھے دیکھا۔ پھر آگے بڑھی میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا ''دیکھو آسرا! ابھی ایک زبردست حملے سے بال بال بچا ہوں۔ پہلے میری بات سن لو۔''

میں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی ''کیا سنوں......؟ تم تو پکے جھوٹے اور فریبی ہو۔''

فلک ناز نے کہا ''ارے تم بھی اسے وہی کہہ رہی ہو۔ جو نمرہ کہہ رہی تھی؟''

وہ بولی ''نمرہ تو کیا ساری دنیا یہی کہے گی۔ میری سالگرہ کی پارٹی میں کتنے ہی مہمان آئے تھے۔ ان صاحب نے ان سب کو بے وقوف بنایا تھا۔''

پھر اس نے مجھ سے پوچھا ''ان سب کو تو رہنے دو۔ تم نے مجھے بے وقوف کیوں بنایا؟ مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟''

اس نے چونک کر اپنی ہتھیلی کو دیکھا پھر کہا ''اوہ گاڈ! تم تو بہت بڑے نجومی بن کر آئے تھے۔ خوامخواہ سب کے ہاتھ دیکھ رہے تھے۔ اور بے وقوف بنا رہے تھے تم نے مجھے بھی بے وقوف بنایا۔''

اس نے ایک اسٹینڈ پر رکھے گلدان کو اٹھا لیا۔ پھر کہا ''میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔ تم پھر نجومی بننے کے قابل نہیں رہو گے۔''

میں ایک بار پھر اپنے بچاؤ کے لیے اِدھر اُدھر بھاگنے لگا اور وہ میرے پیچھے دوڑنے لگی۔ وہاں سب ہنس رہے تھے صرف آفتاب اور بیگم آفتاب مایوس تھے اور ناگواری سے آسرا کو دیکھ رہے تھے۔ نمرہ کے ساتھ ہونے والی شوخیاں انہیں اچھی لگ رہی تھیں۔ لیکن اب آسرا کے ساتھ ہونے والی

یہی شوخیاں انہیں اندیشوں میں مبتلا کر رہی تھیں۔ یہ سمجھا رہی تھیں کہ مجھے داماد بنانے کے سلسلے میں نمرہ اور آسرا کے درمیان زبردست مقابلہ رہے گا۔

میں فلک ناز کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا ''پھوپی جان! اس گھر میں تو بلیاں ہی بلیاں ہیں۔ ایک سے نجات ملی تو دوسری پنجے مار رہی ہے پلیز مجھے بچائیں۔''

فلک ناز خوشی سے نہال ہو رہی تھی۔ اس نے بیٹی کے ہاتھ سے گلدان چھین کر کہا ''بس کرو آسرا! مقدر میاں نے تمہیں بے وقوف نہیں بنایا ہے تم ان کی زندہ دلی کو سمجھو۔ ان کی قدر کرو۔''

آسرا ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ اس نے سر گھما کر نمرہ کی طرف دیکھا۔ نمرہ اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک دوسرے کے قریب آ گئیں۔

نمرہ نے کہا تھا کہ اسے مقدر حیات سے نہیں بلکہ ایک اندھے سے محبت ہو گئی ہے' اب بھید کھلا تھا کہ وہ اندھا یہ ہی مقدر حیات ہے۔

آسرا نے کہا تھا کہ اسے مقدر حیات سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ اس کا دل تو ایک نجومی پر آ گیا ہے اور اب پتا چل رہا تھا کہ وہی نجومی مقدر حیات ہے۔

وہ دونوں الگ الگ راستوں پر بھٹک رہی تھیں۔ لیکن ایک منزل کے قریب پہنچ چکی تھیں۔

آسرا نے نمرہ کا ہاتھ تھام کر دھیمی آواز میں کہا ''کیا تم اسی کو اندھا کہہ رہی تھیں؟''

وہ بولی ''ہاں...... یہ اپنی زندہ دلی سے مجھے بے وقوف بنا رہے تھے۔''

''پھر تو تمہیں محبت کا یہ اندھا مبارک ہو۔''

''پھر تو میں بھی تمہیں مبارک باد دوں گی۔ تمہارا نجومی بھی یہی ہے۔''

''یہ کہتے ہی آسرا نے اپنا بایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ پھر ہتھیلی کو پھیلا کر کہا'' میرے ہاتھ میں دولت' عزت' شہرت اور زندگی کی تمام لکیریں ہیں لیکن۔''

سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ بولی ''لیکن اس ہاتھ میں شادی کی لکیر نہیں ہے مقدر حیات! تم نجومی ہو' تم نے ثابت کیا ہے کہ سچی پیش گوئیاں کرتے ہو۔ یہاں سب کو بتاؤ کہ میں کتنی بدنصیب لڑکی ہوں۔ میری زندگی میں مجھے کوئی چاہنے والا نہیں آئے گا۔''

ایسا کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے کہا ''اور اگر آئے گا تو زندگی مجھ سے روٹھ جائے گی۔ اس خاندان میں ایک دلہن عینی ہے۔ جس کی زندگی میں دولہا آتے آتے واپس چلا گیا۔ دوسری دلہن میں ہوں میری زندگی میں جب بھی کوئی دولہا آئے گا تو میں موت کو گلے لگا لوں گی یہی میرا مقدر ہے۔''

یہ کہہ کر وہ روتی ہوئی ڈرائنگ روم سے چلی گئی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے قہقہے گونج رہے تھے۔ اچانک ہی گہری خاموشی چھا گئی۔ میرا سر جھک گیا میں نے آسرا سے جھوٹ نہیں کہا تھا' دھوکا نہیں دیا تھا۔ جو اس کی تقدیر میں لکھا ہے وہ اس کے سامنے آئے گا۔ ابھی یہ دیکھ کر دکھ ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگی ہے اور یہ سمجھ رہی ہے کہ میں اسے چاہوں گا۔ تب بھی میری چاہت نہیں ملے گی۔ اسے تو موت ہی ملے گی۔

بیٹی کے آنسوؤں نے ماں کو پریشان کر دیا۔ اسے یوں لگا جیسے بیٹی بازی جیتنے سے پہلے ہار کر چلی گئی ہے۔ وہ اس کے پیچھے تیزی سے جا رہی تھی۔ پھر دروازے کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ کچھ سوچ کر پلٹ کر مجھے دیکھنے لگی پھر بولی ''یہ کیا بکواس کر رہی تھی؟ اپنے ہاتھ کی لکیریں دکھا رہی تھی۔ اس نے تمہیں نجومی کہا ہے۔ کیا تم نے ہی اسے کہا تھا کہ اس کی شادی نہیں ہو سکے گی؟''

میں نے فلک ناز کی طرف دیکھا۔ پھر سر جھکا لیا۔ میرے قریب آ کر بولی ''بیٹے! تم نے اس کا دل توڑا ہے آخر اس کی کوئی وجہ تو ہو گی؟''

''پھوپی جان! آپ مجھے غلط نہ سمجھیں' آسرا بہت اچھی ہے میں اسے بہت چاہتا ہوں لیکن جسے چاہتا ہوں اسے دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا۔ میرے علم نجوم کے مطابق مجھے حقائق معلوم ہوئے وہ میں نے اس کے سامنے رکھ دیئے۔''

''بعض حقائق ایسے ہوتے ہیں جو ظاہر نہیں کیے جاتے کیونکہ سننے والوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر تمہارا علم یہ کہتا کہ میری بیٹی کی شادی نہیں ہو سکے گی تو اسے یہ بتانا ضروری نہیں تھا۔ وہ خوش فہمی میں مبتلا رہتی اور اپنی زندگی ہنسی خوشی گزارتی۔''

''یہی تو بات ہے پھوپی جان! وہ اپنی زندگی ہنسی خوشی نہیں گزارتی' اگر کوئی گڑھے کی طرف گرنے جا رہا ہو تو فرض ہے کہ میں اسے گرنے سے روکوں۔ اگر میں اسے حقیقت نہ بتاتا تو وہ کسی سے شادی کر لیتی اور پھر اسے سہاگن کی خوشیاں کبھی نصیب نہ ہوتیں۔ زندگی بالکل ہی ختم ہو جاتی۔ آپ ایک ماں ہیں چاہیں گی کہ اس کو ایک لمبی اور خوش حال زندگی ملے۔ اور وہ لمبی زندگی اسی طرح جی سکتی ہے کہ کبھی شادی نہ کرے۔''

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے ایک دوسرے کو چور نظروں سے دیکھا۔ دونوں اندر ہی اندر خوش ہو رہے تھے۔ ان کی بیٹی نمرہ کے مقابلے پر آنے والی کو مقدر خود ہی اپنے سے دور کر رہا تھا۔ فلک ناز نے کہا ''میں نہیں مانتی ایسے علم نجوم کو۔ کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ ہاتھ کی لکیریں بالکل سچ بولتی ہوں۔''

میں نے کہا ''نہ ماننے والوں کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ ہاتھ کی لکیریں پتھر کی لکیر ہوتی ہیں جو کہہ دیتی ہیں وہ ہو کر رہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نجومی ان لکیروں کو صحیح طرح سے پڑھنا نہیں جانتے۔ اور الٹی سیدھی پیش گوئی کرتے ہیں۔ مجھے اس علم میں دس برس کی مہارت حاصل ہے۔ اور میں جو کہتا ہوں وہ ہو کر رہتا ہے' یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے ہونے والی بات نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہی کاتبِ تقدیر ہے' وہی لکھتا ہے اور اس کا لکھا ہوا اٹل ہوتا ہے۔ صرف وہ چاہے تو اپنے لکھے کو مٹا سکتا ہے یا بدل سکتا ہے۔''

وہ بولی ''تم میرا ہاتھ دیکھ کر میرے ماضی کی کوئی بات بتا سکتے ہو؟ اور مستقبل کی کوئی پیش گوئی کر سکتے ہو؟''

''میں سچ بولتا ہوں' لیکن میرا سچ سننے والے کے لیے اتنا کڑوا ہوتا ہے کہ وہ اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اور مجھے جھوٹا کہہ دیتا ہے۔''

وہ اپنا بایاں ہاتھ میری طرف بڑھا کر بولی ''میں سب کے سامنے سچ کو تسلیم کروں گی۔''

میں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر لکیریں دیکھنے لگا۔ ان لکیروں کو پڑھنا ضروری نہیں تھا۔ مقدر تو پہلے ہی بہت کچھ پڑھ چکا ہوتا ہے۔ میں بظاہر لکیروں کو دیکھ کر سوچتا رہا۔ پھر میں نے کہا ''آپ کو کون سی بات بتاؤں؟ آپ کی شادی یا آپ کی اولاد کی؟''

''دونوں باتیں بتاؤ۔''

''آپ کے ساس سسر آپ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بہو بنانا نہیں چاہتے تھے لیکن پھوپا جان آپ کو بہت چاہتے تھے۔ انہوں نے والدین کی مرضی کے خلاف آپ سے شادی کی تب انہوں نے بیٹے کی خاطر آپ کو برداشت کر لیا۔''

''یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں۔ تمہیں بھی کسی کے ذریعے معلوم ہو گئی ہو گی۔''

''لیکن یہ تو نہیں جانتے کہ پھوپا جان کی موت آپ کی وجہ سے ہوئی تھی۔''

اس نے ایک دم سے گھبرا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ پھر ناگواری سے کہا ''یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟''

پھر اسے احساس ہوا کہ میں کس حکمت عملی سے اس کا داماد بن سکتا ہوں۔ اس نے فوراً ہی سنبھل کر کہا ''بیٹے! میرا مطلب یہ ہے کہ تم یہ کیسی بات کر رہے ہو بھلا تمہارے پھوپا جان کی موت میری وجہ سے کیوں ہو گی؟''

''آپ چاہتی تھیں کہ پھوپا جان اپنے نام کی جائیداد آپ کے نام کر دیں۔ اور آپ ان سے ضد کرتی رہتی تھیں۔ انہوں نے آپ کی محبت سے مجبور ہو کر اپنا سب کچھ آپ کے نام اس شرط پر لکھا کہ آپ جائیداد کے وہ کاغذات کسی کو نہیں دکھائیں گی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے والدین کو یہ بات معلوم ہو کہ بیٹے کا سب کچھ بہو کے نام ہو چکا ہے۔''

''تم غلط کہہ رہے ہو۔ تمہارے پھوپا نے اپنی مرضی سے میرے نام سب کچھ لکھا تھا۔ اور میرے ساس سسر اس پر اعتراض نہیں کر سکتے تھے۔''

''آپ مجھے غلط تو کہہ رہی ہیں' لیکن یہ خوب سمجھ رہی ہیں کہ میں ایک ایک بات سچ کہہ رہا ہوں۔ پھوپا جان ایک زبردست ایکسیڈنٹ سے دوچار ہوئے تھے۔ اس حادثے میں ان کے پھیپھڑے متاثر ہوئے تھے۔ انہیں سانس لینے میں دقت محسوس ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ انہیلر لیتے رہتے تھے تاکہ سانس بحال رہے۔ آپ یہ تسلیم نہیں کریں گی کہ آپ ان سے بے زار ہو گئی تھیں۔ ایک رات ان سے لڑ جھگڑ کر کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔ انہیلر اپنے ساتھ لے گئی تھیں اور دروازے کو باہر سے بند کر دیا تھا۔ وہ آپ کے بغیر تنہا سو سکتے تھے۔ لیکن انہیلر کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ ان کی جب سانسیں رکنے لگیں تو انہوں نے وہ انہیلر تلاش کیا۔ تکیے کے نیچے اِدھر اُدھر الماری میں درازوں میں، لیکن وہ کہیں نہیں ملا۔ اور اِدھر اُدھر ہانپتے کانپتے لڑکھڑاتے گرتے رہے پھر وہ دروازے پر آئے تو پتا چلا کہ وہ باہر سے بند ہے۔ انہوں نے دروازے کو پیٹنا چاہا لیکن اس وقت ان میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ دروازے کو پیٹ کو آواز دیتے۔ وہ وہیں گر پڑے جب صبح کو دروازہ کھولا گیا تو وہیں ان کی لاش پڑی ہوئی تھی۔''

فلک ناز نے چیخ کر کہا ''تم یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ تم مجھے اپنے شوہر کی قاتلہ کہہ رہے ہو؟ میں تمہاری سگی پھوپی ہوں؟ تمہیں شرم آنی چاہئے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ نے جان بوجھ کر انہیں قتل کیا تھا۔ آپ تو غصے میں انہیلر لے کر چلی گئی تھیں۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ اس کے بغیر ان کی موت واقع ہو جائے گی۔

آپ تو یہی سمجھ رہی تھیں کہ صبح تک ان کی سانس بحال رہے گی۔"

وہ ذرا دھیمی پڑ گئی۔ میں نے اسے نرم کرنے کے لیے ذرا جھوٹ بولا ورنہ حقیقت تو یہی تھی کہ اس نے جان بوجھ کر انہیلر چھپایا تھا۔ گویا ان کی زندگی اپنی مٹھی میں بند کر لی تھی۔ وہ اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولی "تمہارے پھوپا کا انہیلر میرے پرس میں ہی رہا کرتا تھا جب میں کمرے سے گئی تو وہ اسی پرس میں رہ گیا۔ انہیں کمرے میں آ کر مردہ حالت میں دیکھا تو انہیلر کو تلاش کرنے لگی۔ تب یاد آیا کہ وہ تو میرے پرس میں تھا۔"

میں نے تائید کے انداز میں سر ہلا کر کہا "بے شک یہی ہوا تھا میں بھی اپنی پھوپی جان پر خوامخواہ بے جا الزام کیوں لگاؤں گا؟"

وہ مطمئن ہو کر بولی "خدا کا شکر ہے کہ تم نے سچ کو مان لیا ورنہ یہاں سب ہی مجھے اپنے شوہر کی قاتلہ سمجھنے لگتے۔"

میں نے کہا "آپ یہ تسلیم کر ہی لیں کہ پھوپا جان کے آخری لمحات میں جو کچھ ہوا اسے میں نے آپ کی ہتھیلی پر دیکھا ہے۔"

وہ پھر اپنی ہتھیلی بڑھا کر بولی "میری بات چھوڑو، میرے عدنان کے بارے مین بتاؤ۔ میں اس کے لیے بہت ہی فکرمند رہتی ہوں۔ کیا یہ میرا بیٹا ہمیشہ ابنارمل رہے گا؟"

میں نے اس کی ہتھیلی پر نظر ڈال کر کہا "شادی کے چھ ماہ بعد ہی آپ کے پاؤں بھاری ہوئے۔ آپ پریشان ہو گئیں پھوپا سے کہا کہ آپ اتنی جلدی ماں بننا نہیں چاہتیں۔ دنیا گھومنا چاہتی ہیں آپ کے شوہر اور ساس سسر نے اعتراض کیا کہ نہیں، اولاد ہونی چاہیے۔ ہمیں اپنے خاندان کا وارث چاہیے۔ اس بات پر بڑے جھگڑے ہوئے آپ نے بظاہر خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن درپردہ دواؤں سے بچے کو ضائع کرنا چاہا، لیکن ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "دیکھو بیٹے! تم بے تکی باتیں کر رہے ہو۔ میں بھلا اپنے بچے کو ضائع کیوں کروں گی؟"

"ان دنوں آپ کے اندر ایک ہی دھن سمائی ہوئی تھی کہ شادی کے بعد بھی آپ کو کنواری دوشیزہ نظر آنا چاہیے، بچہ ابھی نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن ضرر رساں دواؤں نے کچھ اثر کیا کچھ نہیں کیا۔ اور آپ نے عدنان کو جنم دے دیا۔"

"تم بے تکی باتیں کر رہے ہو۔ اگر میں بچے کو جنم دینا نہیں چاہتی تو میرا یہ بیٹا کیسے پیدا ہوتا؟"

"جی ہاں...... اپنے مقدر سے پیدا ہوا ہے۔ لیکن ضرر رساں دواؤں کے باعث ابنارمل ہو گیا۔"

وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی "پہلے تو تم نے الزام لگایا کہ میں نے تمہارے پھوپا کو قتل کیا ہے پھر فوراً ہی بات بدل دی کہ جو کچھ ہوا تھا' محض دھوکے سے ہوا تھا اب یہ الزام دے رہے ہو کہ میں اپنے بیٹے کو جنم نہیں دینا چاہتی تھی اور جب جنم دیا ہے تو اسے ضرر رساں دواؤں کے ذریعے ابنارمل بنا دیا ہے۔ ادھر میری آسرا کا دل یہ کہہ کر توڑ دیا ہے کہ اس کی شادی کبھی نہیں ہو سکے گی۔ آخر تم کیا چاہتے ہو کیوں میرے بیٹے اور بیٹی کے خلاف ایسی باتیں کر رہے ہو؟"

"پھوپی جان! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ نجومی کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی اس کے منہ سے ہاتھ کی لکیریں بولتی ہیں۔ ویسے جو کچھ میں نے کہا ہے اسے سن کر ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ جو غلطیاں آپ سے ہوئی ہیں وہ غلطیاں دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ دوسرے اپنی کمزوریاں چھپا لیتے ہیں۔ اگر آپ اپنا ہاتھ نہ دکھاتیں تو آپ کی غلطیاں اور کمزوریاں بھی چھپی رہتیں۔"

وہ بولی "نہ میں اپنے شوہر کی دشمن تھی نہ اپنے بیٹے کی دشمن ہوں۔ یہ تو کوئی ماننے والی بات نہیں ہے کہ میں اپنے ہی شوہر سے اور اپنی اولاد سے دشمنی کروں گی۔"

"میں ماضی کی جو بھی باتیں بتاؤں گا اسے فوراً ہی جھٹلا دیا جائے گا اور ایسا میرے ساتھ اکثر ہوتا ہے۔ سبھی مجھے جھٹلا دیتے ہیں لیکن جب مستقبل کی پیش گوئی کرتا ہوں اور وہ بات سامنے آتی ہے تو مجھے جھوٹا کہنے والوں کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں۔"

"کیا اب میرے مستقبل کے بارے میں بھی پیش گوئی کرو گے؟"

"جی ہاں! میں صرف دو اہم باتیں بتاؤں گا تاکہ جب یہ باتیں سچ ثابت ہوں تو یہاں تمام سننے والوں کو یقین ہو جائے کہ میں سچ کہتا ہوں۔"

گھر کے تمام افراد بڑی توجہ اور دلچسپی سے میری باتیں سن رہے تھے۔ میں نے کہا "میری پہلی پیش گوئی تو یہ ہے کہ آپ عنقریب اپنے ایک بدترین دشمن کو دوست بنا لیں گی۔ دوسری پیش گوئی یہ ہے کہ آپ اپنی بیٹی آسرا کو خود ہی موت کے قریب لے جانا چاہیں گی۔"

وہ پریشان ہو کر مجھے دیکھ رہی تھی پھر بڑے دکھ سے بولی "تم سب کے سامنے ایسی باتیں کر رہے ہو جن سے میری توہین ہو رہی ہے۔"

"کیا کروں پھوپی جان! میں دوسروں کے آگے کسی کا راز ظاہر نہیں کرتا لیکن جب کوئی میرے آگے اپنی ہتھیلی پھیلاتا ہے تو اس کے ہاتھ کی لکیریں میری زبان سے بولنے لگتی ہیں۔"

میں نے فلک ناز کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "آپ میری پھوپی ہیں میں خوامخواہ آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ قسمت کی لکیریں بدلتی رہتی ہیں ہو سکتا ہے کہ آسرا کے ہاتھ میں شادی کی لکیر اتنی گہری ہو جائے کہ اس کا تعلق میرے ہاتھ کی لکیر سے ہو جائے اور وہ میری بن جائے۔"

وہ ایک دم سے چونک کر خوش ہو کر مجھے دیکھنے لگی' میں نے کہا "کاتبِ تقدیر کے کھیل بڑے انوکھے اور ناقابلِ فہم ہوتے ہیں کبھی ہونی انہونی ہو جاتی ہے اور کبھی انہونی ہونی ہو جایا کرتی ہے۔"

میں نے ایسا کہتے ہوئے اس کے شانے پر اپنے ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ ڈالا' جیسے اشارتاً کہہ رہا ہوں کہ "میں آپ کا ہوں اور آپ ہی کا داماد بننے والا ہوں۔"

وہ اندر سے مرجھا گئی تھی ایک دم سے کھل اٹھی، میرے گال پر ہلکی سی چپت مارتے ہوئے بولی "تم نے تو نجومی بن کر مجھے الجھا ہی دیا تھا۔ ٹھیک ہے بیٹا! میں ذرا آسرا کے پاس جا رہی ہوں۔ اسے تسلی دوں گی پھر تم سے تنہائی میں باتیں کروں گی۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی تو بیگم آفتاب نے میری طرف بڑھتے ہوئے کہا "اچھا ہوا بیٹا! جو تم نے سب کے سامنے اس کی حقیقت بتا دی۔ مگر ہے بڑی ڈھیٹ تسلیم نہیں کر رہی تھی۔"

فلک آفتاب نے کہا "تم بہت چالاک ہو بیٹے پہلے تو تم نے اس کے سامنے کڑوا سچ کہا۔ پھر اپنی باتوں سے مٹھاس گھول دی۔ آسرا کے بارے میں یہ آسرا دیا کہ اس کے ہاتھ کی لکیر بدل سکتی ہے اس کی شادی ہو سکتی ہے یہ سن کر تو وہ نہال ہو گئی کہ آسرا تمہاری دلہن بن سکتی ہے۔"

میں نے کہا "بڑے ابو میں نے جھوٹ نہیں کہا ہے یہ سچ ہو سکتا ہے۔"

نمرہ نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا "ابھی ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن یہ مان لو کہ اکثر جو ہم نہیں سوچتے وہی سامنے آ جاتا ہے۔"

نمرہ مجھے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے بے اختیار اپنی بائیں ہتھیلی میری طرف پھیلا دی "مجھے بتاؤ میری لکیریں کیا کہتی ہیں۔"

میں نے بڑے پیار سے اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اس بہانے اسے چھونے کا موقع مل گیا اس کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو رہی تھیں کیونکہ پہلی بار کسی چاہنے والے کے ہاتھوں میں اس کا ہاتھ آیا تھا۔

میں تھوڑی دیر تک اس کی ہتھیلی پر اپنی انگلیاں پھیرتا رہا۔ ایسا لگ رہا تھا کھلتا ہوا گلاب میرے ہاتھوں میں آ گیا ہے پھر میں نے کہا "میں تمہارے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہوں اتنا بتا سکتا ہوں کہ تم پر ایک کتاب لکھ سکتا ہوں۔"

سب لوگ توجہ سے مجھے دیکھنے لگے۔ میں نمرہ کے ساتھ آ کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا، پھر بولا "تم میڈیکل کالج میں فرسٹ ایئر کی طالبہ ہو ایک ماہ پہلے تم نے ایک پریکٹیکل کلاس اٹینڈ کی اپنے پروفیسر اور طلبہ و طالبات کے ساتھ ایک مردہ گھر میں گئیں تم ذرا ڈرپوک ہو اندر سے سہمی ہوئی تھیں' اور اس مردہ خانے میں جا کر مردوں سے نظریں چرا رہی تھیں جو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ وہ بیچارے دیکھ بھی نہیں سکتے تھے کہ تمہاری جیسی خوبصورت لڑکی وہاں آئی ہوئی ہے۔ لیکن پھر ایک عجیب بات ہوئی ایک نوجوان لاش کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں تمہیں یوں لگا جیسے وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

نمرہ مجھے حیرانی سے دیکھ رہی تھی میں نے پوچھا "کیا میں سچ کہہ رہا ہوں؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا میں نے کہا "اب میں تم سے پوچھتا ہوں تمہیں ایسا کیوں لگا کہ وہ مردہ تمہیں دیکھ رہا تھا؟"

اس نے اپنے ماں باپ کی طرف دیکھا پھر کہا "اس مردہ خانے میں جب پروفیسر مختصر سا لیکچر دے رہا تھا تب میں نے دیکھا تھا' اس مردے نے پلک جھپکائی تھی پھر دوسرے ہی لمحے میں اسی طرح اس کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ وہاں سے باہر آ کر میں نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ یہ میرا وہم تھا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے اس مردہ گھر میں جگہ جگہ ٹھنڈک کی وجہ سے برف جمی ہوئی تھی مردے جمی ہوئی برف کے درمیان پڑے ہوئے تھے۔ کوئی زندہ شخص دن رات وہاں نہیں رہ سکتا تھا اگر وہ مردہ نہیں تھا، زندہ تھا تو اتنی ٹھنڈک میں نہیں رہ سکتا تھا۔"

"میں نے کہا" آگے تم نہ بولو میں بولتا ہوں تم پچھلے ایک ماہ سے آسیب زدہ ہو تمہیں ایسا لگ رہا ہے کہ وہ تمہارا پیچھا کرتا رہتا ہے۔ اسکی کھلی ہوئی آنکھیں چھپ چھپ کر کہیں نہ کہیں سے تمہیں دیکھتی رہتی ہیں۔"

اسما' عینی' عروج سبھی دم سادھے یہ باتیں سن رہی تھیں۔

بیگم آفتاب نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا" ہائے میں مر جاؤں یہ میری بچی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟"

فلک آفتاب نے کہا" بیٹی تم آسیب زدہ ہو کر کسی سے خوف زدہ ہو اور ہم سے یہ بات چھپاتی رہتی ہو؟"

ماں نے کہا" کوئی بدروح اس کے پیچھے لگی ہے۔"

ذیشان نے کہا" ممی آج کے ترقی یافتہ دور میں آپ بدروحوں کی باتیں کر رہی ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے' ذرا مقدر میاں کی باتیں تو سن لینے دیں۔"

اسما نے کہا" مقدر میاں یہ ماننا پڑتا ہے کہ تم نے علم نجوم میں بڑی مہارت حاصل کی ہے۔"

میں ان کی باتوں کے دوران میں نمرہ کی نرم و نازک ہتھیلی کو سہلا رہا تھا اسے ایک طرح سے یہ سہارا مل رہا تھا کہ آسیب ہو' جن ہو' یا کوئی بلائے ناگہانی ہو اس کا ہاتھ ایک محافظ کے ہاتھوں میں آگیا ہے۔ وہ بولی" تم ایسی باتیں بتا رہے ہو جنہیں کوئی نہیں جانتا صرف میں محسوس کرتی رہتی ہوں۔ کیا یہ بتا سکتے ہو کہ واقعی وہ آنکھیں مجھے دیکھتی رہتی ہیں؟"

" اگر دیکھتی رہتی ہیں تو کیسے؟ کیا وہ مردہ نہیں ہے؟"

" جب اس مردے کے ہاتھ کی لکیریں پڑھوں گا تو بتا سکوں گا۔ ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

" اس کے بعد کیا ہوا تم بتا سکتے ہو؟"

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا" فرسٹ ایئر میں ڈائی سیکشن کی کلاس ہوتی ہے اس کلاس میں مردے کو ایک بڑی سی میز پر ڈالا جاتا ہے۔ وہاں آپریشن کے تمام آلات رکھے جاتے ہیں۔ طلبا و طالبات کو بتایا جاتا ہے کس طرح انسانی جسم کو چیر کر آپریشن کیا جاتا ہے اور پھر کس طرح ٹانکے لگائے جاتے ہیں لیکن اس روز ڈائی سیکشن کی کلاس نہ ہو سکی' کیونکہ اسپتال کے دو بھنگیوں نے آ کر اطلاع دی کہ مردہ گھر سے جس نمبر کے مردے کو لانے کے لیے کہا گیا تھا اس نمبر کا مردہ وہاں نہیں ہے' غائب ہو گیا ہے۔"

" کیا......؟" سب حیرانی سے کبھی مجھے اور کبھی نمرہ کو دیکھنے لگے بیگم آفتاب نے گھبرا کر پوچھا" نمرہ کیا یہ سچ ہے وہ مردہ غائب ہو گیا تھا؟"

نمرہ نے کہا" جی ہاں! یہ درست کہہ رہے ہیں۔ اسپتال میں اس بات پر ہنگامہ برپا ہو گیا تھا یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ مردہ خود ہی اٹھ کر اپنے پیروں سے چلتا ہوا اس مردہ گھر سے باہر کہیں چلا گیا ہوگا۔"

عینی نے پوچھا" اگر وہ خود کہیں نہیں گیا تھا تو پھر غائب کیسے ہو گیا تھا؟"

نمرہ نے کہا" پولیس والے اس اسپتال کے وارڈ بوائز کی اور بھنگیوں کی پٹائی کرنے لگے پوچھنے لگے کہ وہ مردہ کہاں ہے چند سال پہلے ایسے دو مجرم پکڑے گئے تھے جو مردہ گھر سے مردے چرا کر دوسرے اسپتالوں میں لے جا کر فروخت کرتے تھے۔ کتنے ہی اسپتالوں اور میڈیکل کالجوں میں لاوارث مردوں کی سخت ضرورت پڑتی رہتی ہے ان مردوں کے ذریعے طلبا و طالبات کو انسانی اعضا کے بارے میں تفصیل سے بتایا جاتا ہے پولیس والوں کا اور اسپتال کے منتظمین کا خیال تھا کہ وارڈ بوائز یا بھنگیوں نے اس مردے کو لے جا کر کہیں فروخت کر دیا ہے۔"

میں نے کہا" اگر ایسا ہوا تھا تو کوئی مجرم پکڑا نہیں گیا۔ ثابت نہیں ہو سکا کہ مردہ چور اسے چرا کر لے گئے ہیں۔"

بیگم آفتاب نے سہم کر کہا" پھر تو وہ مردہ نہیں ہوگا کوئی بدروح ہوگی جو میری بیٹی کا پیچھا کر رہی ہے۔"

بابر نے کہا" ممی آپ خوامخواہ نمرہ کو خوف زدہ کرنے والی باتیں کر رہی ہیں۔ میں نہیں مانتا کہ کوئی نیک روح یا بدروح ہوا کرتی ہے۔ کیوں مقدر بھائی؟ جب آپ اتنی باتیں جانتے ہیں تو اس روح کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتے ہوں گے۔"

" میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر بہت کچھ بتا سکتا ہوں اور میں نے اس مردے کا ہاتھ نہیں دیکھا۔ میں اتنا ہی بتا سکتا ہوں... جتنا کہ نمرہ کے ہاتھ کی لکیریں بتا رہی ہیں۔"

اسما نے کہا" مقدر میاں! تم نے تشویش میں مبتلا کرنے والا تجسس پیدا کر دیا ہے۔ آگے کچھ بتاؤ؟"

میں نے نمرہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا' میں آگے بتاؤں؟"

اس نے ہچکچاتے ہوئے اپنے والدین کو اور اپنے جان کو دیکھا پھر التجا آمیز نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے میں سر ہلایا۔ اس کی یہ ادا مجھے بہت اچھی لگی۔ میں نے "چلو ہم دوسری باتیں کرتے ہیں۔"

عینی نے کہا" یہ تو کوئی بات نہ ہوئی آپ ہمیں تجسس میں مبتلا کر کے بات بدل رہے ہیں۔"

میں نے کہا" میری بہنا! میں کسی کی مرضی سے ہاتھ دیکھتا ہوں جب وہ مجھے کچھ کہنے سے منع کر دے میری زبان بند ہو جاتی ہے۔ میں نے یہاں آنے سے پہلے سوچا تھا کہ میں اس خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کروں گا ہوں اس وقت سب کے سامنے نمرہ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں

ہے اور یہی میری آئیڈیل ہے میں بڑے ابو سے بڑی امی سے اور ذیشان بھائی سے نمرہ کو مانگنا چاہتا ہوں لیکن......"

میری اس بات نے بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کو خوش کر دیا تھا کہ میں کھل کر اپنی پسند کا اظہار کر رہا ہوں اور ان کا داماد بننا چاہتا ہوں لیکن وہ خوش ہوتے ہوتے ذرا سے بجھ گئے تھے کیونکہ میں نے لفظ" لیکن" استعمال کیا تھا۔

بیگم آفتاب نے بے چین ہو کر پوچھا" بیٹے لیکن کیا؟ تمہارے دل میں کوئی بات ہو تو صاف صاف کہو۔"

" میرا دل آئینے کی طرح صاف ہے لیکن میرے اور نمرہ کے درمیان بہت سی رکاوٹیں ہیں اور خاص طور پر وہ آسیب سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔"

پھر ایک بار سبھی چونک گئے فلک آفتاب نے پریشان ہو کر پوچھا" آخر یہ آسیب ہے کیا چیز؟ تم آگے بتانا چاہتے تھے لیکن اس نے تمہیں منع کر دیا۔ کیوں نمرہ! آخر بات کیا ہے؟ ....کیوں ہمیں فکر اور پریشانی میں مبتلا رکھنا چاہتی ہو؟"

وہ بولی" ڈیڈ! میں آپ لوگوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے تنہا پریشان رہنے دیں میں خود سمجھنا چاہتی ہوں کہ وہ کون ہے۔ اس کا کوئی وجود نظر نہیں آتا پھر بھی وہ ہے۔ یہیں کہیں ہے۔ میرے بھائی جان پولیس افسر ہیں مجھے کوئی خطرہ پیش آئے گا تو میں سب سے پہلے انہیں بتاؤں گی۔"

اس نے بڑی آہستگی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں سے چھڑا لیا۔ پھر کہا" میں جانا چاہتی ہوں' پھر کسی وقت ملوں گی۔"

بیگم آفتاب نے کہا" بیٹے تم سفر سے تھکے ہوئے آئے ہو اور ہم نے تمہیں اپنے ساتھ یہاں مصروف رکھا ہے تمہیں تو شاور لے کر آرام کرنا چاہیے۔ میرے ساتھ چلو میں تمہارا کمرا دکھاؤں۔"

وہ اٹھنا چاہتی تھی' عروج نے کہا" ذرا ایک منٹ۔"

پھر اس نے مجھ سے کہا" بھائی جان آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ علم نجوم میں واقعی آپ کو مہارت حاصل ہے پلیز عینی کا ہاتھ دیکھیں اور بتائیں اس کے دل کی مراد پوری ہوگی یا نہیں؟ کیا آپ اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر پاشا کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟"

میں نے کہا" عینی! آؤ میرے پاس آ کر بیٹھو۔"

وہ بولی" بھائی جان پہلے میرا نہیں عروج کا ہاتھ دیکھیں۔"

عروج نے کہا" مجھے اپنا ہاتھ دکھانے کا شوق نہیں ہے میں تو تیرا ہاتھ اس لیے دکھانا چاہتی ہوں کہ شاید پاشا کا کوئی سراغ مل جائے۔"

عینی نے عروج کو معنی خیز نظروں سے دیکھا پھر کہا" ہم دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں ایک جیسی ہیں۔ تیرا ہاتھ دیکھ کر بھی پاشا کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"

عروج نے جھینپ کر ہم سب کو دیکھا پھر عینی کو گھور کر کہا" کیوں بچوں جیسی باتیں کر رہی ہے اپنا ہاتھ کیوں نہیں دکھاتی؟"

" تو سمجھتی کیوں نہیں۔ میں بہت بدنصیب ہوں میرے ہاتھ میں پاشا کے لیے کوئی لکیر ہوتی تو وہ نکاح کے وقت ضرور آ جاتا۔"

عروج نے کہا" کیا میرے ہاتھوں میں نکاح کی لکیر ہے؟ کیوں ایسی بے تکی باتیں کر رہی ہے؟"

میں نے کہا" تم دونوں آپس میں جھگڑا نہ کرو دونوں ہی میرے سامنے آؤ۔ میں بیک وقت دونوں کے ہاتھ دیکھوں گا۔"

عینی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا" ہاں یہ ٹھیک رہے گا' چل اٹھ ابھی بھائی جان ہم دونوں کا ہاتھ دیکھیں گے ہم میں کسی نہ کسی کے ہاتھ کی لکیر پاشا کے بارے میں ضرور کچھ بتائے گی۔"

وہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آئیں' عینی میرے قریب صوفے پر بیٹھ گئی عروج بیٹھنے کے لیے ایک اسٹول لے کر آئی پھر دونوں نے اپنی اپنی بائیں ہتھیلی میرے آگے کر دیں۔ میرے سامنے ہر انسان کھلی ہوئی کتاب کی طرح رہتا ہے ان دونوں کی بھی زندگی کا ایک ایک صفحہ میرا پڑھا ہوا تھا۔

میں کبھی عینی کے ہاتھ کو اور کبھی عروج کے ہاتھ کو دیکھنے لگا' چہرے سے یوں ظاہر کرنے لگا جیسے کچھ الجھ رہا ہوں۔ کہنا چاہتا ہوں لیکن کہنا بھی نہیں چاہتا۔ عروج نے پریشان ہو کر پوچھا" آپ چپ کیوں ہیں بھائی جان؟"

میں نے کہا" میں نے ایسے بہت کم ہاتھ دیکھے ہیں جن کی لکیریں ایک دوسرے سے اس قدر ملتی ہوں۔"

میں نے عروج کی ہتھیلی کو بند کرتے ہوئے کہا" میں عینی کا ہاتھ پکڑ کر تمہارے حالات بتا سکتا ہوں۔"

پھر میں نے عینی کی مٹھی بند کی اور عروج کی مٹھی کھول کر کہا" اور تمہارے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر عینی کا حال بتا سکتا ہوں تمہارا وجود الگ الگ ہے لیکن روح ایک ہے۔ تمہاری خوشی اس کی خوشی ہے، تمہارا صدمہ اس کا صدمہ ہے دونوں کا مزاج ایک ہے دونوں کی پسند ایک ہے اور دونوں کا جیون ساتھی بھی ایک ہی ہوگا۔"

عینی اور عروج پریشان ہو کر بیگم آفتاب، فلک آفتاب اور ذیشان وغیرہ کو دیکھنے لگیں۔ یہ بھید کھل رہا تھا کہ وہ دونوں ایک ہی شخص کو چاہتی ہیں، انہیں ایک ہی شخص کے نکاح میں آ کر سوکن بن کر رہنا گوارہ تھا۔

عروج نے جلدی سے کہا ''بھائی جان! آپ یہ بات رہنے دیں صرف اتنا بتا دیں کہ پاشا عینی کی زندگی میں آئے گا یا نہیں؟''

میں نے ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''صرف..... ایک ہی کی نہیں دونوں کی زندگی میں آئے گا۔''

وہ دونوں خوش ہو گئیں عروج نے کہا ''اس کا مطلب ہے پاشا زندہ ہے اور وہ ضرور واپس آئے گا۔''

ذیشان کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس نے کہا۔ ''مقدر میاں یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو کہ ان دونوں کا جیون ساتھی ایک ہی ہوگا اور دونوں کے ہاتھ دیکھ کر کہہ رہے ہو کہ وہ ایک کی نہیں دونوں کی زندگی میں آئے گا؟''

میں نے ذیشان سے کہا ''بھائی جان میں کچھ نہیں کہتا یہ جو ہاتھ کی لکیریں ہوتی ہیں یہ میرے منہ میں زبان بن کر بولنے لگتی ہیں اور یہ سچ ہے کہ یہ ایک دوسرے کی سوکن بن کر رہنا چاہتی ہیں''۔ ذیشان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے عروج کو دیکھتے ہوئے کہا ''مقدر میاں نے اب تک جتنی باتیں بتائی ہیں سب ہی سچ ہو رہی ہیں کیا تم تسلیم کرتی ہو کہ عینی کی سوکن بن کر رہنے کا ارادہ ہے؟''

عروج نے سر جھکا لیا۔ عینی نے کہا ''بھائی جان پلیز ناراض نہ ہوں ہم دونوں بچپن سے ساتھ رہتی آئی ہیں اور آخر وقت تک ایک دوسرے کے ساتھ ہی رہیں گی ایک ہی چھت کے نیچے اور ایک ہی مجازی خدا کے سائے میں۔ یہ کوئی گناہ نہیں ہے، کوئی جرم نہیں ہے۔''

اسما نے کہا ''عینی کیوں بچوں جیسی باتیں کر رہی ہوں؟ سہیلیاں بن کر رہنا بہت آسان ہے لیکن سوکن بن کر رہنا ممکن نہیں ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''عروج ہم تمہیں عینی سے زیادہ سمجھدار مانتے ہیں۔ تم ایسی غلطی کیوں کرنا چاہتی ہو جو دنیا کی کوئی عورت جان بوجھ کر نہیں کرتی۔''

عروج نے کہا ''ہماری دنیا کی کتنی ہی عورتیں ایسی غلطی کرتی ہیں۔ کبھی تو ایک عورت دوسری عورت پر سوکن بن کر آتی ہے پھر دونوں ہی حالات سے سمجھوتا کر لیتی ہیں۔''

ذیشان نے ناگواری سے کہا ''ایسے احمقانہ دلائل نہ دو، دو عورتیں مجبوراً ایک دوسرے کی سوکن بنتی ہیں اور ہماری عینی کے لیے کوئی مجبوری نہیں ہے، یہ تمہاری محبت میں اندھی ہو کر ایسی بات مان رہی ہے جسے عقل تسلیم نہیں کرتی۔ مقدر میاں! تم عینی کو سمجھاؤ۔ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ عقل آنی چاہیے مگر یہ بچی بنتی جا رہی ہے۔''

میں نے کہا ''میں ان دونوں کو نہیں سمجھا سکتا آپ بھی نہیں سمجھا سکتے۔ کوئی بھی نہیں سمجھا سکتا ان کے مقدر میں جو لکھا ہے وہی ہونے والا ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''ہم ایسے مقدر کو نہیں مانتے اگر بچے غلطیاں کر رہے ہوں تو انہیں روکنا ہمارا فرض ہے۔''

''ہماری گھریلو کہانیاں، سماجی اور معاشرتی کہانیاں اسی طرح بنتی ہیں کہ ہم مقدر کو نہیں مانتے اس کے خلاف لڑتے ہیں۔''

عروج نے میرا ایک ہاتھ تھام لیا عینی نے دوسرا ہاتھ تھام لیا دونوں نے مجھے التجا آمیز نظروں سے دیکھا پھر بیک وقت دونوں کی زبان سے نکلا ''پاشا......؟''

''پلیز اتنا بتا دیں، پاشا زندہ سلامت ہے نا؟''

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا عروج نے تڑپ کر پوچھا ''وہ واپس آئے گا ناں؟''

میں نے ایک گہری سانس لی پھر کہا ''آئے گا مگر نہ آنے کے برابر آئے گا۔ وہ ملے گا لیکن ملتے ہوئے بھی نہیں ملے گا۔''

''یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟''

میں نے کہا ''پاشا تم دونوں کے لیے ایک خوشبو کی طرح ہے کیا کوئی خوشبو کو مٹھی میں بند کر سکتا ہے؟''

دونوں نے انکار میں سر ہلا دیا ''کیا خوشبو کو کوئی چھو سکتا ہے؟''

دونوں نے بیک وقت کہا ''نہیں...... لیکن اس کا مطلب کیا ہوا؟''

''یہی کہ وہ تمہاری زندگی میں ایک خوشبو کی طرح آئے گا تمہاری سانسوں میں بستا رہے گا لیکن ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس سے آگے نہ کچھ پوچھو نہ میں کچھ بولوں گا۔'' یہ کہہ کر میں ان کے پاس سے اٹھ گیا۔

☆☆☆

پاشا بیڈ کے سرہانے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا وہ اپنے بارے میں متجسس تھا یہ معلوم کرنے کی بے چینی تھی کہ وہ کون ہے؟ اور اب سے پہلے کیسی زندگی گزارتا رہا ہے؟

کچھ تو ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا اور کچھ دردانہ بیگم اور شہباز درانی نے سمجھایا تھا انہوں نے اس کا شناختی کارڈ اسے دیا تھا جس پر لکھا تھا سلامت پاشا عرف پاشا جانی ولد شہباز درانی۔ اس شناختی کارڈ کے ذریعے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ شہباز درانی اس کا باپ ہے اور دردانہ بیگم نے ایک البم اسے دی تھی...... ان تمام تصویروں کو دیکھنے سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ وہ دردانہ بیگم کا بیٹا ہے اور بچپن سے اس کی گود میں پرورش پاتا رہا ہے۔ جوانی میں بھی اس کی تصویر دردانہ بیگم کے ساتھ تھی اور ہر تصویر میں دردانہ اپنی ممتا اس پر نچھاور کرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

دردانہ نے اسے دو ڈائریاں دیتے ہوئے کہا تھا ''یہ تم نے لکھی ہیں انہیں پڑھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اب تک تم کن حالات سے گزرتے آئے ہو۔''

دوسری ڈائری سالِ رواں کی تھی۔ اس کے آخری چند ماہ کے صفحات سادے تھے اس نے نرس سے کہا ''مجھے ایک قلم لا کر دو میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔''

نرس وہاں سے گئی پھر ایک قلم لا کر اسے دیا اس نے پوچھا ''یہ کون سا مہینا ہے آج کون سا دن اور کون سی تاریخ ہے؟''

نرس نے اسے مہینا دن اور تاریخ بتائی۔ وہ اسی تاریخ کے صفحے پر لکھنے لگا ''یا خدا! یہ میری زندگی میں کیسا موڑ آیا ہے کہ میں خود کو بھول چکا ہوں؟ میری ممی اور ڈیڈی نے بتایا ہے کہ میں ان کا بیٹا ہوں، انہوں نے بہت سی تصاویر بھی دکھائی ہیں۔ شناختی کارڈ بھی دیا ہے یہ ڈائریاں بھی دی ہیں تاکہ میں اپنے متعلق زیادہ سے زیادہ جان سکوں اور پچھلی زندگی کو یاد کر سکوں۔

میں اپنے شناختی کارڈ کو جھٹلا نہیں سکتا۔ البم میں جو تصویریں ہیں وہ بالکل میری اور میری ممی کی ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ڈائریاں میں نے لکھی ہیں یا نہیں؟ لہٰذا انہیں پڑھنے سے پہلے میں یہ تحریر لکھ رہا ہوں پھر اس تحریر سے اس ڈائری کی تحریر کا موازنہ کروں گا۔ میں پوری طرح یقین کرنا چاہتا ہوں کہ جو زندگی میرے سامنے ہے وہی میری ہے اور ایسی ہی زندگی میں گزارتا آیا ہوں۔''

اس نے اتنا لکھنے کے بعد قلم بند کر دیا پھر اوراق الٹ کر اس ڈائری میں لکھی ہوئی تحریر کو دیکھنے لگا۔ کبھی اسے دیکھ رہا تھا کبھی اپنی لکھی ہوئی تحریر کو دیکھ رہا تھا، دونوں ہی ایک جیسی تھیں، اگر ان میں کوئی بال برابر فرق ہوگا تو وہ اس فرق کو نہیں سمجھ سکتا تھا کیونکہ وہ کوئی ماہر تحریر شناس نہیں تھا۔

فی الحال تصدیق ہو گئی کہ وہ اسی کی لکھی ہوئی ڈائریاں ہیں پھر وہ اس ڈائری کی ورق گردانی کرنے لگا۔ کبھی اِدھر سے تو کبھی اُدھر سے پڑھنے لگا جہاں اسے دلچسپی ہوتی تھی وہ اس صفحے کو پڑھنے لگتا تھا۔

ایک صفحے پر لکھا تھا ''شاید میں اسی لیے بیمار ہوا تھا کہ عروج میری زندگی میں مسیحا بن کر آئے گی میں اسپیشل وارڈ کے ایک کمرے میں ہوں۔ اور عروج صبح و شام میرا معائنہ کرنے کے لیے آتی ہے۔ کیا حسن ہے کیا شباب ہے میں تو اسے دیکھتے ہی اپنی بیماری بھول کر اس کا بیمار ہو گیا ہوں سوچتا ہوں اسے کس طرح اپنی طرف مائل کروں؟

میری زندگی میں اب تک کئی لڑکیاں آ چکی ہیں لیکن عروج ان سے مختلف ہے اور سنجیدہ مزاج کی حامل ہے ایسی لڑکیوں کو اپنی طرف فوراً مائل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ پھر بھی میں کوشش کروں گا۔''

دوسرے صفحے پر لکھا تھا آج اس نے اسٹیتھسکوپ کو دونوں کانوں سے لگا کر اسے میرے سینے پر رکھا تو میں نے کہا ''میرے دل کی دھڑکن یوں تو نارمل رہتی ہے لیکن تم قریب ہوتی ہو تو نہ جانے یہ دھڑکنیں کیوں پاگل ہونے لگتی ہیں۔''

وہ سنجیدہ رہنے والی ڈاکٹر پہلی بار مسکرائی پھر بولی۔ ''مریضوں کو زیادہ بولنا نہیں چاہیے۔''

میں نے کہا ''بیمار اپنے مسیحا سے بولے گا۔ تبھی اس کا خاطر خواہ علاج ہو سکے گا۔''

اس نے مسکرا کر کہا ''لگتا ہے تم عاشق مزاج ہو۔''

میں نے جھوٹ کہا ''میری زندگی میں کوئی لڑکی آج تک نہیں آئی میں نے کل پہلی بار تمہیں دیکھا تھا۔ تب سے نہ جانے کیوں تمہارے ہی بارے میں سوچتا چلا جا رہا ہوں۔''

وہ بولی ''میں تم سے صاف کہہ دوں کہ میں ایک معزز لیڈی ڈاکٹر ہوں۔ عشق کے چکر میں پڑ کر تماشا بننا نہیں چاہتی۔''

''میں بھی تماشا بننا نہیں چاہتا۔ اگر مجھ پر اعتماد کر سکتی ہو تو لو میں تمہارے بارے میں بہت ہی سنجیدہ ہوں۔''

اس نے ڈائری کے دوسرے اوراق الٹے پھر ایک صفحے کو پڑھا اس میں لکھا تھا میں پچھلے دو دنوں سے باتوں میں اسے الجھا رہا ہوں اور یہ سمجھ رہا ہوں کہ وہ میری طرف مائل ہو رہی ہے۔ آج اس نے میری نبض ٹٹولنے کے لیے کلائی پکڑی تو میں نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا پھر بازوؤں میں دبوچ لیا وہ ذرا کسمسائی اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔ وہ بڑی بے جان کوششیں تھیں یوں لگ رہا تھا کہ خود کو میرے حوالے کرتی جا رہی ہے اور شرمانے لجانے کا رسمی تکلف کر رہی ہے۔

ایک اور صفحہ پر لکھا تھا ''اسپتال سے چھٹی مل چکی ہے، اس کے ساتھ ہی ہمارے درمیان بے تکلفی بڑھ چکی ہے اب وہ ڈیوٹی سے فارغ ہونے کے بعد مجھ سے دفتر میں آ کر ملتی ہے۔ اسپتال کے پیچھے وہ ایک کوارٹر میں رہتی ہے۔ ایک رات میں اس کے کوارٹر میں پہنچ گیا اس نے کہا ''یہاں کیوں آئے ہو میں بدنام ہو جاؤں گی۔''

اس کا وہ اعتراض بھی برائے نام تھا۔ میں نے پہلی بار اس کے ساتھ ایک رات وہاں گزاری جب ہمارے درمیان کوئی پردہ نہ رہا تو اس نے کہا ''میری ایک بچپن کی سہیلی ہے اس کا نام عینی ہے۔ بے انتہا دولت مند ہے میں اس کی دولت پر قبضہ جمانا چاہتی ہوں کیا تم اس سلسلے میں میری مدد کرو گے؟''

میں نے پوچھا ''تم کیا چاہتی ہو؟''

اس نے کہا ''میں نے تمہاری تصویر اسے دکھائی تھی وہ تمہیں دیکھتے ہی تمہاری دیوانی ہوگئی ہے۔ میں اس پر ظاہر نہیں کروں گی کہ ہمارے درمیان ایسے تعلقات قائم ہو چکے ہیں' میں چاہتی ہوں تم اس سے محبت کرو اور اس سے شادی کرو پھر ہم دونوں اس کی دولت پر عیش کریں گے۔''

میں نے کہا ''میں اس قدر دولت مند ہوں کہ اس کی دولت کا لالچ نہیں کر سکتا۔''

''تم دولت مند ہو میں تو نہیں ہوں' میں تمہارے ذریعے رفتہ رفتہ اس کی ساری دولت اور جائیداد حاصل کر سکتی ہوں کیا تم میری خاطر ایسا نہیں کرو گے؟''

میں تو حسن پرست ہوں اور یہی چاہتا ہوں کہ نت نئی لڑکیاں میری زندگی میں آتی جاتی رہیں۔ میں عروج کے ذریعے عینی کو حاصل کر سکتا تھا اس لیے راضی ہو گیا۔

ڈائری میں جابجا یہ بھی لکھا تھا کہ اس کے باپ شہباز درانی کا کاروبار کیا ہے اور وہ کس طرح اپنے باپ کے کاروبار میں اس کا ساتھ دیتا رہتا ہے۔ ایک صفحے پر لکھا ہوا تھا کہ شہباز درانی سیاست کا بہت بڑا کھلاڑی ہے اس کی پہنچ یہاں سے واشنگٹن تک ہے۔

پاشا اپنے باپ کے ساتھ خطرناک سیاسی کھیل کھیلتا ہے۔ مقامی سیاستدانوں سے اور انڈر ورلڈ کے بڑے بڑے مجرموں سے ان کے اختلافات بڑھتے رہتے ہیں اور خون خرابہ ہوتا رہتا ہے۔ پاشا نے اب تک اپنے باپ کے دو مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

پاشا اپنی ڈائری میں اپنی ہی یہ تحریر پڑھ کر پریشان ہو گیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ مجرمانہ زندگی گزار رہا ہے۔ اس نے قتل بھی کیے ہیں اور ایک سپر پاور کا آلۂ کار بن کر مفادات کے خلاف بھی کام کرتا رہا ہے۔

وہ ڈائری پاشا کی زندگی کے کتنے ہی پہلوؤں پر روشنی ڈال رہی تھی۔ ایک پہلو تو یہی تھا کہ وہ عروج اور عینی ملوث ہو رہا تھا' دوسرا پہلو یہ تھا کہ وہ اپنے باپ شہباز درانی کے ساتھ خطرناک سیاسی کھیل کھیلتا رہا تھا۔

ایک صفحے پر پاشا کی تحریر میں لکھا ہوا تھا کہ آج عروج نے عینی سے ملاقات کروائی، میں اسے دیکھتے ہی حیران رہ گیا، ایک تو اس لیے کہ وہ بہت ہی خوبصورت اور پرکشش تھی دوسری بات یہ کہ وہ میری ممی کی سوتیلی بیٹی تھی۔ میں اسے دل و جان سے چاہتا تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ شادی سے محض اس لیے انکار کرتی رہتی تھی کہ میں اس کی سوتیلی ماں کا بیٹا ہوں اور وہ کسی سوتیلے سے رشتہ نہیں جوڑنا چاہتی تھی۔

پھر یہ کہ وہ بہت مغرور تھی۔ میری ممی سے اس کی نہیں بنتی تھی، اور میری ممی اتنی نرم دل خاتون ہیں کہ ہزار اختلافات کے باوجود انہیں یہ معلوم ہوا کہ میں عینی کو چاہتا ہوں تو وہ اسے بہو بنانے کے لیے راضی ہو گئی تھیں۔

لیکن عینی کے تو مزاج ہی نہیں ملتے تھے۔ جب عروج نے اس سے ملاقات کرائی تو ہم نے بتایا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور ایک دوسرے نے سوتیلا رشتہ ... میں نے عروج کے سامنے شادی کی پیش کش کی۔ عینی نے کہا ''میں اس شرط پر شادی کروں گی کہ تم ماں باپ کے ساتھ نہیں میرے ساتھ رہو گے۔''

میں نے یہ بات اپنی ممی کو بتائی، ممی نے کہا ''ہم تمہاری خوشی میں خوش ہیں۔ اگر تم اسے دل و جان سے چاہتے ہو اور اس کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

میرے ڈیڈی نے کہا ''تم ہمارے ایک ہی بیٹے ہو کہیں بھی رہو گے' ہمارے ہی بیٹے کہلاؤ گے۔ ہماری تمام تر دولت اور جائیداد تمہاری ہی رہے گی اور پھر تم عینی کے ساتھ رہ کر بھی در پردہ میرے سیاسی کھیلوں میں میرا ساتھ دیتے رہو گے۔''

دوسرے صفحے پر لکھا تھا ''میں نے عینی کو اپنے ماں باپ کا فیصلہ سنا دیا ہے اور یہ کہ میں شادی کے بعد اس کے ساتھ رہوں گا اور اپنے ماں باپ سے ہفتے میں ایک آدھ بار ملاقات کرتا رہوں گا۔''

عینی نے اپنے وکیل اخلاق احمد سے بات کی اور سنایا ''وکیل اخلاق احمد کو ہماری شادی پر کوئی اعتراض نہیں ... ان کے تایا ابو کے بیٹے ایس پی ذیشان نے مخالفت کی۔ ادھر میں نے عروج سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں عینی کو شادی کے بعد دھوکا نہیں دوں گا اور اس کی دولت اور جائیداد پر عروج کو قبضہ جمانے کا موقع نہیں دوں گا۔ اس بات پر عروج مجھ سے ناراض ہوگئی مجھے چیلنج کیا کہ مجھ سے دشمنی مہنگی پڑے گی۔ میں نے ہنس کر اسے ٹال دیا' وہ نہیں جانتی تھی کہ میں سیاست کا کتنا خطرناک کھلاڑی ہوں۔ زندگی اور موت کا کھیل کھیلتا رہتا ہوں۔''

اس نے ڈائری کا ایک اور ورق الٹ کر پڑھا وہاں لکھا تھا۔ ''آج عروج کی اصلیت اور اس کی کمینگی کا پتا چل گیا۔ معلوم ہوا کہ اس کے اور ایس پی ذیشان کے ناجائز تعلقات ہیں اور وہ دونوں عینی اور میرے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔

میں نے عینی کو تنہائی میں سمجھایا کہ عروج کو تم جان سے زیادہ عزیز کہتی ہو اور اپنے ایس پی بھائی جان پر بہت بھروسا کرتی ہو۔ لیکن یہ دونوں ہی تمہاری خوشیاں نہیں چاہتے۔ تمہاری شادی کی مخالفت کر رہے ہیں۔''

عینی نے کہا ''تم میری سہیلی کو بہت غلط سمجھ رہے ہو وہ تو میری شادی کے اس فیصلے سے بہت خوش ہے البتہ بھائی جان ناراض ہیں۔ وہ صرف اس لیے کہ تم لوگوں سے سوتیلا رشتہ ہے۔ اور وہ نہیں چاہتے کہ میں بہو بن کر سوتیلی ماں کے گھر جاؤں۔''

''کیا تم نے یہ نہیں بتایا کہ شادی کے بعد میں تمہارے پاس آ کر رہوں گا؟''

''میں نے بتایا ہے لیکن انہیں یقین نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم کچھ دنوں تک میرے ساتھ رہو گے پھر مجھے اپنی ماں کے پاس چلنے پر مجبور کر دو گے اور میں ایک بیوی کی حیثیت سے مجبور ہو جاؤں گی۔

افسوس میں عینی کو نہیں سمجھا سکتا وہ عروج اور ذیشان پر اندھا اعتماد کرتی ہے۔''

اگلے صفحے پر لکھا ہوا تھا ''آج اچانک ہی مجھ پر حملہ ہوا ہے۔ میں اپنی کار ڈرائیو کرتا جا رہا تھا کہ میرے دائیں بائیں سے گزرتی ہوئی گاڑیوں نے مجھ پر فائرنگ کی۔ میں بال بال بچا ہوں جب میں گھر آیا تو ایس پی ذیشان کی آواز فون پر سنائی دی۔ اگرچہ وہ آواز بدل کر بول رہا تھا لیکن میں نے اسے پہچان لیا وہ کہہ رہا تھا ''پولیس والوں سے دشمنی مول لو گے تو موت ہر دم تمہارے آگے پیچھے رہے گی۔ آج تم بچ گئے۔ کل نہیں بچو گے۔''

میں نے عینی کو فون پر بتایا کہ مجھ پر جان لیوا حملہ ہوا ہے اور مجھے پولیس والوں کی طرف سے دھمکیاں ملی ہیں کہ میں تم سے شادی نہ کروں۔

عینی نے پہلی بار اپنے ایس پی بھائی ذیشان کو باتیں سنائیں اور صاف صاف کہہ دیا کہ شادی ہو کر رہے گی۔ اس نے اس وقت یہ فیصلہ سنایا کہ آج ہی شام کو پاشا سے اس کا نکاح پڑھایا جائے گا۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے کہا ''میں ایک جگہ چھپا ہوا ہوں ابھی، میرے لیے خطرہ ہے، نکاح پڑھوانے کے لیے نہیں آ سکوں گا۔ تب اس نے فیصلہ کیا کہ ٹیلی فون کے ذریعے ہمارا نکاح پڑھایا جائے گا۔

میں ایک جگہ چھپا ہوا ہوں اور وہیں یہ ڈائری لکھ رہا ہوں' ابھی پتا چلا ہے کہ دشمنوں کو میری اس پناہ گاہ کا علم ہو چکا ہے۔ لہٰذا...... اب یہ جگہ بھی چھوڑ کر جا رہا ہوں، میں نے اپنے دوست سے کہہ دیا ہے کہ یہ میری ڈائری اور دوسرا سامان میری ممی اور ڈیڈی تک پہنچا دے۔ زندگی رہی تو میں بعد میں آ کر ان سے ملاقات کروں گا۔''

اس کے بعد ڈائری کے صفحات خالی تھے۔ آگے کیا ہوا یہ کچھ لکھا ہوا نہیں تھا۔ پاشا بے چینی سے سوچنے لگا۔ اس کے بعد میں نے ڈائری کیوں نہیں لکھی؟

پھر خیال آیا کہ وہ ڈائری تو اپنی اس پناہ گاہ میں دوست کے پاس چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا تھا یہ تو اب اس کی ممی دردانہ اور اس کے ڈیڈی شہباز درانی ہی بتا سکتے تھے۔

اس نے بیڈ کے سرہانے ایک بٹن کو دبایا اس کی ڈیوٹی بدل گئی تھی۔ دوسری نرس تیزی سے چلتی ہوئی آئی پھر کہا ''یس سر......؟''

''میں اپنی ممی اور ڈیڈی سے ملنا چاہتا ہوں۔ ابھی ملنا چاہتا ہوں۔''

''یس سر! میں ابھی انہیں اطلاع دیتی ہوں۔''

وہ پلٹ کر جانے لگی۔ پاشا نے کہا ''ٹیلی فون میرے پاس لا کر رکھا جائے تاکہ میں وقتِ ضرورت ان سے رابطہ کر سکوں۔''

''یس سر! میں ابھی یہاں ٹیلی فون کا انتظام کرتی ہوں۔''

وہ چلی گئی' دس منٹ کے اندر ہی دردانہ اور شہباز تیزی سے چلتے ہوئے اس کے پاس آئے پھر دردانہ نے کہا ''کیا بات ہے بیٹے زخم تو ٹھیک ہیں؟ تکلیف تو نہیں ہو رہی ہے؟''

''نہیں ممی! میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ دونوں بیڈ کے قریب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ شہباز نے

کہا" ہاں بیٹے بولو کیا کہنا چاہتے ہو؟ پھر وہ اس کے پاس ڈائریوں کو دیکھ کر بولا" معلوم ہوتا ہے تم نے ڈائریاں پڑھ لی ہیں۔"

پاشا نے اس کھلی ہوئی ڈائری کو دکھاتے ہوئے کہا" یہ پندرہ دن پہلے کی تحریر ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ دشمن میری پناہ گاہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اس لیے میں وہ پناہ گاہ چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہوں۔ اس کے بعد ڈائری کے اوراق خالی ہیں۔ میں نے کچھ نہیں لکھا۔"

دردانہ نے کہا" کیسے لکھتے؟ حساب کرلو پندرہ دن سے یہاں زخمی حالت میں پڑے ہو تمہارا علاج ہو رہا ہے۔ دشمنوں نے تم پر حملے کیے تھے یہ تو تم دیکھ ہی رہے ہو تمہیں تین گولیاں لگی تھیں خدا کا شکر ہے کہ زخم بھرتے جا رہے ہیں۔"

وہ شہباز سے بولا" ڈیڈی! میں نے ڈائری میں پڑھا ہے کہ میں سیاسی کھیلوں میں آپ کے ساتھ خطرناک کھیل کھیلتا رہتا ہوں کیا انہی سیاست کے کھلاڑیوں میں سے کسی دشمن نے مجھ پر حملہ کرایا تھا؟"

"نہیں بیٹے! اگر وہ دشمن ایسا کرتے تو میں اب تک انہیں جہنم میں پہنچا چکا ہوتا، یہ ایس پی ذیشان نے تم پر حملہ کرایا تھا، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں لیکن اس کے خلاف کوئی ثبوت میرے پاس نہیں ہے، چونکہ وہ بہت بڑا پولیس افسر ہے اس لیے میں انتقام لینے کے سلسلے میں جلد بازی نہیں کرنا چاہتا۔"

دردانہ نے کہا" ہمارے آدمیوں نے اطلاع دی تھی کہ جس رات تم پر قاتلانہ حملہ ہوا اس رات عروج ذیشان کے ساتھ اس ویرانے علاقے میں تھی جہاں تم نیم مردہ حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ ہمیں فون پر کسی نے اطلاع دی کہ تمہاری لاش وہاں پڑی ہوئی ہے ہم وہاں جا کر اسے اٹھالیں۔ جب ہم اپنے آدمیوں کے ساتھ وہاں گئے تو خدا کا شکر ہے تمہاری سانس چل رہی تھی ہم فوراً ہی تمہیں یہاں لے آئے۔ ہمارا یہ فیملی ڈاکٹر بہت تجربہ کار ہے۔ وہ تمہیں زندگی کی طرف واپس لے آیا ہے۔"

دردانہ اپنی جگہ سے اٹھ کر پاشا کے پاس آئی پھر بستر کے سرے پر بیٹھ کر اس کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لے کر بولی" دشمن جائیں جہنم میں۔ وہ جئیں یا مریں، میرے بیٹے کو نئی زندگی مل گئی ہے۔ مجھے اب کچھ نہیں چاہئے۔"

شہباز درانی نے کہا" ہم اپنے بیٹے کی صحت یابی کا جشن منائیں گے لیکن ایس پی ذیشان اور عروج کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔ میں نے اعلیٰ حکام سے شکایتیں کی ہیں۔ ایس پی ذیشان کے خلاف انکوائری ہو رہی ہے۔ میں اسے قانونی شکنجے میں لانے کی کوششیں کرتا رہوں گا۔ اگر وہ اس طرح شکنجے میں نہ آیا تو اسے جہنم میں پہنچانے کے لیے چور راستے اخ[illegible] کرنے پڑیں گے۔"

دردانہ نے شہباز سے کہا" آپ میری بات اچھی ط[illegible] سن لیں۔ میں عینی کو اپنی بہو ضرور بناؤں گی۔ میرے بیٹے اس کی خاطر گولیاں کھائی ہیں۔ موت سے لڑتا رہا ہے۔"

پھر وہ اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے بولی" تم تو عینی [illegible] وجان سے چاہتے ہو ڈائری پڑھنے کے بعد کچھ یاد آیا [illegible] کیسی ہے اور تم سے کتنا پیار کرتی تھی اور تم بھی اسے کتنا چ[illegible] تھے؟"

وہ پیشانی پر شکنیں ڈال کر سوچنے لگا۔ پھر بولا" میر[illegible] بہت یاد کرنے کی کوشش کی عینی کا چہرہ میری نظروں کے [illegible] نہیں آرہا ہے۔ میں بھول گیا ہوں کہ وہ کیسی تھی؟ اس ک[illegible] کا کوئی لمحہ مجھے یاد نہیں آرہا ہے۔"

دردانہ اس کا ہاتھ تھپکنے لگی۔ شہباز بھی اس کے شانے [illegible] لگا۔ ان کی تھپکیاں کہہ رہی تھیں۔ بیٹے! تمہیں تو وہی یاد آ[illegible] جو ہم چاہیں گے اور ہم تدبیر سے جو چاہتے ہیں اسے تقد[illegible] نہیں بدل سکتی۔

میں ان کی باتیں سن رہا تھا اس وقت وہ درست کہ[illegible] تھے۔ فی الوقت ان کے راستے میں دور تک کامیابی ہی [illegible] تھی۔ آگے جا کر وہ کامیابی دھندلانے والی تھی۔ فی الحا[illegible] دونوں مقدر کے سکندر تھے۔

☆☆☆

دروازے پر دستک ہوئی۔ نمرہ آئی تھی میں نے [illegible] بن کر پوچھا" کون......؟"

اس نے کہا" میں ہوں۔"

میں نے دروازے کو کھولا۔ وہ سر جھکائے کھڑی [illegible] دروازہ کھلتے ہی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اندر آگئی [illegible] دروازے کو بند کرتے ہوئے کہا۔" بیٹھو!"

وہ بیٹھ گئی، میں نے اس کے ہاتھ کی لکیروں کو پڑ[illegible] بعد بتایا تھا کہ وہ آسیب زدہ ہے۔ اور اس نے یہ بات [illegible] تھی۔ مردہ خانے کا ایک مردہ اس کے حواس پر چھایا [illegible] میں معلوم ہوا تھا کہ مردہ خانے سے وہ لاش غائب ہ[illegible] مگر پولیس اس لاش تک اور اسے چرانے والے تک [illegible] ناکام رہی تھی۔

نمرہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے میری طرف د[illegible] نے کہا" اس لاش نے تمہیں الجھا دیا ہے تمہیں یقین[illegible] اسے کسی نے چرایا نہیں تھا بلکہ وہ مردہ خود اٹھ کر وہا[illegible]

تھا؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا" تم بہت کچھ [illegible]انتے ہو میں حیران ہوں کہ ہاتھ کی لکیریں اتنی تفصیل سے [illegible]ضی، حال اور مستقبل کی باتیں بتا دیتی ہیں۔"

میں نے کہا" میں دوسرے نجومیوں سے بہت مختلف [illegible]وں، نجومی حضرات ہتھیلی کی سطح پر لکیروں کو پڑھتے ہیں۔ میں [illegible]ن لکیروں پر چلتا ہوا معلومات کی وسیع دنیا میں پہنچ جاتا [illegible]وں۔ جس رات وہ مردہ غائب ہوا اسی رات تمہیں ایک فون [illegible]صول ہوا تھا۔"

وہ بولی" ہاں کسی اجنبی کا فون تھا۔"

میں نے پوچھا" وہ کیا کہہ رہا تھا؟"

"وہ کہہ رہا تھا، حرارت ختم ہو جائے تو موت واقع [illegible]جاتی ہے مگر تمہیں دیکھتے ہی میرے اندر حرارت پیدا ہو گئی [illegible]ی۔"

میں نے پوچھا" تم کون ہو اور مجھے کیسے جانتے ہو؟"

"میں نے تمہیں وہاں دیکھا ہے جہاں برف ہی برف [illegible]ہوتی ہے۔ جہاں زندہ انسان کو نہیں رکھا جاتا۔ وہاں جو بھی [illegible]وہ موت کی گہری نیند سویا ہوا ہوتا ہے۔ ایسی ہی گہری نیند [illegible]ے تمہاری حرارت نے مجھے جگا دیا تھا۔"

میں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا" مبارک ہو ایک [illegible]وہ تم پر عاشق ہو گیا ہے۔"

وہ پیار بھری ناراضگی سے دیکھتے ہوئے بولی" میرا مذاق [illegible]ڑاؤ۔ میری جان پر بنی ہوئی ہے۔"

"یہ روحیں ہیں؟"

پھر بولی" کیا تمہیں ایسی باتوں پر اعتقاد ہے؟"

"میرے عقیدے کی بات نہ کرو اپنی بات بتاؤ پھر کیا [illegible]ا؟"

وہ بولی" اس کی ایسی باتیں سن کر میں سمجھ گئی کہ یہ وہی [illegible]بتال کا مردہ ہے میں نے کہا۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے [illegible]ا مردہ گھر میں ایک لاش دیکھی تھی اور اس لاش نے ایک بار [illegible]بھی جھپکائی تھی۔"

وہ بولا" ان آنکھوں سے گستاخی ہو گئی۔ تمہیں دیکھنے کے [illegible]تو پلک جھپکانا بھول جانا چاہیے۔"

میں نے کہا" ارے واہ! وہ مردہ تو کوئی شاعر معلوم ہوتا [illegible]یسی شاعرانہ بات کی" دیکھو تم میرا مذاق اڑاؤ گے تو میں [illegible]نہیں بولوں گی۔"

"اچھا اب کچھ نہیں بولوں گا تم آگے بتاؤ۔"

وہ بولی" میں نے اس سے کہا۔ میں یہ نہیں مان سکتی کہ تم مردہ تھے اور مجھے دیکھ کر زندہ ہو گئے اور جب تم مردہ تھے تو تم نے مجھے کیسے دیکھا؟"

وہ بولا" تم میری بات نہیں سمجھ رہی ہو مجھے تمہاری حرارت اپنے اندر محسوس ہوئی تھی اور مجھے زندگی مل گئی تھی۔ دراصل پہلے میں پیٹرول سے چلتا تھا، جب سے پٹرول مہنگا ہوا ہے میں گیس استعمال کرنے لگا ہوں۔ مجھے دشمنوں سے چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ اس لیے میں مردہ گھر میں گھس گیا تھا اور وہیں ایک مردے کو برف کے نیچے دبا کر اس کے اوپر لیٹ گیا تھا۔ ایسے ہی وقت میری گیس ختم ہو گئی اور میں مر گیا۔"

میں نے جھنجلا کر کہا" یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"پلیز غصہ نہ کرو یقین کرو جس طرح پیٹرول یا گیس کے بغیر گاڑی کھڑی ہو جاتی ہے، بے جان ہو جاتی ہے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اسی طرح میں بھی پیٹرول یا گیس کے بغیر زندگی سے خالی ہو جاتا ہوں۔ جب تم وہاں آئیں تو ایسا لگا کہ جیسے حرارت میرے اندر پہنچ گئی ہے۔"

میں نے کہا" وہاٹ نان سینس! یا تو تم کوئی پاگل ہو یا تو جان بوجھ کر مجھ سے اپنی اصلیت چھپانے کے لیے اس طرح کی باتیں کر رہے ہو۔"

"تم کچھ بھی سمجھ لو تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو کبھی ایمرجنسی میں مجھے کسی پٹرول پمپ سے یا گیس اسٹیشن سے گیس نہ ملی تو میں دوڑتا ہوا تمہارے پاس آؤں گا تا کہ تمہاری حرارت سے مجھے پھر زندگی مل جائے۔"

میں نے گھبرا کر کہا" خبردار! کبھی میری طرف نہ آنا میں تمہیں دیکھتے ہی خوف سے مر جاؤں گی۔"

"ارے واہ! مجھے زندگی دینے والی خود مر سکتی ہے تم تو ایمرجنسی میں کام آنے والی ہستی ہو۔ میں کبھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

"شٹ اپ! کبھی تم میرے سامنے آؤ گے تو میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"میں تمہارے ہاتھوں مر جاؤں گا اب تو ہمارا مرنا جینا ایک ساتھ ہے ذرا عقل سے سوچو تم مجھے گولی مارو گی تو میں کیسے مروں گا؟ تمہاری حرارت مجھے ملتی رہے گی۔ گولی کھانے کے بعد پھر اسی طرح زندہ ہو جاؤں گا، جس طرح مردہ خانے سے زندہ ہو کر آیا ہوں۔"

"میں بری طرح الجھ گئی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا چیز ہے؟ عقل نہیں مانتی تھی کہ ایک مردہ زندہ ہو کر مردہ خانے سے باہر آگیا ہے۔ پولیس اسے تلاش کر رہی ہے اور وہ مجھ سے فون پر

باتیں کر رہا ہے۔"

اچانک فون پر اس کے کراہنے کی آواز آئی پھر وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا" جب گیس ختم ہونے لگتی ہے تو مجھے معلوم ہو جاتا ہے ابھی میرے اندر پندرہ منٹ کی گیس ہے مجھے فوراً ہی جانا ہے اور کہیں سے گیس فل کرانا ہے میں کل کسی وقت تم سے رابطہ کروں گا یا تم سے روبرو ملاقات کروں گا۔

اس کے بعد اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ مقدر......! اب تم ہی بتاؤ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیا عقل تسلیم کرتی ہے کہ پہلے وہ مردہ رہا ہوگا؟"

میں نے کہا" میں کیا بتا سکتا ہوں کبھی اس کے ہاتھ کی لکیر پڑھنے کا موقع ملے گا تبھی بتا سکوں گا۔ یہ بتاؤ اس کے بعد کیا ہوا؟"

"پلیز اسے کوئی دلچسپ کہانی سمجھ کر مت سنو۔ میری جان پر بنی ہوئی ہے۔"

"دوسری رات پھر اس نے فون کیا اور پوچھا" تم کہاں ہو میں تمہارے کالج کی طرف گیا تھا پھر گھر کی طرف گیا تھا میں مجبور ہوں مر چکا ہوں کسی کے سامنے نہیں آ سکتا تمہاری حرارت سے جی رہا ہوں اس لیے تمہارے سامنے آ سکتا ہوں لیکن تم میرے خوف سے کہیں چلی گئی ہو پلیز بتاؤ اس وقت کہاں ہو؟"

"تم ایسی بے تکی بات کرو گے تو میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی، بھلا یہ ماننے کی بات ہے کہ تم مر چکے ہو کسی کے سامنے نہیں آ سکتے صرف میرے سامنے آ سکتے ہو؟ تمہاری باتوں سے صاف پتا چل رہا ہے کہ تم پاگل ہو۔"

"تم مجھے پاگل ہی سمجھ لو۔ مگر یہ بتاؤ کہاں ہو؟"

"میں کبھی نہیں بتاؤں گی۔ تم جہنم میں جاؤ۔"

میں نے فون بند کر کے اسے آف کر دیا تاکہ وہ دوبارہ رابطہ نہ کر سکے۔ دو ہفتے بعد لاہور سے سہیلیوں نے فون کیا کہ ہمارے کالج کے طلبا و طالبات پہاڑی علاقوں کی سیر کے لیے جا رہے ہیں اس لیے میں بھی فوراً آ جاؤں۔

میں نے کہا" اس طرح تم ان طلبا و طالبات کے ساتھ پہاڑی علاقے میں چلی گئیں جہاں مجھ سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"ہاں! تمہارے جیسے بہروپئے سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں اکثر تمہارے بارے میں سوچتی ہوں کہ آخر تم ہو کیا؟"

وہ میرے بارے میں بہت کچھ بولنا چاہتی تھی میں نے کہا" پلیز ابھی میری بات چھوڑو صرف اس مردہ عاشق کی بات کرو۔"

"میں ہمیشہ اپنا فون بند نہیں رکھ سکتی تھی، اسے ایک بار کھولا تو اس کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا" میں دن ر تمہارے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ کبھ پی سی او میں جاتا کبھی اُس پی سی او میں جاتا ہوں۔ میرے حالات ٹھیک نہیں ہیں لیکن جلد ہی امیر کبیر شخص بن جاؤں دشمنوں پر غالب آنے کے بعد پھر کوئی تمہاری طرح مجھے پاگل نہیں کہے گا، پلیز مجھے بتاؤ تم کہاں ہو؟"

میں اس وقت اسلام آباد میں تھی اور ٹورنگ پارٹی ساتھ پہاڑی علاقے کی طرف جا رہی تھی میں کہا" میں جہاں بھی ہوں تم مجھ تک نہیں پہنچ پاؤ گے۔"

"مجھے پٹرول یا گیس ملتی رہے، اس کے بعد بھ تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ اس لیے تمہیں تلا رہوں گا۔"

میں نے کہا" میں فون بند کر رہی ہوں۔"

اس نے التجا کی" پلیز ابھی فون بند نہ کرنا۔ تم پیار کی سچائی اور لگن دیکھ لو کہ میں تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہتا ہوں۔ جب مجھے معلوم ہو فیصل آباد گئی ہو تو میں وہاں پہنچ گیا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہاں پہنچنے تک تم واپس لاہور آ گئی ہو میں واپس لاہو اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تم یہاں سے کہاں چلی گئی میں جلد ہی معلوم کر لوں گا۔"

میں نے پھر فون آف کر دیا۔

اس نے مجھے نظر بھر کر دیکھا پھر کہا" پہاڑی علا پہنچ کر تم نے اپنے معاملات میں مجھے الجھا دیا۔ تم کسی سے کم نہیں ہو میں سحر زدہ ہو کر تمہارے بارے میں سو اور اس مردے کو کسی حد تک بھول گئی۔"

"تم بار بار اسے مردہ کہہ رہی ہو پتا نہیں اس کر کیا ہے تمہیں اس کا نام تو پوچھنا چاہیے تھا۔"

"جب میں فون پر اس کی آواز سنتی ہوں تو سہم جا مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ نام پوچھ کر کیا گی؟"

"تمہیں اس کی قدر کرنی چاہیے تم پہلی لڑکی ہو ج محبت کرنے کے لیے کوئی موت کے گھر سے پلٹ کر آیا

"تم نے جس طرح اندھا بن کر مجھ سے ملاقا اسی طرح وہ مردہ بھی کوئی بہروپیا ہے، اپنی اصلیت چھپا رہا ہے یا پھر سچ مچ پاگل ہے۔"

"وہ نارمل ہے یا ایب نارمل مردہ ہے یا عارض تمہارے لیے زندہ ہو گیا ہے یہ بھید کسی دن تو کھلے گا۔ یہ بتاؤ کہ جب تم پہاڑی علاقے سے لاہور واپس آ

کیا ہوا؟"

"میں نے سوچ لیا تھا کہ لاہور میں چھپ کر رہوں گی ور یہ معلوم کروں گی کہ وہ کون ہے لاہور پہنچتے ہی دادی اور ادا جان نے بتایا کہ تم مجھ سے فون پر بات کرنا چاہتے ہو مجھ سے ملنا چاہتے ہو ممی مجھے یہاں کراچی آنے کو کہہ رہی تھیں۔ یں نے سوچا" یہ میرے لیے بہتر ہوگا۔ اس طرح میں اس اگل مردے سے دور رہوں گی۔"

وہ ذرا چپ ہوئی پھر بولی" دوسری صبح کی فلائٹ سے مجھے یہاں آنا تھا میں اپنی سہیلی کے ساتھ ایک شاپنگ سینٹر میں گئی۔ وہاں ایک خوبرو جوان کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی وہ جینز اور ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا، آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا۔ ایک دکان کے کاؤنٹر پر کھڑا اپنے لیے ٹائی پسند کر رہا تھا۔ میں دکان کے باہر کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ میری سہیلی نے پوچھا" ادھر کیا دیکھ رہی ہو؟"

میں نے کہا اس جوان کو دیکھ رہی ہوں جس کی آنکھوں پر یاہ چشمہ ہے مجھے ایسا لگتا ہے، جیسے میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔"

میری سہیلی نے ہنستے ہوئے کہا" ایسے خوبصورت جوان وابوں میں آتے ہیں، تم نے بھی خواب میں ہی اسے دیکھا وگا۔"

دفعتاً میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ اگر اس جوان ی داڑھی بڑھی ہوئی ہو اور چہرے پر مردنی چھائی ہو تو وہ لکل اسی مردے کی طرح دکھائی دے گا جو میرے حواس پر چھایا ہوا ہے اور میرا پیچھا کرتا رہتا ہے۔

اسی وقت اس جوان نے اپنا موبائل فون نکال کر اس کے نمبر پنچ کیے دوسرے ہی لمحے میں میرے فون کا بزر بولنے لگا میں نے چونک کر اپنے فون کو دیکھا پھر اس کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا، میری نظریں اس جوان پر تھیں وہ اُدھر سے ل رہا تھا۔ اِدھر مجھے اس کی آواز سنائی دے رہی تھی" ہیلو! تم اِرہ کر کہاں گم ہو جاتی ہو؟"

اس بار میں نے ذرا لگاوٹ سے کہا" اب مجھے تم سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے مجھے بتاؤ تم اس وقت کہاں ہو؟"

"میں اس وقت ایک شاپنگ سینٹر میں ہوں اور اپنے لیے ٹائی پسند کر رہا ہوں تمہیں کس طرح کی ٹائی پسند ہے۔ ہلکے رنگوں کی یا چیختے ہوئے رنگوں کی؟"

میں ایک دم سے گھبرا گئی وہ مردہ جو میرے حواس پر چھایا رہتا تھا میرا پیچھا کرتا رہتا تھا۔ عین میری آنکھوں کے سامنے تھا اور مجھ سے باتیں کر رہا تھا میں نے فوراً ہی فون بند کیا پھر سہیلی کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتی ہوئی وہاں سے جانے لگی وہ بولی" ارے اس طرح کھینچ رہی ہو مجھے کہاں لے جا رہی ہو؟"

میں نے کہا" بس ہم واپس جائیں گے۔"

"کیا کہہ رہی ہو ابھی تو شاپنگ کرنی ہے۔"

"نہیں میں کراچی جا کر شاپنگ کر لوں گی۔"

"کس کا فون تھا جسے تم سنتے ہی پریشان ہو گئی ہو؟"

"رانگ کال تھی۔ کوئی بھی اجنبی فون کرتا ہے تو میں پریشان ہو جاتی ہوں۔"

میں نے باتیں بنا کر سہیلی کو ٹال دیا۔ پھر دوسرے دن کی فلائٹ سے یہاں آ گئی۔ میں نے اس مردے کے بارے میں اب تک کسی کو کچھ نہیں بتایا ہے تمہیں بھی نہ بتاتی لیکن تم تو بہت ہی خطرناک ہو۔ ہاتھ کی لکیریں دیکھتے دیکھتے کسی کی بھی پوری ہسٹری معلوم کر لیتے ہو۔"

"تعجب ہے تم اس تنہائی میں مجھ جیسے خطرناک آدمی سے ملنے آئی ہو۔"

"میں دوسروں کے سامنے پوچھ نہیں سکتی تھی اب پوچھ رہی ہوں مجھے بتاؤ، میرے ہاتھ کی لکیریں کیا کہتی ہیں۔ اس اجنبی سے پیچھا چھوٹے گا یا نہیں؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا" نہیں...... وہ تمہاری زندگی میں بہت دور تک دکھائی دے رہا ہے اور ہمارے درمیان دیوار بننے والا ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولی" آخر وہ ہے کون؟ کیا تم معلوم نہیں کر سکتے؟"

"معلوم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے تم اس سے ملاقات کرواو اس سے میری ملاقات کراؤ میں اس مردہ ہاتھ کی مردہ لکیریں دیکھوں گا جو زندگی کو چیلنج کر رہی ہیں۔"

نمرہ نے ذرا چبھتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا پھر پوچھا ''کیا صرف وہی ہمارے درمیان دیوار بننے والا ہے یا آسرا بھی بن رہی ہے؟''

میں نے مسکرا کر پوچھا ''جلن محسوس کر رہی ہو؟''

''جلیں میرے دشمن مجھے کیا پڑی ہے تم نے وہاں سب کے سامنے کہا تھا کہ ہاتھ کی لکیریں بدل سکتی ہیں اس کے ہاتھ میں شادی کی لکیر بن سکتی ہے اور وہ تمہاری دلہن بن سکتی ہے۔''

''میں نے امکانات بیان کیے ہیں کوئی بھی بات کسی بھی وقت ممکن ہو سکتی ہے۔''

وہ ذرا غصہ سے بولی ''اگر یہ ممکن ہوگا تو کیا تم اس سے شادی کر لو گے؟''

''مقدر سے کوئی نہیں لڑ سکتا۔ اگر ابھی دعویٰ کروں کہ اس سے شادی نہیں کروں گا تو کل حالات مجھے کس سمت لے جائیں گے نہ تم یہ جانتی ہو نہ میں جان سکتا ہوں۔ وہ مردہ جو تمہارے پیچھے پڑا ہوا ہے' وہ زندگی کے کس موڑ پر تم سے کب ملے گا؟ کہاں ملے گا اور کس طرح تمہیں متاثر کرے گا اور تم کس طرح حالات سے مجبور ہو جاؤ گی کیا تم یہ کہہ سکتی ہو؟''

وہ بڑے عزم سے بولی ''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تمہارے سوا کوئی میری زندگی میں نہیں آئے گا۔''

''بے شک تمہارے ہاتھ کی لکیریں یہ کہتی ہیں کہ تم صرف مجھ سے منسوب رہو گی لیکن کئی چاہنے والے تمہاری زندگی میں ضرور آئیں گے۔ اور تم حالات سے مجبور ہو جایا کرو گی۔''

''تم اپنے ہاتھ کی لکیروں کے بارے میں بتاؤ' کیا آسرا کی طرف جاؤ گے؟''

''میرے ہاتھ کی لکیریں یہی کہتی ہیں اور تمہیں یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ کوئی مقدر سے لڑ نہیں سکتا اور میں بھی نہیں لڑ پاؤں گا۔''

وہ غصے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی ''صاف کیوں نہیں کہتے کہ ہرجائی ہو بھنورے کی طرح پھولوں پر منڈلاتے رہو گے اور مقدر کو بدنام کرو گے۔''

''تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو' ویسے تمہارے ناراض ہونے سے مجھے دکھ نہیں پہنچے گا۔ میں یہ جانتا ہوں کہ میں بار بار تمہیں مناتا رہوں گا اور تم مانتی رہو گی۔ مجھے بے وفا ہرجائی کہنے کے باوجود میری ہی طرف آتی رہو گی۔''

''اونہہ......! تمہیں اپنے بارے میں بہت خوش فہمی ہے۔''

یہ کہہ کر وہ پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے جانے لگی میں نے اسے نہیں روکا وہ دروازہ کھول کر جانا چاہتی تھی۔ اپنی ماں دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ بیگم آفتاب دروازے پر کھڑی ہوئی مسکرا بولی ''بیٹی تم میری وجہ سے نہ جاؤ میں تم دونوں کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی۔ اچھا ہے تنہائی میں خوب دل کھول کر با کرو۔''

وہ بولی ''مجھے مزید کوئی بات نہیں کرنی ہے۔''

وہ ماں سے کتراتی ہوئی چلی گئی۔ بیگم آفتاب نے ا آ کر مجھ سے کہا ''اسے کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں...... اس عمر میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ا دوسرے سے ناراض ہوتے ہیں ایک دوسرے کو مناتے ہیں ابھی ناراض ہو کر گئی ہے میں بعد میں اسے منا لوں گا۔ آ کچھ کہنے آئی ہیں؟''

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی ''ہاں تم نے تو یہ کہ سب کو چونکا دیا ہے کہ یہ عروج اور عینی ایک ہی شخص سے شا کرنا چاہتی ہیں اور پاشا کے نکاح میں آ کر ایک دوسر سوکن بن کر رہنا چاہتی ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب اور ناقابل ی بات تھی اگر تم نہ کہتے تو کوئی یقین نہ کرتا۔''

میں نے کہا ''جی ہاں' ان دونوں نے بہت پہلے فیصلہ کیا تھا کہ پہلے عینی پاشا سے شادی کرے گی پھر اس کچھ عرصے بعد عروج پاشا کے نکاح میں آ جائے گی۔''

''یہ تو سراسر بے شرمی ہے میاں......! ابھی ایک نہیں بنی دوسری بھی اس کی دلہن بننے کی بات کر رہی۔ دونوں ہم سے یہ باتیں چھپا رہی تھیں۔ جب تم نے ظاہر بڑی بے شرمی سے اقرار بھی کر لیا۔''

''آپ اسے بے شرمی کہہ سکتی ہیں لیکن دینی اور د قوانین کے مطابق یہ بے شرمی نہیں ہے۔ وہ دونوں بیک پاشا کے نکاح میں نہیں آ رہی ہیں پہلے ایک اس کے نکا آئے گی۔ پھر وہ پہلی بیوی کی حیثیت سے دوسری شاد اجازت دے گی تو دوسری اس کے نکاح میں آ جائے گی۔''

''میں کہتی ہوں' پاشا میں ایسے کون سے سرخاب لگے ہیں کہ دونوں اس پر مرمٹی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ بچپن ہی سے دونوں ہم مزاج ہیں، ہم خیال ہیں، ا بات سوچتی ہیں اور ایک ہی کام کرتی ہیں' مجھے تو اس با غصہ آ رہا ہے کہ وہ دونوں ہم بزرگوں کو کتنے ہی معاملا دھوکا دیتی رہتی ہیں۔ میں کیا بتاؤں کہ ہم کتنی مجبوری سے یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ مجبوریاں نہ ہوتیں تو ہم ا پر تھوکتے بھی نہیں۔''

میں نے پوچھا ''ایسی کیا مجبوری ہے؟''

''تمہیں تو معلوم ہوگا تمہارے مرحوم ڈیڈی نے وصیت میں لکھا تھا کہ بڑے ابو عینی کے سرپرست بن کر یہاں رہیں گے۔''

''جی ہاں! لیکن وصیت میں سرپرست بننے کے لیے پابند نہیں کیا گیا تھا۔ آج بھی یہ پابندی توڑی جا سکتی ہے' سرپرستی سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ میری بات مانیں تو میں اپنے دل کی بات کہنا چاہتا ہوں۔''

وہ بولی ''بیٹا تم تو میرے بیٹوں سے بھی بڑھ کر ہو، بہت سمجھدار ہو۔ جب بھی بولو گے تو ہمارے بھلے کے لیے ہی بولو گے۔''

میں نے کہا ''میں نے یہاں آتے ہی محسوس کیا ہے کہ عینی بہت مغرور ہو گئی ہے اور عروج اسے بہکاتی رہتی ہے۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''کیا بات ہے بیٹا! تم واقعی تیز نظر رکھتے ہو۔ یہاں آتے ہی ان کی اصلیت کو جان رہے ہو۔''

''بڑی امی! میں عینی کو جتنا بھی پیار دوں گا پھر بھی وہ سوتیلی ہی رہے گی' اور جب نمرہ سے شادی ہو جائے گی تو وہ میری اپنی ہوگی۔ میری زندگی کی ہمسفر ہوگی تو آپ ہی بتائیں مجھے نمرہ کو اہمیت دینی چاہئے یا عینی کو......؟''

''بیٹے مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔ تم تو خود بہت سمجھ دار ہو۔ تم نے تو یہاں آتے ہی میری نمرہ کو سر پر بٹھا لیا ہے۔''

''تو پھر آپ میری ایک بات مانیں اس گھر میں نہ رہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ عینی کا احسان اٹھائیں سارے رشتے دار تو یہی کہتے ہوں گے کہ ماہانہ اخراجات کے لیے ایک لاکھ روپے ملتے ہیں اس لیے آپ سب اس ایک لاکھ روپے کے لالچ میں یہاں رہنے لگے ہیں۔''

''تم درست کہتے ہو بیٹا! رشتے دار تو باتیں بناتے ہی ہوں گے اور اب ہمارا دل عینی سے کھٹا ہو گیا ہے پھر تم ہمیں عینی سے زیادہ محبتیں دے رہے ہو تو میں ابھی جا کر تمہارے بڑے ابو سے بات کروں گی اور ہم جلد سے جلد یہ گھر چھوڑ دیں گے۔ آؤ اب اٹھو' لنچ کا وقت ہو گیا ہے ہمارے ساتھ کھانے پر چلو۔''

''میں آپ کے ساتھ کل دوپہر کا لنچ کروں گا۔ اس وقت میں نے آسرا کے ساتھ لنچ کرنے کا وعدہ کیا ہے رات کا کھانا اپنی سوتیلی امی وردانہ بیگم کے ساتھ کھاؤں گا۔ کل آپ کا ساتھ دوں گا میں چاہتا ہوں کہ سب کو خوش رکھوں اور نمرہ کو اس طرح اپنا بناؤں کہ کسی کو مجھ سے شکایت نہ رہے۔''

''ہاں بیٹے! تم واقعی بہت ہی سمجھدار ہو میں تمہاری مصلحت اندیشی کو سمجھ گئی ہوں۔ ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں کل ہمارے ساتھ لنچ کرنا۔''

وہ خوش ہو کر چلی گئیں۔ میں چاہتا تھا عینی کو خود غرض اور مطلب پرست رشتے داروں سے نجات مل جائے۔ میں نے بیگم آفتاب کو راضی کر لیا تھا اور یہ جانتا تھا کہ وہ اپنے میاں کو بھی راضی کر لیں گی۔ اب فلک ناز کی باری تھی' میں کمرے سے باہر آیا۔ وہ میری ہی طرف آ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی کہا۔ ''بیٹے تم نے میرا اور آسرا کا ہاتھ دیکھ کر ایسی ایسی باتیں کی ہیں کہ ہمیں بھوک لگے گی نہ نیند آئے گی۔ کیا سب کے سامنے یہ کہنا ضروری تھا کہ تمہارے پھوپا جان کی موت کس طرح واقع ہوئی تھی کیا یہ کہنا ضروری تھا کہ میں شادی کے بعد بچے نہیں چاہتی تھی اسی وجہ سے عدنان پیدائش کے بعد ایب نارمل ہو گیا ہے؟''

''سوری پھوپی جان! میں پیٹھ پیچھے کسی کے بارے میں کچھ نہیں بولتا منہ پر سچ کہتا ہوں۔ چاہے اچھا لگے یا برا لگے۔''

''بیٹے! تم میرے مرحوم بھائی کا خون ہو مجھے برا لگے گا تب بھی میں تمہیں کلیجے سے لگاؤں گی۔ ابھی تو یہ کہنے آئی ہوں کہ آسرا کھانے سے انکار کر رہی ہے اور ڈاکٹر نے کہا ہے اسے السر کی شکایت ہے بھوکا نہیں رہنا چاہئے وقت پر ضرور کھا لینا چاہئے۔''

''آپ فکر نہ کریں میں اسے کھلاؤں گا۔''

میں فلک ناز کے ساتھ کچن میں آیا۔ پھر ٹرالی میں کھانے کا سامان رکھ کر اسے دھکیلتے ہوئے آسرا کے کمرے کی طرف جانے لگا۔ فلک ناز خوشی سے کھل رہی تھی۔ اگر ماں باپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ شادی سے پہلے ہی ہونے والا داماد ان کی بیٹی کا خدمت گار بن گیا ہے تو وہ ایک ایک رشتہ دار کو سناتے پھرتے ہیں کہ داماد تو ان کی بیٹی کا غلام بن کر رہتا ہے' وہ بیگم آفتاب پر برتری جتانے کے لیے ڈائننگ روم کی طرف چلی گئی۔ میں نے دروازے پر دستک دی اندر سے آسرا کی آواز آئی ''آ جاؤ۔''

میں نے دروازہ کھولا اور ٹرالی کو دھکیلتا ہوا اندر آیا اس نے مجھے حیرانی سے دیکھا پھر پوچھا ''کیا ملازم نہیں ہیں جو تم میرے لیے کھانا لائے ہو؟''

''ہاں۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔ سوچا تمہارے ساتھ کھاؤں گا۔''

''میں نہیں کھاؤں گی۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''میرے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے کہ تم اس وقت میرے ساتھ کھاؤ گی۔''

''تم پکے فراڈ ہو۔ کیا ہاتھ کی لکیریں یہ کھانے پینے کی

باتیں کرتی ہیں؟ تم نجومی نہیں ہو کوئی پراسرار علم جانتے ہو ہم سب کو بے وقوف بنا رہے ہو۔"

"تم جو سمجھنا چاہو سمجھ لو لیکن یہ مان لو کہ میں سچ کہتا ہوں اور میرا سچ سن کر سب ہی بدحواس ہو جاتے ہیں تمہیں کیا خبر کہ تمہاری اپنی ممی کا کیا حال ہوا تھا؟"

"میں نے اپنی سالگرہ کی پارٹی میں بھی تمہارا سچ سنا ہے۔ اور میں مانتی ہوں کہ تم جھوٹ نہیں بولتے۔"

"تو پھر مان لو کہ اس وقت بھی میرے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے کہ تم میرے ساتھ کھانا کھاؤ گی۔"

وہ دوسری طرف گھوم کر بولی "میں نہیں کھاؤں گی۔"

میں نے اس کے گداز بازو کو مٹھی میں جکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو وہ ایک جھٹکا کھا کر میرے سینے سے آلگی۔ میں نے اس کے دوسرے بازو کو بھی جکڑ لیا۔ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔ میری طرف کھنچا جا رہا تھا۔ وہ بڑی مشکلوں سے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی "پلیز مجھے چھوڑ دو۔"

"میرے ساتھ کھاؤ ورنہ یہ بے باکی بڑھتی جائے گی۔"

یہ کہہ کر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ دونوں ہاتھ اپنے دھڑکتے ہوئے سینے پر رکھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگی، میں نے کھانے کی ٹرالی کو کرسی کے پاس لا کر کہا "چلو بیٹھ جاؤ۔"

اب وہ انکار نہیں کر سکتی تھی۔ میری بے باکی سے گھبرا گئی تھی فوراً ہی بیٹھ گئی میں نے ایک ڈش اٹھا کر اس کی پلیٹ میں تھوڑا سا سالن ڈالا وہ جھجکتے ہوئے کھانا شروع کرنا چاہتی تھی۔ میں نے روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر ایک لقمہ اس کی طرف بڑھایا۔

وہ اندر ہی اندر میرے پیار کے اس انداز سے بے حال ہو رہی تھی۔ میرا یہ انداز دیکھ کہ کوئی بھی کہہ سکتا تھا کہ میں واقعی ہر جائی ہوں۔ بھنورے کی طرح کبھی اس پھول پر کبھی اس پھول پر منڈلا رہا ہوں۔

حقیقتاً یہ بات نہیں تھی۔ نمرہ محبت تھی، میری جان تھی، آسرا بھی اگرچہ محبت تھی لیکن اس محبت میں صرف ہمدردی تھی میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے نہ بہکاؤں تب بھی وہ بہکے گی، بھٹکے گی، محبت سے شادی سے انکار کرنے کے باوجود میری طرف جھکتی رہے گی اور اس طرح موت کے قریب آتی رہے گی۔ میری معلومات کے مطابق اس کی زندگی مختصر تھی۔ اسی لیے میں اس سے پیار کر رہا تھا اور جتنی خوشیاں اسے دے سکتا تھا دے رہا تھا بعد میں کیا ہوگا؟ کیا کاتبِ تقدیر اپنی تحریر بدل دے گا؟ یہ تو میں نہیں جانتا تھا۔

فلک ناز دروازہ کھول کر اندر آئی پھر یہ دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئی کہ میں اپنے ہاتھ سے لقمہ بنا کر آسرا کو کھلا رہا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی مجھے دعائیں دیتی ہوئی دونوں ہاتھوں سے میری بلائیں لینے لگی پھر بولی "میں تم دونوں کو ڈسٹرب نہیں کروں گی۔ ابھی چلی جاؤں گی بس ایسی بات تی ہے کہ مجھ سے رہا نہیں گیا میں تم سے پوچھنے آئی ہوں۔"

میں نے انجان بن کر پوچھا "کیا بات ہے؟"

"وہاں سب کہہ رہے ہیں کہ عروج اور عینی دونوں ہی پاشا سے شادی کرنا چاہتی ہیں ایک دوسرے کی سوکن بن کر رہنا چاہتی ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟"

"جی ہاں!" عینی اور عروج دونوں نے سب کے سامنے اعتراف کیا ہے کہ وہ ایک ہی شخص کی بیویاں بن کر رہیں گی اور وہ شخص پاشا ہے۔"

"لیکن مقدر میاں یہ تو سراسر بے حیائی ہے۔"

میں نے ہاں میں ہاں ملائی "بے شک بے حیائی ہے کھلی بے حیائی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ آسرا کے ساتھ ایسے گھر میں رہیں میں نے عینی اور عروج دونوں کے ہاتھ کی لکیریں دیکھی ہیں اور وہ لکیریں کہہ رہی ہیں کہ وہ دونوں آپ لوگوں کی بڑی بے عزتی کریں گی اور یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیں گی۔"

وہ بولی "میں لعنت بھیجتی ہوں ایسے گھر پر...... جب تم چاہتے ہو کہ آسرا کے ساتھ یہاں نہ رہوں تو نہیں رہوں گی۔ میں تمہاری خوشی میں خوش رہوں گی۔ آج ہی یہ گھر چھوڑنے کی تیاری کر رہی ہوں، بس۔"

پھر وہ آسرا کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی "تم مقدر سے مایوس ہو رہی تھیں۔ دیکھ لو میرا یہ بیٹا تمہیں کیسی خوشیاں دینے والا ہے۔"

وہ دعائیں دیتی ہوئی وہاں سے چلی گئی، میں نے آسرا کو دوسرا لقمہ کھلانا چاہا اس نے میرا ہاتھ تھام کر کہا "بس کرو تم اتنی محبت دو گے تو میرا کیا بنے گا؟"

میں نے پوچھا "کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"تم نے میرے بارے میں جو پیش گوئی کی ہے اسے بھول رہے ہو۔"

"مجھے یاد ہے میں نے کہا تھا کہ کبھی کسی سے محبت نہیں کرو گی، کبھی کسی سے شادی نہیں کرو گی۔ تب ایک طویل خوشحال زندگی گزارو گی ورنہ......"

"ورنہ زندگی مختصر ہو جائے گی۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں مر جاؤں؟"

تمہارے دشمن مریں، میں تمہاری محبت اور زندگی دونوں

ہی چاہتا ہوں۔"

"محبت نہ چاہو، محبت شادی کی طرف لے جائے گی اور شادی موت کی طرف......"

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا "فی الحال تمہارے نصیب میں یہی لکھا ہے لیکن میں نے یہ بھی کہا ہے کہ شادی کی جو لکیر ہے اس میں تبدیلی آسکتی ہے۔ نمازوں میں دعاؤں میں بڑی طاقت ہوتی ہے تم نمازیں پڑھا کرو اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو پھر میں نے تمہیں کہا تھا کہ یہاں اس شہر میں ایک بہت پہنچے ہوئے عالم دین ہیں انہیں سب بابا انعام الحق کہتے ہیں۔ میں ایک آدھ روز یہاں مصروف رہوں گا۔ اس کے بعد تمہیں ان کے پاس لے چلوں گا۔ میرے ساتھ چلو گی نا؟"

اس نے خوش ہو کر مجھے دیکھا۔ پھر آگے جھک کر اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیا۔ ان لمحات میں میرے دل سے دعائیں نکلنے لگیں "یا اللہ! اس لڑکی کو محبتیں بھی دے اور زندگی بھی...... آمین!"

☆☆☆

اسد عزیزی بندوق کی گولی کی طرح تھا۔ شہباز درانی کے ٹریگر دباتے ہی وہ ٹھائیں سے سیدھے نشانے پر جا کر لگتا تھا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ حشمت کا سراغ لگایا جائے۔ وہ ایک بار لیڈی ڈاکٹر آرزو کے کلینک میں پہنچ کر حشمت کا سراغ لگا چکا تھا اس بار بھی وہ سیدھا اسی کے کلینک پر گیا تھا۔

وہ کلینک بند تھا۔ اس کے ساتھ دواؤں کی دکان تھی وہ کھلی ہوئی تھی اس نے دکاندار سے پوچھا "یہ لیڈی ڈاکٹر کہاں ہے؟"

اس نے کہا "ملک سے کہیں باہر گئی ہوئی ہیں۔ شاید ایک آدھ ماہ بعد آئیں گی۔"

اس نے پوچھا "یہ کس دن گئی ہیں؟"

"ابھی تین دن پہلے آٹھ تاریخ کی شام کو گئی ہیں۔"

اسد عزیزی وہاں سے سیدھا ایئرپورٹ پہنچا۔ وہاں کے ایک متعلقہ عہدے دار سے ملاقات کی پھر اسے اپنا ایک کارڈ دکھایا اس کارڈ پر لکھا ہوا تھا "اسپیشل آفیسر آن ڈیوٹی" نیچے لکھا ہوا تھا "سی آئی اے۔"

اس عہدے دار نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "آیئے تشریف رکھیے ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

اس نے کہا "آٹھ تاریخ کی شام کو جتنی بھی فلائٹس بیرونی ممالک کی طرف گئی ہیں مجھے ان کے مسافروں کی لسٹ چاہیے۔"

اس عہدے دار نے اپنے ماتحت افسر کو حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس روز کی فلائٹس کے مسافروں کے ناموں کی فہرست آنے لگی۔ اسد عزیزی ان تمام فہرستوں کو ایک ایک کر کے پڑھتا رہا۔ پھر بنکاک جانے والی فلائٹ میں اسے لیڈی ڈاکٹر آرزو اور حشمت علی شاہ کا نام دکھائی دیا وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس عہدے دار سے بولا "آپ نے ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

وہ وہاں سے سیدھا دردانہ بیگم اور شہباز درانی کے پاس آیا اور بولا "حشمت کا سراغ مل گیا ہے وہ اس وقت بنکاک میں ہے اس سے پہلے کہ وہ بنکاک سے کسی دوسری جگہ چلا جائے اسے ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔"

شہباز درانی نے کہا "ٹھیک ہے تم پہلی فلائٹ سے بنکاک چلے جاؤ۔"

وہ سلام کر کے چلا گیا۔ لیڈی سیکریٹری نے انٹرکام کے ذریعے اطلاع دی "سر! مسٹر مقدر حیات آئے ہوئے ہیں۔ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا ہے۔"

اس نے انٹرکام کو آف کرتے ہوئے کہا "دردانہ تمہارا سوتیلا بیٹا آ گیا ہے۔ آؤ ڈرائنگ روم میں چلیں۔"

میں اس کوٹھی کی شان و شوکت دیکھ رہا تھا وہ کوٹھی نہیں تھی محل تھا۔ بیش قیمت سامان سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شہباز درانی بے انتہا دولت مند ہے۔

وہ دوسروں کے لیے پراسرار تھا لیکن مجھ سے کوئی چھپا نہیں رہتا، میں اس کی بھی پوری اصلیت جانتا تھا۔ اس نے دردانہ کے ساتھ آکر مجھ سے مصافحہ کیا۔ دردانہ نے آگے بڑھ کر میری پیشانی کو چوما مجھے دعائیں دیں پھر کہا "تمہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ میرا بیٹا پھر سے زندہ ہو گیا ہے۔"

میں نے کہا "میں مراکب تھا جو آپ دوبارہ زندہ ہونے کی بات کر رہی ہیں میں اپنی محبت سے اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر دوں گا کہ میں واقعی آپ کا بیٹا جواد ہوں۔"

"خوش رہو بیٹا! یہ بتاؤ عینی وغیرہ سے ملاقات کر چکے ہو۔ تمہارے تاثرات کیا ہے؟"

"ایک سوتیلی بہن سے مل کر کیا تاثرات ہو سکتے ہیں؟ وہ رسمی طور پر مسکرا کر مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ اس کے دل میں کینہ بھرا ہوا ہے۔"

"تم اس کے لچھن نہیں جانتے۔ وہ اور عروج اس قدر بے حیا ہیں کہ دونوں ہی ایک ٹیکسی ڈرائیور سے بے حیائی کی حد تک تعلق رکھتی تھیں۔"

میں نے کہا" آپ میرے بارے میں ایک بات نہیں جانتیں کہ میں علم نجوم میں مہارت رکھتا ہوں۔ میں نے عینی اور عروج کے ہاتھ کی لکیروں کو پڑھتے ہی بتا دیا تھا کہ وہ دونوں ایک ہی شخص سے شادی کرنا چاہتی ہیں اور آئندہ ایک دوسرے کی سوکن بن کر رہنا پسند کرتی ہیں۔"

شہباز درانی نے کہا" تم نے ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر یہ بات معلوم کرلی۔ پھر تو کمال کے نجومی ہو۔"

"میں نے عینی کے گھر میں ایک ایک رشتے دار کا ہاتھ دیکھا ہے اور ہر ایک کا کچا چٹھا بیان کر دیا ہے۔"

دردانہ نے کہا" پھر تو ہم بھی اپنا ہاتھ دکھائیں گے، کیوں شہباز؟"

شہباز نے کہا" میں اپنا مقدر خود بناتا ہوں پھر بھی اپنا ہاتھ ضرور دکھاؤں گا' دیکھتا ہوں یہ جوان کس حد تک اپنے علم میں مہارت رکھتا ہے۔"

"ایک بات ہے۔جب بھی میں کسی کا ہاتھ دیکھتا ہوں تو وہ میرے سچ بولنے پر ناراض ہو جاتا ہے۔ میں نے عینی کے گھر میں کتنوں کو ناراض کیا ہے اگر میں کوئی معمولی حیثیت کا آدمی ہوتا تو وہ سب میرے دشمن بن جاتے۔ بہرحال کچھ میں نے انہیں منالیا اور کچھ وہ خود ہی مان گئے۔"

دردانہ نے کہا" ہم برا نہیں مانیں گے لیکن کھانے کا وقت ہوگیا ہے آؤ پہلے کھا پی لیں پھر کھانا ہضم کرنے کے لیے مقدر کی لکیروں پر چہل قدمی کریں گے۔"

اس بات پر ہم تینوں نے قہقہہ لگایا۔ پھر ڈرائنگ روم میں آکر کھانے کی میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ میں نے کھانے کے دوران میں کہا" ممی! میں نے اس گھر میں پہنچتے ہی نفرتوں کے بیج بو دیے ہیں۔ پھوپی جان اور بڑی امی وغیرہ سب ہی عینی کی دشمن ہوگئی ہیں۔ وہ گھر چھوڑ کر جانے والی ہیں۔"

دردانہ نے خوش ہو کر کہا" تم تو کمال کر رہے ہو۔ ابھی تمہیں آئے ہوئے پورے بارہ گھنٹے بھی نہیں ہوئے ہیں۔ کیا واقعی وہ سب عینی کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں گے؟"

"ضرور جائیں گے۔ میں یہی سوچ کر آیا تھا کہ عینی کو اس گھر میں بالکل تنہا کر دوں گا۔ اس کے وکیل اخلاق احمد کو تو ایسا چکر دیا ہے کہ وہ مجھ پر اندھا اعتماد کرنے لگا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ میں عینی کے بزنس شیئر میں کیسی ہیرا پھیری کرتا رہتا ہوں۔"

وہ مجھے بڑے پیار سے دیکھتے ہوئے بولی" بیٹے اتنی خوشیاں نہ دو کہ برداشت نہ کرسکوں۔"

میں نے دل میں کہا" میری ممی جان! میں آگے جو دینے والا ہوں' اسے تو آپ کا یہ شہباز درانی بھی برداشت نہیں کر سکے گا۔"

کھانے کے بعد ہم پھر ڈرائنگ روم میں آگئے۔ وہاں قہوے کا دور چلنے لگا۔ دردانہ نے کہا" بیٹے میرا ہاتھ دیکھوگے؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں ضرور دیکھوں گا۔ اپنا بایاں ہاتھ لائیں۔"

اس نے بایاں ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں نے اس ہاتھ کو اپنے ایک ہاتھ میں لیا پھر دوسرے ہاتھ سے پیالی اٹھا کر قہوہ کا ایک گھونٹ پیا۔ ٹیڑھی میڑھی لکیروں کو یوں دیکھنے لگا جیسے بہت توجہ سے پڑھ رہا ہوں پھر میں نے کہا" آج کل آپ کا ستارہ عروج پر ہے۔جو قدم اٹھاتی ہیں' وہ کامیابی کی طرف لے جاتا ہے۔"

شہباز درانی نے مسکرا کر کہا" عام طور پر نجومی ایسی ہی زبان بولتے ہیں ان کے چند مقررہ فقرے ہوتے ہیں اور یہ کہ ماضی میں تم بہت بیمار پڑے تھے۔ اس کے بعد تمہیں ایک خوشی حاصل ہوئی اور اب تم پھر کامیابی کی طرف جانے والے ہو وغیرہ وغیرہ۔"

میں نے کہا" ابھی تو میں نے ابتدا کی ہے آگے آگے سنیے۔"

میں نے دردانہ کی ہتھیلی کو دیکھا پھر کہا" آپ نے پچھلی رات اپنے کسی مخالف کو قتل کرایا ہے۔"

دردانہ اور شہباز نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر شہباز نے پوچھا" کسے قتل کرایا ہے؟"

"میں پورا نام نہیں بتا سکتا اس کے نام کا پہلا حرف"ڈی" ہے۔"

شہباز درانی نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا" تم درست کہہ رہے ہو۔"

میں نے دردانہ سے کہا" آپ نے جسے قتل کرایا ہے اس سے پہلے بہت دوستی تھی اور آپ اسے حسین لڑکیاں سپلائی کرتی تھیں۔"

دردانہ نے فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ شہباز نے سخت لہجے میں کہا" کیا بکواس کر رہے ہو؟"

میں نے مسکرا کر کہا" میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جب میں سچ بولتا ہوں تو وہ کسی سے برداشت نہیں ہوتا۔ میں ممی کا ہاتھ تو پڑھ چکا ہوں۔ آپ کے لیے بہتر ہوگا کہ اپنا ہاتھ نہ دکھائیں ورنہ سچ برداشت نہیں کرسکیں گے۔"

دردانہ نے کہا" تم مجھے ماں بھی کہہ رہے ہو' اور لڑکیوں کی دلالہ بھی؟"

"یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں آپ کے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی ہیں۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے کہ تمہاری بات درست ہو کتنے ہی نجومی الٹی سیدھی ہانکتے ہیں ان میں سے دو چار باتیں درست ہوتی ہیں، باقی باتیں غلط ثابت ہوتی ہیں۔"

میں نے کہا" چلیں یہی سہی میں غلط کہہ رہا ہوں۔ کیا یہ بھی غلط ہے کہ آپ ایک اور شخص کو قتل کرانے والی ہیں اور جسے قتل کیا جائے گا اس کے نام کا پہلا حرف"ایچ" ہے۔"

ان دونوں نے خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر دردانہ نے پوچھا" کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں اسے کیوں قتل کرانا چاہتی ہوں؟"

میں نے کہا" آپ کی اس سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے آپ اپنے ایک بدترین دشمن کو اس کے قتل کے الزام میں پھانسنا چاہتی ہیں اور اس بدترین دشمن کا نام حرف"زیڈ" سے شروع ہوتا ہے۔"

اس بار دونوں نے ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھا پھر دردانہ نے کہا" اوہ گاڈ! تم تو بہت ہی خطرناک نجومی ہو۔"

شہباز نے کہا" دردانہ نے ایک بڑی کامیابی حاصل کی ہے اس کے بارے میں کچھ کہہ سکتے ہو؟"

میں نے پھر دردانہ کی ہتھیلی کو دیکھا۔ قہوے کا آخری گھونٹ پی کر پیالی کو رکھ دیا پھر کہا" آپ نے اپنی سوتیلی بیٹی عینی کے خلاف بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے، اس کے ہونے والے شوہر کو اس سے دور کر دیا ہے۔ اسے اپنا قیدی بنا کر رکھا ہے اور اب وہ قیدی آپ کے ہاتھوں کے نیچے کٹھ پتلی بن کر ناچتا رہے گا۔"

پہلی بار شہباز درانی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس نے کہا" مقدر حیات! میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے اگرچہ میں نجومی نہیں ہوں لیکن مشہورِ زمانہ نجومیوں کے ساتھ رہ چکا ہوں۔ اس علم کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ لکیریں صرف اس حد تک بتاتی ہیں کہ کسی نے کسی چیز پہ قبضہ جما رکھا ہے اتنی تفصیل سے نہیں بتاتیں کہ کسی کو قیدی بنا کر رکھا ہے۔ اور وہ کسی کے ہاتھوں کے نیچے رہ کر کٹھ پتلی بنا رہے گا اور لکیریں کبھی کسی کے نام کا پہلا یا آخری حرف نہیں بتاتیں۔ لکیریں یہ تو کہتی ہیں کہ کوئی غلط کام کر رہا ہے۔ لیکن اتنی تفصیل سے نہیں بتاتیں کہ کوئی لڑکیوں کی دلالی کر رہا ہے اور کس کو سپلائی کر رہا ہے۔ تم نے دردانہ کے بارے میں بتایا کہ یہ لڑکیاں سپلائی کرتی تھی اور داؤد سبحانی کو سپلائی کرتی تھی۔ تم ساری دنیا کو بے وقوف نہیں بنا سکتے' خاص طور پر مجھ سے فراڈ نہیں کر سکتے۔"

میں تن کے کہا" بے شک آپ نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوگا، لیکن میرے گھاٹ میں پہلی بار آئے ہیں۔ میں ثابت کر دوں گا کہ ہاتھ کی لکیریں اپنی گہرائیوں تک لے جاتی ہیں۔ بشرطیکہ ان گہرائیوں تک پہنچنے والا کوئی مجھ جیسا ہو۔"

"تم بلاشبہ فراڈ ہو کوئی پراسرار علم جانتے ہو۔ جس کے ذریعے اتنی دور تک اتنی گہرائی تک کسی کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر لیتے ہو۔"

میں نے دردانہ سے کہا" ممی میں مسٹر شہباز کو یقین نہیں دلا سکوں گا کہ کس طرح ہاتھ کی لکیروں پر چلتا ہوں اور ان کی گہرائیوں میں اترتا جاتا ہوں۔"

میں نے اس کی مٹھی بند کر کے کہا" آپ اپنا ہاتھ اپنے پاس رکھیں اب میں کسی کے ہاتھ کی لکیریں نہیں پڑھوں گا۔"

دردانہ نے کہا" شہباز کیوں میرے بیٹے پر شبہ کر رہے ہو! اس کی اس غیر معمولی صلاحیت کو کیوں تسلیم نہیں کر رہے ہو؟"

"دردانہ! تم نہیں جانتیں یہ کوئی عمل جانتا ہے یہاں آنے سے پہلے اس نے میرے اور تمہارے بارے میں کسی پراسرار علم کے ذریعے ہم دونوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم کیا ہوگا اب یہاں آکر وہی باتیں بتا رہا ہے۔"

میں نے کہا" آپ کسی ایسے شخص کو میرے سامنے لائیں' جسے میں نہیں جانتا پہلے میں نے اسے کبھی دیکھا نہیں۔ میں اس کے بارے میں بھی سچی اور کھری باتیں بتاؤں گا۔"

اس نے مجھے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر اپنی لیڈی سیکریٹری تہمینہ کو بلایا۔ اس نے آکر پوچھا" یس سر......؟"

شہباز نے کہا" ایک اسٹول لے کر مسٹر مقدر حیات کے سامنے بیٹھو یہ تمہارا ہاتھ دیکھیں گے۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ میرے سامنے آکر بیٹھ گئی۔ اپنا بایاں ہاتھ میری طرف بڑھایا میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر لکیروں کو دیکھا، سوچا۔ پھر کہا" میرے ساتھ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ میں سچ بولتا ہوں اور جھوٹا سمجھا جاتا ہوں۔ کیونکہ سچ بہت کڑوا ہوتا ہے۔ کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ مسٹر شہباز آپ ابھی تہمینہ سے یہ وعدہ کریں کہ یہ سچ بولے گی اور میری بات کو سچ تسلیم کرے گی تو آپ سچائی کے طور پر اسے انعام دیں گے اور جسے یہ چاہتی ہے اس کے پاس اسے تنہائی میں وقت گزارنے دیں گے۔"

شہباز نے کہا ”میں وعدہ کرتا ہوں تہمینہ! مسٹر مقدر حیات تمہارے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر جو کہہ رہے ہیں اگر وہ سچ ہے تو اسے تسلیم کرو اگر وہ بات میرے خلاف ہوگی تب بھی میں تمہیں سزا نہیں دوں گا انعام دوں گا۔“

میں نے کہا ”ممی! آپ نے جسے قیدی بنا رکھا ہے اس پر تہمینہ کا دل آ گیا ہے یہ اس سے محبت کرنے لگی ہے اس کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارنا چاہتی ہے۔“

شہباز درانی نے کہا ”تہمینہ! اگر یہ سچ ہے تو میں تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔“

اس نے سر جھکا کر کہا ”جی ہاں یہ سچ ہے میں اسے پسند کرتی ہوں۔“

میں نے کہا ”مسٹر شہباز آپ فرما رہے تھے کہ ہاتھ کی لکیریں کسی کا نام یا اس کے نام کا پہلا حرف نہیں بتاتیں لیکن مجھے بتا دیتی ہیں۔ تہمینہ جسے چاہتی ہے اس کے اصل نام کا پہلا حرف ”ایس“ ہے اور جس نام سے وہ عام طور پر پکارا جاتا ہے اس نام کا پہلا حرف ”پی“ ہے۔“

شہباز نے مجھے حیرانی سے اور پریشانی سے دیکھا میں اس کے لیے معما بن گیا تھا میں نے کہا ”میں اپنی ممی کو اور آپ کو پہلے سے جانتا تھا لیکن آپ کی اس لیڈی سیکریٹری تہمینہ کو آج ہی دیکھا ہے اور ابھی اس کے ہاتھ کی لکیروں کو پڑھا ہے کیا اب بھی آپ یہی کہیں گے کہ میں کوئی پراسرار علم جانتا ہوں اور میں نجومی نہیں ہوں؟“

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا ”ذرا ٹھہرو میں ایک بار اور آزمانا چاہتا ہوں۔“

پھر وہ تہمینہ سے بولا ”تم جسے چاہتی ہو۔ اس کے پاس جا سکتی ہو۔ اس کا بھی دل بہلتا رہے گا۔“

وہ تیزی سے چلتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ کر بولا ”مقدر حیات یہاں آؤ۔“

میں دروازے کے پاس آیا۔ اس نے کہا ”اس دروازے کے پیچھے کوئی کھڑا ہوا ہے تمہیں صرف اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھنی ہیں۔“

اس کے حکم سے دروازے کے پیچھے جو کھڑا ہوا تھا‘ اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا مجھے صرف اس کی کلائی اور ہتھیلی نظر آ رہی تھی میں تھوڑی دیر تک اس کے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتا رہا پھر بولا ”آپ کوئی دوسرا ہاتھ دکھاتے تو بہتر ہوتا اس کا ہاتھ تو صاف چغلی کھا رہا ہے کہ یہ بارود سے کھیلتا رہتا ہے۔ پہلے یہ فوج میں تھا۔ ریٹائر ہونے کے بعد سیکورٹی افسر بن گیا ہے اس سیکورٹی افسر کے نام کا پہلا حرف ”ٹی“ ہے۔“

شہباز درانی سن رہا تھا اور حیران ہو رہا تھا۔ میں نے کہا ”میں اس کے بارے میں اور بہت کچھ بتا سکتا ہوں فی الحال سب سے اہم بات یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس کے دو بیٹے ہیں ایک سات برس کا ہے دوسرا پانچ برس کا اور ابھی ان دونوں کو خطرہ پیش آنے والا ہے۔“

سیکورٹی آفسر فوراً ہی دروازے کے پیچھے سے نکل آیا اس نے پوچھا ”کیسا خطرہ پیش آئے گا؟“

میں نے کہا ”تمہارے پاس دو ریوالور ہیں‘ لوڈ کیا ہوا ریوالور تمہارے ہولسٹر میں رہتا ہے۔ اور اَن لوڈ کیا ہوا ریوالور تم اپنی الماری میں چھوڑ کر آتے ہو اس بار تم بھولے سے بھرا ہوا ریوالور الماری میں چھوڑ آئے ہو اور خالی ریوالور تمہارے ہولسٹر میں ہے۔ یقین نہ ہو تو دیکھ لو۔“

اس نے فوراً ہی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر چیک کیا تو واقعی اس کے چیمبرز خالی تھے۔ اس نے پریشان ہو کر شہباز درانی کو دیکھا۔ میں نے شہباز سے کہا ”پلیز اسے جانے دیں اس کے بچوں کو خطرہ ہے وہ ریوالور سے کھیل رہے ہیں۔“

یہ سنتے ہی وہ سیکورٹی افسر وہاں سے دوڑتا ہوا چلا گیا۔ شہباز درانی نے مجھے تعجب سے دیکھتے ہوئے کہا ”میں حیران ہوں کہ تم کیا چیز ہو؟ میں اب بھی یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ ہاتھ کی لکیریں اتنی تفصیل سے بتاتی ہیں تم نے تو یہ بھی بتا دیا کہ اس کے بچے بھرے ہوئے ریوالور سے کھیل رہے ہیں۔ میں کبھی نہیں مانوں گا کہ یہ علم نجوم ہے۔“

میں نے دردانہ کو دیکھتے ہوئے کہا ”ممی مجھے ہاتھ کی لکیریں سب کچھ بتا دیتی ہیں تو میں کیا کروں؟“

دردانہ نے کہا ”شہباز درانی کیوں میرے بیٹے پر شبہ کر رہے ہو؟ کیوں نہیں مان لیتے کہ اسے علم نجوم میں مہارت حاصل ہے؟“

”دردانہ تم نہیں جانتیں علم نجوم ایسا نہیں ہوتا کہ نجومی جادوگر بن جائے اور اندر کی چھپی ہوئی باتیں بیان کر دے۔ کسی کے ہاتھ کی لکیر کبھی یہ نہیں بتا سکتی کہ وہ یہاں ہے تو اس کے بچے ریوالور سے کھیل رہے ہیں یہ سراسر ہمیں بے وقوف بنا رہا ہے۔“

میں نے مسکرا کر کہا ”چلیں میں آپ کی بات مان لیتا ہوں‘ میں نجومی نہیں ہوں آپ کے خیال کے مطابق جادوگر ہوں۔ کیا میرے جادوگر ہونے سے آپ کو کوئی نقصان پہنچ رہا ہے؟ ویسے آپ کی معلومات کے لیے یہ عرض کر دوں کہ دنیا کا

کوئی جادوگر ماضی‘ حال اور مستقبل کے بارے میں اتنی سچی اور کھری باتیں نہیں بتا سکے گا‘ جیسا کہ میں بتا رہا ہوں۔“

پھر میں نے دردانہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ”میں نے آپ کا بہت وقت ضائع کیا ہے اب مجھے جانا چاہئے۔“

شہباز درانی نے کہا ”نہیں ......ابھی رک جاؤ میں پھر ایک بار تمہاری جادوگری دیکھنا چاہتا ہوں۔“

میں نے ہنستے ہوئے پوچھا ”اب دیکھنے کے لیے کیا رہ گیا ہے؟“

”آؤ آرام سے بیٹھو۔“

ہم پھر صوفوں پر آ کر بیٹھ گئے اس نے کہا ”اب میرے بارے میں بتاؤ۔“

”میں ہاتھ دیکھے بغیر کچھ نہیں بتا سکتا۔“

وہ سخت لہجے میں بڑی سنجیدگی سے بولا ”دیکھو مقدر! میرے سامنے پُراسرار نہ بنو کھل کر بات کرو‘ میں تمہیں بہت عزیز رکھوں گا۔ تمہیں سر پر بٹھاؤں گا۔ اس خوش فہمی میں نہ رہو کہ مجھ سے جھوٹ بول کر مجھے فریب دے کر یہاں سے جا سکو گے۔“

دردانہ نے پریشان ہو کر کہا ”یہ کیا شہباز؟ تم مقدر میاں کو چیلنج کر رہے ہو؟ یہ ہمارا اپنا ہے۔ ہمارا ہم مزاج ہے۔ مگر تمہارا رویہ اچانک ہی تبدیل کیوں ہو گیا ہے؟“

وہ بولا ”دردانہ تم نہیں جانتیں۔ میرے اندر ایسے ایسے راز چھپے ہوئے ہیں جنہیں صرف وہی چند لوگ جانتے ہیں جن کا تعلق ان رازوں سے ہے‘ ورنہ کوئی ایسا ویسا نجومی‘ کوئی جادوگر‘ کوئی پراسرار علم جاننے والا بھی ان رازوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ وہاں تک پہنچتا ہے یا نہیں۔“

”اگر یہ تمہارے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر تمام راز بتا دے تو کیا تم اس کے دشمن بن جاؤ گے؟“

”پہلے اسے بتانے دو پھر میں بتاؤں گا کہ کیا چاہتا ہوں؟“

پھر اس نے مجھے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا ”ہاں تو بولو میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟“

”میں کسی کی دھمکیوں میں نہیں آتا۔ کسی کی دھونس میں آ کر جھوٹ نہیں بولتا۔ جو سچ معلوم ہوتا ہے وہی اگل دیتا ہوں۔ اور سچ اسی وقت معلوم ہو گا جب میں ہاتھ کی لکیریں دیکھوں گا اور جب تک نہیں دیکھوں گا آپ مجھ سے کچھ نہیں اگلوا سکیں گے۔“

ایسا کہتے وقت اس کی اور میری نظریں ٹکرا رہی تھیں۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ پہاڑ سے ٹکرا رہا ہے۔ اسے میری بات ماننی ہی ہو گی۔ جب تک وہ اپنا ہاتھ نہیں دکھائے گا میں کچھ نہیں بولوں گا اور نہ ہی وہ مجھے بولنے پر مجبور کر سکے گا۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے سامنے آیا پھر سینٹر ٹیبل پر بیٹھ کر اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا ”لو دیکھو۔“

میں اس کے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھنے لگا۔ سوچنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد بولا ”آپ کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ آپ کا قول ہے کہ بھیک مانگنے والے ہاتھ پھیلاتے

ہیں لیکن آج زندگی میں پہلی بار آپ میرے آگے ہاتھ پھیلائے بیٹھے ہیں۔''

اس نے چونک کر غصے سے دیکھا۔اس کے سامنے سر اٹھا کر اس سے آنکھیں ملا کر اونچی آواز میں بولنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ کجا یہ کہ میں نے اسے طعنہ دیا تھا کہ وہ ضرورت مند بن کر اپنے حالات معلوم کرنے کے لیے میرے سامنے ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہے۔

کوئی بات اس کے مزاج کے خلاف ہوتو وہ مجھ جیسے شہہ زور جوانوں کی بھی پٹائی کر دیتا تھا۔اتنا زبردست فائٹر تھا کہ اپنے مقابل کو مارتے مارتے جان سے ہی مار ڈالتا تھا۔ پتا نہیں اس نے کتنے قتل کیے تھے۔کبھی قانون کی گرفت میں نہیں آتا تھا۔ بلکہ قانون کو کھلونا بنا کر کھیلتا تھا۔

اس کے جی میں آیا کہ وہ ایک الٹا ہاتھ میرے منہ پر رسید کرے پھر مجھے مارتا چلا جائے مجھے ٹھوکروں میں رکھ کر لہولہان کر دے وہ جب تک مجھے جان سے نہ مار دیتا اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا۔

یہ مار پیٹ' یہ خون خرابہ' یہ فرعونیت اس وقت ممکن ہے جب جسم میں توانائی ہو۔مقدر اسے بیمار اور کمزور بنا دیتا ہے۔

بعض اوقات شہباز درانی جیسا شہہ زور بھی کسی پر بھی ہاتھ اٹھانے کے قابل نہیں رہتا۔ وہ اس وقت مجھے گالیاں بھی نہیں دے سکتا تھا۔کیونکہ میرے مقدر میں یہ لکھا تھا کہ میں کسی سے گالیاں نہیں سنوں گا۔ اور ان لمحات میں کوئی مجھ پر حملہ نہیں کرے گا اور شہباز درانی کے مقدر میں لکھا تھا کہ وہ اپنی طاقت کا بے جا استعمال نہیں کرے گا۔ اس وقت یہ بات اس کے ذہن میں سمائی ہوئی تھی کہ میں کوئی بہت ذہین چالباز سیکریٹ ایجنٹ ہوں۔ اس کے خفیہ معاملات کے بارے میں اہم معلومات حاصل کرنے کے لیے وہاں پہنچا ہوا ہوں۔ لہٰذا وہ مجھے مار ڈالے گا تو اس کو میری اصلیت معلوم نہیں ہو سکے گی اور وہ میری تہہ تک پہنچنے کے لیے فی الحال مجھے نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔

میں نے کہا'' تم اپنے دوستوں اور دشمنوں کے لیے بہت ہی پراسرار شخص ہو۔کوئی تمہاری اصلیت نہیں جانتا۔سب ہی جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور ناکام رہتے ہیں۔تمہارے بارے میں طرح طرح کے اندازے لگائے جاتے ہیں اور اب تک متفقہ طور پر یہی اندازہ قائم کیا گیا ہے کہ تم پاکستان میں رہ کر امریکی مفادات کے لیے کام کرتے رہتے ہو۔''

اس نے کہا'' دوسروں کو چھوڑو اپنی بات کرو' تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو۔''

''میں کچھ نہیں جانتا یہ لکیریں جانتی ہیں اور جو جانتی ہیں' وہ مجھ سے کہہ رہی ہیں ـــ واشنگٹن میں امریکی سی آئی اے کا جو مرکزی شعبہ ہے' تم اس شعبے کے فارن آفیسر ہو۔''

وہ مجھے حیرانی سے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا'' سی آئی اے اپنے مطلوبہ ممالک میں جاسوسی کراتی ہے۔وہاں کے حکومتی اور فوجی راز معلوم کرتی ہے۔ وہاں کے سیاستدانوں کی بڑی بڑی کمزوریاں معلوم کرتی ہے۔ پھر اپنے مفادات کے مطابق وہاں سیاسی تبدیلیاں لاتی رہتی ہے۔ ایسا کرنے کے لیے وہ تمہارے جیسے ذہین' تجربہ کار' معاملہ فہم' سیکریٹ ایجنٹ کی تقرری کرتی ہے۔ ہمارے ملک پاکستان میں کہا جاتا ہے کہ یہاں کوئی خفیہ ہاتھ ہے' جو یہاں سیاسی تبدیلیاں لے آتا ہے تم سپر پاور کا وہی خفیہ ہاتھ ہو۔''

وہ مجھے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے دانت پیسنے لگا۔ پھر بولا'' کیا اب بھی تم سچ نہیں بولو گے کہ نجومی نہیں ہو. ہم کسی بھی ملک کے اہم سیاسی افراد کے اندر گھس کر اس کی ایسی ایسی باتیں معلوم کر لیتے ہیں' جنہیں صرف ان کا مقدر جانتا ہے اور کوئی نہیں جان سکتا تم بھی ہماری طرح کوئی بہت ہی خطرناک سیکریٹ ایجنٹ ہو لیکن ہماری امریکی سی آئی اے کے مخالف ہو۔''

''تم مجھے نجومی تسلیم کرو یا نہ کرو میں ایف بی آئی' سی آئی اے' کے جی بی اور انٹر پول جیسی کسی بھی خفیہ تنظیم کا کارندہ نہیں ہوں میں تمہارے یا تمہاری امریکی سی آئی اے کے خلاف جاسوسی کرنے نہیں آیا ہوں۔''

اس نے غرا کر پوچھا'' میں کیسے مان لو؟''

''تمہارے نہ ماننے سے میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''تم بہت خطرناک ہو یہاں میں کیسے سیاسی گیم کھیلتا رہتا ہوں' اس کی تمام تفصیلات تم جانتے ہو گے۔''

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا'' بے شک میں تمہارے ہاتھ کی لکیریں دیکھنے کے بعد بہت کچھ جاننے لگا ہوں۔''

''جو میرے راز جاننے کی کوشش کرتا ہے میں اسے زندہ نہیں چھوڑتا اور تم تو بہت کچھ معلوم کر چکے ہو میں تمہیں یہاں سے زندہ نہیں جانے دوں گا یا تو حرام موت مرو گے یا پھر میرے قیدی بن کر رہو گے۔''

میں نے اس کی ہتھیلی پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا'' یہ لکیر کہہ رہی ہے کہ میں تمہارا مقدر ہوں میں نے تمہارے ساتھ جنم لیا ہے تمہارے ساتھ ہی مروں گا جب تک تم زندہ

ہوگے' مجھے نہیں مار سکو گے مجھے مارنے کے لیے خود کو مارنا ہوگا۔''

وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بولا'' ایسی بکواس کر کے تم زندہ نہیں رہ سکو گے۔''

''رہوں گا۔تم اپنی زندگی کی خیر مناؤ یہ گزرتے ہوئے لمحات تم پر بھاری پڑ رہے ہیں۔اگر تم چالیس منٹ کے بعد زندہ رہ گئے تو پھر سمجھو کہ تمہیں نئی زندگی مل گئی۔ ورنہ گھڑی دیکھو ٹھیک چالیسویں منٹ پر موت تمہارے سر پر کھڑی ہوگی۔''

وہ پریشانی سے سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔دردانہ نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔

''بیٹے! کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''میں نے اب تک کون سی بات جھوٹ کہی ہے؟ تم دونوں گواہ ہو کہ اب تک جو کہتا رہا ہوں' وہ سچ ثابت ہوتا رہا ہے۔''

''بیٹے! تم ہماری عزت کر رہے تھے ہمیں آپ کہہ کر مخاطب کر رہے تھے اب تم کیوں کہہ رہے ہو؟''

''میں حالات کے مطابق بدلتا ہوں۔ مسٹر شہباز کے مزاج بدل گئے' رویہ بدل گیا اس لیے میں بھی بدل گیا ہوں۔ تم شہباز سے الگ نہیں رہ سکتیں۔اس کے لیے ساری دنیا کو چھوڑ سکتی ہو مجھے بھی چھوڑ سکتی ہو۔اس سے پہلے میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔''

شہباز درانی نے کہا'' بے شک تم نے اب تک تمام باتیں سچ بیان کی ہیں۔ یہ بتاؤ کس طرح مجھے چالیسویں منٹ پر موت آئے گی؟''

''تم مجھے مارنا چاہتے تھے میں نے تمہاری موت کی خبر سنا دی۔یہ بھی سن لو کہ اس موت سے صرف میں ہی تمہیں بچا سکوں گا۔تم اپنے سپر پاور کی پوری فوج' پوری طاقت' پورا سرمایہ اور پورے اختیارات استعمال کر لو پھر بھی نہیں بچ پاؤ گے۔''

میں نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر کہا'' یہ سمجھ لو کہ میں یہاں آج رات کا کھانا کھانے کے لیے نہیں آیا تھا۔ صرف تمہیں موت کے منہ سے بچانے آیا تھا۔سوال پیدا ہوتا ہے میں تمہیں کیوں بچاؤں؟''

وہ غصہ سے دہاڑتے ہوئے بولا'' میں چالیس منٹ پورے ہونے سے پہلے تمہیں مار دوں گا۔جہنم میں پہنچا دوں گا میں موت سے نہیں ڈرتا موت آئے گی تو میں خود اس سے نمٹ لوں گا۔''

دردانہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا'' شہباز! فضول باتیں نہ کرو۔اگر اسے مارنے کے بعد تم بھی زندہ نہ بچ سکے تو میرا کیا ہوگا۔ جب یہ دیکھ رہے ہو کہ اس کی تمام باتیں درست ہو رہی ہیں تو یہ بات بھی درست ہوگی کہ چالیس منٹ کے بعد تم موت سے بچ نہیں پاؤ گے' اگر تمہیں کوئی بچائے گا تو صرف یہی ایک مقدر ہے۔''

شہباز درانی نے سوچتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھا میں نے کہا'' دس منٹ گزر چکے ہیں تم نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے یہاں سے امریکا تک سیاسی بازی گری دکھاتے آئے ہو اب اپنی پوری ذہانت سے سوچو کہ یہاں اس ڈرائنگ روم میں تمہیں کس طرح موت آ سکتی ہے؟''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ ذہن پر زور دے کر سوچنے لگا'' کس طرح موت آ سکتی ہے۔اس کمبخت کا نام مقدر حیات ہے اور یہ میرے مقدر کی بات کر رہا ہے میری بدنصیبی مجھے بتا چکا ہے اور مجھے یقین کرنا ہوگا۔ کیونکہ اس کی ہر بات اب تک درست ثابت ہوئی ہے۔''

وہ اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہاں اندر اور باہر سخت سیکورٹی کے انتظامات ہیں لیکن انتظامات ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ داؤد سبحانی نے بھی تو جدید آلات کے ذریعے اپنی سیکورٹی کے انتظامات کیے تھے۔ وہ کبھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ ایک لڑکی اپنے بدن پر زہریلے لوشن کی مالش کر کے آئے گی اور اسے موت کے گھاٹ اتار دے گی۔

یہاں میرے پاس کوئی آنے والا نہیں ہے اور نہ ہی میں کسی کو آنے دوں گا صرف میرے وفادار سیکورٹی گارڈز ہی میرے سامنے آ سکتے ہیں اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی میرے وفاداروں کو بڑی رقم دے کر خرید لے اور میری موت کا سامان کر دے۔

بیس منٹ گزر چکے ہیں اور بیس منٹ رہ گئے ہیں۔ میں اگلے آدھے گھنٹے تک کسی کھانے پینے کی چیز کو منہ نہیں لگاؤں گا پھر موت کیسے آ سکے گی؟

میں بیمار نہیں ہوں، کمزور نہیں ہوں' مجھے کوئی ایسی بیماری نہیں ہے جو اچانک ہی آ کر دبوچ لے پھر میں کیسے مروں گا؟

آدمی نہیں سمجھتا۔ وہ بہت ذہین ہوتا ہے پھر بھی سمجھ نہیں پاتا کہ اگلے چند لمحوں کے بعد کیا ہونے والا ہے؟ یہ معلوم ہو جائے کہ موت آنے والی ہے تو عقل کام نہیں کرتی کہ موت کس طرح آئے گی؟

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دردانہ نے آگے بڑھ کر ریسیور

اٹھایا دوسری طرف سیکورٹی افسر کی آواز سنائی دی" میڈم! میں آپ کا خادم بول رہا ہوں' آپ کے اس مہمان نے بالکل درست کہا تھا اگر میں اپنے گھر پہنچنے میں دیر کرتا تو کوئی نہ کوئی مارا جاتا۔ میرے دونوں بچے اس بھرے ہوئے ریوالور سے کھیل رہے تھے۔ میں آپ کے مہمان کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ میں ڈیوٹی پر واپس آ رہا ہوں آپ کے مہمان کا شکریہ بھی ادا کروں گا۔"

دردانہ نے کہا" ٹھیک ہے یہاں فوراً پہنچو تمہارے باس کسی طرح کا خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ تمہیں کوٹھی کے باہر اپنے تمام مسلح گارڈز کے ساتھ محتاط اور مستعد رہنا ہے۔"

"یس میڈم! میں راستے میں ہوں ابھی پانچ منٹ میں وہاں پہنچنے والا ہوں۔"

دردانہ نے ریسیور رکھ کر شہباز سے کہا" ہمارے سیکورٹی افسر کا فون تھا دیکھو شہباز! مقدر میاں کتنی درست باتیں کرتے آ رہے ہیں۔ ابھی اس سیکورٹی افسر نے بتایا ہے کہ اس کے دونوں بچے بھرے ہوئے ریوالور سے کھیل رہے تھے۔ اگر وہ صحیح وقت پر نہ پہنچتا تو ان میں سے کوئی ایک مارا جاتا۔ یہ مان لو کہ یہ تمہاری طرح کوئی سیکریٹ ایجنٹ نہیں ہے۔ نجومی ہے اپنے علم میں مہارت رکھتا ہے اگر تم کہتے ہو کہ یہ کوئی پراسرار علم جانتا ہے تو چلو یہی سہی۔ جانتا ہے تبھی تو تمہاری موت کی پیش گوئی کر رہا ہے اور یہ بھی کہہ رہا ہے کہ یہی تمہیں بچا سکتا ہے"۔

شہباز نے جھنجلا کر مجھے دیکھا۔ پھر کہا" تم نے مجھے الجھا دیا ہے میرا ذہن کام نہیں کر رہا ہے کہ یہاں کس طرح موت آ سکتی ہے یہاں میرا ایک ایک سیکورٹی گارڈ اتنا وفادار ہے کہ میری خاطر اپنی جان پر کھیل سکتا ہے۔"

میں نے کہا" سوچتے سوچتے ذہن تھک جائے گا پھر بھی سمجھ نہیں پاؤ گے' مقدر کا کھیل اگر انسان کی سمجھ میں آ جائے تو پھر وہ خود ہی اپنی تقدیر کا مالک بن جائے گا اور ایسا کبھی نہیں ہوتا۔"

اس نے گھڑی دیکھی پھر کہا" باتیں نہ بناؤ پندرہ منٹ باقی بچے ہیں مجھے بتاؤ موت کس طرح آئے گی؟"

"میں نہیں بتاؤں گا۔ میری دو شرائط مان لو گے تو تم پر آنچ نہیں آنے دوں گا تمہیں یہاں میری موجودگی سے ایک نئی زندگی مل سکے گی۔"

دردانہ نے پریشان ہو کر کہا" اس کی شرائط مان لو۔"

اس نے کہا" ہوں ٹھیک ہے بولو کیا چاہتے ہو؟"

"پہلی شرط یہ ہے کہ ملک الموت تمہارے سامنے آئے اور تم بچ جاؤ تو پھر اس ملک الموت کو کوئی سزا نہ دو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے' جو مجھے قتل کرنا چاہے گا میں ا[sic] زندہ چھوڑ دوں؟"

"تب تو پھر زندہ نہ چھوڑنا۔ اسے آنے دو اس سے ہی نمٹ لینا۔"

دردانہ نے کہا" کیوں ضد کر رہے ہو شہباز؟ اگر بات مان لو اپنی خیر مناؤ اپنی زندگی کو اہمیت دو تمہیں عرصے تک زندہ رہنا ہے، کم از کم میری خاطر......"

میں نے لقمہ دیا" اور سپر پاور کی خاطر......"

اس نے مجھے غرا کر دیکھا۔ پھر ہاں کے انداز سر ہلا کر کہا" ٹھیک ہے میں اسے معاف کر دوں گا۔ کوئی نہیں دوں گا دوسری شرط بیان کرو۔"

"دوسری شرط یہ ہے کہ میں یہاں سے جاؤں میرے راستے میں رکاوٹ نہیں بنو گے اور اگر رکاوٹ بنو اس کے نتیجے میں کیا ہوگا یہ میں ابھی نہیں بتاؤں گا۔"

وہ غصے سے مٹھی بھینچ کر بولا" دردانہ! دیکھو یہ مجھے دلا رہا ہے۔ یہ دھمکیاں دے رہا ہے۔ اپنی پیش گوئیوں ذریعے مجھے کمزور بنا رہا ہے۔ میں آج تک اتنا بے بس نہیں تھا۔ جی چاہتا ہے ابھی ریوالور نکال کر تمام گولیاں اس کے میں پیوست کر دوں۔"

دردانہ نے چیخ کر کہا" شہباز! صرف پانچ منٹ رہ ہیں۔ غصہ نہ دکھاؤ ٹھنڈے دماغ سے کام لو۔ اس سے کرو کہ اس کی دوسری شرط بھی پوری کرو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں اس کی ہر شرط مان لوں گا۔ یہ بتائے تو سہی کہ اس وقت کون مجھ سے دشمنی کر رہا ہے؟"

میں نے گھڑی دیکھی پھر کہا" تین منٹ رہ گئے ہیں بتا رہا ہوں القائدہ کے مجاہد تمہیں کتے کی موت مارنا چا ہیں کیونکہ تم ان کے بدترین دشمن امریکا کے ایجنٹ افغانستان میں سی آئی اے کی ٹیم کو اسامہ بن لادن تک کے سلسلے میں درپردہ ان کی مدد کر رہے ہو۔"

میں باتیں کرتے ہوئے دروازے کے قر آیا پھر بولا" تم پاکستانی ہو' لیکن پاکستان کے خلاف سپر کے چمچے ہو۔ تم مسلمان ہو لیکن مسلمان مجاہدین کے ہمنوا نہیں میرا فرض ہے کہ میں تمہیں نہ بچاؤں مرنے کے لیے چھوڑ د لیکن میں کاتبِ تقدیر کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا۔ تمہار ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے کہ تمہیں زندہ رہنا ہے اور القائدہ مجاہدین کا مقدر کہہ رہا ہے کہ انہیں اپنے مقصد میں فی الحا ناکام رہنا ہے۔ اس لیے میں مجبوراً تمہیں آنے والی مو

بارہا ہوں۔ دیکھو گھڑی دیکھو یہ چالیسواں منٹ ہے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی سیکورٹی افسر تیزی سے چلتا ہوا ...رے پر آیا' پھر اس نے ریوالور نکالتے ہوئے اندر آتے ...شہباز درانی کا نشانہ لیا۔ میں نے گھوم کر ایک کک ماری ...ور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فضا میں اچھلتا ہوا دور جا کر ...گرا وہ اس ریوالور کی طرف لپکنا چاہتا تھا میں نے اس پر ...ک لگائی۔ پھر اسے رگیدتا ہوا دیوار سے جا کر لگا دیا۔ ...گھونسوں اور لاتوں پر رکھ لیا۔ وہ اپنے داؤ آزمانا چاہتا تھا۔ ...ی وقت اس کا ریوالور میرے ہاتھوں میں آ گیا میں نے ...بس رک جاؤ دونوں ہاتھ اپنی گردن پر رکھو اور فرش پر ...ٹیک دو۔"

اس نے میرے حکم کی تعمیل کی' میں نے اس کے پیچھے آ کر ...ور کی نال اس کے سر سے لگا کر کہا" اب بتاؤ تم اپنے باس ...کیوں کرنا چاہتے تھے؟"

شہباز درانی تیزی سے چلتا ہوا اس کے پاس آیا پھر ایک ...تھ اس کے منہ پر رسید کرتے ہوئے بولا" نمک حرام کتے۔ ...میرا وفادار تھا۔ میں تجھ پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔ سوچ بھی ...سکتا تھا کہ تو مجھے قتل کرے گا بول! کیوں مجھے قتل کرنا چاہتا ..."

وہ روتے ہوئے بولا" باس! آپ جانتے ہیں میں پتھر ...کبھی میری آنکھ سے ایک آنسو نہیں ٹپکا لیکن آج رو رہا ...۔ بری طرح پھنس گیا ہوں نہ گھر کا رہا ہوں' نہ گھاٹ ...."

جب میں یہاں سے گھر پہنچا تو وہاں چند مسلح افراد نے ...ے گھر پر قبضہ جما رکھا تھا انہوں نے میرے دونوں بچوں ...بیوی کو یرغمال بنا لیا تھا ایک نے مجھ سے کہا کہ ان کی مجھ ...کوئی دشمنی نہیں ہے، اگر میں یہاں آ کر آپ کو گولی مار دوں ...میرے بیوی اور بچوں کو چھوڑ دیں گے۔ ورنہ ایک ایک کو ...یانہ انداز میں قتل کر دیں گے۔"

"اور تو اپنے بیوی اور بچوں کو بچانے کے لیے مجھے مار ...نے آیا ہے۔"

وہ روتے ہوئے بولا" میں نے اور آپ نے بہت دنیا ...لی باس! میرے بچوں کو ابھی بہت کچھ دیکھنا ہے۔ بہت ...کرنا ہے اس دنیا میں پیدا ہونے کے حقوق حاصل کرنے ...اور میں یہ حقوق ان بچوں سے چھین نہیں سکتا تھا۔ وہ ...رے بہت پیارے ہیں۔ لاڈلے ہیں میں ان کے لیے ...ان بھی دے سکتا ہوں تو پھر ان کے لیے کسی کی جان کیوں ...نہیں لے سکتا۔"

"اب تیرے بچوں کو کون بچائے گا، تو یہاں کتے کی موت مارا جائے گا اور وہ شخص تیرے بچوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

میں نے کہا" ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ القائدہ کے مجاہدین درندے نہیں ہیں کہ بے گناہ عورتوں اور معصوم بچوں کو قتل کریں۔ انہوں نے محض اسے دھمکی دی تھی اگر یہ آپ کو قتل کرنے میں ناکام رہے گا تب بھی اس کی بیوی اور بچوں پر آنچ نہیں آئے گی۔ وہ مجاہدین مسلمان ہیں۔ خدا سے ڈرتے ہیں۔ ان بچوں کے سر پر ہاتھ پھیر کر انہیں چوم کر چلے جائیں گے...... مسٹر شہباز تم اپنا وعدہ پورا کرو اسے چھوڑ دو جانے دو۔"

"وہ بولا" میں نے آج تک اپنے کسی دشمن کو معاف نہیں کیا پھر یہ تو جانی دشمن ہے؟ اسے کیسے معاف کر دوں؟"

دردانہ نے اس کے پاس آ کر اس کے بازو کو تھام کر کہا۔ "تم تو زبان کے پکے ہو۔ اپنا وعدہ پورا کرتے ہو۔ اس کے ساتھ مقدر حیات کو بھی جانے دو۔ یہ کہہ چکا ہے اگر تم نے وعدہ پورا نہ کیا اور اس کے راستے میں رکاوٹ پیدا کی تو پھر کوئی برا نتیجہ سامنے آئے گا۔"

میں اب تک جو کہتا آیا تھا وہ سچ ثابت ہوتا رہا تھا۔ شہباز درانی کسی کی دھونس میں آنے والا نہیں تھا۔ لیکن میری سچائی اور میری پیش گوئی نے اسے اندر سے دہشت زدہ کر دیا تھا۔ وہ مجھ سے وعدہ خلافی کر کے پھر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ناگواری سے کہا" ٹھیک ہے یہاں سے جاؤ۔ دونوں چلے جاؤ۔ میں وعدے کے مطابق آج جانے کی اجازت دے رہا ہوں۔ کل میں وعدے کا پابند نہیں رہوں گا۔ کل تمہارے خلاف کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

میں مسکراتے ہوئے وہاں سے جانے لگا۔

میں کیا ہوں؟
اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر

تمہارا ہمسفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں
ایک بازی گر ہوں۔

میں نے عینی اور عروج کے ہاتھوں کو دیکھ کر انہیں یہ امید دلائی تھی کہ پاشا زندہ ہے اور کبھی بھی واپس آسکتا ہے۔

عینی نے کہا'' میں تو اب صبر و تحمل سے پاشا کا انتظار کروں گی تو اپنے دل کی بات بتا کیا سوچ رہی ہے؟''

عروج نے کہا'' سچ تو یہ ہے کہ ہمارے ذہن سے بوجھ اتر گیا ہے اور اندیشے ختم ہو گئے ہیں۔ اب تو صرف یہی انتظار ہے کہ وہ آرہا ہے۔ مجھے اس کی آہٹ محسوس ہوتی ہے کال بیل کی آواز سنائی دیتی ہے تو میں دوڑ کر باہر جا کر دیکھتی ہوں' ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے تو چونک جاتی ہوں کہ شاید اسی کی کال ہے۔''

عینی نے کہا'' میرا بھی یہی حال ہے۔ میں ہر آہٹ پر چونکنے لگی ہوں۔ ہمیں مقدر بھائی سے اور بھی کچھ پوچھنا چاہئے تھا۔''

عروج نے کہا'' بھائی نے تو ہم دونوں کے ہاتھوں کو دیکھتے ہی ایسی بات کہہ دی تھی کہ اس کے بعد کچھ پوچھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ سب ہی یہ سن کر چونک گئے تھے کہ پاشا ہی ہم دونوں کی منزلِ مراد ہے اور ہم ایک دوسرے کی سوکن بن کر رہنا چاہتی ہیں۔''

''ہاں دوسروں کے لیے یہ چونکا دینے والی بات ہے۔ اور ہمارا یہ فیصلہ کوئی آسانی سے تسلیم کرنے کو تیار بھی نہیں ہے۔ سب نے مجبور ہو کر خاموشی اختیار کی ہے۔''

''سبھی مجھے دل میں گالیاں دے رہے ہوں گے کہ میں تجھے بہکا رہی ہوں تو میری باتوں میں آکر سوکن بننے پر راضی ہو گئی ہے۔''

''مجھے نہ تو دنیا والوں کی پروا ہے اور نہ ہی میں گھر والوں کی۔ سب ہی خود غرض اور لالچی ہیں۔ ہمیں تو مقدر بھائی کو تنہائی میں پکڑنا چاہئے اور ان سے پاشا کے بارے میں مزید پوچھنا چاہئے۔''

ان دونوں سے میری ملاقات بہت مختصر رہی تھی پہلے دن فلک ناز، بیگم آفتاب، آسرا اور نمرہ سے ملاقاتیں اتنی طویل رہیں کہ میں عینی اور عروج سے نہ مل سکا۔ پھر دردانہ کے گھر رات کے کھانے پر گیا۔ وہاں جو کچھ ہوا اسے میں بیان کر چکا ہوں۔ دوسرے دن وکیل اخلاق احمد کے ساتھ کاروباری معاملات میں مصروف رہا۔ جیں گھنٹے گزر چکے تھے وہ دونوں بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھیں۔

ادھر بابر کا بھی ایک مسئلہ تھا۔ وہ اپنے دفتر کی لیڈی سیکریڑی سمیرا سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ جبکہ اس کے والدین' بیگم آفتاب اور فلک آفتاب' کوئی خاندانی امیر کبیر بہو لانا چاہتے تھے۔ لیکن بابر نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا تھا'' ممی! اگر اپنی گود میں پوتے پوتیوں کو کھلانا چاہتی ہیں تو پھر سمیرا ہی اس گھر میں بہو بن کر آئے گی۔ ورنہ میں شادی نہیں کروں گا۔''

وہ لوگ مجبوراً سمیرا کو بہو بنانے پر راضی ہو گئے تھے لیکن دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ سمیرا بابر کی میڈیکل رپورٹ چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ بابر کا بڑا بھائی ذیشان باپ بننے کا اہل نہیں ہے۔ لہٰذا وہ شادی سے پہلے معلوم کرنا چاہتی تھی کہ بابر بھی باپ بننے کے قابل ہے یا نہیں؟

بابر نے بھابی اسما سے کہا تھا'' میں آج شام سمیرا کو لا رہا ہوں۔ ممی اور ڈیڈی سے امید نہیں ہے کہ وہ خوش دلی سے اس کا استقبال کریں لیکن آپ کے بارے میں یقین ہے کہ آپ اسے گلے لگا لیں گی۔''

اسما نے خوش ہو کر کہا'' میں بے چینی سے انتظار کروں گی چار بجے تک اسے ضرور لے آنا۔''

اس نے اپنی ساس اور سسر سے کہہ دیا تھا کہ ان کی ہونے والی بہو یہاں آئے تو وہ بھی اس کا خوش دلی سے استقبال کریں اور اپنے شوہر ذیشان سے بھی کہا'' ڈیوٹی ضروری ہے تو جائیں لیکن چار بجے تک گھر آجائیں۔''

ذیشان نے کہا'' ہاں۔ بابر کی شادی بہت اہمیت رکھتی ہے جب اولاد ہو جائے گی تو ہماری طرف سے جو محرومیاں ہیں انہیں بھی نظر انداز کر دیں گے۔''

اسماء نے اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر کہا'' آپ کی طرف سے کوئی محرومی نہیں ہے آپ باپ بن سکتے ہیں۔ آپ نے میرے پیار کی خاطر جھوٹی میڈیکل رپورٹ بنوائی ہے۔ اپنے والدین کو سمجھا دیا ہے کہ آپ کبھی باپ نہیں بن سکیں گے۔ آپ کی محبت پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔''

بابر صبح سمیرا کو لانے کی بات کہہ کر گیا تھا تب سے اسما بے چین تھی۔ پوری کوٹھی کی صفائی کروا رہی تھی۔ سمیرا کی مدارات کے لیے تازہ مٹھائیاں تازہ پھل منگوائے تھے۔ بیگم آفتاب نے ناگواری سے کہا'' بہو! میں جانتی ہوں تم کیوں اتنی خوش ہو۔ بابر کی شادی ہو گی تو ہم نئی بہو سے امیدیں وابستہ کر لیں گے اور تم اولاد پیدا کرنے کی ذمہ داری سے بری ہو جاؤ گی۔''

اسما نے کہا'' بالکل یہی بات ہے۔ آپ کو تو اولاد سے مطلب ہے خواہ وہ کسی بھی درخت سے آئے۔ آپ کو درخت نہیں گننا چاہئیں۔''

''یہ نہ بھولو جتنے درخت ہوتے ہیں ان سب

سے پھلوں کی توقع کی جاتی ہے۔ اور جو درخت پھل نہیں دیتا اسے کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔''

اسما نے مسکرا کر کہا'' یہ حسرت تو آپ کے دل میں رہ جائے گی کہ آپ بڑے بیٹے کو قائل کر کے دوسری بہو لا سکیں گی۔ اگر کبھی ایسا کرنا چاہیں گی تو میں اس آنے والی کے خاندان کے سامنے آپ کے بیٹے کی میڈیکل رپورٹ پیش کر دوں گی۔''

وہ جھنجلا کر بولی'' میں کسی میڈیکل رپورٹ کو نہیں مانتی۔''

''لیکن بہت سے لڑکی والے مانتے ہیں' جیسا کہ اب سمیرا مانتی ہے۔ وہ شادی سے پہلے ہی بابر سے کہہ چکی ہے کہ میڈیکل رپورٹ دیکھ کر ہی شادی کرے گی۔ آپ سمیرا کا کیا کر لیں گی؟''

ساس نے منہ پھیر کر جاتے ہوئے کہا'' اونہہ! میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔''

اسما ہنسنے لگی۔ شام کو بابر سمیرا کے ساتھ آیا تو اسے دیکھتے ہی اسما نے گلے لگا لیا'' ماشاء اللہ! تم تو بہت خوبصورت ہو اتنے عرصے سے میرے دیور کی سیکریڑی ہو اور آج پہلی بار میں دیکھ رہی ہوں۔ تم پہلے کیوں نہیں آئیں؟''

وہ مسکرا کر بولی'' پہلے آجاتی تو فوراً ہی آپ مجھے اپنی دیورانی بنا لیتیں، اور مجھے شادی کی اتنی جلدی نہیں تھی۔''

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ پھر اس نے کہا'' آؤ یہاں بیٹھو۔''

اس نے سمیرا کو ایک صوفے پر بٹھا کر کہا'' میں ابھی آتی ہوں۔''

اس نے وہاں سے جاتے ہوئے سر اٹھا کر زینے کے اوپری حصے کی طرف دیکھتے ہوئے آواز دی'' عینی! عروج! کہاں ہو۔ یہاں آؤ دیکھو سمیرا آئی ہے۔ اپنے بھائی جان کو بھی لے آؤ۔''

وہ انہیں آوازیں دیتی ہوئی ساس سسر کو اطلاع دینے چلی گئی۔ عینی عروج اور ذیشان سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آنے لگے۔ بابر نے تعارف کراتے ہوئے کہا'' عینی' عروج! یہ سمیرا ہے۔ بھائی جان تو اسے دفتر میں پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔''

سمیرا نے ذیشان کو سلام کیا پھر عینی اور عروج سے ملی۔ عروج نے کہا'' بابر! میں تو سمیرا کو دیکھتے ہی پاس کرتی ہوں۔ تمہاری پسند واقعی لاجواب ہے۔''

سمیرا نے کچھ شرما کر کہا'' تھینک یو۔''

بابر نے کہا'' سمیرا! عروج نے پاس کیا تو سمجھو عینی نے بھی پاس کیا۔ یہ دونوں ہم مزاج ہیں ہم خیال ہیں۔ اب عینی کی مجال نہیں ہے کہ وہ تمہارے بارے میں کوئی تنقید کر سکے۔''

عینی اور عروج ہنسنے لگیں' سمیرا نے کہا'' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنی محبت سے میرا استقبال کیا جائے گا۔''

اتنے میں اسما اپنے ساس سسر کے ساتھ وہاں آئی۔ دونوں کے منہ بنے ہوئے تھے وہ مگر اپنی بزرگی جتانے کے خاطر سنجیدہ اور باوقار نظر آنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ اسما نے قریب آکر کہا'' سمیرا یہ بابر کے ممی اور ڈیڈی ہیں۔''

سمیرا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے انہیں آداب کیا۔ بیگم آفتاب ماش کے آٹے کی طرح اکڑی رہی۔

فلک آفتاب نے آداب کے جواب میں صرف سر ہلا دیا اور وہ دونوں ایک صوفے پر آکر بیٹھ گئے۔ پھر فلک آفتاب نے ذرا بھاری بھرکم آواز بنا کر کہا'' اکیلی آئی ہو؟ ماں باپ کے ساتھ آنا چاہئے تھا۔''

بابر نے کہا'' ڈیڈ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں' اس کے والدین اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ یہ اپنے ماموں اور ممانی کے گھر میں رہتی ہے اور ان بزرگوں کو یہاں کیوں نہیں لایا گیا ہے یہ بھی بتا چکا ہوں۔''

ذیشان نے کہا'' ڈیڈ! بابر مجھ سے تمام باتیں کھل کر کہہ چکا ہے۔ یہ شادی راز داری سے ہو گی۔ شادی کے بعد اس کے ماموں اور ممانی کو اطلاع دی جائے گی۔ اگر انہیں پہلے سے معلوم ہو گیا تو وہ طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کریں گے۔''

بیگم آفتاب نے کہا'' بیٹے یہ شادی تو نہ ہوئی چوری ہوئی' جیسے کوئی جرم کیا جا رہا ہو۔''

اسما نے کہا'' جب شرعی طور پر نکاح پڑھایا جائے تو اسے دنیا کا کوئی قانون جرم نہیں کہے گا۔''

بیگم آفتاب نے چڑ کر کہا'' تم تو بیچ میں نہ بولو ہمیں بات کرنے دو۔''

ذیشان نے بھی کہا'' اسما تم خاموش رہو۔ ممی کو بولنے دو۔''

بیگم آفتاب نے اپنے میاں کو دیکھ کر کہا'' میں کیا بولوں؟ آپ کو بولنا چاہئے۔''

فلک آفتاب نے کہا'' ہمیں اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن ہونے والی بہو کو شادی سے پہلے کوئی شرط نہیں منوانی چاہئے۔''

بابر نے کہا'' ڈیڈ آپ یہ سمجھ لیں کہ سمیرا کوئی شرط نہیں

منوا رہی ہے بلکہ میں خود کہہ رہا ہوں کہ بھائی جان کی طرح میرا بھی میڈیکل چیک اپ ہونا چاہئے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "تم شادی سے پہلے ہی جورو کے غلام بن رہے ہو۔ جو بات وہ منوانا چاہتی ہے اسے تم اپنے سر لے رہے ہو اور اپنی زبان سے کہہ رہے ہو۔"

فلک آفتاب نے کہا "ایسا کسی خاندان میں نہیں ہوتا کہ شادی سے پہلے مردوں کا میڈیکل چیک اپ کرایا جائے۔"

ذیشان نے کہا "آپ درست فرماتے ہیں لیکن جب کسی خاندان میں یہ بات سامنے آئے کہ ایک بیٹا بانجھ ہے تو پھر دوسرے کے لیے بھی شک و شبہات جنم لیتے ہیں۔ لہٰذا ان شکوک کو مٹانے کے لیے میڈیکل چیک اپ کرانے میں کیا اعتراض؟"

اسی وقت میں دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ عینی مجھے فوراً ہی پہچان نہ سکی۔ کیونکہ اسے دھندلا دھندلا سا دکھائی دیتا تھا۔ عروج نے آگے بڑھ کر کہا "بھائی جان! آپ کہاں گم ہو جاتے ہیں؟ ہم کب سے آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔"

پھر وہ آہستگی سے بولی "ہم تنہائی میں آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں تم دونوں سے تنہائی میں بھی ملوں گا۔"

اسما نے آگے بڑھ کر کہا "آؤ مقدر میاں! اسے دیکھو یہ سمیرا ہے۔ اس گھر کی ہونے والی بہو......"

سمیرا نے مجھے سلام کیا تو میں نے مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا۔ اسماء اس دوران بہت خوش تھی۔ وہ سب سے سمیرا کا تعارف کرا چکی تھی پھر یہ کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی "میں آپ سب کا منہ میٹھا کراؤں گی۔"

میں نے مسکرا کر سمیرا اور بابر کو دیکھتے ہوئے کہا "میں تم دونوں کی شادی کی پیشگی مبارک باد دیتا ہوں۔"

یہ ایک رسمی سی مبارک باد تھی۔ میں حقیقت جانتا تھا۔ یہ شادی ہونے والی نہیں تھی۔ ذیشان نے اپنے والد سے کہا "ڈیڈی یہ کہاوت پرانی ہے مگر درست ہے کہ میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ جب سمیرا اور بابر راضی ہیں تو ہم میں سے کسی کو اعتراض نہیں کرنا چاہئے آپ بابر کو میڈیکل چیک اپ کرانے دیں۔"

میں نے پوچھا "یہ میڈیکل چیک اپ کس سلسلے میں ہو رہا ہے؟"

ذیشان نے کہا "مقدر میاں! آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں بانجھ ہوں باپ نہیں بن سکتا۔ شادی سے پہلے سمیرا کے دل میں اندیشہ نہیں رہنا چاہئے کہ بابر بھی میری طرح بانجھ ہوگا۔ میڈیکل رپورٹ اگر نیگیٹو نہیں ہوئی تو انشاء اللہ ا جلد سے جلد ہو جائے گی۔"

بیگم آفتاب نے چونک کر مجھے دیکھا سوچا تمہیں ہاسپٹل جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے اور سمیرا کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر ماضی مستقبل کی سچی باتیں بتا سکتے ہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا "بیگم! یہ تو تم نے لا بات کی ہے۔ کیوں مقدر میاں ہاتھ پر شادی کے کی بھی لکیریں ہوتی ہیں؟"

میں نے کہا "بہت کچھ ہوتا ہے ہمارے لکیروں کے پیچھے پوری کائنات چھپی ہوئی ہے۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ تم ابھی ان دونوں کے اور بتاؤ کہ شادی کے بعد اولاد ہوگی یا نہیں؟"

سمیرا اور بابر یہ باتیں سن کر کچھ پریشان ہو پھر بابر نے کہا "ڈیڈ میں علم نجوم کو نہیں مانتا۔ مقد سے ہر ایک کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ رہے ہیں لیک اپنا ہاتھ انہیں نہیں دکھایا" اور نہ ہی سمیرا کا ہاتھ دکھ گا۔"

بیگم آفتاب نے پوچھا "تمہیں اعتراض مقدر میاں تم دونوں کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ لیں قیامت آجائے گی؟"

بابر نے کہا "ممی! سیدھی سی بات ہے۔ می صدی میں جی رہا ہوں میرا اعتقاد علم نجوم پر نہیں سائنس پر ہے میری جو بھی رپورٹ ہوگی میں اسی گا۔"

فلک آفتاب نے کہا "تم ضرور اپنا میڈیکل کراؤ لیکن اپنا ہاتھ تو دکھا دو۔"

"جب میں علم نجوم کو مانتا ہی نہیں تو دکھاؤں؟"

میں نے کہا "پلیز آپ لوگ آپس میں بحث جب کوئی ایک بار اپنا ہاتھ دکھانے سے انکار کرتا۔ کبھی اس کا ہاتھ نہیں دیکھتا لہٰذا یہ بات یہیں ختم کر میں سمیرا اور بابر کا ہاتھ نہیں دیکھوں گا۔"

میرا فیصلہ کن جواب سن کر پھر کسی نے علم نجوم میں کچھ نہیں کہا۔ اسما ایک ٹرالی میں پھل اور مٹھا اسے دھکیلتی ہم سب کے درمیان لے آئی پھر ا طرف مٹھائی بڑھانے لگی۔ ذیشان نے کہا "بابر اپنا میڈیکل چیک اپ کراؤ۔"

بابر نے کہا "سمیرا کی ایک سہیلی لیڈی ڈاکٹر ہے اس کے اسپٹل میں ایک ڈاکٹر سے کل اپائنٹمنٹ ہے۔ وہاں میرا یک اپ ہوگا اور پرسوں تک رپورٹ مل جائے گی۔ چلو میرا ہم چلیں۔"

اسما نے آگے بڑھ کر کہا "خبردار میری اجازت کے بغیر ہیں جاؤ گے ابھی یہاں مٹھائی اور پھل کھاؤ اس کے بعد ائے پر پھر جانے کی اجازت دوں گی۔"

میں نے سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "عینی روج آؤ ہم بیٹھ کر باتیں کریں۔"

وہ دونوں فوراً ہی اٹھ کر میرے پیچھے آگئیں۔ عینی نے وسری منزل پر پہنچ کر کہا "بھائی جان! میرے کمرے میں یں۔"

میں اس کے بیڈروم میں آکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا، عروج نے کہا "بابر اپنا اور سمیرا کا ہاتھ نہ دکھاتا کوئی بات نہیں، لیکن لم نجوم کے خلاف تو نہیں بولنا چاہئے تھا۔"

میں نے کہا "انسان سچ بولنے اور سچ سننے سے ڈرتا ہے۔ وہ کل سے دیکھ رہا ہے کہ میں جس کا بھی ہاتھ دیکھتا ہوں ن کے منہ پر سچ کہہ دیتا ہوں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔" میں نے را توقف سے کہا "بابر علم نجوم کے خلاف نہیں ہے۔ دراصل نہیں چاہتا تھا کہ میں سمیرا کا ہاتھ دیکھ کر کوئی ایسی بات کہہ وں جسے سن کر وہ سب کے سامنے شرمندہ ہو جائے۔ یہ اچھی ت ہے۔ سمیرا کو اپنے طور پر میڈیکل رپورٹ کے ذریعے طمئن ہونے دو۔"

عینی نے کہا "بھائی جان! عام طور پر نجومی سب کے امنے سچی باتیں نہیں بتاتے چھپا لیتے ہیں۔ پھر جس کا ہاتھ یکھتے ہیں اسے تنہائی میں بہت کچھ بتا دیتے ہیں۔ آپ ایسا یوں نہیں کرتے؟"

میں نے کہا "اس گھر میں ہر ایک کا تعلق ایک دوسرے ے ہے۔ لہٰذا ایک کا سچ دوسرے کو معلوم ہونا چاہئے۔ میں ب بھی کسی کا ہاتھ دیکھتا ہوں تو کسی لحاظ اور مروت کے بغیر تا چلا جاتا ہوں۔ جسے اپنا سچ چھپانا ہو وہ مجھے اپنا ہاتھ ہی نہ ھائے۔ جس طرح بابر نے اپنا اور سمیرا کا ہاتھ نہیں دکھایا، اور ں نے اس کا برا بھی نہیں منایا۔"

عینی نے کہا "کل تو آپ نے ہمارے بارے میں ایسی ت کہہ دی جسے ہم ایک عرصے تک چھپائے رکھنا چاہتی ھیں۔"

عروج نے کہا "اچانک اتنا بڑا سچ سن کر میں... تو سب کے سامنے شرمندہ سی ہو گئی تھی۔"

میں نے کہا "اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے؟ تم دونوں کوئی جرم نہیں کر رہی ہو کوئی گناہ نہیں کر رہی ہو۔ بیک وقت کسی ایک شخص کے نکاح میں نہیں آرہی ہو دینی قوانین کے مطابق پہلے ایک کا نکاح پڑھایا جائے گا۔ پھر کچھ عرصے بعد جب وہ پہلی بیوی کی حیثیت سے دوسری شادی کی اجازت دے گی تو دوسری کی شادی اس شخص سے ہوگی۔ یہ بات چھپانے والی نہیں تھی اسی لیے سب کے سامنے ظاہر کر دی۔"

عینی نے کہا "ہم پاشا کے لیے بہت پریشان ہیں آپ اس کے بارے میں کچھ بتائیں؟"

"میں تم دونوں کی بے چینی کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم پاشا کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتی ہو لیکن افسوس میں جب تک پاشا کا ہاتھ نہیں دیکھوں اس وقت تک اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں بتا سکتا۔ تم دونوں کے ہاتھ کی لکیریں جس حد تک بتائیں گی بس اسی حد تک کچھ کہہ سکتا ہوں۔"

وہ دونوں کرسیاں کھسکا کر میرے قریب آکر بیٹھ گئیں پھر انہوں نے اپنی اپنی بائیں ہتھیلی میری طرف بڑھا دی۔ میں نے ان کی ہتھیلیوں کو بند کرتے ہوئے کہا "میں ایک ہی بار ہاتھ دیکھتا ہوں دوسری بار دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔"

"تو پھر یہ بتائیں کہ پاشا کے بارے میں ہمارے ہاتھ کی لکیریں کیا کہہ رہی ہیں؟"

"یہی کہ وہ ایک دن واپس آئے گا مگر وہ تم دونوں کی زندگی میں دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا ہے یعنی وہ تمہاری زندگی میں ہے بھی اور نہیں بھی۔"

"کیا اس کے دل سے ہماری چاہت ختم ہو جائے گی؟"

"یہ تو اس کا ہاتھ دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ وہ تم دونوں کو آئندہ بھی چاہے گا یا نہیں؟ لیکن تم ساری عمر اسے چاہتی رہو گی اس کی محبت میں کتنی ہی الجھنوں سے اور بھول بھلیوں سے گزرتی رہو گی۔"

عروج نے کہا "آپ کی باتوں سے ایسا لگتا ہے جیسے ہماری چاہتیں اسے ملتی رہیں گی لیکن ہم اس کی چاہت میں بھٹکتی رہیں گی۔"

"ہاں...... کچھ ایسی ہی بات ہے۔"

"کیا یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ خیریت سے ہے یا خدا نخواستہ کسی مصیبت میں ہے؟"

"میں بہت کچھ جانتا ہوں لیکن اتنا ہی بتاتا ہوں جتنا بتانا چاہئے۔" میں نے کہا "میں لکیر کا فقیر ہوں پاشا کا ہاتھ دیکھے

بغیر اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکوں گا۔ کیا تم دونوں کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ جہاں بھی ہے زندہ ہے۔ تمہاری زندگی میں واپس آنے کے لیے سانسیں لے رہا ہے۔"

دونوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں تھوڑی دیر تک ان سے باتیں کرتا رہا پھر وہاں سے چلا آیا۔ نیچے ڈرائنگ روم میں وکیل اخلاق احمد آئے ہوئے تھے۔ فلک آفتاب نے ان سے فون پر کہا تھا کہ وہ اپنی بیگم اور بچوں کے ساتھ عینی کی کوٹھی چھوڑ کر جا رہا ہے اب اخلاق احمد اس فیصلے کی وجہ پوچھنے آئے تھے۔

فلک آفتاب نے کہا" میں سمجھتا ہوں اب عینی کو میری ضرورت نہیں رہی ہے۔ وہ بہت ہی خود سر اور ضدی ہے۔ ہم بزرگوں کا احترام نہیں کرتی ہے۔ لہٰذا ہمارا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہوگا۔"

اخلاق احمد نے کہا" جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہ آپ سب کا احترام کرتی ہے اگر اس نے کبھی گستاخی کی ہے تو آپ کوئی مثال پیش کریں۔"

بیگم آفتاب نے کہا" کیا یہ گستاخی نہیں ہے کہ شادی جیسا اہم فیصلہ خود ہی کر لیا؟ ہمیں تو وہ کسی قابل ہی نہیں سمجھتی۔ اگر ہم سے مشورہ کر لیتی تو ہم کبھی اسے گرے پڑے ٹیکسی ڈرائیور سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ آپ نے تو دیکھا ہی ہے کہ اس کا انجام کیا ہوا؟"

"جو انجام ہوا اس کی ذمہ داری عینی پر نہیں ہے۔ پاشا حالات سے مجبور ہو کر کہیں گم ہو گیا ہے۔ عینی نے بزرگوں سے مشورہ کیے بغیر پاشا سے محبت کی ہے اور محبت کرنے کے لیے کسی سے صلاح مشورہ نہیں کیا جاتا یہ خود بخود ہو جاتی ہے۔ وہ تعلیم یافتہ ہے بالغ ہے اپنی زندگی کا اہم فیصلہ خود کر سکتی ہے اسے آپ گستاخی نہیں کہہ سکتے۔ اگر وہ ضدی اور مغرور ہے تو اس کی کوئی مثال پیش کریں۔"

"ہمیں کوئی مثال پیش نہیں کرنا بس ہم یہاں رہنا نہیں چاہتے۔ اب میں اس کا سرپرست بن کر نہیں رہوں گا۔"

اخلاق احمد نے کہا" آپ کی مرضی ہے آپ جا سکتے ہیں لیکن جانے سے پہلے پچاس لاکھ روپے کے قرض کی ادائیگی ضروری ہے۔"

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب چور نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ذیشان نے پوچھا" پچاس لاکھ کا قرضہ؟ کیوں ڈیڈی! آپ نے ہمارے مرحوم چچا جان سے پچاس لاکھ روپے لیے تھے؟"

اخلاق احمد نے کہا" انہوں نے اپنے مرحوم بھائی کو ایک کاغذ لکھ کر دیا تھا کہ یہ عینی کو کبھی تنہا نہیں چھوڑیں گے، اس سے قطع تعلق نہیں کریں گے اور اگر ایسا کیا تو پہلے پچاس لاکھ روپے ادا کریں گے۔ جب تک یہ بزرگ اور سرپرست رہیں گے ان پر پچاس لاکھ کا کوئی قرض نہیں ہوگا۔ رشتہ توڑ کر جانے کی صورت میں یہ پرائے ہو جائیں گے لہٰذا قرض کی ادائیگی لازمی ہو جائے گی۔ اگر یہ فوری طور پر قرض ادا نہ کر سکے تو تمام کاروبار عینی کے نام گروی رکھیں گے اور عینی کو اس بات کا اختیار ہوگا کہ وہ ان کے کاروباری منافع سے اپنے پچاس لاکھ روپے کی رقم قسطوں میں وصول کرتی رہے۔" فلک آفتاب نے کہا" اخلاق صاحب! آپ ہمیں غلط سمجھ رہے ہیں۔ یہاں سے جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم عینی سے رشتہ توڑ رہے ہیں۔ یہ میرے مرحوم بھائی کی بیٹی ہے، میری بھتیجی ہے۔ خون کا رشتہ بھی کبھی ٹوٹتا ہے؟"

اخلاق احمد نے کہا" آپ نے عینی سے بے زاری اور نفرت ظاہر کی، اسے اس قابل نہیں سمجھا کہ آپ اس کے سرپرست بن کر رہیں۔ اس کی نہ ماں ہے نہ باپ ہے۔ ہونے والی تھی اگر شوہر ہوتا تو آپ کا جانا مناسب ہوتا لیکن شادی بھی نہ ہو سکی۔ ایسی حالت میں آپ اسے تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ کیا خون کے رشتے ایسے ہوتے ہیں؟ بہرحال میں آپ سے بحث نہیں کروں گا آپ پچاس لاکھ روپے ادا کریں اور یہاں سے جائیں یا پھر اپنا کاروبار عینی کے پاس گروی رکھنے کے لیے ایک اتھارٹی لیٹر تیار کریں۔"

ذیشان نے کہا" ڈیڈ آپ نے مرحوم چچا جان سے اتنی بڑی رقم ادھار لی تھی اور ہمیں بتایا بھی نہیں؟"

"بیٹے! تمہیں کاروبار سے کبھی دلچسپی نہیں رہی اس لیے میں نے تم سے ذکر نہیں کیا تھا۔ یہ بات بابر کو معلوم ہے کیونکہ وہ ہی کاروبار سنبھالتا ہے۔"

ذیشان نے اخلاق احمد سے پوچھا" کیا ایسی کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ ڈیڈی اپنا کاروبار گروی نہ رکھیں اور قرض کی رقم قسطوں میں ادا کرتے رہیں؟"

"انہوں نے پچھلے تین برسوں میں ایک بھی قسط ادا نہیں کی یہ عینی سے قطع تعلق کر کے اپنی ذاتی کوٹھی میں جا رہے ہیں۔ اگر یہ اپنی فیکٹری گروی رکھنا نہیں چاہتے تو پھر اپنی کوٹھی گروی رکھ دیں۔ پھر جب تک پچاس لاکھ کی ادائیگی نہ ہو یہ اس کوٹھی میں رہنے کا کرایہ ادا کرتے رہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا" یہ تو ہم پر دوہرا بوجھ ہوگا ہم قرض کی ادائیگی کے لیے قسطیں دیں اور پر سے کوٹھی کا کرایہ بھی ادا کرتے رہیں۔"

میں انکی باتیں سن رہا تھا فلک آفتاب نے اپنی بیگم کی باتوں میں آ کر عینی کی کوٹھی چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا یہ فیصلہ اسے مہنگا پڑ رہا تھا۔ اگر وہ اپنی فیکٹری گروی رکھتا تو جب تک عینی پچاس لاکھ روپے وصول نہ کر لیتی تب تک فلک آفتاب کو فیکٹری کی آمدنی سے بہت معمولی سی رقم ملتی اور اس ماہانہ رقم سے اس کا گزارہ نہ ہوتا۔

بیگم آفتاب نے اخلاق احمد سے کہا" آپ یہاں تشریف رکھیں، چائے پئیں، ہم ابھی آتے ہیں۔"

پھر اس نے اپنے میاں کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا، میاں صاحب اٹھ کر اس کے ساتھ وہاں سے چلے گئے۔ بیگم وہاں جا کر میاں کو یہ مشورہ دینا چاہتی تھی کہ کیوں نہ مقدر میاں سے پچاس لاکھ روپے قرض لے کر عینی کا قرض ادا کیا جائے۔ ادھر ذیشان نے اخلاق احمد سے کہا" عینی کو معلوم ہوگا تو وہ ڈیڈی پر پچاس لاکھ روپے کی ادائیگی کا بوجھ نہیں ڈالے گی۔ یہ بات ڈیڈی اور ممی کی سمجھ میں نہیں آتی کہ عینی کس قدر فراخدلی کا ثبوت دیتی رہتی ہے وہ ان سے کبھی ماہانہ ایک لاکھ روپے کے اخراجات کا حساب نہیں لیتی۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہوگی؟"

اسما نے کہا" یہ عینی کی محبت اور نیکیاں نہیں سمجھ رہے ہیں۔ اسے خود سر ضدی اور مغرور کہہ کر یہاں سے جانا چاہتے ہیں۔"

عینی اور عروج اوپر بالکنی کی ریلنگ کے پاس کھڑی ہوئی تھیں وہاں سے عینی نے پوچھا" کون یہاں سے جا رہا ہے؟"

وہ عروج کے ساتھ چلتی ہوئی سیڑھیاں اترتی ہوئی ڈرائنگ روم کی طرف آنے لگی اخلاق احمد نے کہا" تمہارے بڑے ابو اور بڑی امی کو تم سے شکایتیں ہیں۔ اب وہ تمہارے سرپرست بن کر رہنا نہیں چاہتے اس لیے یہاں سے جا رہے ہیں۔"

میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا" لیکن جانے سے پہلے انہیں پچاس لاکھ روپے ادا کرنے ہوں گے ورنہ اپنا کاروبار یا اپنی کوٹھی تمہارے نام گروی رکھنا ہوگی۔"

عینی نے حیرانی سے پوچھا" یہ کیا معاملات ہیں؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہے ہیں۔"

اخلاق احمد نے کہا" بیٹی تم نے وعدہ کیا تھا کہ کاروبار کے معاملے میں اور لین دین کے معاملے میں تم مداخلت نہیں کرو گی۔ جو میں بہتر سمجھوں گا اسے تسلیم کرو گی۔ تمہارے بڑے ابو نے کئی برس پہلے تمہارے ڈیڈی سے پچاس لاکھ روپے قرض لیے تھے اور تمہارے ڈیڈی نے کہا تھا کہ جب تک یہ سرپرست بن کر رہیں گے اور تم سے قطع تعلق نہیں کریں گے اس وقت تک ان پر پچاس لاکھ کا قرض نہیں رہے گا۔ اگر انہوں نے تم سے رشتہ توڑا اور تمہیں تنہا چھوڑا تو ان پر قرض کی ادائیگی لازمی ہو جائے گی۔"

اسی وقت بیگم آفتاب اور فلک آفتاب ڈرائنگ روم میں واپس آئے بیگم آفتاب نے کہا" ہم یہاں عینی کو تنہا چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔"

فلک آفتاب نے کہا" اگر ہم نے غصہ میں یہ فیصلہ کیا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اس فیصلے پر عمل بھی کریں۔ کیوں بیٹی! تم چاہو گی کہ ہم یہاں سے چلے جائیں؟"

عینی نے کہا" میں حیران ہوں کہ آپ کیوں جانا چاہتے ہیں۔ میں نے تو آپ لوگوں سے جانے کو نہیں کہا تھا؟"

"ہماری عقل خبط ہو گئی تھی۔ تمہاری بڑی امی کے دماغ میں نہ جانے کیوں یہ خبط سوار ہو گیا کہ اب ہمیں تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہیے۔ میں بھی ان کی باتوں میں آ گیا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم تمہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔"

بیگم آفتاب نے چور نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے ہی تو یہ بات ان کے دماغ میں ڈالی تھی کہ انہیں عینی جیسی مغرور اور ضدی لڑکی کے ساتھ یہاں نہیں رہنا چاہیے اور انہوں نے مجھ جیسے ہونے والے داماد کو خوش کرنے کے لیے یہ بات مان لی تھی۔

یہ تو سبھی جانتے تھے کہ تمام رشتے دار خود غرض اور لالچی ہیں۔ میں نے ان کے چہروں کو اور زیادہ بے نقاب کر دیا تھا۔ جب ان پر پچاس لاکھ روپے کی ادائیگی کا بوجھ پڑا تو انہوں نے عینی کو چھوڑ کر جانے کا فیصلہ واپس لے لیا۔ میں نے طنزیہ انداز میں ذیشان کو دیکھا۔ وہ اپنے والدین کی خود غرضی پر شرمندہ تھا۔

عینی نے اخلاق احمد سے کہا" انکل میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ لین دین کے معاملات میں مداخلت نہیں کروں گی، لیکن ایسا لین دین جن سے میرے بزرگوں کو نقصان پہنچتا ہو، میں تسلیم نہیں کروں گی۔ اگر بڑے ابو پر پچاس لاکھ کا قرض ہے تو آپ وہ کاغذ بھی لائیں میں اسے منسوخ کرتی ہوں۔ میں ان سے رقم کی وصولی کا مطالبہ کبھی نہیں کروں گی۔ اس کے بعد بڑے ابو اور بڑی امی کی مرضی ہے کہ وہ یہاں رہیں یا مجھے چھوڑ کر چلے جائیں۔"

بیگم آفتاب تیزی سے چلتی ہوئی آئی اور عینی کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے گلے لگا کر بولی" نہیں میری بچی میں تمہاری ماں کی جگہ ہوں۔ تمہیں کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

فلک آفتاب نے اطمینان کی سانس لی اس پر سے پچاس لاکھ روپے کا بوجھ اتر گیا تھا۔ جو لوگ خود غرض ہوتے ہیں ان کے جذبات اور احساسات مردہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت فلک آفتاب کو یہ سوچ کر شرمندگی نہیں ہوئی کہ جس لڑکی کی برائیاں کی جا رہی تھیں اور جسے چھوڑ کر جانے والے تھے اسی نے ان کے سر سے اتنا بڑا بوجھ اتارا ہے۔

بیگم آفتاب نے رسمی طور پر کہا "بیٹی! تم نے اتنی بڑی رقم کی ادائیگی سے ہمیں نجات دلائی ہے ہم تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔"

"بڑی امی! ایسی باتیں نہ کریں۔ اپنوں پر احسان نہیں کیا جاتا۔ اپنے وہی ہوتے ہیں جو برے وقت میں کام آتے ہیں۔"

ہمارے اپنے خون کے رشتے ایسے بھی ہوتے ہیں جو پچاس لاکھ روپے ہضم کر لیتے ہیں اور اس کے صلے میں بددعائیں دیتے ہیں۔ وکیل اخلاق احمد نے کہا "عینی مجھے مقدر حیات نے بتایا ہے کہ تمہارا پاشا جہاں بھی ہے خیریت سے ہے اور کسی دن واپس آئے گا۔"

عروج نے کہا "بھائی جان نے یہ پیش گوئی بھی کی ہے کہ اس کی واپسی کے بعد بھی اس کا بھلا نہیں ہوگا یہ بدنصیب ہے بدنصیب ہی رہے گی۔"

عینی نے کہا "تو کونسی خوش نصیب ہے بھائی جان کی پیش گوئی کے مطابق پاشا تو تجھے بھی ملنے کے باوجود نہیں ملے گا۔ ہمیں اس کے پیچھے بھٹکتے ہی رہنا ہے۔"

اخلاق احمد نے کہا "مقدر حیات نے مجھے بتایا ہے تم دونوں ہی پاشا سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"

عروج نے سر جھکا لیا عینی نے کہا "جی ہاں۔ اور ہمارے گھر والوں کو بھی اس پر اعتراض نہیں ہے، پلیز آپ بھی اعتراض نہ کریں۔"

"بے شک تمہیں اپنی مرضی سے زندگی گزارنی چاہئے۔ لیکن جہاں غلطی ہو رہی ہو وہاں ہمارا فرض ہے کہ تمہیں روکیں، ٹوکیں اور سمجھائیں کہ یہ سراسر نادانی ہے۔ ازدواجی زندگی وہ ہوتی ہے جسے صرف میاں بیوی انجوائے کرتے ہیں اس زندگی میں کسی تیسرے کی مداخلت نہیں ہوتی ورنہ طرح طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔"

"انکل آپ تو جانتے ہیں ہم ہمیشہ سے ایک ساتھ رہتی آئی ہیں کبھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوئیں۔ شادی کے بعد بھی الگ نہیں ہونا چاہتیں۔"

"یہ بچکانہ خیالات ہیں۔ عروج کسی اور سے شادی کر کے بھی تمہارے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے رہ سکتی ہے۔ اب تک یہ اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی تھی پچھلے پندرہ دنوں سے تمہارے ساتھ رہنے لگی ہے ورنہ کیا تم دونوں کے گھر الگ نہیں تھے؟ کیا عروج اپنی ڈیوٹی کے وقت اور تم رات کو سوتے وقت ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتی تھیں۔"

"انکل ہم نے جو فیصلہ کیا ہے اس پر ہمیں عمل کرنے دیں۔ پلیز۔ آپ اس پر تنقید نہ کریں۔"

"مجھے تنقید کرنے کا حق ہے۔ تم نے کبھی اپنے باپ کی وصیت پڑھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ اب میں اس کی ایک نقل تمہارے پاس پہنچاؤں گا تاکہ تم غور سے اسے پڑھ سکو۔ اس میں صاف طور سے لکھا ہوا ہے کہ میں تمہیں کسی بھی احمقانہ فیصلے سے روک سکتا ہوں، خاص طور پر شادی کے معاملے میں میرے مشوروں پر تمہیں عمل کرنا ہوگا۔ تم نے پاشا سے شادی کا فیصلہ کیا میں نے اعتراض نہیں کیا۔ لیکن یہ بات قابلِ اعتراض ہے کہ تمہارے بعد عروج کا نکاح بھی اسی سے پڑھایا جائے۔ میں ایسی شادی کی اجازت نہیں دوں گا اور اس اجازت کے بغیر تمہارا بزنس شیئر اور تمہاری تمام جائداد تمہارے نام منتقل نہیں ہو سکے گی۔ اپنی شادی کے بعد بھی تمہیں صرف ایک لاکھ روپے ماہانہ اخراجات کے لیے ملتے رہیں گے، اور تم کروڑوں روپوں سے محروم رہو گی۔"

وہ بولی "آپ کا احسان ہوگا اگر آپ کروڑوں روپوں کی جائداد اور بزنس میرے حوالے نہ کریں میں تو ایسی دولت سے بیزار ہو گئی ہوں، پریشان ہو گئی ہوں۔ یہ دولت میرے پاس نہ ہوتی تو آج پاشا کے ساتھ ایسی دشمنی نہ ہوتی۔ میں اور عروج ہر حال میں پاشا کے ساتھ خوش رہیں گی۔"

میں نے کہا "عینی! فیصلہ کن انداز میں نہ بولو، تم نہیں جانتیں تمہارے مقدر میں کیا لکھا ہوا ہے اور آئندہ کیا ہونے والا ہے۔"

عروج نے کہا "جو کچھ بھی لکھا ہے ہمیں حالات سے نمٹنا آتا ہے۔ ہم اپنی زندگی ہار جائیں گے، اپنی دنیا ہار جائیں گے لیکن پاشا کی محبت سے باز نہیں آئیں گے۔"

"انسان میں یہی ایک بڑی خرابی ہے کہ وہ مقدر کو [illegible] کرتا ہے۔ سمجھ ہی نہیں پاتا اس کے ساتھ کیا ہو جائے گا۔ بالکل ہی مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دے گا بے دست و پا ہو کر مقدر کے آگے گھٹنے ٹیک دے گا۔ تم دونوں کے ساتھ بھی یہی ہونے والا ہے۔"

وہ دونوں میری پیش گوئی سن کر پریشان نہیں ہوئیں ا[illegible] دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھنے لگیں۔ ان کے انداز [illegible]

بھرپور عزم تھا۔ پاشا کے عشق میں مر مٹنے کا حوصلہ تھا۔

☆☆☆

پاشا بیڈ پر سر جھکائے بیٹھا تھا اور اپنے گمشدہ ماضی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اب اس کی یادوں میں ماضی وہی تھا۔ جو دردانہ نے پیش کیا تھا۔ فوٹو البم اور ڈائریاں کہہ رہی تھیں کہ یہی اس کی زندگی کا سچ ہے اور اب وہ بھی کسی شک و شبہ کے بغیر اسے سچ مان رہا تھا۔

ایک دم خوشبو کے ایک جھونکے نے اسے چونکا دیا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور خوشبو کو اپنی سانسوں کے ساتھ اندر کھینچتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا۔ تہمینہ ایک ادائے ناز سے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ تہمینہ سے بھی اس کا تعارف ہو چکا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ وہ اس کے ڈیڈی شہباز درانی کی پرسنل سیکریٹری ہے اور پاشا کی خدمت گزاری کے لیے بھی وقف ہے۔ چونکہ وہ اس کے باس کا بیٹا تھا وہ اسے جونیئر باس کہتی تھی۔

وہ مسکراتے ہوئے اس کے پاس آ کر بولی "ہائے جونیئر...... کیسے ہو؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

وہ ذرا کھسکتا ہوا بیڈ کے سرے پر آ کر بولا "نہیں...... ڈاکٹر نے کہا ہے مجھے چلنا پھرنا چاہئے، کمرے کے اندر ہی ٹہلنا چاہئے۔"

وہ سہارا دینے کے لیے آگے بڑھ کر اس سے چپک گئی اور بولی "میں اسی لیے آئی ہوں کہ تمہیں سہارا دے کر کمرے میں چلاتی پھراتی رہوں۔"

وہ بیڈ سے اتر کر کھڑا ہو گیا پھر بولا "تم تھک جاؤ گی۔"

وہ ذرا اور اس سے لگ گئی اور اپنے بدن کے کچھ حصوں کا "تعارف" کراتے ہوئے بولی "اپنا بوجھ مجھ پر ڈال کر دیکھو میں تھکنے کا نام نہیں لوں گی۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک قدم بڑھتے ہوئے بولا "تم کچھ زیادہ ہی فری ہو رہی ہو۔"

وہ بولی "یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تم تو مجھ سے بھی زیادہ فری ہو چکے ہو۔ مجھے کچھ بچا کر رکھنے ہی نہیں دیا۔ بلینک چیک کی طرح لکھتے رہے ہو کیش کرتے رہے ہو۔"

وہ اس کے سہارے ایک ایک قدم چلتے ہوئے سوچنے لگا یہ کیا کہہ رہی ہے؟ مجھے تو ذرا یاد نہیں آ رہا ہے کہ کبھی میں نے اسے دیکھا ہو یا کبھی ہاتھ بھی لگایا ہو۔

وہ کمرے کے آخری سرے تک گیا پھر وہاں سے گھوم کر قدم قدم اپنے بیڈ کی طرف آنے لگا تہمینہ نے پوچھا "چپ کیوں ہو گئے؟ کیا سوچ رہے ہو؟"

"یہی کہ تم کب میری زندگی میں آئی تھیں مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے آج پہلی بار میرے اتنے قریب آئی ہو۔ تمہاری قربت سے کچھ تو شناسائی ملنی چاہئے۔"

"تمہارا ذہن بری طرح متاثر ہوا ہے جب تم آئینے کے سامنے خود کو نہیں پہچانتے ہو تو بھلا مجھے کیا پہچانو گے۔ تم میرے حسن و شباب کے قدر دان تھے آج اجنبی بن گئے۔ سوچتی ہوں میں نے اپنا تن من سب کچھ نچھاور کر دیا مگر مجھے کیا ملا؟ ہر عورت چاہتی ہے کہ اسے حاصل کرنے والا مرد اس کے بدن کے ایک ایک روئیں کو یاد رکھے۔"

پھر وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "عورت اپنا سب کچھ ہار کر مرد کی توجہ جیتنا چاہتی ہے لیکن میں تو تمہاری توجہ سے بھی محروم ہو رہی ہوں۔"

"سوری تہمینہ! مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تمہیں نظر انداز کر رہا ہوں۔ میں یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، شاید ہماری قربت کا کوئی لمحہ مجھے یاد آ جائے۔"

فون کا بزر سنائی دیا پاشا اس کے سہارے بیڈ تک آیا پھر وہاں سے موبائل اٹھا کر اسے کان سے لگاتے ہوئے بولا "یس میں بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے شہباز درانی نے کہا "کہو بیٹے کیسے ہو؟"

"ڈیڈ! میں تہمینہ کے سہارے ذرا ٹہل رہا ہوں اور اچھی خاصی توانائی محسوس کر رہا ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹے! کیا تم میرے پرائیویٹ کمرے تک آ سکتے ہو؟"

"بے شک آ سکتا ہوں، ابھی آ رہا ہوں۔" اس نے فون بند کرتے ہوئے تہمینہ سے کہا "مجھے ڈیڈی کے پرائیویٹ کمرے تک لے چلو۔"

وہ بولی "چلو...... وہ کمرا یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔"

وہ اس کے سہارے چلتا ہوا کمرے سے باہر آیا پھر بولا۔ "کیا ممی اور ڈیڈی کو ہمارے تعلقات کا علم ہے؟"

"تمہارے ڈیڈی بڑے بڑے گھاگ لوگوں اور سیاستدانوں سے کھیلتے ہیں۔ اتنے نادان نہیں ہیں کہ ہمارے تعلقات کو نہ سمجھ سکیں۔ لیکن سمجھنے کے باوجود وہ انجان بنے رہتے ہیں۔ ہمیں ملنے ملانے کے سلسلے میں چھوٹ دیتے رہتے ہیں۔"

"میری ڈائری میں تمہارا ذکر کہیں نہیں ہے۔"

"وہ تو میں نے التجا کی تھی کہ میرے بارے میں کچھ نہ

لکھنا کیونکہ ڈائری کسی وقت بھی کسی کے ہاتھ بھی لگ سکتی ہے۔ میں خوا مخواہ بدنام ہو جاؤں گی۔"

وہ دونوں ایک بند دروازے کے سامنے آکر رک گئے تہمینہ نے کہا "اس کمرے کے اندر یا تو تم جاتے ہو یا پھر اسد عزیزی۔ تم دونوں کے سوا کسی اور کو اس کمرے کے اندر جھانکنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ میں یہیں تمہاری واپسی کا انتظار کرتی رہوں گی۔"

اس نے دروازے کے پاس لگے ہوئے کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ وہاں لگے ہوئے چھوٹے سے اسپیکر سے شہباز درانی کی آواز سنائی دی "ہوں......کون؟"

تہمینہ نے کہا "باس! جونیئر آئے ہیں۔"

شہباز نے کہا "بیٹے دروازہ کھلا ہے اندر آجاؤ۔"

پاشا نے دروازہ کھولتے ہوئے تہمینہ پر ایک نظر ڈالی تو وہ مسکرائی۔ پاشا نے اندر آکر دروازے کو بند کیا اور اس کمرے کو دیکھنے لگا۔ شہباز درانی ایک کمپیوٹر کے سامنے ریوالونگ چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ دیوار پر ایک بڑا سا اسکرین تھا دیواروں سے لگی ہوئی دو شیشے کی الماریوں میں سی ڈی اور کیسٹ رکھے ہوئے تھے۔ موٹی موٹی فائلیں تھیں جو پاکستان سے امریکا تک اہم رازوں کی امین تھیں تحریری دستاویزات کے علاوہ آڈیو اور ویڈیو کیسٹوں میں بڑے بڑے سیاستدانوں کی ایسی مجرمانہ حرکتیں تھیں' اپنی قوم سے غداری کے ایسے ایسے ثبوت تھے جن کی وجہ سے یہ سیاستدان امریکا کی طرف دوڑتے رہتے تھے۔ اس کے حکم کے آگے گھٹنے ٹیکتے رہتے تھے۔

شہباز درانی نے اس کی طرف پلٹتے ہوئے پوچھا۔ "کیوں بیٹے! کچھ یاد آرہا ہے؟ تم یہاں بارہا آچکے ہو۔"

اسے کچھ یاد نہیں آرہا تھا اور کبھی یاد آ بھی نہیں سکتا تھا۔ نہ اس نے ایسی مجرمانہ زندگی گزاری تھی اور نہ ہی تہمینہ جیسی حسین عورت سے اس کا تعلق رہا تھا۔ وہ تو صرف اپنی عروج کا دیوانہ تھا۔ اسی کی خاطر اس نے عینی کو بھی محبتیں دی تھیں شاید ان دونوں کی صورتیں یا تصویریں دیکھنے کے بعد کچھ یاد آجاتا۔ لیکن فی الوقت تو وہ اس کے خیال سے بھی دور کر دی گئی تھیں۔

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا شہباز درانی نے کہا "میں تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہوں تم میرے دستِ راست تھے میرے دشمنوں کو ٹھکانے لگا دیا کرتے تھے لیکن اب تم خود کو بھول چکے ہو۔ پتا نہیں تمہاری یہ دماغی حالت کب تک رہے گی؟"

وہ بولا "ڈیڈی مجھے افسوس ہے کہ آپ میری وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں۔"

"پریشانی صرف ایک باپ کی حیثیت سے ہے ورنہ میں تمہیں اسد عزیزی کے بارے میں بہت کچھ بتا چکا ہوں۔ تمہاری طرح وہ بھی میرا ایک مضبوط بازو ہے۔"

پاشا نے کہا "میں اب توانائی محسوس کرنے لگا ہوں، چلنے پھرنے لگا ہوں اور جلد ہی مکمل طور پر چاق و چوبند ہو جاؤں گا۔ پھر آپ اور اسد عزیزی بھی مجھے یاد دلاتے رہیے گا کہ میں نے ماضی میں کیا کیا ہے اور آئندہ کیا کرنا ہے۔"

"آئندہ بہت کچھ کرنا ہے ایک بہت ہی خطرناک دشمن میرے لیے چیلنج بن گیا ہے۔ مجھے سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر سے ہدایات ملی ہیں کہ اس دشمن کو فی الحال ہلاک نہ کیا جائے بلکہ اسے قابو میں کیا جائے اور اس کی اصلیت معلوم کی جائے اور دیکھا جائے کہ اس نے ہمارے گہرے راز کس طرح معلوم کیے ہیں؟"

پاشا نے پوچھا "کون ہے وہ دشمن؟"

"وہ مقدر حیات ہے خود کو نجومی کہتا ہے مجھے تو زبردست بہروپیا لگتا ہے۔ میں کبھی کسی کی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتا، پتا نہیں اس کی آواز اور شخصیت میں ایسی کیا بات ہے کہ میں اس کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کرسکا۔ میرے ذہن میں ایک ہی بات نقش ہو گئی ہے کہ وہ کوئی پُراسرار علم جانتا ہے۔ وہ یہاں میری کوٹھی کے اندر آیا اور زندہ سلامت واپس چلا گیا۔"

"تعجب ہے آپ اس کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کرسکے؟"

"وہ مستقبل کی سچی باتیں بتاتا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ چالیس منٹ کے بعد میں موت کا سامنا کرنے والا ہوں اور موت سے وہی مجھے بچا سکے گا اور پھر بالکل وہی ہوا جو اس نے کہا تھا۔"

پھر وہ کچھ سوچ کر بولا "دراصل میں اس کی سچی پیش گوئی سے مرعوب ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے اسے نقصان پہنچایا تو پھر اس کی پیش گوئی کے مطابق مجھ پر کوئی آفت بھی آسکتی ہے۔ لہٰذا میں نے اسے جانے دیا۔ میری بلیک لسٹ میں اب سب سے اوپر اس کا نام آچکا ہے۔ میں اسے کسی بھی وقت ختم کرواسکتا ہوں۔ لیکن ہیڈ کوارٹر سے ہدایت ملی ہے کہ ابھی اسے ہلاک نہ کیا جائے۔"

پاشا نے کہا "میں ابھی یہ سوچنے کے قابل نہیں ہوں اسے کس طرح شکار کیا جائے اور اپنے قابو میں رکھ کر اس کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کی جائیں۔"

"اپنے دشمن کو کس طرح شکار کرنا ہے اس کی پلاننگ میں کرتا ہوں یا پھر اسد عزیزی۔ تم میرے معاملات میں گویا موت کے فرشتے بن کر رہتے ہو۔ جس دشمن کو ٹھکانے لگانا ہوتا ہے تم اسے بڑی آسانی سے جہنم میں پہنچا دیتے ہو۔"

"میں نے ابھی جسمانی طور پر پوری طرح توانائی حاصل نہیں کی ہے میں چاہتا ہوں کہ جب تک بستر پر رہوں زخم بھرنے کا انتظار کرتا رہوں۔ تب تک مقدر حیات کے خلاف پلاننگ کرسکوں میں بیڈ پر رہ کر بھی آپ کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ اسے تھپکتے ہوئے بولا "شاباش! دیٹ از لائک اے گڈ سن۔ تم ایک رشتے دار کی حیثیت سے مقدر حیات کے قریب رہ کر کچھ کرسکو گے۔"

"میں بھلا مقدر حیات کا رشتے دار کیسے بن سکتا ہوں؟"

"تم عینی کو دل و جان سے چاہتے ہو اس سے شادی بھی کرنا چاہتے تھے لیکن عین وقت پر تم پر یہ مصیبت آپڑی۔ بہر حال شادی تو ایک دن ضرور ہوگی۔ وہ تمہاری بیوی بنے گی تو مقدر حیات تمہارا سالا کہلائے گا۔ وہ عینی کا سوتیلا بھائی ہے نا؟"

"پھر تو یہ کھیل خوب رہے گا۔ میں مقدر حیات کو نقصان پہنچا سکوں گا لیکن وہ مجھے اس لیے نقصان نہیں پہنچائے گا کہ میرے ہلاک ہونے سے اس کی بہن کا سہاگ اجڑ جائے گا۔"

"صرف اتنا ہی نہیں۔ عینی اور مقدر اپنے مرحوم باپ کے بزنس میں پارٹنر ہیں مقدر ساٹھ پرسنٹ کا اور عینی چالیس پرسنٹ کی حصہ دار ہے' اس طرح تم اس کے کاروبار میں بھی مداخلت کرسکو گے اور اسے مالی طور پر بھی نقصان پہنچا سکو گے۔"

"ڈیڈ! پھر تو مجھے عینی سے پہلی فرصت میں ملنا چاہیے۔"

"ابھی نہیں بیٹے! اپنا مکمل علاج ہونے دو۔ پوری طرح دماغی اور جسمانی طور پر صحت مند ہو جاؤ۔ تب تک میں اس کے خلاف کارروائیاں کر رہا ہوں۔ اسے اغوا کراؤں گا۔ قیدی بناؤں گا۔ اور اس پر اتنا تشدد کروں گا کہ وہ اپنی اصلیت بیان کرنے پر مجبور ہو جائے۔"

میں مقدر ہوں اور وہ میرا مقدر بگاڑنا چاہتا تھا اور اپنا مقدر سنوارنا چاہتا تھا...... بیچارا عاقبت نااندیش......!

☆☆☆

نمرہ اور آسرا کوٹھی کے ٹیرس پر تھیں۔ نمرہ نے کہا۔ "ہمارے گھر میں ایسی تنہائی نصیب نہیں ہوتی کہ ہم سکون سے کہیں بیٹھ کر اپنی باتیں کرسکیں۔ اسی لیے میں نے تمہیں یہاں ٹیرس پر بلایا ہے۔"

آسرا نے کہا "میں بھی تم سے تنہائی میں ملنا اور باتیں کرنا چاہتی تھی۔ ہمارے لیے یہ جگہ بہت مناسب ہے۔"

نمرہ نے کہا "اب تک میری زندگی ایک آزاد چڑیا کی طرح تھی۔ میں اِدھر سے اُدھر آزادی سے اڑتی پھرتی تھی' کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔ یہ تو جانتی تھی کہ زندگی میں مسائل ہوتے ہیں' لیکن میں خود کسی مسئلے سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔"

آسرا نے کہا "میں بھی اپنے مستقبل کے بارے میں بے فکر تھی۔ یہ کبھی نہیں سوچا کہ میری زندگی میں کوئی چاہنے والا آئے گا اور میں بھی اسے چاہنے لگوں گی۔ عشق و محبت کی باتیں مجھے کچھ اچھی نہیں لگتی تھیں۔"

"وقت سے پہلے کوئی نہیں جانتا کہ اس کے مقدر میں کیا لکھا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔ جب مجھے پتا چلا کہ ہمارے مرحوم چچا کا ایک اور بیٹا ہے جس کا نام مقدر حیات ہے اور وہ خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو یہ بات میں نے ایک کان سے سنی اور دوسرے کان سے نکال دی۔"

"میں نے بھی دادی اور دادا جان سے کہہ دیا تا کہ میں کسی کروڑپتی مقدر حیات سے متاثر ہونے والی نہیں ہوں۔"

نمرہ سنجیدگی سے مسکرا کر بولی "بڑی عجیب سی بات ہے کہ ایسے وقت میں کسی اندھے سے متاثر ہوگئی۔ کچھ شعوری طور پر کچھ لاشعوری طور پر میرے اندر یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ ہی میرا جیون ساتھی ہوگا۔"

"میری سالگرہ کی پارٹی میں جو مقدر حیات آیا تھا میں اس سے متاثر نہیں ہوئی۔ مگر وہ نجومی بن کر آنے والا پہلی ہی ملاقات میں میرے دل اور دماغ پر چھا گیا۔"

"میں نے بھی فیصلہ کرلیا تھا کہ یہاں آکر کہہ دوں گی کہ آسرا کو مقدر حیات سے منسوب کر دیا جائے میں تو ایک اندھے کو دل دے چکی ہوں۔"

"مقدر حیات نے ہمارے ساتھ عجیب تماشا کیا۔ ہم دونوں انجانے میں ایک ہی شخص سے متاثر ہوگئیں۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمہارا اندھا اور میرا نجومی ایک ہی شخص ہوگا۔"

"اب کیا ہوگا؟"

دونوں ایک دوسرے کو تکنے لگیں۔ نمرہ نے کہا "مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے چاہتا ہے' میرا دیوانہ ہے لیکن یہ بھی کہتا ہے کہ ہاتھ کی لکیریں اپنا مزاج بدلتی ہیں۔ جب مزاج بدلتا ہے تو

ارادے بھی بدلتے ہیں۔ تمہارے ہاتھ میں شادی کی لکیر بن سکتی ہے اور تم بھی اس کی دلہن بن سکتی ہو۔ مقدر ایک ایسا زبردست کھلاڑی ہے جس کے آگے تدبیر کے کھلاڑی ٹھہر نہیں پاتے۔“

”ہاں! انسانی زندگی میں یہی ہوتا ہے ہم سوچتے ہیں کچھ، ہو جاتا ہے کچھ۔ نہ جانے ہماری زندگی میں کیا کچھ ہونے والا ہے؟“

”کچھ بھی ہونے والا ہو میں تو اپنے مزاج کے مطابق زندگی گزاروں گی۔ کیا تم چاہو گی کہ شادی کے بعد تمہاری کوئی سوکن ہو؟“

آسرا نے انکار میں سر ہلایا ”ہرگز نہیں!“

نمرہ نے کہا ”میں کسی بھی عورت کو اپنا مکان دے سکتی ہوں، دولت دے سکتی ہوں لیکن اپنا شوہر کسی کو نہیں دوں گی۔“

”عورتیں حالات سے مجبور ہو کر یا کسی عورت کے خلاف حسد اور جلن میں اس کی سوکن بن جاتی ہیں۔ ہمارے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔“

”ذرا یہ تو دیکھو کہ لیلیٰ اور عروج بھی مجبور نہیں ہیں اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے لیے بغض اور کینہ رکھتی ہیں، پھر وہ ایک دوسرے کی سوکن بننے کو کیوں تیار ہیں؟“

”میرا خیال ہے یہ دنیا کی پہلی دو لڑکیاں ہیں جو جان بوجھ کر ایسی احمقانہ آرزو کر رہی ہیں۔ سوچو تو کیسی بے حیائی کی بات ہے، دونوں ایک ہی شخص کو شیئر کرتی رہیں گی۔“

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئیں۔ اپنے اپنے طور پر کچھ سوچنے لگیں پھر نمرہ نے کہا ”ہمیں مقدر سے بات کرنا چاہیے۔“

آسرا نے پوچھا ”اس سے کیا کہیں گے؟“

”یہی کہ وہ کوئی ایک فیصلہ سنا دے وہ کسے اپنی شریکِ حیات بنانا چاہتا ہے۔“

”وہ تو تم ہی ہو گی۔“

نمرہ نے اندر سے خوش ہو کر اسے دیکھا لیکن خوشی کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ آسرا نے کہا ”تم ابھی کہہ رہی تھیں کہ وہ تمہیں چاہتا ہے تمہارا دیوانہ ہے۔ اپنے بارے میں بھی میرا یہی خیال ہے۔ تم مائنڈ نہ کرنا۔ وہ شادی تم سے ضرور کرے گا لیکن محبت مجھ سے کرتا رہے گا۔“

نمرہ نے پوچھا ”تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ کیا وہ مجھ سے محبت نہیں کرے گا اور یونہی شادی کر لے گا؟“

”وہ تم سے محبت کرتا ہے تب ہی تو شادی کرے گا۔ لیکن میرے لیے جو محبت ہے وہ دیرپا رہے گی، اس کی زندگی کی آخری سانس تک رہے گی۔ شادی کے معاملے میں وہ میرا مقدر نہیں ہے۔ وہ نہیں چاہے گا کہ میری شادی ہو اور میں مر جاؤں اس لیے وہ شادی تم سے کرے گا اور محبت مجھ سے۔“

”میں نہیں مانتی۔ تم خوامخواہ اپنی برتری جتا رہی ہو۔“

”آج نہ مانو آئندہ کبھی مان لو گی۔ شادی سے پہلے مرد خواہ کتنی ہی محبت کرتا ہو وہی محبوبہ جب بیوی بن جاتی ہے تو گھر کی مرغی دال برابر والی بات ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس اس محبوبہ میں زیادہ دلچسپی اور کشش ہوتی ہے جو بیوی نہیں بنتی، اسے حاصل نہیں ہوتی۔ مقدر مجھے حاصل نہیں کر سکے گا۔ میرا پیاسا رہے گا۔ یہ پیاس اس کے دل میں میرے لیے دیوانگی پیدا کرتی رہے گی۔“

اس کی باتیں نمرہ کے دل کو لگ رہی تھیں۔ مرد کی فطرت کو پیشِ نظر رکھ کر سوچا جائے تو وہ بالکل درست کہہ رہی تھی۔ ازدواجی زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ عورت شادی کے بعد اپنے مرد کو، اس کے گھر کو اور اس کے پورے خاندان کو جیت لیتی ہے۔ پھر بچوں کو جنم دے کر اپنے شوہر کو تاحیات باندھ لیتی ہے۔

ازدواجی زندگی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ شادی کے بعد عورت ایک کتاب کی طرح شوہر کے ہاتھوں میں آ جاتی ہے۔ وہ اسے کھول کر پڑھتا رہتا ہے۔ اب پڑھنے والا ایک ہی کتاب کی ایک ہی کہانی کو کب تک پڑھے؟ کتنے برسوں تک ایک ہی کتاب کے ورق الٹتا رہے؟ کوئی ایسی کتاب جو اس کے ہاتھ نہ آئے اور اس کی جھلکیاں دور ہی دور سے ملتی رہیں تو وہ اسے پڑھنے کے لیے بے تاب رہتا ہے۔ وہ اس کنوئیں کا پانی پینا چاہتا ہے جہاں تک پہنچ نہیں پاتا، لہٰذا پیاس بڑھتی رہتی ہے۔

مقدر ایک شوہر کی حیثیت سے نمرہ کی ذمہ داریاں پوری کرتا رہے گا لیکن وہ ایک عاشق کی طرح آسرا کی تمنا کرتا رہے گا اور وہ تاحیات اس کی تمنا کا مرکز بنی رہے گی۔

آسرا نے پوچھا ”کیا سوچ رہی ہو؟“

وہ چونک کر بولی ”کچھ نہیں۔ تمہاری باتوں پر غور کر رہی ہوں میں اس سلسلے میں مقدر سے بات کروں گی۔ اسے کوئی ایک فیصلہ کرنا ہو گا۔ شادی کسی سے ہو اور محبت کسی اور سے، میں ایسی شادی کبھی نہیں کروں گی۔“

میں نے اسی لمحے فون کے ذریعے اسے مخاطب کیا۔ اس نے اپنے فون کو دیکھا پھر بٹن دبا کر اسے کان سے لگاتے ہوئے بولی ”ہیلو......؟“

میں نے پوچھا ”کہاں ہو؟ میں پوری کوٹھی میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔“

یہ بات اسے اچھی لگی کہ میں اس کا طلب گار ہوں اور اسے ڈھونڈ رہا ہوں۔ اس نے مسکرا کر آسرا کو دیکھا پھر کہا۔ ”میں اس وقت ٹیرس پر ہوں اور آسرا میرے ساتھ ہے۔ تم ہی ہماری گفتگو کا موضوع بنے ہوئے ہو۔“

”پھر تو میں بہت خوش نصیب ہوں کہ دو حسین لڑکیاں مجھے گفتگو کا موضوع بنائے ہوئے ہیں۔“

”ہاں! بڑے خوش نصیب ہو۔ راجہ اندر بنے پھرتے ہو۔ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔“

”میں نے تم سے کہا تھا کہ آج رات کا کھانا ہم ساتھ کھائیں گے، اس وقت خوب باتیں ہوں گی۔“

”ابھی کیا کر رہے ہو؟ کیا ابھی نہیں مل سکتے؟“

”میں نے آسرا سے وعدہ کیا ہے اسے لے کر ایک بابا صاحب کے پاس جاؤں گا۔ اس سے کہو نیچے آ جائے۔ میں اپنی کار نکال رہا ہوں۔“

وہ ذرا بجھ سی گئی اس نے چور نظروں سے آسرا کو دیکھا پھر ٹہلنے کے انداز میں اس سے ذرا دور جاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا ”اسے کسی عالم کے پاس لے جانا کیا ضروری ہے؟ اور اگر ضروری ہے تو کل بھی جا سکتے ہو۔ کوئی اور دن مقرر کر سکتے ہو۔ میں ابھی تم سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”نمرہ میں اصولوں کا پابند ہوں۔ جس سے جو بات کہہ دی وہ پتھر کی لکیر ہو گئی۔ جب میں نے یہ کہہ دیا کہ آج رات کا کھانا تمہارے ساتھ کھاؤں گا تو تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گا ورنہ بھوکا رہوں گا۔ اسی طرح میں نے آسرا سے وعدہ کیا ہے کہ اس وقت اسے بابا صاحب کے پاس لے جاؤں گا تو پھر لے کر جاؤں گا۔“

”ٹھیک ہے، کتنی دیر میں واپس آؤ گے؟“

”ٹھیک رات کے نو بجے تمہارے بیڈ روم میں کھانے کے لیے پہنچ جاؤں گا۔ تمہیں رفتہ رفتہ معلوم ہو گا کہ میں اپنی زبان کا اور وقت کا کتنا پابند ہوں؟“

وہ ذرا طنزیہ انداز میں بولی ”ہاں تمہارے بارے میں رفتہ رفتہ بہت کچھ معلوم کرنا ہے۔ میں آسرا کو بھیج رہی ہوں۔“

اس نے فون بند کر کے کہا ”آسرا نیچے مقدر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ شاید تمہیں اس کے ساتھ کہیں جانا ہے۔“

آسرا نے گھڑی دیکھی پھر مسکرا کر کہا ”وہ وقت کا بہت پابند ہے۔ واقعی میں تم سے باتوں میں بھول گئی تھی۔ اچھا جا رہی ہوں...... سی یو!“

وہ وہاں سے جانے لگی۔ نمرہ اسے دیکھتی رہی جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ریلنگ کے پاس آئی اور وہاں سے نیچے دیکھنے لگی۔ کوٹھی کے احاطے میں مقدر حیات اپنی کار کے پاس کھڑا ہوا انتظار کر رہا تھا۔ آسرا آئی تو اس نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا پھر اس کے لیے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ آسرا نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو نمرہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی اسے ایسا لگا جیسے آسرا مقدر حیات کو جیتنے کے بعد سر اٹھا کر اسے دیکھنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے ہی وہ پیچھے ہٹ گئی۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ آسرا اسے دیکھے اور یہ سمجھے کہ وہ حسرت سے انہیں دیکھ رہی ہے۔

جب کار کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی تو اس نے آگے بڑھ کر ریلنگ کے پاس آ کر دیکھا کار اسٹارٹ ہو کر وہاں سے جا رہی تھی۔ بڑا سا آہنی گیٹ کھلا ہوا تھا۔ میں کار ڈرائیو کرتے ہوئے مین روڈ پر آ گیا۔ آسرا بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے پوچھا ”تم ابھی نمرہ کے ساتھ تھیں؟“

اس نے کہا ”ہاں۔“

”ہاں۔ اس نے بتایا کہ میں تم دونوں کی گفتگو کا موضوع بنا ہوا تھا۔“

”ہاں۔ ہم دونوں ہی تمہارے رویے سے اپ سیٹ ہیں۔“

”میرے رویے کو کیا ہو گیا ہے؟“

”تم نے اس سے محبت کا اظہار کیا ہے اور اسے پرپوز بھی کیا ہے، کیا یہ سچ ہے؟“

”بالکل سچ ہے!“

”اگر اس سے محبت ہے تو اس کا مطلب ہے مجھ سے فلرٹ کر رہے ہو مجھے سہانے سپنے دکھا رہے ہو۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے میں علم نجوم جانتا ہوں۔ میرے ہاتھ کی اور تم دونوں کے ہاتھ کی لکیریں جو کہہ رہی ہیں میں اس کے مطابق عمل کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہم تینوں کے ہاتھوں کی لکیریں کیا کہہ رہی ہیں؟“

”یہی کہ نمرہ کی طرح تمہیں بھی بھرپور محبت دینی چاہیے۔“

”تم بات بنا رہے ہو۔ مجھے محبت نہیں ہمدردی دینی چاہتے ہو، کیونکہ میری زندگی مختصر ہے۔ تم ہمدردی کو محبت کا نام دے رہے ہو۔“

”تم اپنے طور پر کچھ بھی سمجھ سکتی ہو ویسے لوگ مجھے الفاظ کا بازی گر کہتے ہیں میں اپنی باتوں سے کسی کو بھی اپنی طرف مائل کر لیتا ہوں اور قائل کر لیتا ہوں۔ تم یقین کر سکتی ہو تو یقین

کرلوتم دونوں میری دو آنکھیں ہو۔ اگر کوئی کہے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں اور نمرہ کو اپنا لوں تو یہ ایسی ہی بات ہوگی کہ میں اپنی ایک آنکھ پھوڑ دوں اور صرف ایک آنکھ سے دیکھتا رہوں۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس سے بھی محبت کرو گے اور مجھ سے بھی؟"

"ہاں۔ میں تو مقدر ہوں سب ہی کو خوش رکھتا ہوں سب ہی کو محبتیں دیتا ہوں۔ سب کو سکھ بھی دیتا ہوں دکھ بھی دیتا ہوں۔ تم دونوں کو کبھی دکھ ملیں گے مجھ سے شکایتیں بھی ہوں گی۔ لیکن سکھ کے دن پلٹ کر آئیں گے تو تمام شکایتیں دور ہو جائیں گی۔"

"تم باتیں ایسی بتا رہے ہو جیسے سچ مچ ہمارا مقدر ہو۔"

"ذرا غور کرو تو بات سمجھ میں آئے گی۔ ہم سب ایک دوسرے کا مقدر بن جاتے ہیں۔ تمہاری محبت سے میری تقدیر بنتی رہے گی۔ میرے پیار سے تمہاری تقدیر سنورتی رہے گی۔ ہم ایک دوسرے کے لیے جو کرتے ہیں ہمارا وہی عمل ایک دوسرے کا مقدر بن جاتا ہے۔"

"تم ایک سیدھی سی بات کو فلسفے کی طرف لے جا رہے ہو ..... اور یہ کدھر جا رہے ہو؟ میں ساحل کی طرف جانا چاہتی ہوں۔"

"میں نے کہا تھا کہ ہم بابا انعام الحق صاحب کے سامنے حاضری دیں گے اور تمہارے بارے میں ان سے کچھ ہدایات حاصل کریں گے۔"

"مجھے کوئی ہدایت حاصل نہیں کرنی ہے میں وہاں نہیں جاؤں گی۔"

"یہ اچانک اپنا فیصلہ کیوں بدل رہی ہو؟ کل تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔"

"کل کی بات کل گئی۔ فیصلے پل بھر میں بدل جاتے ہیں۔ میں نے فیصلہ کیا ہے میں کسی بزرگ ہستی سے نہیں ملوں گی۔"

"فیصلہ بدلنے کی کوئی وجہ تو ہوگی؟"

"ابھی تم نے ہی کہا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کا مقدر ہیں۔ لہٰذا میرے مقدر میں جو ہے اسے ہونے دو۔"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ تدبیر سے اور اپنے بہترین عمل سے تقدیر بدلی جا سکتی ہے۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں اپنا مقدر بدل دوں؟"

"ہاں۔ بدل دو۔"

"مگر یہ دل ہمیشہ کے لیے تمہارا ہو چکا ہے پھر تمہیں کیسے بدل دوں؟"

"میں اپنی نہیں مقدر کی بات کہہ رہا ہوں۔"

"تم ہی تو میرا مقدر ہو۔ بتاؤ کیسے بدل دوں؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تم نے میری ہی باتوں سے مجھے الجھا دیا ہے۔"

ہم ایک ایسے مکان کے قریب پہنچے جس کے سامنے کھلا میدان تھا اور وہاں لوگوں کی بھیڑ تھی۔ بڑی بڑی قیمتی کاریں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہاں امیر بھی تھے اور غریب بھی تھے۔ میں نے ایک جگہ کار پارک کرتے ہوئے کہا "بابا جی یہیں قیام کرتے ہیں۔"

اس نے کہا "یہاں تو بہت بھیڑ ہے۔ پتا نہیں کتنا وقت لگ جائے گا؟"

"میں پہلے ہی ان سے وقت لے چکا ہوں۔ ابھی ملاقات ہو جائے گی۔"

ہم اس مکان میں آئے سامنے بیٹھک میں ان کے ایک مرید نے مجھے دیکھ کر کہا "آیئے تشریف لایئے..... پانچ منٹ کے بعد آپ اندر چلے جایئے گا۔"

اندر بیٹھک میں بھی بڑی بھیڑ تھی۔ عورتیں مرد بچے اور بوڑھے سب ہی تھے۔ بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔ کتنے ہی لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ میں پانچ منٹ کے بعد اس بیٹھک سے گزر کر ایک گیلری سے ہوتا ہوا دوسرے کمرے میں پہنچا۔ با[با] انعام الحق ایک چٹائی پر پالتی مارے بیٹھے تھے اور زیر لب کچھ پڑھ رہے تھے۔ کمرے میں اگربتی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ چاروں طرف دیواروں کے ساتھ ریک لگے ہوئے تھے او[ر] ان میں بڑی موٹی موٹی کتابیں تھیں۔ وہ ایک بہت ہی عا[لم] فاضل شخص تھے۔ مطالعہ کرتے رہتے تھے اور دوسروں کو مطالع[ہ] کرتے رہنے کی ہدایت فرماتے رہتے تھے۔

انہوں نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا پھر کہا "آؤ مقدر تم مقدر والوں کے پاس ہی آتے ہو۔ یہ میری خوش نصیبی ہے [کہ] آج یہاں آئے ہو۔"

ان کی باتوں سے ظاہر تھا کہ وہ میری حقیقت جا[نتے] ہیں۔ میں ان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ آسرا بھی ا[سی] طرح سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا "آپ اللہ تعالیٰ [کے] برگزیدہ بندے ہیں آپ سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔"

انہوں نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا ان کی نظر کہہ رہی تھیں "تم سے بھی تو کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔"

وہ آسرا کی موجودگی میں میری حقیقت بیان کرنا نہ[یں] چاہتے تھے میں نے زیر لب مسکرا کر کہا "اس کا نام آسرا [ہے] یہ بہت محبت کرنے والی لڑکی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ا[س کی]

ساری زندگی محبتیں ملتی رہیں اور اس کی مرادیں پوری ہوتی رہیں۔"

"تم جانتے ہو اس کی ایک مراد پوری نہیں ہوگی۔ تم سے محبتیں ملیں گی لیکن شادی کبھی نہیں ہو سکے گی۔"

وہ سر جھکا کر بولی "حضور میں جانتی ہوں شادی میری زندگی کا آخری باب ہے اور میں اس آخری دروازے تک کبھی نہیں جاؤں گی۔"

"صرف شادی سے کتراؤ گی تو بات نہیں بنے گی تم اپنے محبوب سے جلوت میں تو مل سکو گی خلوت میں نہیں...... خلوت میں ملاقات تمہاری زندگی کا اختتام ہے۔"

وہ بدستور سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی اس نے آہستگی سے کہا "میں خلوت میں بھی پرہیز کروں گی۔"

میں نے کہا "یہ ضروری نہیں کہ جو ارادہ تم کرو وہ پورا ہو جائے۔ تقدیر انسان کو بہلاتی ہے اور بہلاتے بہلاتے اپنی من مانی کر جاتی ہے۔ بعد میں پتا چلتا ہے کہ وہی ہوا جو مقدر میں لکھا تھا۔"

بابا انعام الحق نے کہا "صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور عمل صالح، یہ دو ہی ایسی چیزیں ہیں جو مقدر کے لکھے کو بدل سکتی ہیں۔"

پھر انہوں نے آسرا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "بیٹی تم چاہو تو اپنے مستحکم ایمان سے ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہو۔ میرے پاس کتنے ہی عقیدت مند آتے ہیں۔ میں ان کے دکھ بیماریوں، پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے نہ تو کوئی نسخہ لکھ کر دیتا ہوں نہ دوائیں دیتا ہوں۔ بس دو ہی باتیں سمجھاتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ نماز پڑھو اور دوسری بات یہ کہ اپنے اعمال درست کرتے رہو۔ کسی کو اپنی ذات سے تکلیف نہ پہنچنے دو۔ کوشش کرو کہ تمہاری ذات سے دوسروں کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا رہے۔ میری ان ہدایات پر عمل کرتی رہو گی تو انشاء اللہ تمہارے مقدر میں لکھی ہوئی بدنصیبی دور ہو جائے گی۔"

انہوں نے مجھے اور آسرا کو دیکھا پھر کہا "تمہارے ساتھ یہ مقدر ہے اگر تم میری ہدایات پر عمل کرتی رہو گی تو یہ تمہیں بتائے گا کہ تمہارے ہاتھ میں شادی خانہ آبادی کی لکیر بن چکی ہے یا نہیں۔ اب تم جا سکتی ہو...... فی امان اللہ!"

ہم نے وہاں سے اٹھ کر انہیں ادب سے سلام کیا اور ان کے مکان سے باہر آ گئے۔ میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے پوچھا "تم نے بابا صاحب سے ملاقات کی۔ تمہارے تاثرات کیا ہیں؟"

وہ بولی "انہوں نے کہا یہ مقدر میرے ساتھ ہے گویا انہوں نے تمہیں میرا مقدر کہا۔ بس ان کی یہ بات بہت اچھی لگی۔"

میں نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے اس سے بھی زیادہ اہم باتیں کی ہیں۔ بگڑے ہوئے مقدر کو بنانے کے سلسلے میں ہدایات دی ہیں۔"

"دنیا کے تمام بزرگ، علمائے دین، تمام ناصح ہدایات دیتے رہتے ہیں انہوں نے کوئی نئی بات نہیں کی ہے...... نئی بات صرف یہی ایک اچھی تھی کہ تم میرا مقدر ہو۔"

"چلو یہی سہی۔ میں تمہارا کامیاب مقدر اسی وقت بن سکوں گا جب تم ان کی ہدایات پر عمل کرو گی۔"

"ان کی ہدایات سننے سے پہلے ہی میں نماز پڑھتی آئی ہوں پانچ وقت کی نہ سہی ایک آدھ وقت کی ضرور پڑھتی ہوں۔ پھر یہ میری کوشش ہوتی ہے کہ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ میرا جہاں تک خیال ہے میں نے اب تک کسی کو جان بوجھ کر تکلیف نہیں پہنچائی۔ ہاں انجانے میں اگر کسی کو کچھ نقصان پہنچا ہے اور وہ مجھے معلوم ہو جائے تو میں اس کی تلافی ضرور کروں گی۔"

ہمارے درمیان تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے کہا "میں بہت پہلے ایک فیصلہ کر چکی ہوں۔ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میرے ہاتھ میں شادی کی لکیر بن چکی ہے اور میں شادی کر سکتی ہوں تب بھی نہیں کروں گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ جب یہ یقین ہو جائے کہ عمر بڑھتی جائے گی موت کا اندیشہ نہیں رہے گا تو پھر شادی کیوں نہیں کرو گی؟"

"میں بابا صاحب کی اس ہدایت پر عمل کروں گی کہ میری ذات سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر تم سے شادی کروں گی تو نمرہ کو نقصان پہنچے گا وہ تمہیں دل و جان سے چاہتی ہے میں نہیں چاہتی کہ اس کا دل ٹوٹ جائے۔ کیا مجھے بابا صاحب کی ہدایات پر عمل نہیں کرنا چاہیے؟"

"کوئی ضروری نہیں کہ تمہاری شادی مجھ سے ہی ہو۔ ہو سکتا ہے لائف پارٹنر کی حیثیت سے کوئی دوسرا تمہیں پسند آ جائے۔"

اس نے پوچھا "کیا نمرہ کو لائف پارٹنر کے لیے کوئی دوسرا پسند آ جائے گا؟"

"مقدر کی لکیر کسی کو بھی بھٹکا سکتی ہے۔ ایک سے چھڑا کر

دوسرے کے پاس پہنچا سکتی ہے۔"

"مقدر سب کچھ کرسکتا ہے لیکن محبت کرنے والوں کے ارادے نہیں بدل سکتا۔ کتنے عشق کے مارے مقدر کے ہاتھوں مارے گئے لیکن انہوں نے اپنے محبوب سے منہ نہیں پھیرا۔ اسی کے رہے اور اسی کے نام پر جان دے دی۔"

وہ درست کہہ رہی تھی ہماری دنیا میں عشق کرنے والوں کی کتنی ہی مثالیں ہیں۔ ان عاشقوں کو دنیا والے پتھر مارتے رہے۔ مقدر انہیں بچا نہ سکا اور وہ محبوب کی طلب سے باز نہیں آئے۔ انہوں نے کسی کے عشق میں جان دے دی۔

آسرا نے کہا "میں نہیں جانتی نمرہ کی محبت میں کتنی پائداری ہے لیکن میں اپنے بارے میں جانتی ہوں کہ میں نے دل کی دکان نہیں کھولی۔ میرے پاس ایک ہی دل ہے اور وہ دل میں دے چکی ہوں۔"

میں خاموش رہا اس نے جو کہا اس کے بعد بولنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ میں نے ایک شاپنگ سینٹر کے سامنے کار روک دی اس نے پوچھا "کیا کچھ خریدنے کا ارادہ ہے؟"

"ہاں! خریدنا بھی ہے اور تمہارے ساتھ شام کی چائے بھی پینی ہے۔ تمہاری گھڑی میں کیا وقت ہوا ہے؟"

"سات بج کر پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔"

"نمرہ کے پاس نو بجے پہنچنا ہے اس سے پہلے میں تمہارے ساتھ وقت گزار سکتا ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولی "اِدھر مجھے اور اُدھر نمرہ کو خوش کررہے ہو۔ دو کشتیوں پر پاؤں رکھ کر سفر کرنے والا گہرے پانی میں گر پڑتا ہے۔"

"میری پروا نہ کرو میں بہت بڑا تیراک ہوں، مخالف لہروں سے کھیلنا جانتا ہوں۔"

ہم کار سے نکل کر شاپنگ سینٹر میں آئے۔ میں ایک جنرل اسٹور میں آیا۔ آسرا نے کہا "تم یہاں خریداری کرو میں ابھی ساتھ والی دکان سے آتی ہوں۔"

وہ چلی گئی میں نے دکاندار سے ایک پرفیوم طلب کیا میں یہ جانتا تھا کہ یہ لڑکی ارادے کی پکی ہے خود کو مجھ سے منسوب کرچکی ہے کوئی دوسرا اسے کبھی متاثر نہیں کرسکے گا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی زندگی مختصر ہے اس کی معینہ عمر سے زیادہ اسے زندگی نہیں دے سکتا تھا خوشیاں تو دے سکتا تھا۔ ایک مختصر سے عرصے تک اسے محبتیں تو دے سکتا تھا۔ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ مجھے اس سے صرف ہمدردی تھی۔ نہیں مجھے محبت بھی تھی۔ جو ساتھ چھوڑنے والا ہو اس سے بہت زیادہ محبت ہو جاتی ہے۔

میں پرفیوم خرید کر اس کا انتظار کررہا تھا۔ وہ آگئی تو ہم وہیں ایک کیفے میں جاکر ایک میز پر آمنے سامنے بیٹھ گ[ئے]

میں نے پوچھا "اسنیکس لوگی؟"

"نہیں صرف چائے پیوں گی۔"

میں نے چائے کا آرڈر دیا پھر پرفیوم نکال کر اس[کی] طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ میری طرف سے پہلا ت[حفہ] ہے۔"

"تم اپنی سالگرہ کی پارٹی میں پہلی بار میرے سا[منے] آئیں تو یہی خوشبو تمہارے بدن سے ابھر کر میری سانس[وں] میں سما رہی تھی۔"

وہ مسکراتے ہوئی بولی "بڑے رومینٹک انداز میں بو[ل رہے] ہو۔"

اس نے اپنا پرس کھول کر ایک گھڑی نکالی اور اسے م[یری] طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ میری طرف سے پہلا تحفہ [ہے] میں چاہتی ہوں گزرتے ہوئے وقت کو اپنی کلائی سے باند[ھو] اور میری گزرتی ہوئی عمر کے ایک ایک لمحے کو نظروں [کے] سامنے رکھو۔"

اس کی آواز میں درد تھا۔ اس کے لہجے میں ایک کر[ب] چھپا ہوا تھا۔ میں نے اس سے گھڑی لی پھر اس کے ہا[تھ] دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہا "تمہاری عمر بہت لمبی۔ تمہارے پاس سانسوں کا خزانہ ہے۔ اتنی سانسیں لیتی رہ[و] کہ یہ گھڑی چلتے چلتے تھک جائے گی، اس کا وقت تھم جا[ئے گا] لیکن تمہاری عمر جاری و ساری رہے گی۔"

وہ میری بات پر بڑی اداسی سے مسکرانے لگی۔ اس[کی] مسکراہٹ کہہ رہی تھی "مجھے نادان بچی سمجھ کر بہلا رہے ہ[و] خوب مقدر ہو۔"

ویٹر نے چائے کی ٹرے لاکر رکھی اور وہاں سے چلا [گیا] آسرا نے چائے کی دو پیالیاں بنائیں اور ایک پیالی [میری] طرف بڑھاتے ہوئے کہا "میرے پاس ہمیشہ چائے [کی] پیالیاں رہیں گی ایک تمہاری طرف بڑھاتی رہوں گی۔ [تم ایسا] نہیں کرسکو گے تمہارے پاس ہمیشہ تین پیالیاں رہا کریں [گی] ایک میری طرف بڑھایا کرو گے دوسری نمرہ کی طرف۔"

میں نے چائے کی ایک چسکی لیتے ہوئے کہا "مح[بت کی] گرمی ہو یا گرما گرم چائے کی پیالیاں ہوں میں دونو[ں کی] طرف بڑھاؤں گا۔ جو انکار کرے گی یا پینے میں دیر کر[ے گی] اس کی چائے ٹھنڈی ہو جایا کرے گی۔"

"میں دیر نہیں کروں گی۔ میرے پاس وقت نہیں [ہے] تمہاری ہر پیش کش کو فوراً قبول کرتی رہوں گی۔"

وہ پیالی اٹھا کر گرما گرم چائے پینے لگی۔ اپنے

[...] نہیں جانتی تھی کہ کب ٹھنڈی ہو جائے گی اس لیے [...]و دیہ [...]ے ٹھنڈی نہیں کررہی تھی۔

نمرہ بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کررہی تھی۔ جب [...]آسرا کے ساتھ آیا تو وہ کوٹھی کی چھت پر تھی اور مجھے اس کے [سات]ھ جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ان لمحات میں مجھے ایسا لگ [رہا] تھا جیسے آسرا مجھے اس سے چھین کر لے جارہی ہے۔

اس گھر میں تین لڑکیاں تھیں عینی، نمرہ اور آسرا۔ پھر سہیلی [کے] رشتے سے عروج کا اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ چاروں لڑکیاں [...]ا ذہن اچھا دل رکھتی تھیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہنستی بولتی [تھ]یں اور تحفے تحائف کا تبادلہ کرتی رہتی تھیں، لیکن اتنی کشادہ [دل] نہیں تھیں کہ اپنے چاہنے والے کو تحفہ بنا کر کسی دوسری کو پیش [ک]ردیتیں۔ یہ کشادہ دلی صرف عروج کی تھی۔ وہ اپنے پاشا کو [...]ی کے حوالے کررہی تھی۔ نمرہ یہ نہیں کرسکتی تھی، اور نہ ہی آسرا [کا] دل اتنا بڑا تھا۔

پھر بھی آسرا نے اس حد تک سوچا تھا کہ میں نمرہ سے [ش]ادی کرنا چاہتا ہوں تو کرتا رہوں لیکن میری محبت صرف اور [ص]رف آسرا کے لیے ہو، اور حالات بتا رہے تھے کہ آسرا کی مختصر [...] زندگی میں اسے زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کے لیے میں [...]ے نمرہ سے زیادہ توجہ دوں گا اور توجہ دینے کا مطلب یہ ہوا [...]ہ اس کے ساتھ کچھ زیادہ وقت گزاروں اس طرح میرے [پی]ار کے معاملے میں آسرا برتری حاصل کرتی رہے گی۔

میں نے نمرہ سے کہا تھا ٹھیک نو بجے اس کے پاس پہنچ [ج]اؤں گا اور رات کا کھانا اس کے ساتھ کھاؤں گا۔ وہ بے چینی [س]ے نو بجنے کا انتظار کررہی تھی۔ تقریباً دو گھنٹے تک چھت پر اِدھر [س]ے اُدھر ٹہلتی رہی۔ بار بار ریلنگ کے پاس آکر مین گیٹ کی [ط]رف دیکھتی رہی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ وقت گزرنا بھول [گ]یا ہے۔ اس نے اپنی رسٹ واچ دیکھی۔ آٹھ بج کر پندرہ [م]نٹ ہوئے تھے اسے لگا جیسے گھڑی بند ہے۔ نہ اس کی سوئی آگے بڑھ رہی ہے اور نہ ہی وقت گزر رہا ہے۔ اسی وقت [م]وبائل فون کا بزر سنائی دیا اس نے جلدی سے فون کو اٹھا کر [د]یکھا اس کا خیال تھا میں نے فون کیا ہے لیکن اسکرین پر کسی [...]ور کا نمبر تھا اس نے بٹن کو دبا کر کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو...... کون؟"

جواب میں ایک گہری سرد آہ سنائی دی "میں ہوں...... [م]وت کے گھر سے آنے والا...... تمہارا دیوانہ......!"

وہ پریشان ہوکر بولی "اوہ گاڈ! اتنے دنوں سے پیچھا چھوڑ دیا تھا پھر کیوں پریشان کرنے آگئے ہو؟"

"میں نے تمہیں نہیں چھوڑا تھا تم نے پیچھا چھڑا لیا تھا، اور میں تمہیں تلاش کرتا رہا۔ پھر یہ کہ میں تو ایک بیمار شخص ہوں۔ اب دیکھو اس بیماری میں بھی تمہیں تلاش کرتا رہا ہوں اور آخر میں نے تمہارا اپنا معلوم کر ہی لیا ہے۔"

اس نے گھبرا کر پوچھا "کیسے معلوم کیا ہے؟ تمہیں کس نے میرا پتا بتایا؟"

"میرے جذبۂ عشق کی داد دو۔ کچے دھاگے سے بندھا چلا آرہا ہوں۔ تمہارا پتا معلوم کرنا کچھ زیادہ مشکل تو نہیں تھا۔ میں نے تمہیں میڈیکل کالج میں دیکھا تھا وہاں ایک طالب علم سے مجھے تگ و دو کے بعد تمہارا لاہور کا ہی نہیں کراچی کا پتا بھی مل گیا۔"

"تم نے میرا پتا کیوں معلوم کیا؟ تم کیوں مجھے پریشان کررہے ہو؟"

"پلیز میرے جذبوں کو سمجھو۔ میں موت سے لڑتا ہوا تمہاری طرف آرہا ہوں، میری کچھ تو قدر کرو۔ میں تمہیں محبت کے جواب میں محبت دینے پر مجبور نہیں کرسکتا لیکن تم خوش دلی اور خوش مزاجی تو دے سکتی ہو!"

وہ ایسے التجا آمیز لہجے میں بول رہا تھا کہ وہ خاموش ہوکر سنتی رہی۔ وہ کہہ رہا تھا "میں اپنی زندگی کے بدترین دور سے گزرتا آیا ہوں۔ اب حالات کچھ بہتر ہونے کی امید ہے۔ میرے اپنے مجھے پاگل کہتے ہیں۔ کیا پاگل ایسی محبت کرتے ہیں جیسی میں تم سے کررہا ہوں؟"

وہ ذرا دھیمی پڑ گئی۔ نرم لہجے میں بولی "اگر تم پاگل نہیں ہو تو اتنا سمجھ سکتے ہو کہ کسی بھی شریف زادی کو کسی اجنبی سے فون پر گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔"

وہ بولا "انسانی زندگی میں محبت کا رشتہ ایسا ہے جو اجنبیت سے شروع ہوتا ہے۔ پہلے دو اجنبی ملتے ہیں ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں ایک دوسرے کے دل کو ٹٹولتے ہیں ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھتے ہیں۔ فی الحال تم مجھ سے محبت نہ کرو لیکن خوش دلی سے، خوش مزاجی سے مجھے سمجھنے کی کوشش تو کرو۔"

وہ اس کی باتیں سن رہی تھی اور تصور میں اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک شاپنگ سینٹر میں اپنے لیے ٹائی پسند کررہا تھا۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا۔ بہت ہی خوبرو اور قد آور جوان تھا۔ ایسی مردانہ وجاہت تھی کہ کوئی بھی لڑکی اس سے متاثر ہوسکتی تھی۔ لیکن نمرہ تو مجھ سے متاثر ہوچکی تھی اس لیے اس اجنبی عاشق کے بارے میں وہ نہ تو زیادہ سوچنا چاہتی تھی اور نہ ہی تصور میں اسے دیکھنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اگر کسی اچھی شخصیت والے کے بارے میں سوچتے رہو، اس سے باتیں کرتے رہو

اور اس سے ملتے رہو تو وہ رفتہ رفتہ متاثر کرنے لگتا ہے۔ اور نمرہ یہ نہیں چاہتی تھی۔

اس نے پوچھا ''تم چپ کیوں ہو کیا سوچ رہی ہو؟''

وہ خیالات سے چونک کر بولی ''میں ایک بات تم سے صاف صاف کہہ دوں کہ میری زندگی میں کوئی آچکا ہے۔ میں کسی سے محبت کرتی ہوں اور بے انتہا محبت کرتی ہوں۔''

فون پر تھوڑی دیر تک خاموشی رہی جیسے اس کی باتوں نے دکھ پہنچایا ہو، پھر وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا ''وہ خوش نصیب کون ہے؟''

''وہ میرا کزن ہے' مقدر حیات۔''

''اگر وہ کزن ہے تو پھر اسے بچپن سے چاہتی رہی ہو؟''

''نہیں۔ وہ بچپن سے لندن میں پرورش پا رہا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے دور تھے۔ ابھی حال ہی میں اس سے ملاقات ہوئی ہے اور اس نے پہلی ہی ملاقات میں مجھے جیت لیا ہے۔''

''مجھ سے بھی ملاقات کرو' میں بھی تمہیں جیت لوں گا۔''

''بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔''

''اس میں بے وقوفی کی کیا بات ہے۔ تمہیں زندگی میں مختلف تجربات سے گزرنا چاہئے۔ دیکھنا چاہئے کہ تمہاری زندگی میں آنے والوں میں کون کون تمہیں متاثر کرتا ہے۔ کیا تمہارا دل کسی ایک کے لیے دھڑکتا ہے یا کسی دوسرے کے لیے بھی دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا ہو سکتا ہے؟''

''میں اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کر چکی ہوں۔ مجھے جدھر جانا تھا اُدھر جا چکی ہوں۔''

''پھر بھی میری ایک التجا مان لو۔ مجھ سے ایک بار مل لو۔ اگر میں تمہاری محبت کے قابل نہ ہوا تب بھی کوئی بات نہیں تمہاری دوستی کے قابل تو ہو سکتا ہوں۔''

وہ ٹیرس کی ریلنگ کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اسی وقت میری کار گیٹ کے اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ اس نے کہا ''سوری مسٹر......! میں گفتگو جاری نہیں رکھ سکوں گی۔ اچانک مہمان آگئے ہیں انہیں اٹینڈ کرنا ضروری ہے۔''

''کوئی بات نہیں میں ایک گھنٹے بعد کال کروں گا۔''

نمرہ نے اس وقت بحث نہیں کی کہ اسے آئندہ کال کرنا چاہئے یا نہیں۔ اس نے فون بند کیا اور تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی ڈرائنگ روم کے راستے، میرے وہاں...... پہنچنے سے پہلے ہی، اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ وہ ابھی میرا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی بلکہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہاں پہنچنے کے بعد میں سیدھا اس کے پاس آتا ہوں یا ابھی آسرا کے ساتھ رہتا ہوں۔

اس سے نو بجے ملاقات کا وقت مقرر تھا اور ابھی منٹ باقی تھے۔ میں آسرا کے ساتھ فلک ناز کے کمرے میں وہاں وہ اپنے بیٹے عدنان سے باتیں کر رہی تھی۔ مجھے کے ساتھ دیکھ کر خوش ہوگئی۔ اٹھ کر بلائیں لیتی ہوئی بولی تمہاری جوڑی سلامت رکھے۔ مجھے تو خوشیاں ہی خوشیا رہی ہیں۔ اب میں اس گھر سے نہیں جاؤں گی۔''

آسرا نے پوچھا ''آپ تو یہاں سے جانے کی تیا کر چکی تھیں پھر ارادہ کیوں بدل رہی ہیں؟''

''بھابی جان بھی یہاں سے جانے کا ارادہ بدل ہیں۔ میں ان کی طرح خود غرض اور لالچی نہیں ہوں۔ یہاں رکنے کی وجہ کچھ اور ہے۔ ابھی میرا عدنان دوپہر کھانے کے بعد سو رہا تھا اس نے خواب دیکھا ہے خواب دیکھا ہے جلد ہی اس کی تعبیر سامنے آنے والی ہے۔''

میں نے مسکرا کر پوچھا ''کیوں عدنان تم نے کیا دیکھا ہے؟''

وہ ذرا شرماتے ہوئے بولا ''میں نے دیکھا عینی ہوئی ہے' بینڈ باجے بج رہے ہیں' ناچ گانے ہو رہے میری شادی عینی سے ہوگئی ہے۔''

آسرا نے کہا ''تم تو ایسے خوش ہو رہے ہو جیسے شادی ہو چکی ہے۔''

فلک ناز نے کہا ''اے بیٹی! تم تو اپنے دادی ہاں پڑی رہتی ہو۔ تمہیں کیا پتا میرا بیٹا جب بھی کوئی دیکھتا ہے وہ ضرور پورا ہوتا ہے۔''

''ممی! آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں۔ یہ خوا دیکھے کہ اسے پچاس لاکھ روپے مل رہے ہیں تو کیا مل گے؟''

وہ چہک کر بولی ''ہاں بیٹی! تمہیں کیا پتا اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ اسے پچاس لاکھ روپے ملنے والے اور ایک ہفتے بعد ہی پرائز بانڈ کے ذریعے پچاس ہز ملے تھے۔''

آسرا نے ناگواری سے کہا ''توبہ ہے کہاں پچاس لاکھ روپے اور کہاں پچاس ہزار روپے؟''

فلک ناز نے کہا! آسرا یہ نہ دیکھو کہ کتنی رقم ملی۔ لاکھ نہ سہی پچاس ہزار ہی سہی مگر خواب کی تعبیر تو سامنے

''اگر ایسی ہی تعبیر کی بات ہے تو پھر شادی کے تعبیر بھی کچھ ایسی ہی ہوگی۔ پتا نہیں عینی کس کی

عدنان کو شادی کا کھانا ضرور ملے گا۔''

فلک ناز نے ناراضگی سے کہا ''تم اپنے بھائی کے بارے ایسی باتیں کرتی ہو آخر اس میں کس بات کی کمی ہے؟ مقدر ہاں! تم تو مستقبل کی سچی پیش گوئی کرتے ہو ذرا میرے بیٹے کا ہاتھ دیکھ کر بتاؤ اسے خواب کی تعبیر ملے گی یا نہیں؟''

میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا ''سوری پھولی جان! پھر کسی وقت عدنان کا ہاتھ دیکھوں گا ابھی نمرہ کے پاس بہت ضروری ہے...... او کے آسرا...... سی یو......!''

یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا نمرہ کے دروازے پر پہنچ کر ہلکی سی دستک دی۔ وہ میرا ہی انتظار کر رہی تھی۔ دستک کی آواز پر دل تیزی سی دھڑکنے لگا۔ اس نے کہا ''دروازہ کھلا ہے۔''

میں نے دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے کہا ''ہائے...... گھڑی دیکھو میں ٹھیک وقت پر پہنچ گیا ہوں۔''

''تم ٹھیک وقت پر نہیں پہنچے گھڑی دیکھو پانچ منٹ لیٹ ہو۔''

میں نے اپنی کلائی کی گھڑی دکھاتے ہوئے کہا ''تم گھڑی دیکھو پورے نو بجے ہیں۔ تمہاری گھڑی پانچ منٹ آگے ہیں۔''

اس نے میری کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھا پھر پوچھا ''پہلے تو تمہارے پاس یہ گھڑی نہیں تھی۔ کیا نئی خریدی ہے؟''

میں نے مسکرا کر کہا ''نہیں...... آسرا نے تحفہ میں دی ہے۔''

وہ ذرا بجھ سی گئی پھر بولی ''اسی لیے وہ تمہیں اپنے ساتھ لے گئی تھی؟''

''نہیں...... میں اسے لے گیا تھا۔''

''یعنی اس کے ساتھ تفریح کے موڈ میں تھے؟''

''نہیں میں اسے ایک بزرگ کے پاس لے گیا تھا۔ انہوں نے آسرا کو حوصلہ دیا ہے کہ اس کے بہتر اعمال کے نتیجے میں تقدیر بدل سکتی ہے۔ اگر وہ بابا صاحب کی ہدایات پر پابندی سے عمل کرے تو اس کی شادی ہو سکتی ہے اور وہ ایک اچھی ازدواجی زندگی گزار سکتی ہے۔''

''تمہیں اس کی بڑی فکر ہے۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہو اسی لیے اسے لیے لیے پھرتے ہو۔''

میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا ''اگر اپنے دل سے حسد کا جذبہ نکال دو تو میری نیک نیتی کو سمجھ سکو گی۔''

''میں حاسد نہیں ہوں۔ مجھے آسرا سے کوئی شکایت نہیں ہے شکایت تم سے ہے۔''

''مجھ سے ہزار بار شکایتیں کرو لیکن آسرا کی طرف سے دل صاف ہے تو خود ہی سوچو کہ اس کی زندگی مختصر ہے۔ پتا نہیں وہ کتنے عرصے تک جیے گی۔ پتا نہیں وہ بابا صاحب کی ہدایات پر عمل کرتی ہے یا نہیں؟ کون جانتا ہے کہ وہ سہاگ کا جوڑا پہن سکے گی یا نہیں۔ ایسی لڑکی سے کیا ہمدردی نہیں ہونی چاہئے؟ کیا ہم اس کی مختصر سی زندگی میں اسے خوشیاں اور محبتیں نہیں دے سکتے؟''

''محبت دینے کے لیے اتنی بڑی دنیا میں صرف ایک تم ہی رہ گئے ہو؟''

''تم درست کہتی ہو اس کی زندگی میں کوئی محبت کرنے والا آجائے تو پھر وہ میری محبت اور توجہ کی محتاج نہیں رہے گی۔''

''جب تک تم اس کے پاس رہو گے وہ کسی دوسرے کو اپنے پاس پھٹکنے بھی نہیں دے گی۔ تمہارے ساتھ چپکی رہے گی۔''

''تم کیا چاہتی ہو' میں اس سے دور ہو جاؤں؟''

''مجھ سے کیوں پوچھتے ہو' نادان بچے تو نہیں ہو' تمہیں کوئی ایک فیصلہ کرنا چاہئے' کسی ایک طرف رہنا چاہئے۔''

''میں ایک ہی طرف ہوں' تم سے محبت کرتا ہوں تم ہی سے شادی کروں گا۔''

''مجھے بیوی بنا کر گھر گرہستی کی ذمہ داریوں میں الجھا دو گے اور آسرا سے محبت کرتے رہو گے؟''

''میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ اگر کوئی اسے محبتیں دینے والا آئے گا تو میں اس سے دور ہو جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے جب تک آسرا کی زندگی میں کوئی دوسرا چاہنے والا نہ آئے اور جب تک تم اس کی طرف سے پلٹ کر نہ آؤ' تب تک میں شادی نہیں کروں گی۔''

''تمہارا یہ فیصلہ غلط ہے مجھ سے شادی کر لو گی تو آسرا مایوس ہو کر کسی دوسرے کی طرف مائل ہو سکتی ہے۔''

''تم لڑکیوں کو کیا جانو۔ کوئی ایک شخص دل و دماغ میں نقش ہو جائے تو پھر وہ کسی دوسرے کی طرف مائل نہیں ہوتیں۔ آسرا نے خود مجھ سے کہا ہے کہ وہ تم سے شادی نہیں کرے گی تو تمہارے لیے لاحاصل رہے گی اور تم اس کے حصول کے لیے بے چین رہا کرو گے اس طرح اس کی محبت میں شدت اور تڑپ پیدا ہوتی رہے گی پھر میں بھی کیوں نہ یہی کروں؟ تم سے شادی نہ کروں تم میرے حصول کے لیے....

بےچین رہو گے تو میرے لیے بھی تمہارے دل میں شدت اور تڑپ پیدا ہوتی رہے گی۔“

میں نے ہنستے ہوئے کہا ”پھر تو میں نہ اِدھر کا رہوں گا اور نہ اُدھر کا۔ دونوں ہی مجھے اپنے پیچھے دوڑاتی رہیں گی۔“

”تم نے ہماری قسمت کا حال بتایا ہے اب جو ہم کریں گے اس سے تمہارا مقدر بنتا رہے گا۔ ہم شادی سے انکار کرتی رہیں گی تو تم بھی شادی کے لیے انتظار کی گھڑیاں گنتے رہو گے۔“

”اگر میں ہرجائی نکلا تو؟“

”تو پھر تم کسی تیسری چوتھی کے پاس جاتے رہو گے۔ ہمیں کسی ہرجائی سے دلچسپی نہیں ہوگی۔ بے وفائی کا مظاہرہ کرو گے تو تمہاری طرف سے دل پھر جائے گا۔“

”ٹھیک ہے دیکھتے ہیں آگے کیا ہونے والا ہے۔ یہ بتاؤ کہ وہ مردہ تمہیں بھولا کہ نہیں؟“

”نہیں ابھی اس نے فون کیا تھا۔ تمہارے آنے سے پہلے میں اسی سے باتیں کر رہی تھی۔“

”انسانی تاریخ میں تمہارا نام سنہرے حرفوں سے لکھا جانا چاہئے۔“

”وہ کیوں؟“

”تم دنیا کی پہلی یا شاید آخری لڑکی ہو جس پر ایک مردہ عاشق ہوگیا ہے۔“

”مردے کبھی فون پر باتیں نہیں کرتے۔“

”میں نے فلموں میں ڈریکولا کو قبر سے اٹھ کر کار چلاتے دیکھا ہے۔ کتنے ہی لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے مردوں کو قبرستان میں چلتے پھرتے دیکھا ہے۔ ہماری دادی نانی ایسے ہی مردوں کے قصے سناتی رہتی ہیں اب ساری باتیں جھوٹ تو نہیں ہوسکتیں۔“

”ہمارے بزرگ سنی سنائی باتیں کرتے ہیں۔ نہ تو انہوں نے آنکھوں سے کسی بدروح کو دیکھا ہے نہ کسی مردے کو زندہ ہوتے دیکھا ہے۔ جو میرے پیچھے پڑ گیا ہے وہ مردہ نہیں زندہ ہے کوئی ایب نارمل شخص ہے۔“

”تم کیسے کہہ سکتی ہو؟“

”ابھی وہ فون پر کہہ رہا تھا کہ اس کے اپنے اسے پاگل کہتے ہیں اور وہ کہیں زیرِ علاج ہے۔“

”اگر وہ مردہ نہیں ہے تو وہ اس مردہ خانے میں کیسے پہنچ گیا تھا اور تم سے یہ کیوں کہہ رہا تھا کہ تمہاری حرارت ملتے ہی اسے نئی زندگی مل گئی تھی؟“

”میں نے کہا نا.... وہ کوئی ایب نارمل شخص ہے اور اسی طرح کی الٹی سیدھی باتیں کرتا رہتا ہے۔ پتا نہیں کیوں دیوانہ ہوگیا ہے۔ اتنی بڑی دنیا میں کیا میں ہی اے ہوں؟“

”مجھ جیسے دیوانے سے نہ پوچھو۔ اتنی بڑی دنیا صرف تم ہی تم دکھائی دیتی ہو۔“

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی پھر چپ ہوگئی۔ ایک ملازم دروازے پر دستک دی اس نے کہا ”آجاؤ......“

وہ کھانے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر آیا میں نے کہا ”آرڈر کے بغیر کھانا آگیا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔“

”میں جانتی ہوں۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ تمہارے آتے ہی میرے کمرے میں کھانا پہنچا دیا جائے۔“

ملازم چلا گیا میں نے پوچھا ”وہ کیا کہہ رہا تھا؟“

”وہی جو دیوانے کہا کرتے ہیں میں نے اسے سمج میرا خیال دل سے نکال دے میں کسی دوسرے کو چا ہوں۔“

”اسے یہ بھی بتایا ہوگا کہ وہ خوش نصیب میں ہوں“

”ہاں میں تو بڑے فخر سے تمہارا نام لیتی ہوں۔ میرے لیے فخر سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ صرف میرے ہو۔“

”یہ میری مجبوری ہے۔ میں خوشیوں سے محرو والی ایک لڑکی کا دل نہیں توڑنا چاہتا یہ بات تم سمجھنا چا سکتی ہو۔“

وہ چپ رہی ہم خاموشی سے تھوڑی دیر تک کھا۔ پھر میں نے پوچھا ”جب تم نے اسے صاف صاف کہ چاہتی ہو تو اس کا ردِعمل کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں۔ کہنے لگا وہ بہت پیار ہے ہمدرد ہے۔ مجھ سے کہہ رہا تھا اگر میں اس سے محبت نہیں کر بات نہیں دوستی تو کر سکتی ہوں۔“

”تم نے کیا جواب دیا؟“

”جواب دینے سے پہلے تم آگئے میں ے کر دیا۔“

”اگر وہ بیچارہ ایب نارمل ہے تو واقعی ہمدر ہے۔ بیچارا تمہیں تلاش کرتا پھر رہا ہے۔“

”وہ مجھے تلاش کر چکا ہے۔ لاہور کے اور گھروں کا پتا اسے معلوم ہو چکا ہے میں یہ سوچ کر پر کہ کہیں وہ یہاں نہ پہنچ جائے۔“

”وہ دیوانہ تمہاری محبت سے باز نہیں آ پریشان نہیں ہونا چاہئے ایک بار تو کم از کم ا

لینا چاہئے۔“

”میں نہیں ملوں گی مجھے اس سے ڈر لگتا ہے۔“

”جب تم کہتی ہو کہ وہ مردہ نہیں ہے تو پھر ڈرتی کیوں ہو؟“

”پتا نہیں کیوں؟ جب میں اس سے سامنا کرنے کا تصور کرتی ہوں تو وہ مجھے مردہ دکھائی دیتا ہے۔“

”ایک بار ملو گی تو دل سے ڈر نکل جائے گا۔ میری بات مانو اب اگر وہ فون کرے تو اس سے کہیں ملاقات کا وقت مقرر کرلو۔“

”شاید روبرو ملاقات نہ ہوسکے۔ وہ تو لاہور میں رہتا ہے۔“

”ایک بار اسے آواز دو وہ لاہور سے تو کیا دنیا کے آخری سرے سے بھی تمہارے پاس چلا آئے گا۔“

”ایسا کہتے ہوئے تمہیں حسد اور جلن محسوس نہیں ہو رہی ہے؟ وہ تمہارا رقیب بن رہا ہے۔“

”جو کمزور دل و دماغ کے لوگ ہوتے ہیں وہ رقابت محسوس کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں میرا مال کھرا ہے اس میں ملاوٹ نہیں ہوگی۔“

وہ خوش ہوکر مسکرانے لگی ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو اس کے فون کا بزر بجنے لگا۔ اس نے فون اٹھا کر اسکرین پر دیکھا پھر کہا ”وہی ہے مجھے کال کر رہا ہے۔“

”اس سے پہلے کہ وہ دیوانہ وار تمہارے گھر کی طرف دوڑتا چلا آئے اس سے کسی دوسری جگہ ملاقات کا وقت مقرر کرلو۔“

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا پھر پوچھا ”کیا تم اس طرح بار بار مجھے فون کرتے رہو گے؟“

”میں دل سے مجبور ہوں۔ ایک بار مردہ خانے میں تمہیں دیکھا تھا اس کے بعد پھر دیدار نصیب نہیں ہوا۔ تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”کیسے ملو گے؟ میں کراچی شہر میں ہوں۔“

”میں بھی اسی شہر میں ہوں۔“

وہ حیرانی سے بولی ”کیا تم یہاں چلے آئے ہو؟ دیکھو رے گھر کی طرف نہ آنا میں بدنام ہو جاؤں گی۔ کس کس کو اب دیتی پھروں گی کہ تم کون ہو اور کیوں اس طرح را پیچھا کر رہے ہو؟“

”مجھے آنا ہوتا تو بہت پہلے چلا آتا۔ تمہارے اس گھر کا پتا رے پاس ہے لیکن میں ملاقات کی رضامندی تم سے ہتا ہوں۔“

تم تو لاہور میں زیرِ علاج تھے۔“

”ہاں! میں نے ممی سے صاف صاف کہہ دیا کہ کراچی میں میرا علاج ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ میں علاج نہیں کراؤں گا۔ میں ان کا ایک ہی بیٹا ہوں۔ وہ بیوہ ہو چکی ہیں۔ ان کی تمام محبتوں کا مرکز میں ہی ہوں۔“

”تم کس ہاسپٹل میں ہو؟“

”میں کسی ہاسپٹل میں نہیں ہوں۔ یہاں بھی ہماری ایک کوٹھی ہے۔ میں اپنی ممی کے ساتھ یہاں رہتا ہوں اور ڈاکٹر یہیں میرا علاج کرتے ہیں۔“

”کیا اپنی ممی سے بات کرا سکتے ہو؟“

”ہاں میں نے ان سے تمہارا ذکر کیا ہے وہ بھی تم سے ملنا چاہتی ہیں۔“

”ٹھیک ہے تو ان سے بات کراؤ۔“

پھر نمرہ نے فون پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ”وہ اپنی ماں کے ساتھ یہاں ایک کوٹھی میں رہتا ہے ابھی ان سے بات کروا رہا ہے۔“

میں نے کہا ”یہ اچھی بات ہے تم اس کی ماں کی موجودگی میں اس سے ملاقات کر سکتی ہو۔ تمہارے دل میں کوئی خوف نہیں رہے گا۔“

فون پر اس کی آواز سنائی دی اس نے پہلی بار اسے نام سے مخاطب کیا ”نمرہ...... میری ممی سے بات کرو۔“

پھر فون پر ایک خاتون کی آواز سنائی دی ”ہیلو نمرہ......! میں جبران کی ماں بول رہی ہوں۔“

نمرہ نے کہا ”السلام علیکم...... آپ کے بیٹے نے کبھی اپنا نام نہیں بتایا آج پہلی بار آپ کی زبان سے یہ نام سن رہی ہوں۔“

خاتون نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا ”یہ تو دیوانہ ہے بیٹی اسے اپنا ہوش نہیں رہتا نام کیا بتائے گا۔ اس نے تو مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ تمہیں کب اور کہاں دیکھا‘ تم کیسی ہو کس مزاج کی ہو۔ بیٹی! تم جیسی بھی ہو میرے لیے باعثِ رحمت ہو کیونکہ تمہیں دیکھ لینے کے بعد اس کی زندگی کا رخ بدل گیا ہے۔“

”آنٹی! آپ اپنے صاحبزادے کو سمجھائیں مجھ سے ایسی توقع نہ رکھیں جو کبھی پوری نہ ہوسکے۔“

”بیٹی! ابھی ایسی مایوس کرنے والی باتیں نہ کرو۔ پہلے ایک بار ہم سے ملاقات کرلو۔ کہو تو میں تمہارے پاس آجاؤں یا پھر تم میرے پاس چلی آؤ۔ تم نے مجھے آنٹی کہا ہے‘ میں تمہیں ماں کا پیار دوں گی۔ اگر تنہا نہ آسکو تو کسی کو ساتھ لے آؤ۔“

''ٹھیک ہے میں کل کسی وقت آؤں گی۔''

''میں چاہتی ہوں کل ہمارے ساتھ لنچ کرو۔''

''نہیں آنٹی! لنچ تو نہیں کروں گی البتہ شام کی چائے آپ کے ساتھ پی لوں گی۔''

''تو پھر میں کل شام پانچ بجے تمہارا انتظار کروں؟''

''جی ہاں! میں ٹھیک پانچ بجے آپ کے گھر پہنچ جاؤں گی آپ اپنا پتا نوٹ کرا دیں۔''

خاتون نے پتا نوٹ کرایا نمرہ نے کہا'' یہ تو یہیں ڈیفنس کے علاقے میں ہی ہے میں آسانی سے پہنچ جاؤں گی۔ اچھا خدا حافظ۔''

اس نے فون بند کر دیا اور میری طرف دیکھنے لگی میں نے کہا'' یہ اچھی بات ہے کہ تم اس کی ماں کی موجودگی میں اس سے ملاقات کر سکو گی۔''

وہ مجھے گھور کر بولی'' تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے میں وہاں اکیلی جاؤں گی۔ میں نے تمہارے بھروسے پر ان سے ملاقات کا وعدہ کیا ہے' تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی۔''

''نہیں نمرہ!...... میری بات کو سمجھو وہ دیوانہ مجھے اپنا رقیب سمجھے گا۔ اگر تم کسی کنویں یا کھائی میں گرنے جاتیں تو میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑتا۔ میں جانتا ہوں تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ تم وہاں کسی کے ساتھ نہیں جاؤ گی۔ بالکل تنہا جا کر ان ماں بیٹے سے ملاقات کرو گی۔''

''میں نے اسے مردہ گھر میں دیکھا تھا تب سے میرے دماغ پر اس کی دہشت ہے۔''

''یہ تو طے ہے کہ وہ مردہ نہیں ہے اور تم جہاں جا رہی ہو وہاں اس کی ماں بھی موجود ہوگی۔''

پھر میں نے اپنی کرسی اس کے قریب کھسکالی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا'' تم نے دیکھا ہے میں سچی پیش گوئی کرتا ہوں اور جب میں کہہ رہا ہوں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تو تمہیں مجھ پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

اس نے بڑے اعتماد سے مجھے دیکھا پھر نظریں جھکا کر اپنا سر میرے شانے پر ٹکا دیا۔

☆☆☆

ذیشان بہت پریشان تھا اپنے کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔ اسما دروازہ کھول کر کھانے کی ٹرالی لے آئی پھر دروازے کو بند کرتے ہوئے بولی'' دفتر کی پریشانیاں گھر میں آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ چلیں کچھ کھالیں۔ کھانے کے بعد ہم واک کے لیے چلیں گے۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے تم کھالو۔''

''کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ بھوکے ہوں اور میں کھالیا ہو؟ یوں تو ایک دانہ بھی میرے منہ میں نہیں جا سکے گا۔''

''ضد نہ کرو اسما۔ مجھے سوچنے دو۔''

''ایسی کیا پریشانی ہوگئی ہے، کیا کوئی خطرناک مجرم درد سر بن گیا ہے؟''

وہ پلٹ کر بولا'' دردانہ دردِ سر بن گئی ہے۔ میرے لیے بڑی مصیبتیں کھڑی کر رہی ہے۔''

اسما نے ناگواری سے کہا'' وہ عورت تو ہمارے لیے مصیبت بنتی جا رہی ہے۔ کیا ابھی تک یہی کہتی ہے کہ جوان بیٹے کو آپ نے قتل کرایا ہے؟''

''ہاں وہ مجھے ہی اپنے بیٹے کا قاتل سمجھتی ہے۔ انتقام لینے کے لیے بڑے بڑے سرکاری اور سیاسی عہدے داروں تک پہنچ رہی ہے۔''

آپ آرام سے یہاں بیٹھ کر کھانا کھائیں اور مجھ سے باتیں کرتے جائیں ورنہ میں باتیں بھی نہیں سنوں گی اور بھوکی رہوں گی۔''

اس نے بے بسی سے اپنی محبوب بیوی کو دیکھا پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ اس کی طرف ایک ڈش بڑھاتے ہوئے بولی'' آپ نے شہباز درانی کے بارے میں بتایا تھا کیا وہ اس قدر وسیع ذرائع کا مالک ہے کہ دردانہ اُس کے ذریعے اوپر والوں تک پہنچ جاتی ہے؟''

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا'' میرے خلاف بڑے پیمانے پر انکوائری ہو رہی ہے۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ میں پولیس کی وردی میں چھپا ہوا ایک درندہ ہوں۔''

''جب آپ ایسے نہیں ہیں تو وہ یہ ثابت ہی نہیں کر سکیں گے۔''

''تم مجرمانہ ہتھکنڈے نہیں جانتی ہو۔ میرے متعلق مشہور ہے کہ جو مجرم ڈکیتی اور قتل وغیرہ کی وارداتوں میں ملوث ہونے کے باوجود عدالت سے بری ہو جاتا ہے میں کسی نہ کسی بہانے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں۔''

''آپ کے متعلق ایسا کیوں کہا جاتا ہے؟ کیا آپ ایسا کرتے ہیں؟''

وہ کھاتے کھاتے رک گیا۔ اس نے اسما کو سوچتی نظروں سے دیکھا پھر کہا'' ہاں میں ایسا کرتا ہوں۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ مجرم جرم کرے، بے گناہوں کو قتل کرے اور پھر دولت' طاقت اور رشوت کے ذریعے عدالت سے بری ہو جائے۔ میں نے ایسے کئی مجرموں کو ٹھکانے لگایا ہے

اس نے حیرانی اور بے یقینی سے ذیشان کو دیکھا پھر پوچھا'' کیا جواد کو بھی؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا'' میں جواد کو عبرتناک سزا دے کر چھوڑ دینا چاہتا تھا تاکہ دردانہ کو کچھ نصیحت حاصل ہو لیکن ایڈ ٹارچر سیل میں اس پر کچھ زیادہ ہی تشدد ہو گیا اور وہ چاہتے ہوئے بھی مارا گیا۔''

وہ اپنا لقمہ پلیٹ میں واپس رکھتے ہوئے بولی'' میں نہیں کھاؤں گی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اتنے ظالم ہیں؟''

''پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ ظلم نہیں ہے سچا انصاف ہے۔ ہر مجرم کو اپنے کیے کی سزا ملنی چاہیے۔''

''جب عدالت اپنا فیصلہ سنا دیتی ہے تو آپ فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ یہ حق آپ کو کس نے دیا ہے؟''

''میرے ضمیر نے' اور انسانیت کے تقاضوں نے۔ مجرموں کی سرپرستی کے باعث جرائم پھلتے پھولتے ہیں۔ اب قانون کو توڑ مروڑ کر عدالت میں پیش کیا جاتا ہے اور بڑے بڑے خطرناک مجرم پھر قتل و غارت کا بازار گرم کرنے کے لیے رہا ہو جاتے ہیں۔''

اس نے اسما کو دیکھا پھر کہا'' کھاتی رہو اور میری باتیں سنتی رہو ورنہ میں کھانا چھوڑ دوں گا۔''

وہ سر جھکا کر کھانے لگی اس نے کہا'' میں تاجر برادری سے تعلق رکھتا ہوں۔ ہمارے خاندان میں سب ہی بزنس کرتے ہیں صرف ایک میں ہی ہوں جس نے پولیس کی نوکری کی ہے۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ مجھ سے ناانصافی برداشت نہیں ہوتی۔ میں نے تعلیم حاصل کرنے کے دوران ہی سوچ لیا تھا کہ میں سپاہی بنوں گا ایسا سپاہی جو اپنی عدالت خود قائم کرتا ہے اور اپنے طور پر انصاف کر کے مجرموں کو قرار واقعی سزا دیتا ہے۔ میں ٹریننگ حاصل کرنے اور ترقیاں حاصل کرنے کے بعد ایک اعلیٰ افسر بن کر یہی کر رہا ہوں۔ میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں کسی کے ساتھ ناانصافی برداشت نہیں کر سکتا۔''

''میں مانتی ہوں آپ سچے ہیں، انصاف پسند ہیں، لیکن یہ نہیں سوچا کہ ایسا کرنے میں خطرات کتنے زیادہ ہیں؟ جن مجرموں کو آپ سزا دیتے ہیں ان کے ساتھی مجرم کیا آپ کو معاف کر دیں گے، کیا آپ کے خلاف کارروائی نہیں کریں گے اور کیا اب نہیں کر رہے ہیں؟''

''جو کر رہے ہیں کرنے دو۔ میں دو ہی باتیں جانتا ہوں۔ وہ میرے خلاف سازشیں کر کے میری وردی اتروا دیں گے اور جب میں اعلیٰ پولیس افسر نہیں رہوں گا میرے اختیارات ختم ہو جائیں گے تو وہ مجھے ایک عام آدمی کی طرح گولی مار دیں گے۔''

اسما کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی پھر وہ بولی'' آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے گولی کھانا بچوں کا کھیل ہے۔ اور یہ کھیل کھیلنے کے بعد میرا کیا ہوگا یہ آپ نے کبھی سوچا ہے؟''

اس نے کہا'' جب میں نے ممی کے سامنے پہلی بار پولیس کی وردی پہنی تو اپنے سینے پر انگلی رکھ کر کہا تھا جب تک یہاں گولی نہیں کھاؤں گا تب تک مجرموں کو جہنم میں پہنچاتا رہوں گا۔''

اسما دم سادھے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی اس نے پوچھا'' اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ تم نادان بچی تو نہیں ہو۔ کیا اتنا بھی نہیں جانتیں کہ سپاہی مارنے یا مرنے کے لیے میدان میں آتا ہے؟ یہ ضروری تو نہیں کہ ہم ہمیشہ مجرموں پر حاوی ہو جائیں۔ کبھی مجرم بھی ہم پر حاوی ہو سکتے ہیں۔''

فون کا بزر سنائی دیا ذیشان نے فون اٹھا کر دیکھا پھر کہا'' دردانہ کال کر رہی ہے میں جانتا ہوں کیا کہے گی؟''

اس نے بٹن آن کیا پھر اسے کان سے لگا کر کہا'' ہاں بولو۔''

وہ ہنستی ہوئی بولی'' ہائے ذیشان! تمہیں بڑا ناز تھا کہ تمہارے جیسے اعلیٰ افسر کا توڑ کوئی نہیں کرے گا۔ جو چاہو گے وہ کرتے رہو گے، اب اوپر والوں کی طرف سے جو انکوائری ہو رہی ہے کیسی لگ رہی ہے؟''

''مجھ سے کیا پوچھتی ہو نتیجہ جلد ہی سامنے آجائے گا۔ میں اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتا ہوں۔''

وہ پھر ہنستے ہوئے بولی'' اینٹ اور پتھر کا زمانہ گزر چکا ہے میں تو دیکھتے ہی دیکھتے بندوق کی گولی کی طرح تمہاری کھوپڑی کے آر پار ہو جاؤں گی۔ میرا مقتول بیٹا میرے اندر چیخ چیخ کر کہتا ہے ممی دیر نہ کریں ورنہ یہ چالباز افسر اندھیرا کر دے گا۔ اور میں اندھیرا ہونے نہیں دوں گی۔''

''کیا یہی ڈینگیں مارنے کے لیے فون کیا ہے؟''

''میں کچھ اور بھی کہوں گی لیکن اس سے پہلے اسما سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''جو بات کہنا ہے مجھ سے کہو۔''

''ڈرتے ہو کہ میں اس کے کانوں میں تمہارے خلاف زہر اگلنے لگوں گی؟''

''میرے خلاف ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ تم زہر اگل سکو۔ تم کچھ بھی کہو گی تو میری بیوی پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔''

''تو پھر فون اسے دیدو۔ اتنی بحث کیوں کر رہے ہو؟''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسما کو دیکھا پھر فون بڑھاتے ہوئے کہا ''یہ تم سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔''

اسما نے فون لے کر اپنے کان سے لگاتے ہوئے کہا ''ہیلو۔آپ مجھ سے کیا کہنا چاہتی ہیں؟''

وردانہ نے کہا ''تمہارے گھر میں ایک نجومی آیا ہے۔ سچی پیش گوئی کرتا ہے۔اسے اپنا ہاتھ دکھاؤ وہ تم کو بتادے گا کہ کیا ہونے والا ہے۔اور جو کچھ وہ بتائے گا وہ میں ابھی سے کہہ دیتی ہوں کہ اپنے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ ڈالو ابھی سے ننگی کلائیوں کو دیکھنے کی عادت ڈال ہو۔''

اسما نے کہا ''وردانہ تم کس سے یہ باتیں کررہی ہو؟ ایک سپاہی کی بیوی سے؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ جب میں ذیشان کی دلہن بن کر آئی تھی تو اس وقت وہ ایک پولیس انسپکٹر تھے۔میں نے سینے پر گولی کھانے والے ایک سپاہی سے نکاح قبول کیا تھا۔اتنے عرصے بعد مجھے چوڑیاں توڑنے کا مشورہ دے رہی ہو؟ بہتر ہے اپنا محاسبہ کرو اب تک کتنی بار شادیاں کرچکی ہو اور کتنی بار چوڑیاں توڑ چکی ہو۔کتنے شوہر بھگتا چکی ہو اور اب کس کی گود میں جا کر بیٹھی ہوئی ہو۔تمہاری جیسی بے شرم عورت تو کسی سے بات کرنے کے قابل ہی نہیں ہوتی۔''

یہ کہہ کر اسما نے فون بند کردیا ذیشان نے اس سے فون لے کر کہا ''شاباش!تم نے منہ توڑ جواب دیا ہے۔سپاہیوں کی بیویاں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔''

فون ایک بار پھر بولنے لگا۔ذیشان نے اسکرین پر دیکھتے ہوئے کہا ''اس عورت کو سکون نہیں ہے یہ مجھ سے کوئی خاص بات کہنا چاہتی ہے۔''

اس نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا ''کیا اب بھی سننے کے لیے کچھ باقی رہ گیا ہے؟''

''سنانے کے لیے رہ گیا ہے۔تم بہت چالاک بنتے ہو۔تم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ میں نے گرفتاری سے قبل حشمت کی ضمانت کیوں لی تھی؟''

''ہاں! میں تمہاری چالبازیوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔''

''اسی لیے تم نے اسے بڑی راز داری سے غائب کردیا اس ملک سے کہیں باہر بھیج دیا؟''

''کیا تمہیں تکلیف ہورہی ہے؟''

''نہیں۔راحت مل رہی ہے۔ملک سے باہر اسے ٹھکانے لگانے میں تو اور بھی آسانی ہوگی۔تم اس کے ہمدرد ہو اس لیے واردات سے پہلے اطلاع دے رہی ہوں۔اسے بچا سکتے ہو تو بچالو ورنہ اس کی موت تمہارے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوگی۔''

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کردیا ذیشان نے ناگواری سے فون کی طرف دیکھا پھر اس نے بھی اسے بند کرکے ایک طرف رکھ دیا اسما نے پوچھا ''اب کیا کہہ رہی ہے؟''

''حشمت کے پیچھے پڑگئی ہے اسے مار ڈالنا چاہتی ہے اور اس کی موت کا الزام میرے سر لانا چاہتی ہے۔''

وہ سہم کر بولی ''ذیشان! آپ کس مصیبت سے کھیل رہے ہیں۔پتا نہیں وہ بلا آپ کے خلاف کیا کرنے والی ہے۔''

وہ مسکرا کر بولا ''مجھے گھیر کر مارنے والی ہے۔یہ نہ بھولو کہ مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقتور ہے۔وہ قادر مطلق ہمارا معبود ہے مجھے صرف اسی پر بھروسا ہے۔اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسا ہو تو دشمنوں کا خوف دل ودماغ سے نکل جاتا ہے۔''

میں نے دروازے پر دستک دی اس نے کہا ''آجاؤ۔''

میں نے دروازے کو ذرا سا کھول کر اندر جھانکتے ہوئے پوچھا ''میں مخل تو نہیں ہورہا ہوں؟''

اسما نے مسکراتے ہوئے کہا ''نہیں مقدر!......آجاؤ''

میں نے کمرے میں آتے ہوئے کہا ''اندر روشنی دیکھ اس لیے چلا آیا۔''

ذیشان نے کہا ''صحیح وقت پر آئے ہو۔آؤ کھانے میں شریک ہوجاؤ۔''

''میں ایک گھنٹا پہلے نمرہ کے ساتھ کھا چکا ہوں۔آپ دونوں کچھ دیر میں کھانا کھا رہے ہیں۔''

''ہاں تمہارے بھائی جان کچھ زیادہ ہی پریشان ہیں۔کھانا نہیں کھانا چاہتے تھے میں زبردستی کھلا رہی ہوں۔''

میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے انجان بن کر پوچھا ''آپ پریشان ہیں؟ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کیا پریشانی ہے؟''

وہ کھانے سے فارغ ہوچکا تھا۔نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولا ''میں علم نجوم کو نہیں مانتا تھا لیکن تم نے یہاں ایک ایک کا ہاتھ دیکھا اور اتنی سچی باتیں بتاتی ہیں' سوچتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ ہاتھ کی لکیریں اس قدر سچ بولتی ہیں اور اس قدر تفصیل سے ساری باتیں بتا دیتی ہیں؟''

میں نے کہا ''آپ اس بات پر حیران نہ ہوں بلکہ ترس کھائیں مجھ سے ہمدردی کریں۔''

''کیا ہوا؟ تمہارے ساتھ کچھ ٹریجڈی ہورہی ہے؟''

''اس سے بڑا المیہ اور کیا ہوگا کہ جس کے ہاتھ کو د سچ بولتا ہوں وہ ہی مجھ سے ناراض ہوجاتا ہے اور دشمن بن

ہے۔میں نے یہاں آتے ہی کہا تھا کہ وردانہ بیگم میری سوتیلی ماں ہے میں ان کی عزت کرتا رہوں گا اور انہیں سگی ماں کا درجہ دیتا رہوں گا لیکن افسوس......''

میں نے بات ادھوری چھوڑی' وردانہ ان دونوں کے لیے چیلنج بنی ہوئی تھی۔وہ دونوں مجھے دلچسپی سے اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے میں نے کہا ''کل رات میں نے وردانہ بیگم اور شہباز درانی کے ہاتھوں کی لکیریں دیکھیں تھیں پھر دیکھنے کے بعد سچ بولنے لگا تو وہ دونوں ہی مجھ سے ناراض ہوگئے بلکہ دشمن بن گئے۔''

اسما نے کہا ''دیکھ لو......وہ عورت کیسے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی ہے۔تمہیں بیٹا بیٹا کہہ رہی تھی اور تم اسے ماں کہہ رہے تھے لیکن اس نے رشتے کا لحاظ بھی نہیں کیا۔سچ سن کر دشمن بن گئی۔کیا اب بھی اس سے رشتے داری رکھو گے؟''

میں نے کان پکڑتے ہوئے کہا ''میں تو اب بھی اس عورت کی طرف رخ نہیں کروں گا۔''

ذیشان کو شہباز درانی سے دلچسپی تھی وہ اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔اس نے کرسی کا رخ میری طرف کیا اور میرے روبرو ہوکر پوچھا ''کیا تم نے شہباز درانی کا ہاتھ دیکھا تھا؟''

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا اس نے پوچھا ''اس کے ہاتھ کی لکیریں کیا کہتی ہیں؟ تم تو ماضی' حال اور مستقبل کی سچی باتیں جان لیا کرتے ہو۔میں بھی اس کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتا ہوں' پلیز میری مدد کرو۔''

''بھائی جان آپ اس طرح التجا نہ کریں میں آپ کا چھوٹا بھائی ہوں آپ کے کام نہیں آؤں گا تو اور کس کے کام آؤں گا۔ویسے میں نے جو کچھ بھی اس کے بارے میں معلوم کیا ہے اس کا کوئی ثبوت میرے پاس نہیں ہے۔آپ اس کی اصلیت معلوم کرنے کے بعد اپنے ڈپارٹمنٹ والوں کو اس کا اصلی چہرہ دکھانا چاہیں گے تو کوئی یقین نہیں کرے گا۔''

''کوئی یقین کرے یا نہ کرے میں اس کا اصلی چہرہ دکھا کر رہوں گا۔''

''آپ مصیبت میں پڑ جائیں گے اس کے پیچھے سپر پاور ہے۔وہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملکوں کی کایا پلٹ دیتا ہے' ہم اور آپ کیا چیز ہیں؟''

''مجھے کچھ اندازہ تو ہے کہ وہ امریکی ایجنٹ ہے۔تم کھل کر بتاؤ۔''

''آپ وعدہ کریں کہ اس کے خلاف کھل کے کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔اسے اپنا دشمن نہیں بنائیں گے جو کرنا ہے وہ راز داری سے کرتے رہیں گے۔''

اسما نے کہا ''مقدر صحیح کہہ رہے ہیں۔آپ وعدہ کریں خواہ مخواہ اس سے دشمنی مول نہیں لیں گے۔''

اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا ''ٹھیک ہے میں وعدہ کرتا ہوں۔اس کے بارے میں وضاحت سے بتاؤ۔''

میں نے کہا ''شہباز درانی امریکی سی آئی اے کے مرکزی دفتر کا فارن آفیسر ہے۔اس نے وہاں کے ٹریننگ سینٹر میں کانسپریسی اور ڈپلومیسی (CONSPIRACY AND DIPLOMACY) کی باقاعدہ تربیت حاصل کی ہے۔ہر ملک میں سی آئی اے کا ایک خفیہ ہاتھ ہوتا ہے جو اس ملک کے چھوٹے بڑے سیاستدانوں کی کمزوریوں سے کھیلتا ہے اور اپنی مرضی کے مطابق وہاں سیاسی تبدیلیاں لاتا رہتا ہے۔''

ذیشان حیرت سے میری باتیں سن رہا تھا میں نے کہا ''اب ہم سمجھ سکتے ہیں کہ شہباز درانی جیسے خفیہ ہاتھ کو یہاں پکڑنے والا کوئی نہیں ہے۔جس نے بھی اس ہاتھ کو پکڑنا چاہا اسے پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا گیا۔طیارے کے حادثے میں ہلاک کرادیا گیا یا ملک بدر کردیا گیا۔''

اسما یہ باتیں سن کر سہم گئی تھی اس نے کہا ''ذیشان آپ نے وعدہ کیا ہے شہباز درانی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔''

وہ سخت لہجے میں بولا ''ہاں میں وعدہ کرچکا ہوں۔تم چپ رہو۔''

''میں خاموش نہیں رہوں گی۔آپ کے مزاج کو آپ کے غصے کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔آپ اپنے ملک کے کسی چھوٹے سے چھوٹے مجرم کو معاف نہیں کرتے ہیں تو بھلا شہباز درانی کو کب معاف کریں گے۔آپ تو ضد میں آکر اس کے خلاف کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہیں گے۔''

وہ جھنجلا کر بولا ''میں کچھ نہیں کروں گا۔اب خاموش ہوجاؤ یا یہاں سے چلی جاؤ۔''

میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا ''بھابی جان آپ خاموش ہوجائیں۔میں بھائی جان سے بات کررہا ہوں۔''

''مقدر میاں تم اپنے علم سے مجھے مطمئن کردو میں خاموش ہوجاؤں گی۔ان کا ہاتھ دیکھ کر بتاؤ یہ کیا کرنے والے ہیں ان کے مقدر میں سلامتی ہے یا نہیں؟''

ذیشان اسما کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا ''تم ٹھیک کہتی ہو' مقدر میاں سے مجھے رہنمائی مل سکتی ہے یہ میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر بہت کچھ بتا سکتے ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا دایاں ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ میں اسما اور ذیشان کے ہاتھوں کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا بہت کچھ جانتا تھا۔ لیکن فی الحال ان سے کچھ اہم باتیں چھپانا ضروری تھا۔

میں نے ذیشان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے دیکھا پھر یوں ظاہر کیا جیسے ہاتھ کی لکیروں کو توجہ سے پڑھ رہا ہوں پھر میں نے اسے اور اسماء کو دیکھا وہ گھبرا کر بولے'' کیا بات ہے مقدر میاں؟''

میں نے کہا'' فی الحال دشمن بھائی جان پر غالب آتے رہیں گے۔ یہ اپنے ایک ماتحت کی غداری کے باعث مصیبت میں پڑیں گے۔''

ذیشان نے کہا'' میرے تمام ماتحت وفادار ہیں۔ میرے لیے جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ تم کس ماتحت کی بات کر رہے ہو؟ کیا اس کا نام معلوم ہو سکتا ہے؟''

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا'' آپ کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر اس کا نام معلوم نہیں ہو سکتا البتہ اس کا ہاتھ دیکھ کر یہ معلوم کر سکوں گا کہ وہ آپ سے کیوں غداری کرنے والا ہے؟''

اسما نے پوچھا'' وہ کون ہو سکتا ہے ذیشان؟ تم اپنے ماتحتوں کو ٹٹولنے کی کوشش کرو۔ جلد سے جلد معلوم کرو کہ وہ غداری کرنے والا کون ہے؟''

'' میں محتاط رہوں گا اور اپنے ماتحتوں کو ٹٹولنے کی کوششیں کرتا رہوں گا۔''

اسما نے پوچھا'' کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ اپنے تمام ماتحتوں کو یہاں بلائیں یا مقدر میاں کو ان کے پاس لے جائیں یہ ان سب کے ہاتھ دیکھتے رہیں گے۔ کسی نہ کسی کے ہاتھ کی لکیر بتا دے گی کہ کون غداری کرنے والا ہے؟''

'' یہ بہت مشکل ہے' کیونکہ میرے دو چار ماتحت نہیں ہیں۔ یہاں میرے ماتحت افسر اور سپاہی درجنوں کی تعداد میں ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں سے اسلام آباد تک کتنے ہی راز دار آلۂ کار ہیں جو ضرورت کے وقت میرے کام آتے ہیں۔ مقدر میاں بھلا کہاں کہاں جا کر کس کس کے ہاتھ دیکھیں گے؟''

میں نے کہا'' یوں بھی میں سب ہی کے ہاتھ نہیں دیکھتا آپ لوگ میرے عزیز ہیں اس لیے دیکھ لیتا ہوں اور جو کہنا ہوتا ہے کہہ دیتا ہوں۔''

ذیشان نے کہا'' ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ شہباز درانی تو بڑے بڑے سیاسی گیم کھیلتا ہے۔ میرا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ پولیٹیکل نیٹ ورک کے ماہرین میں سے ایک ہے اور میں ایک معمولی پولیس افسر ہوں۔ اسے مجھ جیسے معمولی افسر کے خلاف انتقامی کارروائی کرنے کی فرصت کیسے مل جاتی ہے؟''

میں نے کہا'' وہ کہتے ہیں نا کہ عشق نچائے تھیّا تھیّا......

دردانہ کا عشق اسے نچا رہا ہے۔ وہ نوجوانی سے ہی اس کا عاشق رہا ہے۔ اسی کی خاطر وہ اپنی سطح سے نیچے اتر کر آپ کے خلاف سازشیں کر رہا ہے۔''

پھر میں نے قدرے توقف سے کہا'' وہ چاہے تو ایک منٹ میں آپ کی وردی اتروا سکتا ہے' اپنے آلہ کاروں کے ذریعے آپ کو ہلاک کرا سکتا ہے۔ لیکن ایک تو آپ کا سروس ریکارڈ بہت مضبوط ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ایسی کوئی حرکت کرنا نہیں چاہتا جس پر مرکزی سی آئی اے کے اعلیٰ عہدے داروں کو اعتراض ہو۔ اسے تاکید کی گئی ہے کہ چھوٹے چھوٹے معاملات میں اسے کبھی ملوث نہیں ہونا چاہئے اور ایسے معاملات میں کبھی اس کا نام نہیں آنا چاہئے۔ اسے تو صرف سیاسی گیمز کھیلنے کے لیے اس ملک میں رکھا گیا ہے۔''

اس نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا پھر کہا'' مقدر میاں...... دل نہیں مانتا کہ تم صرف نجومی ہو۔ تم معلومات کے خفیہ ذرائع رکھتے ہو۔ یہاں تک جانتے ہو کہ شہباز درانی کو کیسی کیسی ٹریننگ دی گئی ہے اور یہ کہ اسے اس ملک میں صرف سیاسی گیمز کھیلنے کے لیے رکھا گیا ہے۔ تم میرے بھائی ہو مجھے بھائی جان کہتے ہو کیا مجھ سے بھی اپنی حقیقت چھپاؤ گے؟''

'' جب میں نے شہباز درانی کو اس کی اصلیت بتائی اور اس کے بارے میں ایک ایک تفصیل بیان کرنے لگا تو وہ بھی یہی کہہ رہا تھا کہ میں نجومی نہیں ہوں۔ کسی ملک کی خطرناک تنظیم کا ایجنٹ ہوں اور اس کے بارے میں بہت سی خفیہ معلومات رکھتا ہوں۔ میں اسے یقین نہ دلا سکا لیکن وکیل اخلاق احمد آپ کو یقین دلا سکیں گے۔ وہ مجھے تقریباً پندرہ برس سے جانتے ہیں۔ میرا تعلق صرف بزنس سے رہا ہے میں نے کبھی سیاسی معاملات میں دلچسپی نہیں لی نہ میں سیاسی بازی گروں اور انڈر ورلڈ کے مجرموں کے بارے میں کچھ جانتا ہوں لیکن جب ان کے ہاتھ کی لکیریں پڑھ لیتا ہوں تو مجھے بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔''

'' کیا میرے ہاتھ کی لکیروں نے صرف اتنا ہی بتایا جتنا کہ تم کہہ چکے ہو؟''

'' آپ کے ہاتھ کی لکیریں بہت کچھ بتا رہی ہیں لیکن میں آگے کچھ بتانا نہیں چاہتا۔''

'' کیوں بتانا نہیں چاہتے ہم سے کچھ چھپا رہے ہو؟''

'' اس لیے کہ جب بھی میں کسی کے ذاتی اور گھریلو حالات بتاتا ہوں تو وہ مجھ سے ناراض ہو جاتا ہے۔''

اسما نے کہا'' ہم وعدہ کرتے ہیں تم سے ناراض نہیں ہوں گے' ہم سے کچھ نہ چھپاؤ۔''

'' بھائی جان کے ہاتھ کی لکیریں کہتی ہیں کہ وہ آپ کو دل و جان سے چاہتے ہیں' ہر معاملے میں یہ آپ کو اہمیت دیتے ہیں۔ ایک اہم معاملے میں یہ آپ کی خاطر اپنے ماں باپ تک سے جھوٹ بول رہے ہیں اور ساری دنیا کو دھوکا دے رہے ہیں۔''

اسما اور ذیشان نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ اس اہم معاملے کو سمجھ گئے' پھر بھی ذیشان نے انجان بن کر پوچھا'' یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں بھلا اپنے ماں باپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا اور دنیا والوں کو دھوکا کیوں دوں گا؟''

میں نے کہا'' بھائی جان آپ کے ہاتھ میں میں اولاد کی لکیریں ہیں۔ آپ باپ بن سکتے ہیں لیکن یہ حقیقت اپنے اور پرائے سب ہی سے چھپا رہے ہیں۔ کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟''

وہ دونوں ہی حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے' ذیشان نے کہا'' بھئی مقدر میاں' تم بہت ہی خطرناک آدمی ہو۔ تم سے کوئی چھپ کر نہیں رہ سکتا۔''

اسما نے کہا'' میری توبہ میں اب اور کچھ نہیں پوچھوں گی تم بھی اپنی زبان بند رکھو گے اور گھر والوں سے اپنے بھائی جان کی یہ حقیقت بیان نہیں کرو گے۔''

میں نے اٹھتے ہوئے کہا'' میں ایک کا راز دوسرے کو نہیں بتاتا آپ میری طرف سے مطمئن رہیں۔ بہر حال آدھی رات ہونے کو ہے اب میں اجازت چاہتا ہوں۔''

وہ دونوں مجھے کمرے کے باہر تک چھوڑنے کے لیے آئے اسی وقت موبائل فون کا بزر سنائی دیا ذیشان نے اپنے فون کو دیکھا پھر کہا'' بابر کی کال ہے۔''

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا اور کہا'' تم کہاں ہو اب تک گھر واپس کیوں نہیں آئے؟''

اسما نے کہا'' میں بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی ہوں۔ وہ میڈیکل رپورٹ لے کر کیوں نہیں آیا؟''

بابر نے کہا'' میں بھابی کی آواز سن رہا ہوں اور بہت شرمندہ ہوں اس لیے گھر نہیں آ رہا ہوں۔''

ذیشان نے پوچھا'' ایسی کیا بات ہو گئی ہے کہ تم شرمندہ ہو؟''

'' میری رپورٹ بھی آپ کی طرح نگیٹو ہے۔ میں بھی باپ نہیں بن سکوں گا۔''

'' اوہ گاڈ! یہ کیا کہہ رہے ہو؟''

ذیشان نے یہ کہتے ہوئے اسما کی طرف دیکھا اس نے پریشان ہو کر پوچھا'' کیا کہہ رہا ہے؟''

وہ بولا'' بیڈ نیوز...... اس کی میڈیکل رپورٹ نگیٹو ہے۔''

اسما کے ذہن میں جھٹکا سا لگا وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی پھر بولی'' نہیں میں نہیں مان سکتی۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ سمیرا کی سہیلی لیڈی ڈاکٹر ہے بابر اس کے ہاسپٹل میں کیوں چیک اپ کرانے گیا تھا؟''

'' اسما! بات کو سمجھا کرو۔ اسے سمیرا کو مطمئن کرنا تھا اور سمیرا اسی وقت مطمئن ہو سکتی تھی جب وہ اپنے اعتماد کے لوگوں کے پاس لے جا کر میڈیکل کراتی۔ اگر بابر اپنے اعتماد کے ڈاکٹر کے پاس جاتا اور بابر کی رپورٹ پوزیٹیو ہوتی تو تب بھی سمیرا یقین نہ کرتی۔''

اسما گم سم سی کھڑی رہی۔ اسے ایک اپنے دیور پر ہی بھروسا تھا کہ وہ شادی کرے گا دلہن کو گھر لائے گا تو اس سے اولاد ہو گی اور ساس سسر مطمئن ہو کر اس پر سوکن لانے والی باتیں کرنا چھوڑ دیں گے۔ اب دیور کا سہارا بھی ختم ہو گیا اس کی نگیٹو رپورٹ اسما کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجا رہی تھی۔ میں نے اب تک اسما کا ہاتھ دیکھنے سے پرہیز کیا تھا۔ میں نہ تو ہاتھ دیکھنا چاہتا تھا اور نہ ہی اسے بتانا چاہتا تھا کہ اس کی زندگی میں آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھاتی اور اپنی قسمت کا حال پوچھتی' میں چپ چاپ وہاں سے چلا آیا۔

☆☆☆

دوسرے دن سمیرا ڈیوٹی پر آئی۔ اس نے انٹر کام پر بابر سے پوچھا'' سر میں اندر آ سکتی ہوں؟''

اس نے کہا'' آ جاؤ۔''

اس نے اٹھتے اٹھتے پرس میں سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنے چہرے کا جائزہ لیا اور ہونٹوں پر لپ اسٹک کو درست کیا۔ اس نے جینز پر بغیر آستین کا بلاؤز پہنا ہوا تھا جو اتنا چھوٹا تھا کہ پیٹ ننگا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ روز ہی ایسے لباس پہن کر آتی تھی' جیسے ڈیوٹی پر نہیں مقابلہ حسن میں شریک ہونے کے لیے آ رہی ہو۔ وہ خراماں خراماں بابر کے دروازے تک پہنچی۔ اس کی چال بھی ایسی تھی جیسے اسٹیج پر کیٹ واک کر رہی ہو۔ آفس کا اسٹاف کام چھوڑ کر اسے دیکھنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

اس نے دروازے پر دستک دی'' مے آئی کم ان سر!''

اندر سے آواز آئی ''کم ان۔''

وہ دروازہ کھول کر مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''مورننگ سر!''

''مورننگ ...... بیٹھو!''

وہ اس کی میز کے سامنے والی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی پھر بولی ''آپ نے میڈیکل رپورٹ حاصل کر لی؟''

وہ فائل بند کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے بولا ''ہاں اور میں نے گھر والوں کو بتا بھی دیا ہے کہ میری رپورٹ نگیٹو ہے۔''

وہ مسکرا کر بولی ''آپ نے شادی سے کترانے کے لیے بڑی اچھی پلاننگ کی ہے اور کامیاب بھی ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر کو تو اچھی خاصی رشوت دی ہوگی؟''

وہ دراز کھول کر بھرے ہوئے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کی طرف پھینکتے ہوئے بولا ''اسے گن لو پورے پچاس ہزار ہیں اور بھول جاؤ کہ میں نے تمہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا تھا۔''

''سر! آپ شادی سے کتراتے کیوں ہیں؟''

وہ خشک لہجے میں بولا ''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔''

''سر جب آپ نے ایک مہنگے علاقے میں مجھے فلیٹ خرید کر دیا تو میں بہت خوش ہوئی تھی اور یہ سمجھ رہی تھی کہ آپ مجھے پسند کرنے لگے ہیں۔ لیکن آپ کبھی ایک منٹ کے لیے بھی میرے فلیٹ میں نہیں آئے۔ اس فلیٹ سے اس آفس تک ساری دنیا مجھے دیکھتی ہے لیکن آپ کبھی مجھے نہیں دیکھتے صرف کام کے وقت اور ضروری باتیں کرتے وقت مجھ سے نظریں ملاتے ہیں۔''

''ہوں......'' وہ ایک فائل اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا ''میں یہ ٹینڈر مکمل کر چکا ہوں اسے روانہ کر دو اور یہ رقم اپنے پرس میں رکھو۔ میں نہیں چاہتا کوئی اسے دیکھے۔''

اس نے فائل لے کر سامنے رکھی پھر نوٹوں کی گڈی اٹھا کر پرس میں رکھتے ہوئے بولی ''سر کسی کو الجھن میں نہیں ڈلنا چاہئے۔''

''کیا؟ میں نے تمہیں کسی الجھن میں مبتلا کیا ہے؟''

''بے شک ...... میں روز آئینہ دیکھتی ہوں اور اپنے آپ سے پوچھتی ہوں کہ مجھ میں کس بات کی کمی ہے۔ میں خوبصورت ہوں، پرکشش ہوں' کتنے ہی رشتے میرے لیے آتے ہیں۔ اچھا کھانے کمانے والے جوان مجھے پرپوز کرتے رہتے ہیں۔''

''تمہیں فوراً کسی سے شادی کر لینی چاہئے۔''

''میں آپ سے پوچھ رہی ہوں مجھ میں کس چیز کی کمی ہے؟''

''جب تم آئینہ دیکھتی ہو' خود کو خوبصورت اور پرکشش کہتی ہو تو پھر کمی کیسی؟ مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''جب آپ کو مجھ میں کوئی کمی نظر نہیں آتی تو پھر آپ مجھے پرپوز کیوں نہیں کرتے ہیں؟''

''سمیرا یہ آفس ہے۔ یہاں صرف کام کی باتیں کیا کرو۔''

''میرے لیے تو یہ بھی کام کی باتیں ہیں۔ آپ نے یہیں بیٹھ کر تو میرے ساتھ پلاننگ کی تھی کہ میں آپ کی محبوبہ بن کر آپ کے گھر جاؤں گی۔ میں کبھی شلوار قمیص نہیں پہنتی' دوپٹا مجھے بوجھ لگتا ہے' لیکن آپ کی خاطر میں نے شلوار قمیص کا سوٹ خریدا اور آپ کے گھریلو ماحول کے مطابق ایک مشرقی لڑکی بن کر گئی تھی۔''

اس نے دراز کی طرف ہاتھ بڑھایا ''تو کیا یہ کم ہیں؟''

وہ بولی ''نہیں نہیں میرا یہ مطلب نہیں۔''

تو وہ رکھائی سے بولا ''تم نے میری خاطر نہیں پچاس ہزار روپے کی خاطر سب کچھ کیا اور یہ رقم تم اپنے پرس میں رکھ چکی ہو۔''

اس نے رقم نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا ''میں سمجھ رہی تھی آپ میری کارکردگی سے خوش ہو کر مجھے انعام دے رہے ہیں اور مجھے خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں' مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ مجھے معاوضہ دے رہے ہیں؟ سوری! میں یہ رقم نہیں لوں گی۔''

''میں نے تو پہلے ہی تم سے کہا تھا کہ تمہیں پچاس ہزار روپے دوں گا۔''

''میں کیسے سمجھتی کہ آپ معاوضہ دینے کی باتیں کر رہے ہیں؟ میں نے معاوضہ کے لیے یہ کام نہیں کیا تھا۔ میں آپ کے دیئے گئے اس فلیٹ میں صرف یہ سوچ کر گئی تھی کہ آپ میری طرف مائل ہو رہے ہیں۔ اگر آپ کو شلوار سوٹ پسند ہے تو میں ویسا ہی لباس ساری زندگی پہنتی رہوں گی۔ جو آپ چاہیں گے کروں گی۔ آپ مجھے اپنے طور پر آزما کر دیکھتے رہیں کہ میں آپ کے معیار پر پوری اترتی ہوں یا نہیں۔''

وہ پلٹ کر وہاں سے جانے لگی تو بابر نے ناگواری سے کہا ''رک جاؤ۔''

وہ رک گئی اس کے دھڑکتے ہوئے دل نے کہا ''اب یہ متاثر ہوا ہے۔'' اس نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ ہاتھ کے

اشارے سے اسے بلا رہا تھا۔ وہ خوش ہو کر چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اس نے کہا ''تمہارے پچاس ہزار روپے دفتری اوقات تک میرے پاس امانت کے طور پر رہیں گے۔ اگر تم اسے قبول نہ کرنا چاہو تو شام کو اپنا استعفیٰ لکھ کر لے آنا میں تمہاری چھٹی کر دوں گا۔ اس کے بعد تمہیں وہ فلیٹ بھی چھوڑنا ہوگا۔ جاؤ اور شام تک اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔''

وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کئی بار آزما چکی تھی کہ اس کے سینے میں دل نہیں پتھر ہے۔ وہ خشک لہجے میں بولا۔ ''تم جا سکتی ہو۔''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی ''سر میں ایک بہت ہی اہم معاملے میں آپ کی راز دار ہوں کیا آپ کو یہ اندیشہ نہیں ہے کہ میں یہ راز فاش کر سکتی ہوں؟''

بابر نے پوچھا ''کون سا راز؟''

''میں آپ کی ممی اور ڈیڈی کے پاس جا کر کہہ سکتی ہوں کہ نہ تو میں آپ کی محبوبہ تھی اور نہ ہی میں آپ سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے ایک ڈراما کیا تھا اپنے بزرگوں کو دھوکا دینے کے لیے......''

اس نے کہا ''یہ فون رکھا ہوا ہے ریسیور اٹھاؤ اور میرے گھر کے نمبر ملا کر میرے ماں باپ سے جو کہنا چاہتی ہو ابھی اسی وقت کہہ دو۔''

''میں جو کچھ کہوں گی آپ اس کے جواب میں اعتراف کریں گے کہ آپ اپنے والدین سے فراڈ کر رہے تھے؟''

''ہرگز نہیں۔ میں اعتراف نہیں کروں گا کیونکہ میں کوئی فراڈ نہیں کر رہا ہوں۔''

''وہ میڈیکل سرٹیفکیٹ جو آپ نے گھر والوں کو دکھایا ہے جھوٹا ہے۔''

''تمہیں یہ سن کر افسوس ہوگا کہ وہ سرٹیفکیٹ غلط نہیں ہے۔ میڈیکل رپورٹ درست ہے۔ میں نیگیٹو ہوں کبھی باپ نہیں بن سکوں گا۔''

''میں اس میڈیکل رپورٹ کو چیلنج کروں گی۔ آپ کے والدین سے کہوں گی کہ وہ اپنے اعتماد کے کسی ڈاکٹر کے ذریعے دوبارہ چیک اپ کرائیں۔''

''اور مجھے اعتراض نہیں ایک بار نہیں دس بار چیک اپ کرائیں' ہر بار میری رپورٹ نگیٹو ہی ہوگی۔''

وہ بے یقینی سے بابر کا منہ تکنے لگی وہ بولا ''میں نے ڈاکٹر کو رشوت دی تھی اس سے کہا تھا کہ میری رپورٹ پازیٹیو ہو تو اسے نگیٹو بنا دیا جائے لیکن اس نے رپورٹ دیتے ہوئے کہا تھا نگیٹو بنانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ کیونکہ وہ پازیٹیو تھی ہی نہیں۔''

وہ بے یقینی سے بولی ''آپ جھوٹ بول رہے ہیں صرف مجھ سے اپنی بات منوانے کے لیے۔''

''اسی لیے تو چیلنج کر رہا ہوں' ایک بار نہیں دس بار میرا چیک اپ کرایا جائے تب بھی رپورٹ وہی نکلے گی جو میں پیش کر چکا ہوں۔''

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ وہ محبت سے، اداؤں سے، حکمتِ عملی سے یا پھر دھمکیوں سے اسے اپنی طرف جھکانا چاہتی تھی۔ وہ لڑکیوں کے معاملے میں پتھر تھا۔ وہ اس پتھر کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر کے اپنے قدموں میں لانا چاہتی تھی۔

اس کی آخری امید یہی تھی کہ وہ بابر کی راز دار بن رہی ہے اور وہ اپنی اس راز دار کو کسی نہ کسی دن شریکِ حیات بھی بنا لے گا۔ لیکن وہ اس راز داری کا انعام نہیں دے رہا تھا معاوضہ دے رہا تھا۔

اب آخری حربا یہی رہ گیا تھا کہ جھوٹی میڈیکل رپورٹ کے ذریعے اسے بلیک میل کیا جائے اور اپنی طرف جھکنے کے لیے مجبور کیا جائے لیکن وہ یہ کہہ کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر رہا تھا کہ وہ میڈیکل رپورٹ جھوٹی نہیں سچی ہے اور وہ سچ مچ کبھی صاحبِ اولاد نہیں ہو سکے گا۔

وہ تذبذب میں تھی۔ اس نے پوچھا ''کیا سوچ رہی ہو؟ ریسیور اٹھاؤ اور میرے والدین کو فون کرو، میرے خلاف جو بھی زہر اگل سکتی ہو اگلتی چلی جاؤ۔ لیکن اس کے بعد یہاں سے تمہاری چھٹی ہو جائے گی اور فلیٹ سے تم بوریا بستر سمیٹ کر چلی جاؤ گی میں تو اپنے گھر والوں کو مطمئن کر دوں گا، تم اپنے گھر والوں سے کیا کہو گی کہ دس ہزار روپے ماہانہ کی نوکری کیسے چھوٹ گئی؟ اور اس فلیٹ سے کیوں بے آبرو ہو کر نکلنا پڑ رہا ہے؟''

وہ بری طرح پھنس گئی تھی بابر کی کمزوری سے کھیلنا چاہتی تھی خود کمزور بن گئی تھی۔ لگی لگائی نوکری چھوٹنے والی تھی اور پچاس ہزار روپے بھی ہاتھ سے نکل رہے تھے۔ وہ سخت لہجے میں بولا ''کیوں بھولی بھالی لڑکیوں کی طرح سر جھکائے کھڑی ہوئی ہو' میرے والدین کو فون کرو کیا نمبر یاد نہیں ہے؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی ''سر مجھے فون کرنا ہوتا تو میں آپ سے بحث نہ کرتی یہاں سے جاتی اور چپ چاپ آپ کے والدین کو اصل حقیقت سے آگاہ کر دیتی۔ لیکن میں آپ کو دل و جان سے چاہتی ہوں۔ آپ کی عزت کرتی ہوں۔ کبھی آپ کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔''

''زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ تم میری مخالفت میں بولنے والی

تھیں لیکن میں تمہاری روزی پر لات نہیں ماروں گا۔ تمہیں ملازمت سے نہیں نکالوں گا لیکن جب کبھی تمہاری کسی سازش کا علم ہوا تو یہاں سے بڑی بے آبرو ہو کر نکلو گی...... ناؤ گیٹ آؤٹ۔''

وہ جانے لگی پھر اس نے رک کر چور نظروں سے پچاس ہزار کی گڈی کی طرف دیکھا بابر نے کہا ''میں نے تمہیں راز داری کا صلہ دیا تھا لیکن تم نے ثابت کر دیا کہ انعام کی مستحق نہیں ہو پھر بھی میں دینے کے بعد واپس نہیں لیتا۔ اسے اٹھاؤ اور یہاں سے جاؤ۔''

اس نے فوراً ہی نوٹوں کی گڈی کو اٹھا کر پرس میں رکھا اور اس کا شکریہ ادا کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ وہ ناگواری سے زیر لب بڑبڑانے لگا ''میں اسی لیے لڑکی ذات پر بھروسا نہیں کرتا۔ کسی کو دل سے نہیں لگاتا۔ کمبخت سب ہی مکار ہوتی ہیں۔ دولت کے پیچھے بھاگتی ہیں۔ اگر دولت حاصل نہ ہو تو فراڈ کرتی ہیں۔ مخالفت کرتی ہیں۔ کمینگی دکھانے لگتی ہیں۔ میری بھابی جیسی محبت کرنے والی وفا شعار عورتیں بہت کم ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں بھائی جان واقعی بہت خوش نصیب ہیں۔''

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو اسما کی آواز سنائی دی وہ خوشی سے چہک کر بولا ''بھابی جان آپ کی عمر بہت لمبی ہے' ابھی میں آپ ہی کو یاد کر رہا تھا۔''

''ہاں! اب جو مجھ پر سوکن کا عذاب نازل ہونے والا ہے اس سلسلے میں تم سوچتے ہو گے اور مجھے یاد کرتے ہو گے۔''

''میں آپ سے شرمندہ ہوں کہ آپ کے کسی کام نہیں آ رہا پھر بھی میرا یہ وعدہ ہے کہ آپ پر سوکن نہیں آنے دوں گا۔''

''تم کیسے روکو گے؟ کیا اپنے ماں باپ سے جھگڑا کرو گے؟''

''میرا لڑائی جھگڑا جائز ہو گا۔ کیونکہ بھائی جان کی رپورٹ بھی نگیٹو ہے۔ پھر ان کی دوسری شادی کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا ہے آپ ان کی میڈیکل رپورٹ کی موجودگی میں قانونی طور پر سوکن کو آنے سے روک سکیں گی۔ میں آپ کا ساتھ دوں گا اور آپ کو تو بھائی جان کی محبت پر ناز کرنا چاہئے وہ آپ کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔ وہ کبھی دوسری شادی نہیں کریں گے۔''

''تمہاری باتیں بڑا حوصلہ دیتی ہیں ویسے ایک خیال میرے دل میں پیدا ہو رہا ہے ہو سکتا ہے ڈاکٹروں سے کوئی غلطی ہوئی ہو انہوں نے توجہ سے چیک اپ نہیں کیا ہو یا تمہاری رپورٹ ٹائپ کرنے والے سے غلطی ہوگئی ہو۔ پازیٹیو کی جگہ نگیٹو لکھا گیا ہو۔''

''بھابی جان! آپ بھی بس بچوں جیسی باتیں کرتی ہیں۔ جس ڈاکٹر نے میرا معائنہ کیا ہے وہ بہت ہی تجربہ کار ہے اور ہر میڈیکل رپورٹ اچھی طرح چیک کرتا ہے۔ آپ خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں آپ پر کبھی سوکن نہیں آئے گی۔''

''بس یہ تمہاری تسلیاں ہی رہ گئی ہیں ورنہ میں وہموں اور اندیشوں میں مبتلا رہا کروں گی۔ مجھے بتاؤ سمیرا کا ردِ عمل کیا ہے؟''

''وہ مجھ سے مایوس ہو چکی ہے اور مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ آپ تو اچھی طرح جانتی ہیں میں عاشق مزاج لوگوں میں سے نہیں ہوں۔''

''شام کو آفس سے گھر آ رہے ہو یا کہیں جاؤ گے؟''

''میں سیدھا گھر آؤں گا۔''

وہ دونوں تھوڑی دیر تک باتیں کرتے رہے پھر رابطہ ختم ہو گیا۔ اسما اپنے دیور کو یہ بات نہیں بتا رہی تھی کہ ذیشان کی میڈیکل رپورٹ جھوٹی ہے اور وہ باپ بن سکتا ہے لہٰذا، اندیشہ ہمیشہ دل میں رہے گا کہ ساس اور سسر مجبور کریں تو وہ دوسری شادی نہ کر لے۔ وہ اپنے دیور کو دل و جان سے چاہنے کے باوجود ذیشان کی یہ حقیقت چھپا رہی تھی اور اسے بتانا نہیں چاہتی تھی کہ اندر ہی اندر کس کرب سے گزر رہی ہے۔

اسی طرح بابر بھی اس سے جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ اپنی بھابی کو ماں کا درجہ دیتا تھا اسے دل و جان سے چاہتا تھا لیکن بات چھپا رہا تھا کہ اس نے بھی جھوٹی رپورٹ بنوائی ہے اپنے بھائی کی طرح ہیرا پھیری کی ہے۔

☆☆☆

ذیشان نے اپنی پولیس وین میں تراب علی شاہ کی کوٹھی آ کر کال بیل دبائی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا' تراب علی۔ اسے دیکھ کر کہا ''ارے ذیشان میاں تم؟ آؤ اندر آ جاؤ خیریت ہے؟''

اس نے اندر آتے ہوئے کہا ''فی الحال خیریت ہے۔ بتائیں آپ کو اپنے بیٹے کی خیریت معلوم ہو رہی ہے یا نہیں؟''

''ہاں! وہ ہر دوسرے تیسرے دن فون کرتا ہے اور ہمیں اطمینان دلاتا ہے کہ جہاں بھی ہے خیریت سے ہے۔''

''کیا وہ اپنے موبائل فون سے رابطہ کرتا ہے؟''

''ہاں! کسی دوسرے فون سے کرے گا تو کوڈ نمبر کے ذریعے معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس ملک میں ہے؟ وہ فی الوقت کہاں ہے یہ ہم سے بھی چھپا رہا ہے۔''

''یہ احتیاطی تدابیر اچھی ہیں اسے اسی طرح محتاط رہنا ہے۔''

وہ دونوں صوفوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے تراب علی نے زم سے چائے لانے کو کہا'' پھر ذیشان سے پوچھا'' تم ہانگ کیسے آئے ہو کوئی خاص بات ہے؟''

''ہاں! دردانہ مجھے چیلنج کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ میں شمت کو جہاں بھی چھپاؤں گا وہ وہاں تک پہنچ کر رہے گی۔''

''سمجھ میں نہیں آتا یہ عورت ہمارے بیٹے کے پیچھے کیوں گئی ہے؟''

''آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ کیا آپ ابھی اس سے رابطہ کر سکتے ہیں؟ میں اس سے کچھ اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔''

تراب علی نے اسی وقت اپنے موبائل کے ذریعے بیٹے سے رابطہ کیا پھر اس سے پوچھا ''بیٹے تم کہاں ہو خیریت سے تو ہو نا؟''

اس نے کہا ''ڈیڈ......! میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ کبھی مجھ سے یہ نہ پوچھا کریں کہ میں کہاں ہوں۔ ویسے میں خیریت سے ہوں۔''

''یہ ذیشان میاں آئے ہوئے ہیں تم سے دو باتیں کرنا چاہتے ہیں لو ان سے بات کرو۔''

اس نے اپنا موبائل ذیشان کو دیا اور ذیشان فون کان سے لگاتے ہوئے بولا ''ہیلو حشمت کیسے ہو؟''

''آپ کی مہربانی ہے خیریت سے ہوں۔ کیا کوئی پریشانی کی بات ہے؟''

''ہاں کسی حد تک پریشانی کی بات ہے۔ وہ دردانہ تمہارے پیچھے پڑی ہوئی ہے اور چیلنج کر رہی ہے کہ تم جہاں بھی ہو وہ بہت جلد وہاں پہنچ جائے گی۔''

''اس کا باپ بھی یہاں تک نہیں پہنچ پائے گا۔''

''ایسی احمقانہ باتیں مت کرو۔ تم جہاں بھی جا رہے ہو وہاں تمہارے پاسپورٹ اور ویزا کے ذریعے تمہاری نشاندہی ہو سکتی ہے۔ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ تم پاکستان سے کس فلائٹ کے ذریعے روانہ ہوئے، کس تاریخ کو روانہ ہوئے تھے اور کہاں گئے تھے۔ شہباز درانی کا رائٹ ہینڈ اسد عزیزی بہت ہی خطرناک شخص ہے۔ وہ موت کے فرشتے کی طرح کہیں بھی پہنچ جاتا ہے۔ وہ اگرچہ پولیس والوں کی بلیک لسٹ میں ہے لیکن اتنی صفائی سے کام کرتا ہے کہ کبھی ہاتھ نہیں آتا۔''

''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

''تم جہاں بھی ہو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔ تم وہاں سے کسی ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں تمہیں اپنا پاسپورٹ اور دیگر ضروری کاغذات استعمال نہ کرنے پڑیں۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''جی ہاں! ذرا اور وضاحت چاہتا ہوں۔''

''تم یا تو جعلی نام سے جعلی پاسپورٹ بنوالو اور وہاں سے دوسری جگہ چلے جاؤ یا پھر چور راستے سے سرحد پار کر کے کسی دوسرے ملک میں پہنچ جاؤ۔''

''شکریہ ذیشان بھائی! میں آپ کی ہدایات پر عمل کروں گا۔''

''شاباش! جتنی جلدی ہو سکے وہاں سے نکل جاؤ۔''

حشمت اپنی محبوبہ لیڈی ڈاکٹر آرزو کے ساتھ ہانگ کانگ کے ایک ہوٹل میں تھا۔ ہوٹل کی بارہویں منزل پر اس کا کمرا تھا کمرے کی بالکنی سے دور تک سمندر اور ساحلی مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے فون بند کرتے ہوئے آرزو سے کہا ''ذیشان کہہ رہا ہے ہمارے لیے خطرہ ہے پاکستان اور ہانگ کانگ میں ہمارے پاسپورٹ اور ویزا کی انٹری دیکھ کر دشمن ہم تک پہنچ سکتے ہیں۔''

آرزو نے کہا ''ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ تم نے اس پہلو سے غور نہیں کیا تھا؟''

''یہ بات میرے دماغ میں آئی تھی پھر خود کو یہ کہہ کر تسلی دی تھی کہ دشمن صرف ہمیں اپنے ہی ملک میں تلاش کریں گے اور ناکام ہو کر چپ چاپ بیٹھ جائیں گے۔ لیکن وہ تو پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہے۔''

''اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ ویسے ہم جہاں بھی جائیں گے پاسپورٹ اور ویزا کے بغیر تو نہیں جا سکتے نا!''

''ذیشان نے ہمیں دو راستے بتائے ہیں یا تو ہم فوری طور پر جعلی پاسپورٹ بنوائیں اور اس کے ذریعے کسی دوسرے ملک کی طرف چلے جائیں یا پھر چور راستوں سے سرحد پار کریں۔''

''چور راستوں سے خطرہ ہے ہمیں اسمگلروں کے رحم و کرم پر بھی رہنا ہو گا۔ ہمارے پاس خاصی بڑی رقم ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ کسی کے ہاتھ لگے۔''

وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا ''یہاں بیٹھ کر پاسپورٹ بنوانے میں دو چار دن تو لگیں گے دن رات یہ دھڑکا لگا رہے گا کہ دشمن یہاں نہ چلے آئیں۔ بہتر یہ ہو گا کہ ہم سمندری راستے سے کولون چلے جائیں۔ وہاں جانے کے لیے پاسپورٹ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم وہاں آرام سے بیٹھ کر دو چار روز میں جعلی پاسپورٹ تیار کروائیں گے اور پھر کسی دوسری طرف نکل جائیں گے۔''

''جانے کے لیے خصوصی اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا

ہے وہ اجازت نامہ یہاں کے سی پورٹ والے دفاتر میں ہوگا کیا دشمن اس کے ذریعے ہمارے پیچھے کولون تک نہیں آ ئیں گے؟‘‘

’’تم یہاں آرام کرو میں سی پورٹ کی طرف جارہا ہوں وہاں ایسے اسپیڈ بوٹ والے بھی ہیں جو رشوت لے کر کسی اجازت نامے کے بغیر چپ چاپ کولون پہنچا دیتے ہیں۔ میں ابھی ان سے معاملات طے کرکے آتا ہوں۔‘‘

حشمت کے جانے کے بعد آرزو دروازہ بند کرکے بیڈ پر لیٹ گئی۔ ابھی اسے لیٹے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ کال بیل کی آواز سنائی دی اس نے دروازے کے قریب آکر پوچھا۔ ’’کون ہے؟‘‘

باہر سے آواز آئی ’’روم سروس۔ میڈم!‘‘

اس نے دروازہ کھول دیا لیکن اسے کھولتے ہی ایک دم سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ سامنے ہی اسد عزیزی اپنے چند مسلح حواریوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ پہلے بھی اسد عزیزی کو اپنے کلینک میں دیکھ چکی تھی، سہم کر بولی ’’تم......؟ تم اور یہاں...؟‘‘

وہ اندر آتے ہوئے بولا ’’موت ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔ تم اپنے عاشق کے ساتھ کہاں تک بھاگتی پھرو گی؟‘‘

اس کے حواری باتھ روم کے اندر جاکر دیکھنے لگے پھر ایک نے کہا ’’باس وہ یہاں نہیں ہے۔‘‘ اسد عزیزی نے پوچھا ’’بولو حشمت کہاں ہے؟‘‘

وہ سہم کر پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک دیوار سے جاکر لگ گئی۔ اسد عزیزی نے کہا ’’سیدھی طرح بتا دو گی تو زندہ رہو گی ورنہ ہم تمہیں مار ڈالیں گے اور یہیں اس کا انتظار کرتے رہیں گے۔ وہ کبھی نہ کبھی تو واپس آئے گا۔‘‘ اسد کے ایک ساتھی نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کیا وہ سہم کر بولی ’’مجھے مت مارو میں مرنا نہیں چاہتی۔ وہ ابھی پندرہ منٹ پہلے بازار گیا ہے۔ ایک آدھ گھنٹے میں واپس آجائے گا۔‘‘

اسد عزیزی نے کہا ’’میں نہیں چاہتا اس ہوٹل میں خون خرابا ہو۔ اپنی زندگی چاہتی ہو تو اس کا صحیح پتا بتاؤ۔‘‘ وہ کشمکش و پیچ میں تھی کہ ایک حواری اس کے بیگ کو کھول کر دیکھنے لگا وہ چیخ کر بولی ’’خبردار اسے ہاتھ نہ لگانا۔ اس میں میری رقم ہے۔‘‘

اسد عزیزی نے پوچھا ’’کتنی رقم ہے؟‘‘

’’پانچ لاکھ روپے ہیں۔‘‘

’’صرف پانچ لاکھ روپے......؟ میں تمہیں دس لاکھ دوں گا بیس لاکھ دوں گا۔ فوراً اس کا پتا بتاؤ۔ میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ اس وقت تم اپنا مقدر چمکا سکتی ہو۔ تمہیں نہ صرف دس لاکھ روپے ملیں گے بلکہ زندگی بھی ملے گی۔ بے... نہیں مرو گی۔ ادھر وہ مرتا ہے تو مرنے دو۔ تم یہاں سے خاصی رقم لے کر پاکستان واپس جاسکو گی۔‘‘

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر بڑے بڑے ... نکالے پھر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ’’یہ دس لاکھ ... بھی زیادہ ہیں۔‘‘

آرزو نے ہاتھ بڑھا کر وہ رقم لے لی۔ اس وقت ... کے ذہن میں یہی بات سما گئی تھی کہ زندہ رہنا ہے اور ... کے ساتھ اسے مزید روپے بھی مل رہے ہیں۔ حشمت خط... سے کھیلتا جارہا ہے کسی وقت بھی حرام موت مارا جائے ... میں کیوں اس کے ساتھ خوا مخواہ ماری جاؤں۔ اسد عز... نے سخت لہجے میں کہا ’’جلدی بولو وہ کہاں ہے؟‘‘

وہ بولی ’’ابھی ذیشان نے ہم سے فون پر کہا ہے یہ ... چھوڑ دیں۔ اپنا پاسپورٹ اور ویزا استعمال کیے بغ... دوسرے ملک چلے جائیں۔ فی الحال ہمارے لیے یہی ص... تھی کہ کولون کی طرف چلے جائیں۔ حشمت اسی مقص... لیے پورٹ کی طرف گیا ہے تاکہ وہاں کسی ملاح سے معا... طے کرے اور ہم کسی اجازت نامے کے بغیر ہی یہاں ... کولون پہنچ جائیں۔‘‘

اسد عزیزی نے اپنے ایک اور حواری کو مخ... کیا ’’زبیری، تمہارا شکار سی پورٹ ایسٹ میں ہوگا۔ وہاں ... ملاح رشوت لے کر ضرورت مندوں کو کولون پہنچا دیتے ... فوراً جاؤ حشمت وہیں ملے گا۔‘‘

’’یس باس! میں ابھی جارہا ہوں۔‘‘

’’تمہاری واپسی تک میں اس عورت کے ساتھ رہوں گا۔ تم جب فون پر بتاؤ گے کہ اسے ٹھکانے لگا چکے ... میں اس حسینہ کو کچھ اور انعامی رقم دے کر یہاں سے چلا ... گا۔‘‘

زبیری اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا ... عزیزی نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے کہا ’’... اتارو اور جاکر شاور لو میں صاف ستھرا بدن پسند کرتا ہوں‘‘

وہ ذرا پیچھے ہٹ کر بولی ’’یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں ... نہیں ہوں۔‘‘

’’جو ایسی نہیں ہوتی میں اس کی ایسی کی تیسی ... ہوں۔ جو کہہ رہا ہوں فوراً کرو۔‘‘

اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ سہمی ہوئی تھی ... ہو کر اپنے بدن سے چھلکے اتارنے لگی۔

حشمت سی پورٹ ایسٹ کے اس حصے میں پہنچا جہاں ساحل پر دور تک کشتیاں ہی کشتیاں ایک دوسرے...

...تھیں۔ وہاں سے مختلف جزیروں کی طرف جانے ...ور آنے والوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ اچھی خاصی چہل... حشمت نے ایک دلال سے ملاقات کی پھر اسے بتایا ...ی اجازت نامے کے بغیر کولون جانا چاہتا ہے۔ دلال ...’’آدھے گھنٹے بعد ان کشتیوں پر آؤ، لین دین کی بات ...ے گی۔‘‘

...دلال وہاں سے چلا گیا۔ حشمت ساحلی ریسٹورنٹ ...کاؤنٹر پر آکر کھڑا ہوگیا اور چائے پیتے ہوئے وقت ...نے لگا۔ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ ان کشتیوں کی طرف ...ایک کشتی پر چڑھ کر دوسری کشتی پر جانے لگا۔ وہ کشتیاں ...دوسرے کے ساتھ ایسے لگی ہوئی تھیں کہ اپنی مطلوبہ کشتی ...پہنچنے کے لیے دوسری کشتیوں پر سے گزرنا پڑتا تھا۔ ...کشتی پر دلال ایک ملاح کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ...یہ تمہیں کولون لے جانے کے لیے راضی ہے آدھی رات ...ندتاریکی میں جاسکو گے، کیا تم اکیلے ہو؟‘‘

’’نہیں میرے ساتھ میری بیوی ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے دو آدمیوں کے بیس ڈالر لگیں گے اور یہ ...ت سے تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔‘‘

حشمت نے کہا ’’مجھے منظور ہے۔‘‘

’’تو پھر پانچ ڈالر ایڈوانس کے طور پر ابھی دے دو اور ...رات بارہ بجے یہاں چلے آؤ۔‘‘

اس نے جیب سے پانچ ڈالر نکال کر اس ملاح کو دیے۔ ...ن موت سے بچنے کے لیے کیسے کیسے جتن کرتا ہے، دشمنوں ...یسی کیسی آنکھ مچولی کھیلتا ہے پھر بھی موت کی آنکھوں پر پٹی ...باندھ سکتا۔ وہ اسے ہر جگہ دیکھ لیتی ہے۔ اسے اپنے پیچھے ...از سنائی دی ’’ہیلو حشمت......!‘‘

اس نے چونک کر پلٹتے ہوئے دیکھا۔ کچھ فاصلے پر تین ...ی بندوقیں لیے ہوئے کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک شخص ...کہا ’’میرا نام زبیری ہے۔ میں ایس پی ذیشان کا خاص ...ہوں یوں سمجھ لو کہ ہم تمہارے ذیشان بھائی کی طرف سے ...ت کے فرشتے بن کر آئے ہیں۔‘‘

یہ کہتے ہی انہوں نے اپنی اپنی گنیں سیدھی کیں تڑا... ...فائرنگ شروع ہوگئی۔ اسے اِدھر اُدھر دو گولیاں لگیں لیکن ...موت نہیں آئی۔ اس نے فوراً ہی گہرے پانی کی طرف ...چھلانگ لگا دی وہ تینوں مختلف کشتیوں پر چھلانگیں لگاتے ...ہوئے گہرے پانی کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ ڈوبنے کے بعد ...ابھر رہا تھا۔ اور تیر کر دوسری طرف نکل جانا چاہتا تھا لیکن ...گولیاں کھانے کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں میں اتنی سکت نہیں ...رہی تھی کہ وہ تیزی سے تیر کر کشتیوں کے نیچے سے نکل کر چھپتا چھپاتا کہیں جاپاتا۔ وہ جہاں بھی کشتیوں کے نیچے جارہا تھا، وہ تینوں بھی چھلانگیں لگاتے ہوئے اس کے پیچھے تھے اور پانی میں فائر کرتے جارہے تھے۔

وہ زیادہ دیر تک پانی میں ڈوبا نہیں رہ سکتا تھا۔ سانس لینے کے لیے اس نے سر ابھارا تو ایک گولی آکر اس کی کنپٹی میں سوراخ کرتی ہوئی دوسری طرف سے نکل گئی۔ سمندر کا ساحلی پانی سرخ ہونے لگا۔

آرزو شاور لے کر کمرے میں آئی، دوسرا لباس پہننے لگی اسد عزیزی نے کہا ’’اس وقت تم بالکل پاک صاف ہو۔ کیا کبھی تم نے نماز پڑھی ہے؟‘‘

وہ اس سوال پر چونک گئی۔ سوچنے لگی، جب وہ میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھی تب ایک بار نماز پڑھی تھی۔ اسد نے کہا ’’سوچتی کیا ہو آخری نماز پڑھ لو۔‘‘

وہ سہمی ہوئی تھی۔ دوپٹا فرش پر بچھا کر کھڑی ہوگئی اسے کچھ پڑھنا نہیں آتا تھا اس نے زیر لب کچھ بڑبڑا کر دونوں ہاتھ باندھ لیے، جیسے نماز پڑھ رہی ہو۔ اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ یہ کونسی نماز کا وقت تھا اور اسے کتنی رکعت پڑھنی چاہئیں۔

وہ قہقہہ لگا کر بولا ’’مجھے بھی نماز یاد نہیں کہ کس وقت کتنی رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ ہم نہیں پڑھتے تو دوسرے ہماری آخری نماز پڑھتے ہیں۔ چلو اب دوسروں کو ہی پڑھنے دو۔‘‘

یہ کہہ کر اس نے سائلینسر لگے ہوئے ریوالور سے نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ ریوالور نے شور نہیں مچایا لیکن اس کے حلق سے آخری چیخ نکلی۔ اور وہ فرش پر بچھے ہوئے اپنے ہی دوپٹے پر گر پڑی۔

تقدیر میں موت لکھی تھی۔ وہ دونوں تدبیر سے بچتے آرہے تھے لیکن وہ وہیں جا پہنچے جہاں موت لکھی گئی تھی۔ ایک نے اپنے دوپٹے کو بچھا کر اس پر جان دی۔ دوسرا غرقِ سمندر ہوا۔ ایسے تماشے میں ہی دکھاتا ہوں۔ کیونکہ میں مقدر ہوں۔

اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مرجاتا ہوں
مقدر ہوں۔ میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیش آنے والے واقعات کی آگہی نہیں دی۔ اگر آگہی کا یہ علم بندوں کو دیتا تو کیا ہوتا؟ بندہ اپنی زندگی اور موت، تکلیف و راحت اور نفع نقصان کے بارے میں معلومات کرتا رہتا۔

ویسے دیکھا جائے تو انسان کو مستقبل میں پیش آنے والی باتیں کسی حد تک معلوم ہو جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ غلطیاں کرتا ہے۔ جیسے حشمت ہی کو یہ خوف تھا کہ ذیشان کے آدمی اسے گولی مار دیں گے اس لیے وہ آرزو کے پاس جا کر چھپ گیا۔

آرزو ایک ڈاکٹر تھی۔ اچھی خاصی سمجھ دار تھی۔ وہ بھی یہ سمجھ سکتی تھی کہ ایک مفرور کو پناہ دے گی تو وہ بھی مصیبت میں پڑے گی لیکن ایک تو حشمت موٹی آسامی تھا اور اس پر ہزاروں روپے خرچ کیا کرتا تھا اور سے پھر اسے پناہ دینے کے صلے میں پانچ لاکھ روپے ملے بھی تھے۔ وہ رقم کے لالچ میں بھول گئی تھی کہ حشمت کی موت اس کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔

موت کی آگہی مل چکی تھی اس لیے وہ اپنے ملک سے فرار ہو گئے تھے۔ ہر شخص موت سے بچنے کی تدابیر کرتا رہتا ہے۔ یہ دونوں بھی انہی تدابیر پر عمل کرتے ہوئے پاکستان سے ہانگ کانگ پہنچ گئے تھے اور جب وہاں بھی انہیں موت نظر آئی تو انہوں نے کولون جانے کا ارادہ کیا مگر انسان کب موت سے بچ سکتا ہے، کب تک.... اپنی تدبیریں آزما سکتا ہے۔ اسے یہ تو کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی موت کب اور کہاں واقع ہو گی؟

بعض مرنے والے اپنی موت کے بعد دوسروں کے لیے مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کر دیتے ہیں۔ اب حشمت کی موت ذیشان کے لیے طرح طرح کے مسائل پیدا کرنے والی تھی۔ میں نے ذیشان اور اسما کے پاس بیٹھ کر پیش گوئی کی تھی کہ دشمن اس پر غالب آتے رہیں گے اور آئندہ اس کے ساتھ یہی ہونے والا تھا۔

☆☆☆

نمرہ پہلی بار اس عاشق کے گھر جا رہی تھی جسے پہلے مردہ سمجھا گیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ایب نارمل ہے پھر نمرہ نے اس کی والدہ سے گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ اس ایب نارمل عاشق کا نام جبران ہے۔ وہ ماں بیٹے نمرہ سے ملنا چاہتے تھے اور وہ تنہا ان سے ملاقات سے گھبراتی تھی۔ میں نے اسے حوصلہ دیا کہ اسے پہلی بار جبران سے ملنے کے لیے تنہا ہی جانا چاہیے۔

اب سے پہلے میں کئی سچی پیش گوئیاں کر چکا [illegible] لیے نمرہ کو یقین ہو گیا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ ضرور [illegible] ہے۔ وہ جبران سے ملاقات کرنے جائے گی تو [illegible] نقصان نہیں پہنچے گا پھر بھی اس نے کہا ”تم کہتے ہو [illegible] ان سے ملنے بھی جاؤں گی، لیکن تمہیں میرے ساتھ [illegible] تک ضرور چلنا ہوگا۔ میں صرف آدھے گھنٹے کے [illegible] جاؤں گی۔ تم باہر میرا انتظار کرنا۔“

میں نے کہا ”آدھے گھنٹے کی ملاقات سے کوئی [illegible] بنے گی۔ تمہارا وہ دیوانہ تمہارے ساتھ زیادہ سے ز[illegible] گزارنا چاہے گا۔“

”اس کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اچھا چلو [illegible] سے زیادہ ایک گھنٹا وہاں رہوں گی۔“

وہ کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ میں اس کے برابر وا[illegible] بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کوٹھی کے قریب جا کر گاڑی ر[illegible] میں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”دیکھو [illegible] چھوٹا سا کیفے ہے۔ میں وہاں تمہارا انتظار کروں گ[illegible] گھنٹے میں چلی آنا۔“

میں کار سے اتر گیا اور وہ اسے ڈرائیو کرتی ہو[illegible] احاطے کے اندر چلی گئی۔ وہ ماں بیٹے بے چینی [illegible] انتظار کر رہے تھے۔ ملازم نے جیسے ہی اطلاع دی [illegible] گاڑی میں آئی ہے“ وہ دونوں کوٹھی کے باہر [illegible] جبران نے نمرہ کو ایک ہی بار مردہ خانے میں دیکھ[illegible] تصور میں دن رات اسے دیکھتا رہتا تھا۔ اس کی ص[illegible] میں نقش ہو گئی تھی۔ اس نے اسے دیکھتے ہی اپنی [illegible]

”ماما یہی ہے نمرہ!“

نمرہ نے اسے ایک بار لاہور کے شاپنگ سینٹ[illegible] تھا۔ وہ اتنا خوب رو اور اسمارٹ تھا کہ اسے ایک با[illegible] بعد بھلایا نہیں جا سکتا تھا۔ نمرہ کے ذہن میں بھی ا[illegible] نقش ہو گئی تھی۔ اس نے جبران کی ماں کے سامنے [illegible] کر آداب کیا۔ ماں اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دع[illegible] ہوئے بولی ”بیٹی تم نے یہاں آ کر ہمارا دل خوش [illegible] آؤ اندر چلو۔“

جبران اسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ جیسے [illegible] بھول گیا ہو۔ اس کی نگاہوں سے بے اختیار محبت [illegible] تھی۔ وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔ جبر[illegible] چاہتا تھا لیکن بول نہیں پا رہا تھا، بس اسے دیکھے ج[illegible] کی ماں نے کہا ”بیٹی! ہم تو چاہتے تھے کہ تم لنچ [illegible] اور ہمارے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارو۔

[illegible] تم یہاں رات کے کھانے تک رک جاؤ؟“

[illegible] مجھے افسوس ہے ابھی ایک گھنٹے کے اندر مجھے واپس [illegible]۔ ورنہ ممی اور ڈیڈی پریشان ہو جائیں گے۔ وہاں بھی [illegible] آنے والے ہیں۔“

[illegible] جبران نے پوچھا ”نمرہ تمہیں بادام کا حلوا پسند ہے؟“

[illegible] میں میٹھا زیادہ نہیں کھاتی لیکن کبھی کبھی شغل کے طور پر [illegible] ہوں۔“

[illegible] ماں نے کہا ”ایک حکیم صاحب نے جبران کی دماغی [illegible] کے لیے بادام کا حلوا کھانے کا مشورہ دیا ہے۔“

[illegible] جبران اٹھتے ہوئے بولا ”میں ابھی کچھ اسنیکس اور [illegible] لے کر آتا ہوں۔“

[illegible] نمرہ نے کہا ”پلیز تم تکلیف نہ کرو کسی ملازم سے کہہ دو وہ [illegible] لے آئے گا۔“

”نہیں۔ جب بھی تم سامنے آؤ گی کوئی ملازم ہمارے [illegible] نہیں آئے گا۔“

پھر وہ اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے بولا ”میری ماما بھی [illegible] نہیں کریں گی۔ صرف میں کروں گا۔ میں ابھی چائے [illegible] کر لاتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ جانے لگا۔ ماں اسے بڑے دکھ سے دیکھ رہی [illegible]۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے کہا ”بیٹی نمرہ! [illegible] بڑی دنیا میں یہی میرا ایک بیٹا ہے۔ میں بیوہ ہوں [illegible] پیسے کے معاملے میں کبھی کسی کی محتاج نہیں رہتی لیکن [illegible] بیٹے کے پیار کی محتاج ہوں۔ یہی میری کل کائنات ہے [illegible] اب......“

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ نمرہ نے پوچھا ”لیکن اب [illegible]......؟“

”اب میں تمہاری محتاج ہو گئی ہوں۔“

نمرہ نے حیرانی سے پوچھا ”میری محتاج......؟ یہ آپ کیا [illegible] رہی ہیں؟“

”ہاں...... میرا بیٹا جو بھی فرمائش کرتا ہے۔ میں اسے [illegible] کر دیتی ہوں۔ دنیا کی مہنگی سے مہنگی چیز اس کے قدموں [illegible] لا کر ڈال دیتی ہوں لیکن اس بار وہ تمہاری خواہش کر رہا [illegible] ہے۔ تم غریب یا محتاج نہیں ہو۔ تمہارے ڈیڈی اچھے خاصے [illegible] لت مند ہیں۔ یہ میرا اندازہ ہے کہ تم بھی خوددار ہو میں [illegible] نہیں تو دولت سے نہیں خرید سکتی۔“

پھر وہ صوفے پر پہلو بدل کر بولی ”میرا بیٹا کہہ رہا تھا، تم [illegible] کی دوسرے کو چاہتی ہو۔ یہ بات اس کے اندر مایوسی، بے [illegible] نگی اور جنون پیدا کر رہی ہے۔ میں نے اسے سمجھایا ہے کہ صبر کرنا چاہیے میں اس کے لیے کچھ کروں گی۔ جبکہ ایک عورت کی حیثیت سے جانتی ہوں کہ لڑکیاں پہلی بار کسی کو دل دیتی ہیں تو اسی کی ہو جاتی ہیں۔ پھر بھی میں پوچھوں گی۔ اگر تم اپنا راستہ بدل سکتی ہو، ارادہ بدل سکتی ہو، محبت کا انداز بدل سکتی ہو، میرے بیٹے کو خوشیاں دے سکتی ہو تو میں اپنی آدھی دولت اور جائداد تمہارے نام لکھ دوں گی۔ میرے مرحوم شوہر نے اتنی دولت چھوڑی ہے کہ میں ہزاروں روپے روزانہ بھی خرچ کروں تب بھی یہ دولت برسوں تک ختم نہیں ہو گی۔“

نمرہ نے کہا ”میرے خیال میں آپ کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ویسے آپ کا پہلا اندازہ درست تھا کہ آپ اپنے بیٹے کے لیے مجھے خرید نہیں سکیں گی۔“

”بے شک، مجھے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں لیکن میں کیا کروں، ماں ہوں۔ اپنے بیٹے کو جنون میں مبتلا ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ وہ پاگل پن کی حد پار کر جاتا ہے۔ اب میں تم سے کیا چھپاؤں کہ وہ پچھلے ایک برس تک پاگل خانے میں تھا۔ میں اپنے مرحوم شوہر کا تمام کاروبار سنبھالتی ہوں۔ ان دنوں میں لندن میں تھی۔ جبران کے چچا نے ہمارے خلاف سازش کی اور جبران کو پاگل ظاہر کر کے اسے پاگل خانے بھجوا دیا۔ میں اپنے بیٹے کی رہائی کے لیے یہاں آئی تو ڈاکٹروں نے میرے سامنے ثابت کر دیا کہ یہ بالکل پاگل ہو چکا ہے، اور وہ واقعی پاگلوں جیسی حرکتیں کر رہا تھا۔“

جبران کی روداد کچھ دلچسپ تھی۔ نمرہ توجہ سے سن رہی تھی جبران کی ماں کہہ رہی تھی ”میں پہلے سمجھ نہیں سکی کہ میرا دیور یعنی جبران کا چچا سازشیں کر رہا ہے۔ وہ پاگل خانے کے دو بڑے ڈاکٹروں کو رشوتیں دے رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر ہر دوسرے تیسرے دن جبران کو الیکٹرک شاک پہنچایا کرتے تھے۔ پچھلے ایک برس سے بجلی کے جھٹکے کھاتے کھاتے اس کا دماغ پتھر بن گیا ہے۔ میرا وکیل بہت ہی ذہین اور ہوشیار ہے۔ اس نے بڑی حکمتِ عملی سے رفتہ رفتہ یہ ثابت کر دیا کہ جبران پاگل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نارمل حالت میں بڑی ذہانت کی باتیں کیا کرتا ہے۔“

اس کی ماں نے ایک گہری سانس لی پھر کہا ”جب اس کے چچا رانا مجید نے دیکھا کہ میرا وکیل اسے رہائی دلا سکتا ہے تو مجید نے دوسری سازش کی۔ اس نے میرے بیٹے کو پاگل خانے سے فرار ہونے کا موقع دیا۔ میرا بیٹا ویسے بھی بیزار اور گھبرایا ہوا تھا۔ پاگل خانے سے کسی بھی طرح باہر آنا چاہتا تھا۔ لہٰذا وہ ایک صبح وہاں سے فرار ہو گیا۔ مجید کی پلاننگ تھی کہ جب وہ باہر جائے گا تو اسے گولی مار دی جائے گی۔ اس کے

بعد مجید میرے مرحوم شوہر یعنی اپنے مرحوم بھائی کی آدھی دولت کا حق دار ہو جائے گا۔"

نمرہ نے پوچھا "کیا آپ کے وکیل نے اسے یہ نہیں سمجھایا تھا کہ اسے وہاں سے رہائی ملنے والی ہے؟"

"سمجھایا تھا لیکن وہ کبھی کبھی ایب نارمل ہو جاتا ہے۔ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ سمجھ نہیں پاتا کہ کیا اچھا ہے کیا برا ہے۔ ایسے اسے فرار ہونے کا موقع ملا تو وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر وہاں سے نکل آیا۔ مجید نے اس پر جان لیوا حملے کرائے لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟ میرا بیٹا ابھی تک محفوظ ہے اور اللہ نے چاہا تو اسی طرح زندہ سلامت رہے گا۔"

جبران ناشتے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا وہاں آیا۔ اس نے کہا۔ "پاگل خانے سے فرار ہونے کے بعد میرا کیا حشر ہوا۔ وہ میں نے اپنی ماما کو نہیں بتایا ہے۔ میں ان کو ٹینشن میں مبتلا نہیں کرتا۔"

اس نے بادام کے حلوے کی ڈش نمرہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اسے چکھ کر دیکھو۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔"

نمرہ نے ایک چھوٹی سی پلیٹ میں ذرا سا حلوا لیا پھر اسے چکھ کر حیرانی سے کہا "واقعی تمہاری ماما درست کہتی ہیں۔ تم بہترین پکوان جانتے ہو۔ یہ بتاؤ جب پاگل خانے سے فرار ہوئے تو تم پر جان لیوا حملے کیے گئے تھے؟"

"ہاں...... میں ان قاتلوں سے بچتا پھر رہا تھا۔ چھپنے کی کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی تو اسی مردہ گھر میں پہنچ گیا تھا جہاں پہلی بار تمہیں دیکھا تھا۔"

ماں نے حیرانی سے بیٹے کو دیکھا پھر پوچھا "تم مردہ گھر پہنچ گئے تھے؟ یا اللہ! میں تمہاری جان کی سلامتی چاہتی رہتی ہوں اور تم مردوں کے درمیان پناہ لینے چلے گئے تھے؟"

"میں کیا کرتا مجھے اور کوئی جگہ ہی نہیں ملی تھی۔ اس ائرکنڈیشن مردہ خانے میں اتنی ٹھنڈک تھی کہ کیا بتاؤں۔ برف جم رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا میں ٹھنڈ سے اکڑتا جا رہا ہوں، مرتا جا رہا ہوں اور تب ہی میں نے نمرہ کو دیکھا۔ ایسا لگا جیسے مجھے حرارت مل گئی ہو، اور میں دوبارہ زندگی حاصل کر رہا ہوں۔"

مسز رانا نے نمرہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ بولی "میں میڈیکل کالج میں ہوں۔ پروفیسر کے ساتھ پریکٹیکل کلاس اٹینڈ کرنے کے لیے دوسرے طلبا وطالبات کے ساتھ مردہ گھر گئی تھی۔ وہاں میں نے محسوس کیا کہ جبران نے ایک بار پلک جھپکائی ہے۔ میرے دل میں خوف سا گیا۔ میں تو یہی سمجھی کوئی مردہ زندہ ہو گیا ہے۔"

جبران ہنستے ہوئے بولا "حلوا کھاؤ۔ یہ اسی مر... پکایا ہے۔"

اس بات پر نمرہ ہنسنے لگی۔ وہ بولا "یہ کئی طر... بھی میں نے ہی بیک کیے ہیں۔ انہیں بھی چکھ کر دیکھو..."

وہ بسکٹ کھانے لگی اور تعریفیں کرنے لگی۔ وہ... سے بولا "میں مردہ گھر سے نکل کر سیدھا وکیل کے... تھا۔ اسی نے مجھے آپ کے پاس پہنچایا۔"

مسز رانا نے کہا "اس کے بعد ہم نے اس کے... سیکورٹی کا سخت انتظام کیا۔ اس کے چچا رانا مجید... رپورٹ درج کرائی۔ اس سے پہلے بھی اس پر فرا... مقدمات درج ہو چکے تھے۔ اب وہ پولیس سے چھ... ہے۔"

نمرہ نے کہا "جبران نے کہا تھا یہ زیر علاج ہے۔"

"ہاں......! یہاں جیسا بھی علاج ہو سکتا ہے... ہوں، لیکن کامیاب علاج لندن میں ہی ہو سکتا ہے۔"

نمرہ نے کہا "جبران تمہیں علاج کے لیے فوراً... چاہیے۔"

"میں تمہارے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

وہ ایک دم سے شپٹا گئی۔ اس نے مسز رانا کو د... جھکا کر کہا "پلیز ایسی باتیں نہ کرو۔"

وہ اچانک ہی ہولے ہولے لرزنے لگا۔ ماں فو... کر اس کے پاس آئی اور اس کے شانے پر ہاتھ ر... "بیٹے! صبر کرو۔ حوصلہ کرو۔ نمرہ انکار نہیں کر رہی ہے..."

وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا "ممی اس نے فور... یہ کسی اور کو چاہتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا ممی...... یہ کسی د... چاہے گی تو میں کس کو چاہوں گا؟ میں یا تو خود مر جا... اسے مار ڈالوں گا جسے یہ چاہتی ہے۔"

ماں نے اسے تھپکتے ہوئے کہا "بیٹے ایسی با... کرتے۔"

نمرہ اس کی بدلتی ہوئی حالت دیکھ پریشان ہو... صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ ایب نارمل ہو رہا ہے۔ مسز... التجا آمیز لہجے میں کہا "بیٹی نمرہ اسے تسلی دو اس سے... تم اسے چاہتی ہو۔"

وہ پریشان ہو رہی تھی۔ سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر بولی "دیکھو جبران! جبراً محبت نہ کی جا... کرائی جاتی ہے۔ تم نے فون پر مجھ سے کیا کہا تھا یاد... نے کہا تھا اگر میں محبت نہیں کر سکتی تو نہ سہی دوستی... ہوں۔ تم نے کہا تھا نا......؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا تو نمرہ بولی "تو پھر مجھے ...ہاری دوستی منظور ہے۔ آج سے ہم دونوں دوست ہیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر وہاں سے ذرا دور چلا گیا۔ بے... ...سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ ...سے اس وقت کیا کرنا چاہیے؟ وہ بولا "ماما! مجھے حرارت نہیں ...رہی ہے۔ نمرہ مجھے حرارت نہیں دے رہی ہے۔ میں سرد پڑ ...رہا ہوں۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا پیٹرول کے بغیر میری زندگی ...کی گاڑی آگے نہیں بڑھے گی۔"

ماں تیزی سے اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "نہیں ...بیٹے نہیں تم پیٹرول اور گیس کی باتیں نہ کرو۔ تمہیں نمرہ سے ...حرارت ملے گی پیار کی حرارت ملے گی۔"

نمرہ کی سمجھ میں یہ بات آ چکی تھی کہ وہ ایب نارمل ہے ...اور ذہنی طور پر اس سے اس قدر وابستہ ہو گیا ہے کہ اس کی محبت کے بغیر اپنے اندر حرارت محسوس نہیں کرتا۔ اسے اس کا پاگل ...پن کہنا چاہیے یا عشق کا جنون۔ نہیں عشق کرنے والے ایسے جنون میں مبتلا نہیں ہوتے کہ انہیں جواباً محبت نہ ملے تو وہ ایسی پاگلوں جیسی حرکت کرنے لگیں۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ نمرہ ...سے محبت نہ ملنے کی صورت میں وہ پاگل پن کی حد کو چھونے والا تھا۔

وہ کہہ رہا تھا "اس سے بھی دوستی، دوستی ہر ایک سے ہوتی ہے لیکن محبت کسی ایک سے ہوتی ہے ماما...... نمرہ میرے لیے ہے۔ اس کی محبت صرف میرے لیے ہے۔ یہ کسی دوسرے کو اپنی محبت نہیں دے گی ماما......! اسے سمجھاؤ۔ اسے بتاؤ۔ جب تک یہ اپنی محبت مجھے نہیں دے گی مجھے زندگی کی حرارت نہیں ملے گی۔ میں جا رہا ہوں۔ جب تک میری خوراک مجھے نہیں ملے گی میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔"

ماں اسے پکڑ رہی تھی۔ وہ خود کو اس سے چھڑا کر تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے جانے لگا۔ مسز رانا نے تیزی سے نمرہ کے قریب آ کر اس کے بازو کو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا "بیٹی میرے بچے کو بچاؤ۔ یہ اپنی خوراک حاصل کرنے جا رہا ہے۔ تم اسے محبتیں دو گی تو پھر وہ اس خوراک سے باز آ جائے گا۔"

وہ بری طرح الجھ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ وہ کچھ سہمی ہوئی بھی تھی۔ مسز رانا نے کہا "بیٹی! تم ڈرو نہیں۔ میں بھی تمہاری ماں ہوں تمہیں نقصان نہیں پہنچنے دوں گی۔ میرے ساتھ آؤ اسے روکو وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ میرا بیٹا بہت اچھا ہے۔"

وہ بولتی جا رہی تھی اور اسے کھینچتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل کر ایک کوریڈور میں آ گئی تھی۔ نمرہ اس کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی، لیکن اسے ایک تجسس بھی تھا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ جبران آخر کرتا کیا ہے۔ کس طرح "پیٹرول" حاصل کرتا ہے؟

وہ مسز رانا کے ساتھ اس کے بیڈ روم میں پہنچی تو اس وقت جبران کے ہاتھ میں بجلی کا تار تھا۔ اس تار کا ایک سرا سوئچ بورڈ میں لگا ہوا تھا اور دوسرے سرے پر تار ننگا تھا۔ مسز رانا نے چیخ کر کہا "رک جاؤ! خود کو شاک نہ پہنچاؤ۔ نمرہ تمہیں محبتیں دینے آئی ہے۔"

نمرہ نے حیرت سے پوچھا "کیا یہ خود کو شاک پہنچا رہا ہے؟"

"ہاں بیٹی پچھلے ایک برس سے پاگل خانے میں اسے اس قدر شاک پہنچائے گئے ہیں کہ اب یہ بجلی کے جھٹکے کھانے کا عادی ہو گیا ہے۔ ہر دوسرے تیسرے دن جب تک ایک بار بجلی کا جھٹکا نہیں کھاتا اس وقت تک اسے سکون حاصل نہیں ہوتا۔ یہ پاگلوں جیسی حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ جب اسے ایک بار جھٹکا پہنچ جاتا ہے تو پھر یہ پُرسکون ہو جاتا ہے۔"

اب نمرہ کی سمجھ میں آیا کہ جبران کی خوراک کیا ہے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی کہ وہ ایک ہاتھ میں بجلی کا ننگا تار پکڑے کھڑا تھا۔ زندگی کی وہ خوراک حاصل کرنا چاہتا تھا جو اسے پچھلے ایک برس میں جبراً دی جاتی رہی تھی اور پاگل خانے کے ظالم ڈاکٹر سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ جوان اس خوراک کا عادی ہو جائے گا۔

وہ نمرہ کی طرف دیکھ رہا تھا اور انتظار کر رہا تھا کہ ابھی وہ اس کے ساتھ محبت کا اظہار کرے گی اور اسے پیار... کی حرارت پہنچائے گی۔ اسے جبران کی حالت پر ترس آ رہا تھا۔ وہ عاجزی سے بولی "جبران مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں ایک کنواری لڑکی ہوں۔ ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ پہلی ہی ملاقات میں محبت کا اظہار کرنے لگوں۔"

وہ لرز رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے حرارت کے بغیر وہ بہت کمزور ہو گیا ہو اور اب حرارت نہ ملی تو گر پڑے گا۔ اس نے کہا "میں کچھ نہیں سننا چاہتا مجھے محبت کی حرارت نہیں ملے گی تو میں یہ خوراک لوں گا۔ میں اس ایندھن کے بغیر مزید سانسیں نہیں لے سکتا۔"

نمرہ نے کہا "تم حوصلہ کرو۔ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

وہ ایک دم سے گرج کر بولا "بس...... بس بہت ہو چکا۔"

یہ کہتے ہی اس نے بجلی کے ننگے تار کو اپنے سر کی طرف لے جا کر اسے کنپٹی سے لگایا۔ اس کے پورے بدن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ وہ تار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ مسز رانا نے دوڑ کر سوئچ کو آف کر دیا۔ نمرہ ملازموں کو آوازیں دینے لگی۔

ایک ملازمہ اور دو ملازم فوراً ہی دوڑتے ہوئے آئے۔ انہوں نے اپنے مالک کو فرش پر پڑے ہوئے دیکھا تو لپک کر اسے اٹھایا اور بیڈ پر ڈال کر اس کے ہاتھ پیروں کی مالش کرنے لگے۔ اس وقت وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا اور اس کے منہ سے رہ رہ کر کراہیں نکل رہی تھیں۔

نمرہ حیران پریشان اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی "یہ کیا عجوبہ ہے؟" مسز رانا نے اس کے پاس آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "دیکھا بیٹی میرے بچے کی کیا حالت ہو جاتی ہے؟ کل اس نے فون پر تم سے باتیں کی تھیں۔ تب سے یہ بالکل نارمل تھا اور کہہ رہا تھا اسے زندگی کی حرارت مل گئی ہے لیکن آج تمہارے انکار سے یہ پھر ایسی خوراک حاصل کر چکا ہے جو اسے عارضی طور پر زندگی کی طرف لے جاتی ہے لیکن کسی وقت موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ میں اس کی ماں ہوں۔ ایسا سوچتے ہوئے بھی میرا کلیجہ ہلنے لگتا ہے۔"

نمرہ اسے ہمدردی سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا "آنٹی آپ اسے علاج کے لیے جلد سے جلد لندن لے جائیں۔"

وہ بولی "میرے ساتھ آؤ۔ اب یہ آرام سے سوتا رہے۔"

وہ دونوں پھر ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔ مسز رانا نے کہا۔ "ایک تو یہ بچپن سے ہی ضدی تھا۔ پھر پاگل خانے میں اس پر جس طرح تشدد کیا گیا ہے اور جس طرح اس کے دماغ کو بجلی کے جھٹکے پہنچائے گئے ہیں اس کے بعد تو یہ پاگل پن کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ تم ابھی دیکھ چکی ہو ایسے وقت میں صرف اور صرف تمہاری محبت ہی اسے کنٹرول کر سکتی ہے۔ ورنہ دنیا کا کوئی ڈاکٹر اس کا علاج نہیں کر سکے گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "آنٹی......! میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ان حالات میں مجھے کیا کہنا چاہیے۔ آپ ایک ماں ہیں اور میں ماں کا دکھ جانتی ہوں۔ مجھے ذرا سوچنے سمجھنے کی مہلت دیں میں گھر جا کر فون پر آپ سے بات کروں گی۔"

وہ باتیں کرتی ہوئی کوٹھی سے باہر آئی۔ مسز رانا نے کہا۔ "بیٹی......! ایک بات یاد رکھو۔ یہ ہر دوسرے تیسرے دن بجلی کا جھٹکا لیا کرتا ہے اور ڈاکٹر نے کہہ دیا ہے کہ یہ اپنی موت کے قریب جا رہا ہے اور یہ کہ جب اس پر پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے تو اسے زنجیر سے باندھ کر رکھنا چاہیے۔ تاکہ یہ بجلی کے تار تک نہ پہنچ سکے۔"

پھر وہ ذرا ٹھہر کر بولی "ہم یہ بھی کر کے دیکھ چکے ہیں۔ اس قدر چیختا ہے کہ چیختے چیختے بے ہوش ہو جاتا ہے جب ہوش میں آتا ہے تو جن زنجیروں سے بندھا ہوتا ہے۔ ان سے خود کو زخمی کرنے لگتا ہے۔ لیکن جب اسے ایک بار بجلی کا شاک لگ جاتا ہے تو دو تین روز تک نارمل رہتا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جب تمہاری باتیں کرتا ہے، تمہیں یاد کرتا رہتا ہے، تمہارے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہوتا ہے تو پھر اسے بجلی کے شاک کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میں یہ ماننے لگی ہوں کہ اسے قدرتی طور پر تمہارے پیار کی حرارت ملتی رہتی ہے۔ ڈاکٹروں نے اور ماہرین نفسیات نے یہی مشورہ دیا ہے کہ جلد سے جلد تمہاری شادی جبران کے ساتھ کر دی جائے تو یہ ہمیشہ کے لیے نارمل ہو جائے گا۔"

وہ اپنی کار میں بیٹھتی ہوئی بولی "مجھے آپ سے اور آپ کے بیٹے سے ہمدردی ہے۔ میں بعد میں آپ سے فون پر بات کروں گی۔" اور کار اسٹارٹ کر کے آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتی ہوئی احاطے سے باہر آئی اور قریب ہی کیفے کے سامنے آ کر رک گئی۔ میں وہاں اس کا منتظر تھا۔ اسے دیکھتے ہی کار سے باہر آیا اور اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے سے پریشانی عیاں تھی۔ میں نے کہا "تم کچھ تھکی سی لگ رہی ہو۔ پریشان بھی دکھائی دے رہی ہو۔ بہتر ہے اس سیٹ پر آ جاؤ میں گاڑی چلاتا ہوں۔"

وہ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولی "نہیں میں ٹھیک ہوں۔"

اس نے گاڑی آگے بڑھائی۔ میں جانتا تھا وہاں کیا ہو چکا ہے، پھر بھی انجان بن کر بولا "چپ کیوں ہو؟ میں سننا چاہتا ہوں۔"

وہ بولی "میں کیا سناؤں؟ وہ جبران بہت ہی خوفناک ہے۔"

"جب وہ زندہ ہے مردہ نہیں ہے تو پھر خوفناک کیسے ہو سکتا ہے؟"

وہ ماں بیٹے کے بارے میں مجھے بتانے لگی۔ میں چپ چاپ سنتا رہا۔ تمام باتیں سننے کے بعد اس نے کہا "اسے خوفناک نہ کہو۔ اس نے پاگلوں جیسی حرکتیں کرنے کے باوجود تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔"

"وہ پیچھے پڑ گیا ہے کہ میں اس سے محبت کروں۔ محبت دور کی بات ہے اس سے تو دوستی بھی نہیں کی جا سکتی۔ اس سے گفتگو کرنے کے خیال سے بھی مجھے وحشت ہو رہی ہے۔"

میں خاموش رہا۔ اس وقت مسز رانا کا مقدر بنا ہوا تھا اور وہ بیٹے کو نارمل رکھنے کی خاطر فون کے ذریعے نمرہ کے والدین سے رابطہ کر رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد بیگم آفتاب کی آواز سنائی دی "ہیلو......! کون......؟"

مسز رانا نے کہا "میں مسز فلک آفتاب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

اس نے کہا "جی میں بیگم آفتاب بول رہی ہوں۔"

"محترمہ......! آپ مجھے نہیں جانتی ہیں مگر میں چاہتی ہوں کہ ہم ایک دوسرے کو جان لیں۔ مجھے آپ کی بیٹی بہت پسند آئی ہے۔ میں اسے اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں اور اسے بہو بنانے سے پہلے کروڑوں روپے اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کرا کر آپ کو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ آپ کی بیٹی کا مستقبل ہمیشہ محفوظ رہے گا۔"

بیگم آفتاب حیرانی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے کہا "محترمہ آپ کون ہیں؟ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔ آپ پہلی بار بات شروع کرتے ہی کروڑوں روپے کے لین دین کی بات کر رہی ہیں۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ میں پوری طرح آپ کا اعتماد حاصل کروں گی اور آپ بھی مجھ پر بھروسا کرنے لگیں گی۔ میں ایک بیوہ ہوں۔ میرے بیٹے کا نام جبران ہے۔ آپ نے جبران انٹر پرائز کا نام سنا ہوگا۔ ہمارا کاروبار یہاں سے اوورسیز تک پھیلا ہوا ہے۔ میں نے اپنے مرحوم شوہر کے کاروبار کو اپنے بھائی کے تعاون سے سنبھالا ہوا ہے۔ آپ کی بیٹی مجھے اس قدر پسند آئی ہے کہ میں اسے اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں اور رشتہ قبول ہوتے ہی اس کے اکاؤنٹ میں دس کروڑ روپے اس کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دوں گی۔ پھر نکاح کے دوسرے دن پچاس کروڑ روپے اس کے اکاؤنٹ میں پہنچ جائیں گے۔ آپ میرے پاس آ جائیں یا پھر مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت دیں۔

یہاں آنا ہو تو اپنے شوہر کو بھی ساتھ لائیے گا۔ جب تک ہمارے درمیان معاملات طے نہ ہو جائیں کسی سے اس بات کا ذکر نہ کریں حتی کہ اپنی بیٹی نمرہ کو بھی کچھ نہ بتائیں۔"

بیگم آفتاب نے کہا "آپ تو مجھے حیران کر رہی ہیں۔ بہر حال اپنا پتا بتا دیں، میں ابھی اپنے شوہر سے مشورہ کرتی ہوں۔"

مسز رانا نے اپنی کوٹھی کا پتا بتا کر رابطہ ختم کر دیا۔ میں چاہتا تھا نمرہ بزرگوں کے درمیان ہونے والی باتوں سے ابھی بے خبر رہے اور جب تک اہم معاملات طے نہ ہو جائیں اس وقت تک وہ اپنی ممی اور ڈیڈی سے سامنا نہ کرے۔ میں نے کہا۔ "تفریح کا موڈ ہے۔ اگر تم پسند کرو تو ہم سمندر کے ساحل پر چلیں......؟"

وہ بولی "تم میرے دل کی بات کہہ رہے ہو۔ اس وقت میں ذرا کھلی فضا میں جانا چاہتی ہوں۔ ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ ہوں۔"

اس نے گاڑی سی ویو کی طرف موڑ دی۔ دوسرے لفظوں میں میں نے اس کی لگام ادھر موڑ دی۔ جدھر تقدیر اسے لے جانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

شہباز درانی بڑے سے بڑے پیچیدہ مسائل کو چٹکی بجا کر حل کر لیا کرتا تھا۔ اتنے وسیع ذرائع اور اختیارات کا مالک تھا کہ ملک خداداد پاکستان میں بیٹھ کر جو چاہتا تھا کر گزرتا تھا۔ سیاست دانوں اور حکمرانوں سے اپنی جائز اور ناجائز بات منوا لیتا تھا۔ وہ شیر بھی تھا اور تولنے والا سیر بھی۔ ذیشان جیسے اعلیٰ پولیس افسر کو ایک ٹھوکر میں اڑا سکتا تھا' اور وہ ایسا کر رہا تھا۔ اب تک تو وہ یہی سمجھتا آیا تھا کہ اسے زیر کرنے والا ابھی کوئی اس دنیا میں پیدا نہیں ہوا ہے لیکن اب مجھ سے ٹکرانے کے بعد وہ بہت بے چین ہو گیا تھا۔ جاننا چاہتا تھا کہ میں کون ہوں؟ کیا ہوں اور اس کے خلاف میرے اندر کتنی بارود بھری ہوئی ہے؟

اس نے میرے خلاف مرکزی سی آئی اے والوں کو رپورٹ بھیجی تھی۔ جس میں یہ شبہ ظاہر کیا تھا کہ میں' مقدر حیات' کسی خفیہ تنظیم کا سیکریٹ ایجنٹ ہوں اور امریکی سی آئی اے کے اندرونی راز جانتا ہوں۔ اگر فوراً ہی میرا محاسبہ نہ کیا گیا اور مجھے اس ملک سے یا اس دنیا سے نکالا نہ گیا تو آئندہ الیکشن میں یہاں ان کی مرضی کی حکومت نہیں بن پائے گی۔ اس نے خدشہ ظاہر کیا کہ مقدر حیات کوئی بزنس مین نہیں ہے بلکہ بزنس کی آڑ میں ان کے خلاف سیاسی کھیل کھیل رہا ہے۔

امریکی سی آئی اے کا ساری دنیا میں ایک نیٹ ورک ہے۔ دنیا کے ہر ملک، ہر شہر اور ہر علاقے میں جہاں ان کے مفادات ہوتے ہیں وہاں ان کے جاسوس پہنچ جاتے ہیں۔ وہ جاسوس امیر کبیر بزنس مین کی حیثیت سے بھی رہتے ہیں، موچی اور بھنگی بن کر بھی اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ وہ جاسوس خود اپنے سیکریٹ ایجنٹوں کے پیچھے بھی لگے رہتے ہیں اور ان کی دن رات کی کارکردگی کی رپورٹ ہیڈ کوارٹر تک پہنچاتے

رہتے ہیں۔ ایسے جاسوس شہباز درانی کے پیچھے بھی لگے ہوئے تھے اور پچھلے دنوں ان جاسوسوں نے ہیڈ کوارٹر تک یہ رپورٹ پہنچائی تھی کہ شہباز درانی سیاسی گیمز کے علاوہ عوامی سطح پر آ کر سماجی معاملات میں دلچسپی لے رہا ہے۔ دو بار شادیاں کرنے والی اور بیوہ ہونے والی ایک مکار عورت دردانہ بیگم اس کے ساتھ رہنے لگی ہے۔ شہباز اس عورت کا دیوانہ ہے۔ اسے جو سیاسی اختیارات دیئے ہیں۔ اس نے ان اختیارات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس عورت کے بیٹے جواد کو ایک بار حوالات سے رہا کرایا تھا۔ جواد مارا گیا۔ اب وہ اپنی محبوبہ دردانہ کے دشمن ایس پی ذیشان کے خلاف بہت بڑی انکوائری کروا رہا ہے۔ اس انکوائری کے پیچھے اس کا کیا مقصد ہے۔ یہ ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا ہے لیکن جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔

پھر یہ رپورٹ بھی پہنچائی گئی کہ شہباز درانی نے اپنے اختیارات سے فائدہ اٹھا کر حشمت نامی ایک نوجوان کی ضمانت کورٹ سے حاصل کی ہے۔ جب شہباز درانی نے میرے خلاف اپنے ہیڈ کوارٹر میں رپورٹ بھیجی تو الٹا اس سے جواب طلب کیا گیا کہ تم سیاسی گیمز کے علاوہ کسی ایس پی ذیشان کے خلاف کارروائیاں کیوں کررہے ہو۔ کیوں وہاں کی عدالت میں اپنے اثر ورسوخ استعمال کرکے کسی کی ضمانت کراتے ہو؟

شہباز درانی نے جواب میں کہا ''یہ میرے ذاتی معاملات تھے۔ میں جس عورت سے شادی کرنے والا ہوں اس کے کچھ مسائل ہیں جنہیں میں حل کررہا ہوں۔''

ہیڈ کوارٹر سے کہا گیا ''تم اپنے ذاتی مسائل حل کرنے کا حق رکھتے ہو لیکن معاملات کو طول نہ دو۔ ایس پی ذیشان کے خلاف جو کچھ بھی کررہے ہو اس معاملے کو جلدی سے نمٹا دو یا صرف سیاسی معاملات پر توجہ دو۔ تمہاری رپورٹ کے مطابق مقدر حیات کے سلسلے میں انکوائری ہورہی ہے۔''

پچھلے بارہ گھنٹوں میں میرے متعلق انکوائری مکمل ہو چکی تھی۔ انہوں نے میرے لندن آفس میں جا کر معلومات حاصل کی تھیں پھر یہاں بھی معلومات حاصل کرتے پھر رہے تھے کہ میرا بزنس کیا ہے اور کہاں تک پھیلا ہوا ہے اور یہ بھی کہ تاجروں کے علاوہ میرے تعلقات اور کن لوگوں سے ہیں؟

پتا چلا کہ یہاں سے اوورسیز تک پھیلا ہوا میرا بزنس بالکل صاف ستھرا ہے۔ کوئی ہیرا پھیری ایسی نہیں ہے جو قابلِ گرفت ہو اور یہ کہ میں نہ تو سیاست سے دلچسپی رکھتا ہوں اور نہ ہی آج تک میں نے کسی چھوٹی بڑی سیاسی شخصیت سے ملاقات کی ہے۔ کسی بھی خفیہ تنظیم سے میرا تعلق ظاہر نہیں ہورہا تھا۔

جس رات شہباز سے میرا ٹکراؤ ہوا تھا اس کی دوسری صبح میں اپنے دفتری کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میری لیڈی سیکریٹری نے اطلاع دی کہ سی آئی اے کے دو افسران آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا ''انہیں اندر بھیج دو۔''

تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نے کہا ''کم ان......!''

دروازہ کھول کر دو اشخاص اندر آئے۔ ان میں سے ایک امریکی تھا اور دوسرا پاکستانی۔ میں نے دونوں سے مصافحہ کیا۔ پاکستانی افسر نے اپنا شناختی کارڈ دکھایا پھر کہا ''یہ ہمارے مہمان سی آئی اے کے افسر ہیں۔ نیویارک سے آئے ہیں۔''

میں نے کہا ''میں یہاں آنے والے ہر شخص سے مل کر خوش ہوتا ہوں۔ آپ لوگوں سے بھی مل کر خوش ہونا چاہیے لیکن کچھ پریشان ہوں کہ سی آئی اے سے تعلق رکھنے والے مجھ سے ملنے کیوں آئے ہیں؟''

میں نے انہیں بیٹھنے کے لیے کہا پھر انٹرکام کے ذریعے کولڈ ڈرنکس کا آرڈر دیا۔ امریکی افسر نے کہا ''آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہم آپ کے خلاف کسی طرح کی انکوائری کرنے نہیں آئے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ بہت ہی تجربہ کار نجومی ہیں۔ ماضی' حال اور مستقبل کے بارے میں بڑی سچی باتیں بتاتے ہیں؟''

میں نے انجان بن کر پوچھا ''آپ کو میرے بارے میں یہ کیسے معلوم ہوا؟''

پاکستانی افسر نے کہا ''خوشبو کسی تعارف کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ خود ہی دور تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ آپ کی شہرت کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی ہے؟''

امریکی افسر نے کہا ''کیا آپ میرا ہاتھ دیکھ کر میرے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے؟''

اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں نے مسکرا کر کہا ''اگرچہ میں اپنا یہ وقت کاروباری مصروفیات میں گزارتا ہوں لیکن آپ ہمارے مہمان ہیں۔ اس لیے میں آپ کا ہاتھ ضرور دیکھوں گا۔ آیئے ہم ادھر صوفے پر بیٹھیں۔''

ہم تینوں وہاں سے اٹھ کر صوفوں پر آئے۔ وہ امریکی جاسوس میرے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ امریکی سی آئی اے کے کتنے ہی جاسوس یہودی ہیں لیکن اسلامی ملکوں میں جاسوسی کرنے کے دوران وہ خود کو عیسائی کہتے ہیں۔ اس وقت بھی میرے پاس

بیٹھا ہوا شخص یہودی تھا لیکن خود کو عیسائی ظاہر کررہا تھا۔

ہاتھ کی لکیریں ایسی باتیں نہیں بتاتیں اور نہ ہی میں اسے یہ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ دراصل وہ یہ دیکھنے آیا تھا کہ میں ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر کتنی گہرائی تک پہنچتا ہوں اور ایسی ایسی راز کی باتیں کیسے بتا دیتا ہوں جو ہاتھ کی لکیریں بھی نہیں بتاسکتیں۔

میں نے اس کے ہاتھ کو تھوڑی دیر تک دیکھا پھر کہا ''تم بہت محنتی ہو اپنے کام کے معاملات میں سنجیدہ رہتے ہو۔ عشق و محبت کے چکر میں نہیں پڑتے اس کے باوجود ایک بار ایک لڑکی سے محبت ہوگئی تھی۔ کیا یہ درست ہے؟''

وہ مسکرا کر بولا ''ایسی عام سی سطحی باتیں کوئی بھی نجومی کہہ سکتا ہے۔''

میں نے کہا ''شاید وہ یہ نہ بتا سکے کہ اس لڑکی سے تمہاری شادی نہیں ہوسکی۔ تمہارے درمیان اختلافات پیدا ہوئے پھر وہ تم سے دور ہوگئی۔''

حقیقت یہ تھی کہ وہ لڑکی اس کے خفیہ معاملات میں آڑے آرہی تھی۔ اس لیے اس نے اسے بڑی رازداری سے اسے قتل کردیا تھا۔ اس نے مجھے گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا ''وہ لڑکی کیسے مجھ سے دور ہوئی؟''

''یہ ہاتھ کی لکیریں نہیں بتاتیں۔ بس جو سطحی باتیں بتاتی ہیں وہی میں اپنے سامنے والے کو بتا دیتا ہوں۔''

وہ بولا ''میرے موجودہ حالات کے بارے میں کچھ بتاؤ؟''

''موجودہ حالات یہ ہیں کہ تم اپنی ماں سے بہت محبت کرتے ہو۔ مستقبل میں اسی ماں کو تم صدمہ پہنچاؤ گے۔''

وہ پریشان ہوکر بولا ''میں اپنی ماں کو کیوں صدمہ پہنچاؤں گا۔ مجھے وضاحت سے بتاؤ۔''

''میں کیسے بتاسکتا ہوں۔ ہاتھ کی لکیریں یہی کہہ رہی ہیں۔''

میں ہاتھ کی لکیروں کے پیچھے چھپا ہوا دیکھ رہا تھا کہ آئندہ وہ ایک مقابلے میں مارا جائے گا۔ اس طرح اس کی ماں کو صدمہ پہنچے گا اور یہ بات میں اسے وضاحت سے نہیں بتانا چاہتا تھا۔ ورنہ اسے بھی شبہ ہو جاتا کہ میں نجومی نہیں ہوں کوئی پُراسرار علم جانتا ہوں یا کسی خفیہ تنظیم سے تعلق رکھنے والا سیکریٹ ایجنٹ ہوں۔ میں نے کہا ''تم اپنے وطن سے بہت محبت کرتے ہو' وطن کی خاطر ضرورت پڑنے پر اپنا نام' اپنا مذہب' سب کچھ بدل دیتے ہو۔''

میں نے اس سے صاف طور پر یہ نہیں کہا کہ وہ یہودی ہے اور یہاں عیسائی بن کر آیا ہے۔ میں نے اسی بات کو گھما کر دوسری طرح کہہ دیا۔

وہ بولا ''میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھو۔ میں دولت کمانا چاہتا ہوں۔ کیا میرے ہاتھ میں دولت کی لکیر ہے؟''

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا ''تم لالچی نہیں ہو۔ دولت کے پیچھے نہیں بھاگتے موجودہ حالات میں جس طرح زندگی گزار رہے ہو۔ اس سے بہت مطمئن ہو۔''

وہ میری باتوں سے مطمئن ہو رہا تھا۔ تب اس نے ذرا کھل کر کہا ''تم پچھلی رات مسٹر شہباز درانی کے گھر گئے تھے؟''

میں نے کہا ''ہاں وہاں میری سوتیلی ماں دردانہ بیگم رہتی ہے۔ اس نے مجھے رات کے کھانے کی دعوت دی تھی۔''

''تم نے وہاں شہباز درانی کا ہاتھ دیکھا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ سی آئی اے کا سیکریٹ ایجنٹ ہے اور پاکستان میں امریکی مفادات کے لیے کام کررہا ہے۔''

میں نے شدید حیرانی ظاہر کی اور کہا ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر یہ کیسے معلوم کرسکتا ہوں کہ وہ کس کا ایجنٹ ہے اور کس کے مفادات کے لیے کام کررہا ہے۔ ہاتھ کی لکیریں بھی یہ نہیں بتاتیں۔ آپ دنیا کے کسی بھی نجومی سے پوچھ لیں۔''

ان دونوں جاسوسوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اس انداز میں سر ہلایا جیسے میری باتوں سے قائل ہو رہے ہوں۔ امریکی جاسوس نے پوچھا ''شہباز درانی تمہاری مخالفت میں کیوں بول رہا ہے؟''

میں نے کہا ''میری ایک عادت ہے۔ میں ہاتھ دیکھ کر سچ بولنے لگتا ہوں۔ میری سچائی دوسروں کے مزاج پر گراں گزرتی ہے تو وہ مجھ سے ناراض ہو جاتے ہیں' بلکہ دشمن بن جاتے ہیں۔''

''تم نے شہباز درانی کا ہاتھ دیکھ کر ایسی کیا سچی باتیں بتائی تھیں؟''

''میں نے کہا تھا وہ بہت ہی گہری اور پُراسرار شخصیت کا مالک ہے اور بڑے وسیع ذرائع رکھتا ہے۔ مقدر اس کا ساتھ دیتا رہتا ہے اور وہ بڑی کامیاب زندگی گزار رہا ہے۔ تب اس نے مجھ سے کہا میں دردانہ کا ہاتھ دیکھوں۔''

پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا ''جب میں نے دردانہ کا ہاتھ دیکھ کر کہا کہ یہ اگرچہ میری سوتیلی ماں ہے لیکن قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ یہ اپنے پہلے دو شوہروں کو نقصان پہنچا چکی ہے۔ اب آئندہ بھی اس کی زندگی میں جو آئے گا یہ اسے نقصان پہنچائے گی۔ بس میری یہی سچائی اسے ناگوار

گزری۔''

میں نے دونوں جاسوسوں کو باری باری دیکھا پھر کہا۔ ''میں نہیں جانتا تھا کہ شہباز درانی اس قدر دردانہ کا دیوانہ ہے کہ اس کے بارے میں بچ برداشت نہیں کرے گا۔ دردانہ بھی مجھ سے اکھڑ گئی۔ کہنے لگی کہ میں چونکہ سوتیلا بیٹا ہوں اس لیے سوتیلی ماں کے خلاف ایسی باتیں کرر ہا ہوں۔''

امریکی جاسوس نے کہا ''یہ صرف تمہارا اور اس کا ذاتی معاملہ تھا لیکن اس نے تمہارے خلاف ہمارے ہیڈ کوارٹر میں رپورٹ کیوں بھیجی ہے؟''

میں نے معصومیت سے کہا ''میں کیا بتاؤں کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے۔ میں نے دردانہ کے لیے اس کی دیوانگی دیکھی ہے۔ وہ اس عورت کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ اسی نے کہا ہوگا کہ میرے خلاف کوئی بڑی کارروائی کی جائے۔ تبھی اس نے تم لوگوں کو میرے پاس کارروائی کے لیے بھیج دیا ہے۔''

پاکستانی جاسوس نے پوچھا ''کیا تم نے اسے یہ نہیں کہا۔ کہ وہ امریکی سیکریٹ ایجنٹ ہے؟''

''یہ تو دنیا کا کوئی نجومی نہیں کہہ سکتا۔ مجھے اس کے ہاتھ کی لکیروں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کا سیکریٹ ایجنٹ ہے اور کس کا نہیں ہے۔ آپ لوگوں نے آتے ہی اپنا تعارف کرایا ہے تو مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ سی آئی اے والے ہیں۔ اگر نہ بتاتے تو آپ کے ہاتھ کی لکیریں مجھے یہ کبھی نہ بتاتیں۔''

کولڈ ڈرنکس آگئی تھیں۔ وہ پی رہے تھے اور میری طرف سے ٹھنڈے ہور ہے تھے۔ اسی دوران انہوں نے طرح طرح کے سوالات کیے اور میں انہیں اپنے جوابات سے مطمئن کرتا رہا پھر وہ مجھ سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گئے۔ ایک گھنٹے کے بعد ہی شہباز درانی کی شامت آ گئی۔ ہیڈ کوارٹر والوں نے اس کا محاسبہ کیا ''تم نے مقدر حیات کے بارے میں بکواس کی ہے۔ دنیا کا کوئی نجومی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر ایسی گہری اور راز کی باتیں نہیں بتا سکتا جن کا ذکر تم نے کیا تھا۔ وہ ایک عام سا نجومی ہے اور اس بات کی بھی تصدیق ہوگئی ہے کہ وہ صرف ایک بزنس مین ہے۔ سیاست سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی وہ کسی خطرناک تنظیم سے وابستہ ہے۔ جب تک تم نہ بتاؤ اس وقت تک کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ تم پینٹا گون یا سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے فارن آفیسر بن کر وہاں کام کر رہے ہو۔''

شہباز درانی نے کہا ''سر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ اس سے بھی گہری باتیں جانتا ہے۔ اگر وہ کسی خفیہ تنظیم سے تعلق رکھنے والا سیکریٹ ایجنٹ نہیں ہے تو پھر یقیناً پُراسرار علم جانتا ہے۔''

''بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔ دنیا میں کتنے ہی پُراسرار علم جاننے والے ہیں۔ کیا وہ ہمارے رازوں تک پہنچ جاتے ہیں؟ تم بے تکی باتیں کرر ہے ہو اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تم اس عورت دردانہ بیگم کے دیوانے ہو گئے ہو۔ اسی نے تم سے کہا کہ مقدر حیات کے خلاف کوئی بڑی کارروائی کی جائے اور تم اس طرح بڑی کارروائی کرنے لگے ہو۔ تم نے دماغ سے سوچنا چھوڑ دیا ہے۔''

شہباز درانی کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس پر کوئی سوا سیر بھی آ سکتا ہے اور اس کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ سکتا ہے۔ ہیڈ کوارٹر سے کہا گیا ''شہباز درانی! تم نے پچھلے چھ برسوں سے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے اور ہمارے مفادات کے لیے بڑی کامیاب چالیں چلتے رہے ہو۔ اس لیے ہم تمہارے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ تمہیں محتاط رہنا ہوگا۔ بہتر ہے کہ سنبھل جاؤ۔''

پھر اس سے کہا گیا ''تم نے ایک عورت کی خاطر کسی مقدر حیات کو ٹارگٹ بنا کر ہمارا وقت ضائع کیا ہے۔ آئندہ ایسی کوئی حماقت کرو گے تو تمہیں ہیڈ کوارٹر واپس بلا لیا جائے گا۔ تمہارے سارے اختیارات تم سے چھین لیے جائیں گے۔''

شہباز کو پہلی بار ایسی سخت وارننگ ملی تھی وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اسے یہ غرور تھا کہ کوئی دشمن کبھی اس پر حاوی نہیں ہو سکے گا۔ اس کی پشت پر اتنی بڑی طاقت تھی کہ وہ انڈر ورلڈ کے بے تاج بادشاہوں کو بھی دہشت زدہ کر کے بڑے بڑے سیاسی مراحل میں کامیابیاں حاصل کرتا رہا تھا اور ناممکن کو ممکن بناتا رہا تھا۔ لیکن میں نے اچانک ہی اس کے غرور کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ وہ اٹھ کر پریشانی میں تھوڑی دیر تک ٹہلتا رہا پھر اپنے اس خفیہ کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہاں دردانہ ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسی وقت اسد عزیزی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے سلام کرتے ہوئے کہا ''سر میڈم کا کام ہو چکا ہے۔ میں ابھی ہانگ کانگ سے واپس آ رہا ہوں۔ حشمت اپنی داشتہ کے ساتھ جہنم میں پہنچ گیا ہے۔''

دردانہ خوشی سے اچھل پڑی۔ تیزی سے چلتی ہوئی شہباز کے پاس آئی اور اس کے بازو کو تھام کر بولی ''شہباز وہ مقدر حیات ہمارا دشمن ہی سہی لیکن اس نے میرا ہاتھ دیکھ کر کہا تھا کہ مجھے قدم قدم پر کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں گی اور میں دشمن پر غالب آتی رہوں گی۔''

شہباز نے اسے خاموشی سے دیکھا پھر دل میں کہا۔ ''تمہیں کیا پتا ہے وہ کمبخت مقدر حیات مجھ پر غالب آ رہا ہے۔ اس نے مجھے فکر میں مبتلا کر دیا ہے؟''

دردانہ نے پوچھا! ''کیا اب ذیشان کے خلاف ہمارا کیس مضبوط ہو سکے گا؟''

''بے شک' میں ایسی چالیں چل رہا ہوں کہ حشمت کی ہلاکت کا الزام صرف اور صرف ذیشان پر آئے گا۔''

دردانہ نے کہا! ''شہباز ہمیں اس موقع سے جلدی فائدہ اٹھانا چاہئے۔ تمہارے ایک حکم سے اعلیٰ عہدے دار ذیشان کو قانونی گرفت میں لے لیں گے۔''

وہ سر جھکا کر' ہوں کہتا ہوا ایک صوفے پر بیٹھ گیا دردانہ نے پہلی بار اسے توجہ سے دیکھا پھر پوچھا ''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟''

اس نے دردانہ کو دیکھا پھر اسد عزیزی سے کہا ''سامنے بیٹھو اور میری باتیں توجہ سے سنو۔''

وہ سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گیا شہباز نے کہا! ''تم یہاں نہیں تھے۔ یہاں کوئی آیا اور قیامت کی چال چل گیا۔''

پھر وہ میرے بارے میں اسد عزیزی کو ساری باتیں تفصیل سے بتانے لگا۔ اسد عزیزی نے ساری باتیں سننے کے بعد کہا ''سر' میں آپ سے متفق ہوں۔ کوئی نجومی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر اتنی گہری راز کی باتیں نہیں بتا سکتا۔ وہ یقیناً کوئی پُراسرار علم جانتا ہے' یا پھر سیکریٹ ایجنٹ ہے''

وہ بولا! ''امریکی سی آئی اے دنیا کا سب سے تیز رفتار ادارہ ہے۔ انہوں نے مقدر حیات کے بارے میں ساری معلومات حاصل کی ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ صرف ایک بزنس مین ہے۔ اس کا نہ تو سیاست سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی وہ کسی خفیہ تنظیم کا ایجنٹ ہے۔''

''اگر وہ سیکریٹ ایجنٹ نہیں ہے تو پھر یقیناً پُراسرار علم جانتا ہوگا۔''

''ہیڈ کوارٹر والے کسی پُراسرار علم کو نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں اگر ایسا کوئی علم ہوتا تو کتنے ہی پُراسرار علم جاننے والے سی آئی اے کے اندرونی رازوں تک پہنچتے رہتے اور ان کا کوئی راز پھر راز نہیں رہتا۔''

''اور ہیڈ کوارٹر والے یہ بھی نہیں مانیں گے کہ ہاتھ کی لکیریں اندرونی رازوں تک پہنچا دیتی ہیں؟''

شہباز نے انکار میں سر ہلا کر کہا ''یہ تو کوئی بھی تسلیم نہیں کرے گا۔ ہاتھ کی لکیریں صرف سطحی باتیں بتاتی ہیں میری زندگی میں یہ پہلا پُراسرار شخص ہے جس نے مجھے فکر میں مبتلا کر دیا ہے۔''

دردانہ نے تعجب سے کہا ''یہ کیا کہہ رہے ہو شہباز کیا تم مقدر سے مرعوب ہو گئے ہو؟''

''ہرگز نہیں' مقدر کا باپ بھی مجھے مرعوب نہیں کر سکتا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پہلی بار کوئی شخص ایسی چال چل گیا ہے جس کا میں توڑ نہیں کر پایا اور ہیڈ کوارٹر سے بھی مجھے وارننگ مل گئی۔''

اسد عزیزی نے چونک کر پوچھا ''کیا؟ ہیڈ کوارٹر سے آپ کو وارننگ ملی ہے؟''

''ہاں! میری رپورٹ نے ہیڈ کوارٹر والوں کو پریشان کر دیا تھا۔ ان کے سراغ رسانوں نے مقدر حیات کے خلاف انکوائری کی ہے۔ اب وہ مجھے الزام دیتے ہیں کہ میری وجہ سے ان کا وقت ضائع ہوا۔ مقدر حیات ایک سیدھا سادا سماجی زندگی گزارنے والا شخص ہے اور میں دردانہ بیگم کا دیوانہ بن کر اس سے دشمنی کر رہا ہوں۔ مجھے وارننگ دی گئی ہے کہ آئندہ مجھے سماجی معاملات میں ملوث نہیں ہونا چاہیے صرف سیاسی گیمز پر توجہ دینی چاہیے۔''

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مقدر حیات اس طرح ہمارے راستے میں کانٹے بچھا دے گا۔ اس نے تو واقعی فکر میں مبتلا کر دیا ہے۔'' دردانہ نے کہا۔

اسد عزیزی نے کہا ''میں چاہوں تو اسے چند گھنٹوں میں ٹھکانے لگا دوں لیکن اسے قتل کیا گیا تو باس پر الزام آئے گا۔ یہ کہا جائے گا کہ انہوں نے ہیڈ کوارٹر سے ملنے والی ہدایات کی خلاف ورزی کی ہے۔''

شہباز نے کہا ''بے شک! مجھے ابھی ایسے الزامات سے بچنا چاہیے۔ ہیڈ کوارٹر والوں کو خوش رکھنا چاہیے۔ لیکن میں مقدر حیات کو چھوڑوں گا نہیں۔ اس کی زندگی عذاب بنا دوں گا اور مجھ پر اس کا الزام بھی نہیں آئے گا۔''

دردانہ ذرا مایوس ہو کر بولی ''ہم موجودہ حالات میں ذیشان کے خلاف بھرپور کارروائی نہیں کر سکیں گے۔''

شہباز نے اسے محبت سے دیکھا پھر کہا ''آؤ میرے پاس بیٹھو۔''

وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا ''میں تمہیں کبھی مایوس نہیں ہونے دوں گا۔''

پھر اس نے اسد عزیزی سے پوچھا ''ذیشان کے خلاف انکوائری کہاں تک پہنچی ہے؟''

''انکوائری تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ وہ ایسے مجرم ہیں جو

زیشان کے خوف سے روپوش رہتے ہیں۔ انہوں نے اس کے خلاف بیان دیا ہے اور تین مجرم ایسے ہیں جو عدالت سے رہا ہونے کے بعد پراسرار طریقوں سے مارے گئے تھے۔ ان ہلاک ہونے والوں کے عزیز رشتے داروں نے ایس پی کے خلاف بیان دیا ہے۔ میڈم بھی جواد کی ہلاکت کے سلسلے میں اس کے خلاف لکھ چکی ہیں پھر حشمت کی ہلاکت کے سلسلے میں میں نے ایسی چالیں چلی ہیں کہ اس کا سارا الزام ذیشان پر آئے گا۔"

شہباز نے کہا "پھر تو اس کے خلاف کیس بہت مضبوط ہے۔ تم اس انداز میں اس کیس کو آگے بڑھاؤ اور ذیشان کے خلاف فوراً کارروائی کراؤ کہ اس سلسلے میں میرا نام نہ آئے۔ میں بظاہر ایسے تمام معاملات سے دور رہوں گا لیکن تم دونوں کو در پردہ ضروری سہولتیں فراہم کرتا رہوں گا۔"

وہ بڑی رازداری سے خود کو ظاہر کیے بغیر مجھے نقصان پہنچانے کی تدبیریں کرنا چاہتا تھا۔ مقدر کے خلاف ہمیشہ تدبیر کے ہتھیار ہی آزمائے جاتے ہیں۔

☆☆☆

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈرائنگ روم کی سجاوٹ اور مہنگے آرائشی سامان کو دیکھ کر انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ جبران مقدر حیات سے بھی زیادہ دولت مند ہے۔

وہ دونوں سامنے بیٹھی ہوئی مسز رانا کی باتیں سن رہے تھے۔ حیران ہو رہے تھے اور دل ہی دل میں خوش بھی ہو رہے تھے کہ ان کی بیٹی نمرہ کا مقدر چمکنے والا ہے۔ بیگم آفتاب نے اپنی مسرتوں کو چھپاتے ہوئے کہا "بہن......! آخر ہماری نمرہ میں آپ کو ایسی کیا خوبیاں نظر آ گئی ہیں کہ آپ اسے جلد سے جلد اپنی بہو بنا لینا چاہتی ہیں؟"

"میرا بیٹا نمرہ کو بہت چاہتا ہے۔ ضد کر رہا ہے کہ جلد سے جلد شادی ہو جائے اور میں اپنے بیٹے کی ہر ضد پوری کرتی ہوں۔"

فلک آفتاب نے کہا "آپ بڑی دیر سے اپنے بیٹے کی تعریفیں کر رہی ہیں۔ وہ ہے کہاں ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں؟"

"وہ کچھ بیمار ہے۔ اس وقت سو رہا ہے آپ میرے ساتھ اس کے بیڈ روم میں چلیں۔ اسے دیکھ کر تسلی کر لیں۔ اس میں کوئی جسمانی عیب نہیں ہے۔ ماشاء اللہ ذہین بھی ہے۔"

وہ ان دونوں کو ساتھ لے کر اس کے بیڈ روم میں آئی۔ آہستگی سے دروازہ کھول کر اشارے سے بولی "یہ میرا بیٹا ہے۔"

وہ گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگے۔ دیکھنے میں تو بہت ہی خوب رو، قد آور اور صحت مند تھا۔ در پردہ کیا عیب تھا' کیا خامیاں تھیں یہ دیکھنا ضروری نہیں تھا۔ اتنا ہی کافی تھا کہ وہ بے انتہا دولت مند ہے۔

مسز رانا یہ یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ اس کے بیٹے کی زندگی میں نمرہ آ جائے گی تو پھر وہ الیکٹرک شوک کا عادی نہیں رہے گا۔ بیٹے نے ماں کے سامنے یہ دعویٰ کیا تھا کہ نمرہ کی موجودگی سے اسے محبت کی حرارتیں ملتی رہیں گی' اس سے پیار ملتا رہے گا تو وہ پاگل خانے کی تمام باتیں بھول جائے گا۔

ایک ماہر نفسیات نے، اور دوسرے ڈاکٹروں نے بھی، یہی مشورہ دیا تھا کہ اگر بیٹا ایسا کہتا ہے اور اس طرح اس کا علاج ہو جاتا ہے تو جبران کے حق میں بہتر ہوگا' ورنہ اگر وہ اسی طرح خود کو الیکٹرک شاک پہنچاتا رہا تو جلد ہی اپنی زندگی ہار جائے گا۔

ماں اس کے علاج کے لیے ہر مہنگی دوا خرید سکتی تھی' اس لیے اب نمرہ کو خرید لینا چاہتی تھی۔ وہ تینوں ڈرائنگ روم میں واپس آ گئے۔ فلک آفتاب نے کہا "جبران انٹرپرائز کاروباری دنیا میں بہت جانا پہچانا نام ہے۔ جب آپ کے شوہر رانا حمید زندہ تھے تو ایک بار ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ مرحوم بہت زندہ دل انسان تھے۔"

"میرا بیٹا بھی بہت زندہ دل ہے۔ آپ اس سے باتیں کریں گے تو خوش ہو جائیں گے۔ میں چاہتی ہوں آپ رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیں۔ اس وقت تک جبران بیدار ہو جائے گا تو اس سے بھی ملاقات ہو جائے گی اور میرا دعویٰ ہے کہ آپ اسے پسند کریں گے۔"

"ہم پھر کسی دن آپ کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ ہمارے دو بیٹے ہیں' ایک بہو ہے۔ ہم ان سے بھی اس سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہیں۔"

مسز رانا نے کہا "آپ اپنے بیٹوں کو اور بہو کو کسی بھی طرح راضی کر لیں کہ یہ شادی جلد سے جلد ہو جائے۔"

"آپ شادی کے لیے اتنی جلدی کیوں کر رہی ہیں؟"

اس نے ان دونوں کو دیکھا پھر ذرا ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے بیٹے کے سلسلے میں کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ آج چھپاؤں گی تو کل سب ہی جان جائیں گے۔ یہ تو آپ سمجھتی ہیں جہاں بے انتہا دولت ہوتی ہے وہاں دشمن بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جبران کا سگا چچا جو مجرمانہ ذہنیت رکھتا ہے اور

اب پولیس والوں سے چھپتا پھر رہا ہے۔ اس نے میرے بیٹے سے بدترین دشمنی کی ہے۔"

وہ انہیں بتانے لگی کہ کس طرح رانا مجید نے اپنے بھتیجے جبران سے دشمنی کی تھی اور اسے پاگل خانے پہنچا دیا تھا۔ وہ ایک برس تک پاگل خانے میں رہ کر آیا ہے۔ اس کے ذہن میں اب تک وہاں کے اثرات باقی ہیں۔ وہ اس کا علاج کر رہے ہیں مگر ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اس کی شادی جلد سے جلد ہو جائے تو یہ بالکل نارمل ہو جائے گا۔

بیگم آفتاب نے پریشان ہو کر پوچھا "کیا یہ ایب نارمل ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میرا بیٹا نارمل ہی رہتا ہے لیکن اسے اس قدر بجلی کے جھٹکے پہنچائے گئے ہیں کہ یہ ان کا عادی ہو چکا ہے اور اب کبھی کبھی بجلی کے جھٹکے لینا چاہتا ہے۔ ہم اسے روکتے رہتے ہیں۔ یہ کہتا ہے نمرہ سے شادی ہو جائے گی تو ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا۔ لندن میں اس کا کامیاب علاج ہو سکتا ہے۔ نمرہ کے بغیر وہ وہاں جانا نہیں چاہتا اس لیے آپ کی بیٹی کو جلد سے جلد بہو بنا کر ان دونوں کو لندن لے جانا چاہتی ہوں۔"

وہ دونوں سوچ میں پڑ گئے۔ مسز رانا نے کہا "دیکھیں میں کوئی دھوکا نہیں دوں گی۔ آپ کو پوری طرح مطمئن کروں گی۔ جتنے ڈاکٹروں سے علاج ہو چکا ہے وہ گواہی دیں گے اور ان کی میڈیکل رپورٹ بتائے گی کہ میرا بیٹا نہ تو پاگل ہے اور نہ ایب نارمل۔"

فلک آفتاب نے کہا "ہاں' یہ تو ضروری ہے۔ ہم ان ڈاکٹروں سے ملنا اور اس کی تمام میڈیکل رپورٹس دیکھنا چاہیں گے۔"

مسز رانا نے کہا "سب سے بڑی گواہ تو آپ کی بیٹی ہے۔ وہ ابھی یہاں آئی تھی۔ اس نے جبران کو ایسی حالت میں دیکھا جب اس پر دورہ پڑا تھا اور وہ الیکٹرک شاک لے رہا تھا۔ وہ گواہی دے گی کہ اس کی ذات سے کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے اور نہ ہی وہ کسی اور کو نقصان پہنچاتا ہے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "نمرہ یہاں آئی تھی؟ اس کا مطلب ہے کہ وہ اور جبران ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے ہیں؟"

"ہاں یہ ایک دوسرے کو جانتے تو تھے' لیکن ان کی ملاقات آج پہلی بار ہوئی تھی۔"

"کیا ہماری بیٹی شادی کے لیے راضی ہے؟"

"وہ شاید راضی ہو جائے' لیکن معلوم ہوا ہے کہ وہ کسی اور کو چاہتی ہے۔ آج کے دور میں چاہت' عشق' محبت کسی کام نہیں آتی۔ میں بتا چکی ہوں کہ ہم کتنے دولت مند ہیں۔ آپ اگر یہ رشتہ قبول کر لیں تو میں کل ہی نمرہ کے اکاؤنٹ میں دس کروڑ روپے جمع کر دوں گی تاکہ آپ کو اندازہ ہو کہ مجھے اپنے بیٹے سے کتنی محبت ہے' اور میں اس کے علاج کے لیے کیا کچھ کر سکتی ہوں۔"

وہ دونوں دم سادھے سوچ رہے تھے کہ دس کروڑ کی رقم کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی۔ فلک آفتاب کا کاروبار ان کا بیٹا بابر سنبھالتا تھا۔ وہ لکھ پتی ضرور تھے لیکن ان کے اکاؤنٹ میں پورے ایک کروڑ روپے کبھی جمع نہیں ہوئے تھے اور یہاں تو ان کی بیٹی پلک جھپکتے ہی دس کروڑ کی مالک بن سکتی تھی اور شادی کے بعد تو وہ غنی سے بھی زیادہ دولت مند ہو جاتی۔

فلک آفتاب نے کہا "ہم آپ کی ممتا کو سمجھ رہے ہیں اور آپ کی دریا دلی بھی دیکھ رہے ہیں لیکن ہمیں کچھ وقت چاہیے تاکہ صلاح مشورہ کر کے کوئی فیصلہ کر سکیں۔ ہم آپ سے فون پر رابطہ کریں گے۔"

وہ جانے کے لیے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ مسز رانا بھی اٹھتے ہوئے ان کے ساتھ چلتے ہوئے بولی "میں بے چینی سے آپ کے فون کا انتظار کروں گی اور آپ کی طرف سے اقرار کے لیے میں ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔"

وہ مسز رانا سے رخصت ہو کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں نمرہ کو ساحل سمندر پر لے آیا تھا۔ وہ جبران سے کچھ سہمی ہوئی تھی اور اس سے فون پر بھی بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا "تم ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو' وہ ہمدردی کا مستحق ہے۔"

"اس سے ہمدردی کرنے کے لیے کیا ایک میں ہی رہ گئی ہوں؟" وہ چڑ کر بولی۔

"یہی تو مقدر کا کھیل ہے کہ تم ہی اس سے ہمدردی کے لیے رہ گئی ہو۔ کیونکہ اسے کسی اور کی ہمدردی اور محبت نہیں چاہیے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ وہ پاگل ہے تو کیا میں بھی پاگل بن جاؤں؟"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ وہ پاگل نہیں ہے۔ پاگل خانے میں اس کے ساتھ جو غیر انسانی سلوک کیا گیا' اس کے نتیجے میں وہ کبھی کبھی ایب نارمل ہو جاتا ہے۔"

"چلو مان لیتی ہوں وہ پاگل نہیں ہے۔ دولت مند ہے' خوب رو اور اسمارٹ ہے۔ کوئی بھی لڑکی اس سے شادی کے لیے راضی ہو سکتی ہے لیکن میں اس کے بارے میں سوچنا بھی

نہیں چاہتی۔"

"تمہیں سوچنا چاہیے۔ کیونکہ تمہارے ہاتھ کی ایک لکیر پر وہ لکھا ہوا ہے۔"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا "یہ کیا کہہ رہے ہو۔ تم مجھ سے کہہ چکے ہو کہ میں تو تمہارے مقدر میں لکھی گئی ہوں اور تمہاری شریکِ حیات بنوں گی؟"

"میں نے ٹھیک کہا تھا۔ لیکن یہ بھی تو کہا تھا کہ ہمارے درمیان کئی رکاوٹیں پیدا ہوں گی اور ان میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ جبران ہوگا۔"

"یعنی جبران ہمارا دشمن بن جائے گا؟"

"میں اسے دشمن نہیں کہوں گا۔ وہ تمہارا سچا عاشق ہے۔ بس اس کی وجہ سے ہم کچھ عرصے کے لیے ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے۔"

اس نے پریشان ہو کر میرے بازو کو تھام لیا اور بولی "ایسی باتیں نہ کرو۔ میں تم سے ایک دن کے لیے بھی الگ ہونا نہیں چاہتی۔"

"لوگ اپنی تقدیر بدلنے کے لیے تدبیریں کرتے ہیں۔ تم بھی تدبیر کرو میں بھی کرتا ہوں۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے؟"

ہم کار میں آ کر بیٹھ گئے اور گھر کی طرف چل دیئے۔ ادھر بیگم آفتاب اور فلک آفتاب گھر پہنچ گئے تھے۔ ان کے دل میں کھد بد ہو رہی تھی۔ دس کروڑ روپے ان کے ذہنوں میں ہلچل مچا رہے تھے۔ وہ اگر ابھی ہاں کہہ دیں تو کل اتنی بڑی رقم ان کی بیٹی کے اکاؤنٹ میں پہنچ جائے گی۔ اس رقم سے وہ اپنے کاروبار کو اتنی وسعت دے سکتے تھے کہ عینی اور مقدر حیات کا کاروبار بھی اس کے آگے ہیچ ہو جاتا۔

انہوں نے گھر پہنچتے ہی اسما، ذیشان اور بابر کو ڈرائنگ روم میں بلایا اور انہیں جبران اور اس کی ماں کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگے۔ تمام باتیں سننے کے بعد اسما نے کہا۔ "نمرہ اور مقدر میاں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور آپ بھی مقدر میاں کو داماد بنانا چاہتے تھے پھر......"

بیگم آفتاب نے ناگواری سے کہا "تم اس معاملے میں مداخلت نہ کرو۔ تم تو جب بھی کہو گی بنتے ہوئے کام کو بگاڑنے والی بات کہو گی۔"

ذیشان نے کہا "ممی! مقدر میاں ہمارے اپنے ہیں۔ ہم نے ان سے ملنے کے بعد دو چار دنوں میں ہی اچھی طرح انہیں سمجھ لیا ہے۔ نمرہ ان کے ساتھ خوش رہے گی۔"

"یہاں سے زیادہ وہ وہاں خوش رہے گی۔ وہاں اسے بے حساب دولت مل رہی ہے۔ کوئی اس کی دولت میں حصے دار نہیں ہوگا۔ ہم اگر یہ رشتہ قبول کر لیں تو وہ کل ہی نمرہ کے اکاؤنٹ میں دس کروڑ روپے جمع کرا دیں گے۔"

اسما نے کہا "یعنی بیٹی کا سودا دس کروڑ میں کیا جا رہا ہے؟"

فلک آفتاب نے گرج کر کہا "اسما! اپنی زبان کو لگام دو۔ تمہارے خاندان میں بیٹیوں کی دلالی ہوتی ہوگی۔ ہم دینی اور دنیاوی دستور کے مطابق رشتے کی بات کر رہے ہیں۔ اپنے جوان بیٹوں سے مشورہ کر رہے ہیں۔ جبران جن ڈاکٹروں کے زیرِ علاج رہا ہے۔ ان سے ملیں گے، اس کی تمام میڈیکل رپورٹس دیکھیں گے اور پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد ہی رشتہ قبول کریں گے۔"

اسما وہاں سے اٹھ کر جاتے ہوئے بولی "میرا یہاں بیٹھنا فضول ہے۔ میری باتیں تو زہر لگتی ہیں۔ لیکن جاتے جاتے یہ ضرور کہوں گی کہ نمرہ اس رشتے کے لیے کبھی راضی نہیں ہوگی۔"

بیگم آفتاب بولی "تمہارے منہ میں خاک! وہ میری بیٹی ہے۔ جہاں اپنی بہتری دیکھے گی اسی طرف جھکے گی۔ مقدر میں کیا رکھا ہے۔ جبران کی دولت اور کاروبار کے آگے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔"

پھر اس نے ذیشان سے کہا "بیٹے! میں مقدر میاں کی دوغلی حرکتیں دیکھ رہی ہوں۔ شاید تم بھی سمجھ رہے ہو گے۔ ادھر وہ نمرہ سے شادی کی باتیں کرتا ہے۔ ادھر آسرا کو آسرا دلاتا رہتا ہے۔ میں نمرہ اور آسرا کی طرح کوئی نادان لڑکی نہیں ہوں۔ اس کے عاشقانہ مزاج کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ میں ایسے لڑکے کو اپنا داماد کیسے بنا لوں۔"

فلک آفتاب نے بابر کو دیکھتے ہوئے پوچھا "تم خاموش کیوں ہو کچھ تو بولو؟"

"میں کیا بولوں۔ آپ والدین ہیں اپنی اولاد کی بہتری ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ اگر جبران ایب نارمل نہیں ہے، ڈاکٹروں کی رپورٹس آپ کو مطمئن کرتی ہیں اور نمرہ راضی ہو جاتی ہے تو پھر ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "نمرہ اچھا برا نہیں سمجھ سکتی۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہوئی ہے۔ ہم لوگوں کو ہی اسے سمجھانا ہوگا۔ ہماری ایک ہی بیٹی اور تمہاری ایک ہی بہن ہے۔ اس کے مستقبل کو شان دار بنانا اور اس کا گھر بنانا ہم سب کا فرض ہے۔"

باپ نے بیٹے سے کہا "ذیشان تم بڑے بھائی ہو، تم

سمجھاؤ گے تو وہ تمہاری بات مان لے گی۔"

وہ بولا "ڈیڈی! میں مقدر میاں کو بہت پسند کرتا ہوں۔ میں اسے کیسے ناپسند کروں؟ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ چند گھنٹے پہلے تک آپ کو بھی اس میں اچھائیاں ہی نظر آ رہی تھیں۔ میں اپنی بہن سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ مقدر میاں کے بارے میں وہ اپنا ارادہ بدل کے جبران سے شادی کر لے۔"

بیگم آفتاب نے پوچھا "یعنی تم ہمارے بڑے بیٹے ہو کر بھی ہماری حمایت نہیں کرو گے؟"

"اگر حمایت میں نہ بولا، تو مخالفت میں بھی نہیں بولوں گا۔ اس کا فیصلہ نمرہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ بابر کا کہنا درست ہے کہ نمرہ راضی ہو جائے تو ہم میں سے بھی کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔"

اسی وقت میں نمرہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ سب ذرا دیر کے لیے چپ ہو گئے۔ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ گرگٹ بھی اتنی جلدی رنگ نہیں بدلتا ہوگا۔ ماں نے نمرہ سے پوچھا "کہاں گئی تھیں؟ تمہیں ہم سے پوچھے بغیر کسی کے ساتھ یوں باہر نہیں جانا چاہیے۔"

نمرہ حیرت سے ان کی طرف دیکھ کر بولی "کسی کے ساتھ......؟ یہ مقدر آپ کے لیے کسی کب سے ہو گئے؟"

اسما اوپر بالکنی کی ریلنگ سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے کہا۔ "جب سے جبران صاحب کا رشتہ گلے پڑ گیا ہے۔"

بیگم آفتاب نے غصے سے چیخ کر کہا "ذیشان اپنی اس چہیتی کا منہ بند کر دو۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

ذیشان اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے بولا "اسما کمرے میں چلو۔"

بیگم آفتاب نے پوچھا "تم کہاں جا رہے ہو؟ بہن سے بات نہیں کرو گے؟"

اس نے سیڑھیوں پر رک کر مجھے اور نمرہ کو دیکھا اور بولا "ممی! میں کہہ چکا ہوں، جو فیصلہ نمرہ کا ہوگا، وہی ہمارا ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ اسما سمیت اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ نمرہ نے جبران کا نام سنتے ہی سمجھ لیا کہ مسز رانا اس کی ممی اور ڈیڈی تک رسائی حاصل کر چکی ہے۔ بیگم آفتاب نے کہا "مقدر میاں آسرا تمہیں پوچھ رہی تھی۔ اپنے کمرے میں ہے۔"

میں نے مسکرا کر نمرہ سے پوچھا "کیا خیال ہے؟ کیا میں جاؤں؟"

وہ بولی "نہیں۔ ابھی تم میرے کمرے میں چلو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

بیگم آفتاب نے کہا "بیٹی تم بعد میں مقدر میاں سے باتیں کر لینا۔ ابھی میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"آپ کچھ نہ کہیں تو بہتر ہے۔ میں سمجھ رہی ہوں۔ مجھے جبران اور مسز رانا کا ذکر پسند نہیں ہے۔"

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے ذرا پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا اور فلک آفتاب نے کہا "بیٹی! جوان ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم سمجھ دار ہو چکی ہو اور دنیا کو سمجھنے لگی ہو۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا "تم میرے کمرے میں آؤ۔ یہ تمہارے باپ کا حکم ہے۔"

یہ کہہ کر وہ کوئی جواب سنے بغیر منہ پھیر کر وہاں سے چلا گیا تو بیگم آفتاب بھی اس کے پیچھے چلی گئی۔ نمرہ نے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا "تمہیں جانا چاہیے۔ دیکھو ان کے سامنے کوئی گستاخی نہ کرنا۔"

اس نے ایسی نظروں سے مجھے دیکھا، جیسے کہہ رہی ہو۔ "کیوں مجھے امتحان میں ڈال رہے ہو؟"

میں نے اس کے شانے کو تھپک کر کہا "جاؤ۔"

وہ نظریں جھکا کر وہاں سے چلی گئی۔ میں اس کی پریشانیوں کو سمجھ رہا تھا۔ دراصل وہ مستقل مزاج نہیں تھی۔ پہلے تو وہ جبران کو کوئی مردہ سمجھ کر اس سے کتراتی رہی تھی۔ اس سے دور بھاگتی رہی تھی پھر جب اس سے ملاقات ہوئی تو وہ اس سے کسی حد تک متاثر بھی ہوئی۔ وہ خوب رو اور پرکشش تھا۔ بہت اچھی گفتگو کرتا تھا اور اپنی باتوں سے سامنے والے کو جیت لیتا تھا۔ وہ کسی حد تک اسے پسند بھی آیا مگر پسند کرنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی۔ جب اس پر دورہ پڑا اور وہ الیکٹرک شاک لینے لگا تو وہ بری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی اور پسندیدگی کا جو تاثر اس کے دل میں پیدا ہوا تھا وہ یک لخت ختم ہو گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آئندہ اس سے ملاقات نہیں کرے گی، اور نہ ہی فون پر بات کرے گی۔

پھر میں نے اسے سمندر کے ساحل پر لے جا کر اچھی طرح سمجھایا کہ اسے جبران سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر وہ اس سے محبت نہیں کر سکتی نہ کرے، ہمدردی تو کرے کیونکہ وہ بیمار ہے اور اس بیمار کی مسیحا صرف وہی تھی، وہی اسے نارمل بنا سکتی تھی۔

میری باتوں سے وہ پھر کسی حد تک جبران کی طرف مائل ہو گئی تھی اور آئندہ اس سے ملاقات کرنے اور اس سے بات کرنے پر بھی راضی ہو گئی تھی۔ اب ماں باپ اسے تنہائی میں سمجھانا چاہتے تھے کہ وہ عشق و محبت کے چکر میں نہ پڑے۔ خاص طور پر میرے فریب میں نہ آئے کیونکہ میں اس کے

ساتھ ساتھ آسرا میں بھی دلچسپی لے رہا ہوں اور یہ سب کے سامنے کہہ چکا ہوں کہ ہوسکتا ہے کبھی آسرا میری دلہن بن جائے۔

یہ ایسی بات تھی جو نمرہ کو کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ پھر وہ خود بھی دیکھ رہی تھی کہ میں آسرا میں بھی دلچسپی رکھتا ہوں۔ اس کے ساتھ باہر تفریح کے لیے جاتا ہوں۔ میں نے اسے تحفہ بھی دیا۔ یہ تمام باتیں ایسی تھیں جو نمرہ کے دل میں میرے لیے بے اعتمادی پیدا کرسکتی تھیں۔

میں اپنے کمرے میں آ کر لباس تبدیل کررہا تھا اور بیگم آفتاب اپنے کمرے میں بیٹی کو سمجھا رہی تھیں "یہ مقدر بچپن سے لندن میں پرورش پاتا رہا ہے۔ وہاں کے ماحول میں کتنی بے شری ہے یہ تم جانتی ہو۔ لڑکیاں خود ہی آ کر گلے پڑتی ہیں۔ مقدر جیسے رئیس بھی ان کے ساتھ کبھی اُس کے ساتھ وقت گزارتے رہتے ہیں۔ وہ یہاں آ کر پارسا بنا پھرتا ہے لیکن عادت سے مجبور ہے۔ یہاں بھی اِدھر تم میں اُدھر آسرا میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ابھی خاندان کی کئی لڑکیاں آئیں گی۔ یہ ان سے متعارف ہوا تو ادھر بھی لڑھک سکتا ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "دوسری لڑکیوں کی باتیں چھوڑو۔ یہ دیکھو کہ اگر وہ تم سے شادی کرلیتا ہے اور بعد میں کہتا ہے کہ آسرا کے مقدر میں بھی اسی سے شادی کرنا لکھا ہے تو ہم اس کا کیا بگاڑ لیں گے۔ وہ تمہیں ایک سوکن کے ساتھ رہنے پر مجبور کردے گا۔"

ماں نے کہا "ہمیں مقدر میاں سے کوئی عداوت نہیں ہے۔ وہ بھی دولت مند ہے لیکن جبران کے مقابلے میں کم ہے۔ پھر یہ کہ جبران کے سائے میں تمہیں زیادہ خوش حالی ملے گی۔ ایک بوڑھی ماں ہے۔ وہ آخر کتنے دن جئے گی۔ اس کے بعد تم ہی ساری دولت اور جائداد کی مالک بن جاؤ گی۔"

نمرہ نے کہا "آپ دونوں میری بہتری کے لیے مجھ سے یہ کہہ رہے ہیں' لیکن یہ عجیب بات ہے کہ میں مقدر کی چاہت سے باز آجاؤں۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ میں اسے دل سے چاہتی ہوں۔"

"کیا اس وقت بھی اسے دل سے چاہو گی۔ جب وہ آسرا کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اسے تمہاری سوکن بنا لائے گا؟"

فلک آفتاب نے کہا "اس کا ایک حل یہ ہے کہ تم ابھی مقدر میاں کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ کیا وہ تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ تمہیں پکے کاغذ پر لکھ کردے سکتے ہیں کہ تمہارے بعد وہ کسی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کریں گے؟ ہم نکاح کے وقت پچاس کروڑ کی رقم مہر کے طور پر لکھوائیں گے اور یہ کہ اگر وہ دوسری شادی کریں گے یا تم پر سوکن لائیں گے تو خود بخود طلاق ہوجائے گی۔"

"ڈیڈی یہ شادی تو نہیں کاروباری لین دین کی سی بات ہوئی۔"

"لین دین کی بات کیے بغیر تمہارے محفوظ مستقبل کی ضمانت نہیں ملے گی۔ اب یہی دیکھو کہ مسز رانا کسی شرط کے بغیر صرف رشتہ منظور کرنے پر دس کروڑ روپے تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کرانے کو تیار ہے اور پھر نکاح کے دوسرے دن تمہارے اکاؤنٹ میں پچاس کروڑ روپے جمع کردیئے جائیں گے اور ہم نے اس لیے لین دین کی بات نہیں کی تھی۔ نہ ہی ہم مقدر میاں سے ایسی باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں تو خود ہی مستقبل میں تمہارے تحفظ کی ضمانت دینی چاہیے۔"

"نمرہ ذرا خود سوچو۔ اگر وہ اس طرح کی ضمانت ایک پکے کاغذ پر لکھ دیتا ہے کہ کبھی تم پر سوکن نہیں لائے گا تو اس میں تمہاری بہتری ہے۔ آسرا کا نام ہمیشہ کے لیے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے گا۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ماں نے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "میں ابھی مقدر سے اس کا فیصلہ پوچھتی ہوں۔"

ماں باپ خوش ہوگئے۔ ماں نے کہا "ہم یہاں تمہارا انتظار کریں گے۔"

وہ سر جھکا کر کمرے سے نکل گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں نے اپنے دروازے پر دستک سن کر کہا "آجاؤ۔"

اس نے دروازے کو ذرا سا کھول کر دیکھا۔ میں لباس تبدیل کرچکا تھا۔ اپنی کلائی سے گھڑی اتار کر میز پر رکھ رہا تھا پہلے ہی اسے یہ بات بری لگی تھی کہ میں آسرا کے تحفے کو اپنی کلائی سے باندھے رکھتا ہوں۔

اسے دیکھ کر میں بولا "ارے نمرہ! اندر آجاؤ۔"

وہ اندر آ کر ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ میں نے پوچھا "کیا مجھے بیٹھنے کے لیے کہنا ہوگا؟ تم کچھ بدلی بدلی سی لگ رہی ہو۔ بات کیا ہے؟"

وہ بولی "تم نے مجھے سمجھایا تھا کہ میں ابھی جا کر باتیں کروں تو والدین سے گستاخی نہ کروں۔"

"بے شک' والدین کا احترام ہر حال میں کرنا چاہیے۔"

"تم یہ مانتے ہو کہ والدین اپنی اولاد کی بہتری کے لیے سوچتے ہیں؟"

"بے شک' یہی والدین کی عظمت ہے کہ وہ ہماری [illegible]ش سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک ہمارے لیے [illegible]ن کرتے رہتے ہیں۔"

وہ بولی "والدین دعا بھی دیتے ہیں اور اچھی تعلیم و [illegible]ت بھی دیتے ہیں۔ زہانت کی باتیں بھی سکھاتے ہیں اور [illegible]ں نے ہی مجھے یہ عقل دی ہے کہ لڑکیوں کو شادی سے پہلے [illegible] بہترین مستقبل کی ضمانت حاصل کرلینی چاہیے۔"

"ہوں...... بہت معقول بات سمجھائی ہے۔"

"تم مجھے کیا ضمانت دو گے؟"

میں نے ذرا تعجب سے اسے دیکھا پھر پوچھا "ہماری [illegible]ی کب ہورہی ہے کہ میں ضمانت دوں؟"

وہ ذرا جھینپ سی گئی پھر بولی "ابھی نہ سہی۔ کبھی تو ہوگی۔ [illegible]نے مجھے پروپوز کیا ہے۔"

"بے شک' میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں پھر [illegible]رے ہاتھ کی لکیریں بھی یہی کہتی ہیں کہ تم میری شریکِ [illegible]ت بنو گی۔"

"یہی بات تم نے آسرا سے بھی کی ہے کہ وہ مقدر کی پھیری سے کبھی تمہاری دلہن بن سکتی ہے۔"

"میں حقیقت سے انکار نہیں کروں گا۔ ہم سب لکیر کے [illegible] ہیں۔ جو لکیریں کہہ دیتی ہیں۔ ہمیں اس پر چلنا پڑتا [illegible]۔"

"انسان کے پاس عقل ہے۔ اگر وہ چاہے تو تدبیر سے [illegible]ر کو بدل سکتا ہے۔ فرض کرو میری تم سے شادی ہوگئی۔ اس [illegible] بعد اگر تم نے کہا کہ تقدیر تمہیں آسرا سے شادی کرنے پر [illegible]ر کررہی ہے تو کیا میں مان لوں گی؟"

"تمہارے نہ ماننے کے باوجود تقدیر کا لکھا پورا ہوگا۔ ہم [illegible] موت نہیں چاہتے اور تدبیر بھی کرتے رہتے ہیں' لیکن [illegible] اپنے مقررہ وقت پر مرنا ہی پڑتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ [illegible] دشمن ترقی نہ کرے لیکن ہمارے نہ چاہنے کے باوجود وہ [illegible] کرتا ہے۔ تم سوچو گی کہ میں ہرجائی ہوں۔ مجھ سے شادی [illegible] کرنا چاہیے لیکن ایک دن ضرور مجھ سے شادی کرو گی۔ [illegible] بڑی جنگیں جیتنے والوں کو بھی مقدر سے ہارنا پڑتا ہے۔"

"میں نہیں مانتی۔ میں اپنی تدبیر سے تمہیں جیت سکتی [illegible]۔ اگر تم تعاون کرو۔"

"میں تم سے بھرپور تعاون کروں گا۔ بولو کیا چاہتی ہو؟"

"میں اپنی زندگی میں سوکن کا راستہ روکنا چاہتی ہوں۔ [illegible]کی ایک ہی صورت ہے کہ تم شادی سے پہلے پکے کاغذ پر لکھ [illegible] مجھ سے شادی کرنے کے بعد دوسری شادی کبھی نہیں کرو گے۔"

میں نے کہا "مختلف عورتوں کے مختلف مزاج ہوتے ہیں۔ میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارا مزاج اور تمہارے ارادے بدلتے رہتے ہیں۔ اگر تمہیں یہ لکھ کردے دوں کہ تم پر کوئی سوکن نہیں آئے گی۔ میں کوئی دوسری شادی نہیں کروں گا تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم میرے سر پر نہیں ناچو گی۔ عشق و محبت' شوہر پرستی بھول کر ایک مغرور بیوی بن جاؤ گی اور میرے لیے ہمیشہ دردِسر بنی رہو گی۔"

"میں یہ لکھ کردے سکتی ہوں کہ ہمیشہ تمہاری وفا شعار بیوی بن کر رہا کروں گی۔"

"کیا یہ بھی لکھ کردو گی کہ میرے مزاج کے خلاف کوئی حرکت کرو گی تو فوراً ہی طلاق ہوجائے گی یا پھر مجھے یہ حق حاصل ہوگا کہ میں ذہنی سکون کے لیے دوسری شادی کروں؟"

"گھوم پھر کر اسی دوسری شادی پر آگئے۔ تمہارے دل و دماغ میں تو آسرا چھپی ہوئی ہے' تم اسے ضرور میری سوکن بنا کر لاؤ گے۔"

"میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا۔ ایک بار کہہ چکا ہوں وہ ہمدردی کی مستحق ہے' اس کی زندگی مختصر ہے۔ میں محض اسے زیادہ سے زیادہ خوشیاں دینا چاہتا ہوں۔ تم کیوں اسے اپنی سوکن سمجھنے لگی ہو؟"

"میں لمبی بحث نہیں کروں گی۔ کیا مجھے یہ لکھ کردے سکتے ہو کہ میں ہی تمہاری شریک حیات رہوں گی اور تم کبھی دوسری شادی نہیں کرو گے؟"

"جب میں یہ جانتا ہوں کہ تم ایک دن ضرور میری شریک حیات بنو گی تو خواہ مخواہ کیوں پکے کاغذ پر کچھ لکھ کردوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک مجھے گھورتی رہی پھر بولی "دیکھو مقدر' ممی اور ڈیڈی میرے فیصلے کا انتظار کررہے ہیں۔ ان کا فیصلہ یہ ہے کہ اچھا رشتہ آرہا ہو تو اسے ٹھکرانا نہیں چاہیے اس لیے وہ میری بہتری کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ تم مجھے لکھ کر کیوں نہیں دے دیتے کہ صرف مجھ سے شادی کرو گے۔ کوئی دوسری تمہاری زندگی میں نہیں آئے گی۔"

"میں دوسروں کی قسمت کا حال بتاتا ہوں۔ ہونی اور انہونی کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں لیکن ابھی بتا نہیں سکتا اور نہ لکھ کردے سکتا ہوں۔"

"تم ایک سیدھا سا جواب دو۔ کیا چاہتے ہو اور مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔

''تم میں ہمت ہے تو دنیا سے بغاوت کر دو۔ ورنہ ماں باپ جہاں کہتے ہیں' شادی کر لو۔ مگر تم جا کر اپنے ممی ڈیڈی سے کہہ دو کہ وہ جہاں شادی کرنا چاہیں گے تم انکار نہیں کرو گی۔''

وہ چڑ کر بولی ''صاف کیوں نہیں کہتے کہ آسرا تمہارے حواس پر چھائی ہوئی ہے اور مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے یہ مشورہ دے رہے ہو۔''

میں نے مسکرا کر کہا ''نہ میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا اور نہ تم میرا پیچھا چھوڑو گی۔ ہم دونوں مقدر کی زنجیروں سے بندھے ہوئے ہیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ آج تک میری کوئی پیش گوئی غلط ثابت نہیں ہوئی۔ تم بھی آزما کر دیکھ لو۔'' وہ ذرا تذبذب سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی ''یہ تو میں مانتی ہوں کہ تم سچی پیش گوئیاں کرتے ہو۔ ایک بار پھر کہو' کیا میں اپنی ممی اور ڈیڈی کی بات مان لوں؟''

میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا ''تم خدا پر بھروسا کرو' مجھ پر بھروسا کرو اور ان کی بات مان لو۔''

وہ میری طرف تنبیہی انداز میں انگلی اٹھا کر بولی ''دیکھو اگر مجھ سے پیچھا چھڑا کر آسرا سے شادی کرو گے تو میں اپنی جان دے دوں گی۔''

''میری جان! ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ تم جاؤ۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہی کرو۔''

وہ سر جھکا کر وہاں سے جانے لگی تو میں نے کہا ''ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔''

وہ رک کر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔ ''جب مسز رانا سے ملاقات ہو تو ان سے کہنا کہ انہوں نے لندن میں ایک نجومی سے ملاقات کی تھی اور اس نجومی نے انہیں متاثر بھی کیا تھا۔'' وہ حیرت سے بولی ''تو کیا تم مسز رانا سے مل چکے ہو؟''

''ہاں۔ اب سے تین برس پہلے ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان محترمہ سے کہو کہ تم جبران کی قسمت کا حال معلوم کرنا چاہتی ہو اور یہ جاننا چاہتی ہو کہ کیا وہ نارمل ہو کر تمہارے ساتھ ازدواجی زندگی گزار سکے گا؟''

وہ چہک کر بولی ''یہ تو بڑی اچھی ترکیب ہوئی اور میں سمجھتی ہوں مسز رانا میری اس بات پر راضی بھی ہو جائیں گی۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے پاس آئی اور میرے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بولی ''زندگی ایک جوا ہے اور میں تمہارے کہنے پر بہت بڑا جوا کھیلنے جا رہی ہوں۔ میں سر سے پاؤں تک صرف تمہاری امانت ہوں۔ اس اما[نت] کو کسی دوسرے کے ہاتھ نہ لگنے دینا۔''

یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹی اور باہر نکل گئی۔

☆☆☆

عینی اور عروج بجھی بجھی سی رہنے لگی تھیں۔ میری پیش گوئی نے ان کے دلوں میں امید کی کرن تو پیدا کی کہ ''وہ جہاں بھی ہے زندہ سلامت ہے' اور کبھی نہ کبھی ان [سے] ضرور ملے گا۔''

اگر میں یہ پیش گوئی نہ کرتا تو وہ دونوں صدمات [سے] ٹوٹ جاتیں۔ ہر آنے والا دن ان سے کہتا تھا' یا شاید آ[نے] والا ہے۔ وہ دونوں اب دن رات ساتھ رہنے لگی تھیں۔ عروج نے ہمیشہ کے لیے اپنا گھر چھوڑ دیا تھا۔ اسی دورا[ن] کے باپ سید تراب علی شاہ کو اطلاع ملی کہ اس کا بیٹا حشم[ت] شاہ ہانگ کانگ میں مارا گیا ہے۔

ہانگ کانگ پولیس کی رپورٹ کے مطابق پاکستا[ن سے] ایک میاں بیوی آئے تھے۔ بیوی کا نام آرزو تھا اور شوہ[ر] سید حشمت علی شاہ۔ آرزو کی لاش ہوٹل کے کمرے میں [ملی تھی۔] اسے کسی نے گولی ماری تھی۔ سی پورٹ ایسٹ کے سا[حل پر] حشمت کی لاش پائی گئی تھی۔ اس کے جسم پر کئی گولیاں لگی [تھیں۔] اس کے قاتلوں کو تلاش کیا جا رہا تھا لیکن آرزو کو قتل کر[نے والا] قاتل گرفتار ہو چکا تھا۔ اس قاتل کو ان دو لاشوں کے [ساتھ] پاکستانی پولیس کے حوالے کیا جانے والا تھا۔ تراب [علی] سے کہا گیا تھا کہ ضروری قانونی کارروائیاں مکمل ہو[نے کے] بعد حشمت کی لاش اس کے حوالے کر دی جائے گی۔

بیٹے کی موت کی خبر سنتے ہی بیگم شاہ کا کلیجہ صد[مے سے] پھٹ پڑا تھا۔ تراب علی دوڑتا ہوا ذیشان کے پا[س آیا۔] ذیشان نے کہا ''میں نے ہی یہ اطلاع آپ کے پا[س بھیجی] ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کا بیٹا دردانہ کی درندگی [سے نہ بچ] سکا۔''

وہ روتے ہوئے غصے سے بولا ''تم کس لیے یہ[اں] ہو؟ اتنے بڑے افسر ہو کیا ایک عورت کو درندگی سے [نہیں روک] سکتے؟''

''وہ کوئی معمولی عورت نہیں رہی ہے۔ ابھی تو [آپ یہ] بھی سنیں گے کہ آپ کے بیٹے کے قتل کا الزام وہ مج[ھ پر عائد] کرنے والی ہے۔''

ذیشان اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آیا او[ر تسلی] دینے لگا ''جوان بیٹے کی موت کا صدمہ کیا ہوتا ہے' [میں] اندازہ کر سکتا ہوں۔ آپ پر تو قیامت گزر رہی ہو[گی۔ آپ]

[...]نے دیکھا ہم سب نے اسے بچانے کے لیے کیا کیا جتن نہیں [کیے]۔ اسے ملک سے باہر تک بھیج دیا مگر آپ اس عورت کی [طاق]ت اور وسائل کا اسی بات سے اندازہ کر لیں کہ اس نے [وہ]اں بھی موت کے فرشتوں کو بھیج دیا۔ ہمارے مقدر میاں صحیح [کہ]تے ہیں کہ تقدیر سے کوئی لڑ نہیں سکتا۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے اور اس کی جگہ کا بھی خدا نے تعین کر رکھا ہے۔ خدا آپ کو [صب]ر اور ہمت دے۔''

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولا ''تم نے حشمت کو بچانے کے لیے بہت کوششیں کیں مگر اللہ کی مرضی۔ اب ایک احسان اور [کرو] کہ میرے بیٹے کی لاش جلد سے جلد مجھے مل جائے تا کہ اس [کی] آخری رسومات جلد ادا کر وا سکوں۔''

ذیشان نے اسے تھپکتے ہوئے کہا ''میری بھی یہی کوشش [ہو]گی۔ میں آپ کو اطلاع دوں گا۔''

[ح]شمت نے عینی کے ساتھ جو عداوت کی تھی۔ اس کے [نتی]جے میں عروج نے قسم کھائی تھی کہ اس گھر میں اب کبھی نہیں [جا]ئے گی۔ جہاں وہ بے حیا بھائی رہتا ہے لیکن جب بھائی کی [مو]ت کی اطلاع ملی تو وہ بے اختیار رونے لگی۔ عینی نے بھی [اس]ے گلے لگا کر مشورہ دیا کہ ''اب تمہیں اپنے گھر جانا چاہیے۔ [تمہ]ارے ممی اور ڈیڈی بیٹے سے محروم ہو چکے ہیں۔ اب تم [انہی]ں تسلی دو اور بیٹی سے تو محروم نہ کرو۔''

عروج نے کہا ''تم بھی بھائی جان کو معاف کر دو اور [میر]ے ساتھ گھر چلو۔''

''میں ضرور چلوں گی۔ تمہارے بغیر تو میں رہ نہیں سکتی۔'' [پ]ھر وہ اپنے بیگ میں سامان رکھنے لگیں۔

اسما' نمرہ اور آسرا بھی وہاں آ گئیں اور عروج کے ساتھ [تع]زیت اور ہمدردی کا اظہار کرنے لگیں۔ اسما نے کہا ''تم [نے] گھر جانے کا فیصلہ کر کے بہت اچھا کیا ہے۔ تمہاری [مو]جودگی سے انکل اور آنٹی کو تسلی ہوگی اور تم ان کا دکھ کسی حد [تک] ہلکا کر سکو گی۔''

وہ سب باتیں کرتی ہوئی کوٹھی سے باہر آئیں اور عینی اور [عر]وج کار میں بیٹھ کر وہاں سے چلی گئیں۔ ان کے جانے کے [بعد] اسما نے نمرہ سے پوچھا ''تمہاری ممی اور ڈیڈی نیا رشتہ لے [ک]ر آئے تھے۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟''

آسرا بولی ''میں نے بھی سنا ہے کہ تمہارے لیے کوئی [رش]تہ آیا ہے۔ میری ممی تو خوش ہو رہی تھیں تو میں نے کہا کہ [انہ]یں خوش نہیں ہونا چاہیے۔ لڑکیاں کسی ایک کو دل دیتی ہیں [او]ر تم مقدر کو دل دے چکی ہو۔ کسی اور سے شادی کے لیے [راض]ی کیسے ہوگی۔''

نمرہ نے اسما اور آسرا کو گہری سنجیدگی سے دیکھا اور بڑے ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''میں شادی کے لیے راضی ہو چکی ہوں۔''

دونوں نے چونک کر اسے دیکھا ''کیا......؟''

اسما نے حیرت سے پوچھا ''کس سے؟''

''جبران سے......''

آسرا نے مسکراتے ہوئے کہا ''کیوں مذاق کر رہی ہو؟''

''یہ مذاق نہیں ہے۔ میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ مقدر کسی ایک فیصلے پر قائم نہیں ہے۔ وہ مجھ سے بھی شادی کرنا چاہتا ہے اور تم سے بھی اور وہ سب ہی کے سامنے کہہ چکا ہے کہ تمہارے ہاتھ کی لکیر بدل سکتی ہے اور اس کا امکان ہے کہ تم اس کی دلہن بن جاؤ۔''

آسرا نے کہا ''اس نے یہ بھی تو کہا ہے کہ شادی میری موت ہے۔ میں موت کو کیوں گلے لگاؤں؟ میں مقدر سے تو کیا کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی۔''

اسما نے کہا ''نمرہ یہ باتیں ہم سب نے سنی ہیں۔ آسرا تو پہلے بھی کہہ چکی ہے کہ وہ شادی نہیں کرے گی پھر تم اس کا حوالہ کیوں دے رہی ہو؟ تم صرف اتنا بتاؤ تمہیں مقدر میاں سے محبت ہے یا نہیں ہے؟''

اس نے اسما اور آسرا کو دیکھا پھر کہا ''یہ تو میرا دل ہی جانتا ہے کہ میں مقدر کو کتنا چاہتی ہوں لیکن اس کی دوہری باتوں نے الجھا دیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ شادی آسرا کی موت ہوگی اور یہ بھی کہا ہے کہ ہاتھ کی لکیر بدل جائے تو یہ اس کی دلہن بن سکتی ہے۔''

اس نے اسما سے کہا ''بھابی جان آسرا میری بہن ہے۔ میں اسے بہن اور سہیلی بنا کر اسے گلے لگا سکتی ہوں لیکن کسی کو بھی سوکن بنا کر اپنے گلے پر چھری پھیرنے کی حماقت نہیں کر سکتی۔''

اسما نے کہا ''تمہیں اندیشہ ہے کہ مقدر میاں تم سے شادی کرنے کے بعد آسرا سے بھی شادی کر لیں گے؟ مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔ وہ ایسے تو نہیں ہیں۔''

''جو ایسے نہیں ہوتے وہ بھی مقدر کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایسے ہی ہو جاتے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے' میں کوئی رسک لینا نہیں چاہتی۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے جانے لگی۔ اسما نے کہا ''نمرہ سنو تو سہی' تم بہت بڑی غلطی کرنے جا رہی ہو۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور دروازہ کھول کر کوٹھی کے

اندر چلی گئی۔

عروج کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ عینی اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔ اسے قریب کا منظر دھندلا دھندلا دکھائی دیتا تھا۔ ونڈ اسکرین کے باہر وہ دور تک دیکھ نہیں سکتی تھی۔ بس یونہی تک رہی تھی۔ عروج نے پوچھا۔ ''کیا سوچ رہی ہے؟''

وہ بولی ''وہی جو تو سوچتی رہتی ہے۔ میری اور تیری سوچ الگ نہیں ہے۔ سچ بول' اس وقت پاشا کے بارے میں سوچ رہی ہے نا؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''اب تو ہمارا سونا جاگنا' اوڑھنا بچھونا وہی ہو گیا ہے۔ میں دن رات یہی سوچتی رہتی ہوں کہ وہ کہاں ہو گا؟ اور کس حال میں ہو گا؟''

عینی نے کہا ''مقدر بھائی کی پیش گوئی نے بڑا حوصلہ دیا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے وہ ضرور آئے گا پھر سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ کب آئے گا' کہاں ملاقات کرے گا' کیا اطلاع دے کر آئے گا یا اچانک ہی ہمارے سامنے پہنچ جائے گا؟''

عروج نے ڈرائیو کرتے ہوئے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہا ''وہ اچانک آئے یا اطلاع دے کر آئے۔ جب بھی سامنے آئے گا تو اسے دیکھ کر خوشی کے مارے سانسیں رکنے لگیں گی۔''

عینی نے کہا ''میں تو شاید سانس لینا ہی بھول جاؤں گی۔ یا اللہ! وہ وقت وہ گھڑی کب آئے گی؟''

عروج نے ایک سگنل کے سامنے گاڑی روک دی۔ ٹریفک کا اچھا خاصا ہجوم تھا۔ آگے بھی گاڑیاں تھیں اور دائیں بائیں بھی گاڑیاں آ کر رک رہی تھیں۔ عینی نے ایک گہری سانس لے کر اپنے دائیں طرف سر گھمایا تو ایک ذرا ٹھٹک گئی۔ ذرا غور سے دیکھنے لگی۔ ابھی ابھی جو ایک ٹیکسی آ کر رکی تھی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر پاشا بیٹھا ہوا تھا۔

وہ یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ پاشا ہی ہے کیونکہ دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا لیکن دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ وہ پاشا ہی ہے۔ اس نے فوراً ہی عروج کے بازو کو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا ''عروج ادھر دیکھ مجھے پاشا دکھائی دے رہا ہے۔''

عروج نے چونک کر پوچھا ''کہاں ہے؟ کہاں دکھائی دے رہا ہے؟''

''ادھر آگے کیا دیکھ رہی ہے؟ میری دائیں طرف دیکھ۔ ادھر جو گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر پاشا بیٹھا ہوا ہے۔''

سگنل کی سبز بتی روشن ہو گئی۔ گاڑیاں آگے بڑھنے لگی[ں]۔ عروج نے سر اٹھا کر ادھر دیکھنا چاہا تو وہ ٹیکسی آگے بڑھ [رہی] تھی۔ عینی نے کھڑکی سے سر نکال کر آواز دی ''پاشا رک... رک جاؤ...... پاشا......!''

پیچھے والی گاڑیاں ہارن بجا بجا کر انہیں آگے بڑھنے کو کہہ رہی تھیں۔ عروج تیزی سے گاڑی آگے بڑھا کر اس کے قریب جانے کی کوشش کرنے لگی لیکن بیچ میں اور گاڑیاں آ گئی تھیں۔ آگے اور دائیں بائیں اتنی گاڑیاں تھیں کہ وہ ... سے آگے نکل کر ٹیکسی کے قریب نہیں پہنچ سکتی تھی۔

عینی چیخ چیخ کر آوازیں دے رہی تھی۔ عروج نے ... ''خاموش ہو جاؤ عینی! ٹریفک کے شور میں وہ تمہاری ... نہیں سن پائے گا۔ میں کوشش کر رہی ہوں کہ وہ ٹیکسی نظر سے اوجھل نہ ہو۔''

آگے پھر ایک سگنل آ رہا تھا۔ وہ ٹیکسی بائیں طرف والے راستہ کی لین میں تھی۔ عروج بھی اپنی گاڑی اس ... میں لے آئی۔ اس طرح وہ دوسری گاڑیوں سے کتراتی دوسری سڑک پر مڑنے لگی اور دوسری سڑک پر پہنچتے ہی رفتار ... کر دی۔ اس کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ صرف وہ ... چلی جا رہی تھی۔ وہ دونوں لحظہ بہ لحظہ اس کے قریب پہنچ ... تھیں۔ قریب پہنچتے پہنچتے عینی پھر چیخ چیخ کر آوازیں د[ینے لگی]۔ ''پاشا......! گاڑی روکو...... پاشا......! گاڑی روکو...... روکو......''

وہ چیخنے کے ساتھ ساتھ کھڑکی کے باہر ہاتھ ہلا [رہی] جا رہی تھی۔ ٹیکسی ذرا آگے جا کر رکنے لگی۔ عروج نے ٹیکسی سے آگے آ کر اپنی کار روکی اور وہ دونوں ا[پنی] طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئیں۔ ڈرائیور اپنی [طرف کا] دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا۔ وہ دونوں دم سادھے دیکھنے لگیں۔ وہ پاشا نہیں تھا۔ اس نے پوچھا ''جی...... چاہیے؟''

وہ دونوں ڈوبتے ہوئے دل سے اسے دیکھ رہی [تھیں]۔ عروج نے انکار میں سر ہلایا۔ عینی کے دل سے ایک آہ [نکلی] ''خدایا......! میں کب تک اندھی بنی رہوں گی۔ کب تک دھندلائی ہوئی دنیا کو دیکھتی رہوں گی۔ مجھے اتنی بینائی [دے] کہ میں اپنے پاشا کو دیکھ سکوں' پہچان سکوں۔''

عروج کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کار چلاتی ہو[ئی] دوڑتی ہوئی' وہاں تک آئی ہے اس کے دل سے بھی [آواز آ] رہی تھی ''یا خدا! میں تو دنیا کے آخری سرے تک اس... دوڑتی رہوں گی مگر وہ دکھائی تو دے۔''

وہ دونوں سر جھکا کر کار کے اندر آ کر بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

گل خانم یہی سمجھ رہی تھی کہ وہ اپنے یاور خان سے موبائل فون پر باتیں کر رہی ہے۔ یہ موبائل فون بڑا دھوکا دیتا ہے۔ یہ نہیں بتاتا کہ باتیں کرنے والا ہزاروں میل دور ہے یا کہیں قریب ہی سے بول رہا ہے۔ گل خانم نے یاور خان کو اس بات کا پابند کیا تھا کہ وہ کبھی اس کے گھر نہیں آئے گا بلکہ گھر سے باہر بھی اس کے روبرو کبھی نہیں آئے گا۔ ایسی پابندیوں کے بعد صرف ایک موبائل فون کا ہی سہارا رہ گیا تھا اس کے ذریعے وہ ایک دوسرے سے حالِ دل بیان کرتے کرتے جذباتی ہو جایا کرتے تھے۔

یاور خان کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا تھا۔ پہلے تو وہ کوٹھی کے احاطے کے باہر کھڑا ہوا فون کے ذریعے اس سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے پوچھا ''آج تم بالکنی میں کیوں نہیں آ رہی ہو۔ مجھے اپنا دیدار تو کراؤ۔''

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کل رات سے بخار ہے۔ میں بالکل نڈھال ہو گئی ہوں۔''

''ایسے میں تمہیں ایک محبت کرنے والے کی ضرورت ہے۔ میں تمہاری تیمارداری کر سکتا ہوں۔''

''نہیں۔ تم بس دور ہی سے بولتے رہو۔ تمہاری آواز ہی دوا کا کام کر رہی ہے۔ مجھے بڑا آرام مل رہا ہے۔''

یاور خان کو یاد آ رہا تھا۔ جب وہ میاں بیوی تھے اور وہ بیمار ہوتی تھی تو بیماری میں اسے چھوڑتی نہیں تھی۔ لپٹی رہتی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اسے اپنے پاس بلا رہی ہے۔ وہ فون پر باتیں کرتا ہوا کوٹھی کے پچھلے حصے میں آیا پھر دیوار پھاند کر احاطے کے اندر پہنچ گیا۔ کوٹھی کے سامنے والے حصے میں مسلح گارڈز رہتے تھے' وہ اسے ہرگز اندر آنے کی اجازت نہ دیتے۔ اس لیے وہ چوروں کی طرح پچھلے دروازے سے کوٹھی کے اندر آ کر بولا ''یہ تمہارے عدت کے ایام کب پورے ہوں گے۔ تم گھر سے کب نکلا کرو گی؟ جب تم گانے کی ریہرسل یا ریکارڈنگ کے لیے جایا کرتی تھیں تو کئی کئی گھنٹوں تک باہر رہتی تھیں۔ میں انہی دنوں کا انتظار کر رہا ہوں تاکہ میں ریہرسل اور ریکارڈنگ کے دوران میں تمہیں دور سے ہی دیکھتا رہوں۔''

گل خانم بولی ''تم تو شاید اس طرح بہل جاؤ' لیکن میں اپنے جذبات کو کیسے بہلا سکوں گی۔''

''میں تو دل سے چاہتا ہوں تم پھر سے میری شریکِ حیات بن جاؤ اور ہم دن رات اکٹھے رہ سکیں۔''

''تم جانتے ہو مجھے پھر سے تمہاری شریکِ حیات بننے کے لیے کن مراحل سے گزرنا ہو گا؟''

''جانتا ہوں۔ اسی لیے تو اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا ہوں۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی دوسرا تمہاری تنہائی میں آئے۔''

''میں کب ایسا چاہتی ہوں۔ ایسا سوچتے ہی مجھے شرم آنے لگتی ہے۔''

''تم چاہو تو ہم پھر میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں بتایا ہے کہ طلاق ہو چکی ہے۔''

''میں نے تو بتایا ہے۔ ایس پی ذیشان کو ہمارے بارے میں معلوم ہے۔ پولیس کے ذریعے پتا نہیں کہاں کہاں تک یہ بات پہنچی ہو گی۔ میں کوئی گمنام عورت تو نہیں ہوں' مشہور گلوکارہ ہوں۔ یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔''

وہ فون پر اس سے باتیں کرتا ہوا کوٹھی کے اندر مختلف حصوں سے گزرتا ہوا اس کے کمرے تک پہنچ گیا پھر اس نے آہستگی سے دروازے کو کھول کر دیکھا۔ وہ بستر پر نیم دراز فون کان سے لگائے اسی سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ جس سے باتیں کر رہی ہے وہ تو دروازے تک آ پہنچا ہے۔

اسے دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے کسی سنگ تراش نے حسن و شباب کے مجسمے کو تراش کر بستر پر ڈال دیا ہے اور وہ دعوت دے رہی ہے ''آؤ صنم! میں تمہارے ہی لیے ہوں۔''

یاور کمرے میں آ گیا۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی دوسری طرف کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ تو اس آنے والے کو تصور میں کوٹھی کے باہر دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے بستر کے قریب تھا۔ اس کی طرف جھکتے ہوئے فون پر بولا ''تم بیمار ہو۔ میں ابھی تمہارے پاس آ جاؤں اور تمہاری پیشانی پر ہاتھ رکھوں تو تمہیں کتنا سکون ملے گا۔''

وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی ''ہاں! میں تصور میں دیکھ رہی ہوں کہ تم میرے پاس آ گئے ہو اور میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر مجھے آرام پہنچا رہے ہو۔''

اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کی پیشانی پر رکھ دیا۔ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔ ایک سرد آہ بھر کر بولی ''آہ! یوں لگ رہا ہے جیسے تم نے سچ مچ میری پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔''

وہ بولا ''تم محسوس کرو کہ میں تم پر جھک رہا ہوں' تمہارے وجود پر چھا رہا ہوں۔''

وہ اس پر جھکنے لگا۔ وہ جذباتی انداز میں بولی ''ہاں...... میں محسوس کر رہی ہوں۔ تم میرے ہوش و حواس پر' میرے وجود پر چھا رہے ہو۔''

بولتے بولتے اسے چپ لگ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر لگتے ہی اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ خلاف توقع ایک چہرے کو اپنی سانسوں کے قریب دیکھتے ہی حلق پھاڑ کر چیخنے لگی۔ وہ فوراً ہی اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا "میں ہوں گل جاناں......! میں ہوں...... خاموش رہو۔"

اس نے دیدے پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا۔ پہلے تو حیران ہوئی پھر ایک دم سے تڑپ کر اس کی گرفت سے نکل گئی اور دور ہٹتے ہوئے بولی "تم......؟ تم یہاں کیسے آ گئے؟"

"میری جان......! دیوانے سے نہ پوچھو وہ کس عالم میں تھا اور کیسے جنون میں مبتلا ہو کر یہاں تک چلا آیا ہے۔"

وہ بیڈ کی دوسری طرف جا کر کھڑی ہو گئی پھر دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "چلے جاؤ۔ فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ دیکھو میں عورت ہوں۔ ازل سے کمزور سمجھی جاتی ہوں اور یہ الزام ہے کہ میں نے آدم کو بہکا کر جنت سے نکالا تھا۔ میں تمہارا تصور کرتے ہی پاگل ہونے لگتی ہوں اور تم تو اب میرے سامنے آ گئے ہو۔ خدا کے لیے چلے جاؤ۔ خدا کے لیے مجھے بہکنے نہ دو۔"

وہ بیڈ کے ایک طرف سے گھوم کر اس کی طرف آنے لگا۔ وہ دوسری طرف سے گھوم کر اپنے بچاؤ کے لیے دور ہونے لگی۔ اتنے میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور دو مسلح گارڈز وہاں آ گئے۔ انہوں نے کہا "میڈم! آپ چیخ رہی تھیں۔ آر یو آل رائٹ؟"

یاور خان نے جلدی سے کہا "ہاں...... ہاں...... میڈم بالکل ٹھیک ہیں۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ تم لوگ جاؤ۔"

دونوں گارڈز نے گل خانم کو دیکھا۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "نہیں رک جاؤ...... یاور! جاؤ۔ ابھی یہاں سے نکل جاؤ۔"

وہ غصہ سے پاؤں پٹخ کر بولا "تم اپنے گارڈز کے سامنے میری بے عزتی کر رہی ہو۔ مجھے یہاں سے نکلنے کو کہہ رہی ہو۔ میں نہیں جاؤں گا۔"

وہ بھی غصے سے بولی "میں نے تمہیں سمجھایا تھا۔ میرے قریب نہ آنا لیکن تم اپنی حد سے آگے بڑھ چکے ہو اور اگر میں نے تمہیں نہ روکا تو تم مجھے گنہگار بنا دو گے۔"

وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا "وہ تو تمہیں بنا کر ہی رہوں گا۔ میں یہ کبھی برداشت نہیں کروں گا کہ کوئی دوسرا تمہاری زندگی میں آئے۔ ان گارڈز سے کہو یہاں سے چلے جائیں۔"

"نہیں یہ نہیں جائیں گے۔"

"تم اوپری دل سے کترا رہی ہو۔ ورنہ تمہارا دل بھی میری طرف کھنچا آ رہا ہے۔ ابھی یہ چلے جائیں گے تو میں تمہیں اس طرح جکڑ لوں گا کہ تم خود ہی آزاد ہونا نہیں چاہو گی۔"

وہ تیزی سے گل خانم کی طرف بڑھا۔ وہ اس سے دور جاتے ہوئے گارڈز سے بولی "اسے پکڑو اور یہاں سے لے جاؤ۔"

دونوں گارڈز اسے پکڑنے کے لیے کمرے میں آئے۔ وہ للکارتے ہوئے بولا "خبردار! میرے قریب نہ آنا......"

مگر انہوں نے آ کر اسے دونوں طرف سے جکڑ لیا۔ وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا مگر وہ ہٹے کٹے تھے۔ اسے کھینچتے ہوئے وہاں سے لے جانے لگے۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا "تم یہ اچھا نہیں کر رہی ہو۔ یہ گارڈز تو کیا دنیا کی کوئی طاقت مجھے تمہارے پاس آنے سے نہیں روک سکے گی۔ یہ سمجھو کہ یہ مجھے تمہارے پاس آنے سے روک دیں گے۔ میں آؤں گا اور ضرور واپس آؤں گا۔"

اس کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بستر پر اوندھے منہ گر پڑی اور تکیے کو لے کر اپنے سینے سے بھینچنے لگی۔ یہ سینہ کیا چاہتا ہے؟ ایک دھڑکتا ہوا دل' اور دل کی دھڑکنوں اسی وقت زندگی ملتی ہے جب کوئی چاہنے والا پاس ہو اور ا بازوؤں میں بھر کر زندگی کی مسرتوں سے نہال کرے۔

وہ اپنی بیماری اور کمزوری بھول گئی تھی۔ وہ اس کے ایسی آگ بھڑکا گیا تھا' جسے پانی سے نہیں بجھایا جا سکتا تھا۔ تھوڑی دیر تک بستر پر ادھر سے ادھر لوٹتی رہی اور تکیے کو سے لگا کر بھینچتی رہی۔ بعض عورتیں آتشی مزاج کی ہوتی ہیں شعلوں کی طرح بھڑک جاتی ہیں تو خود کو بجھا نہیں پاتیں۔

آدھے گھنٹے بعد ایک مسلح گارڈ نے آ کر کہا "میڈم! نے اسے حوالات میں پہنچا دیا ہے۔"

وہ ایک دم سے چونک کر اٹھ بیٹھی۔ غصے سے بولی "تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ اسے حوالات میں کیوں ہے؟"

"میڈم! وہ پرابلم بن گیا تھا۔ یہاں واپس آنے لیے جھگڑا کر رہا تھا پھر اس نے اچانک ہی دوسرے گارڈ پر سے حملہ کرنا چاہا۔ اگر میں پیچھے سے وار نہ کرتا تو وہ اسے کر چکا ہوتا۔"

"وہ کس تھانے میں ہے؟"

"ہمارے اسی علاقے کے تھانے میں ہے۔"

"جاؤ یہاں سے...... ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔"

وہ چلا گیا۔ گل خانم دروازے کو اندر سے بند کر کے

تبدیل کرنے لگی۔ اس وقت اس کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ پچھلی رات بخار میں پھنکتی رہی تھی۔ فیملی ڈاکٹر نے آ کر اس کا معائنہ کیا تھا۔ دوائیں دی تھیں۔ اس کے باوجود اب تک کمزوری تھی لیکن یہ سنتے ہی وہ اپنی کمزوریوں کو بھول گئی کہ یاور خان حوالات میں ہے۔ وہ لباس تبدیل کرنے کے بعد اپنا پرس اٹھا کر دروازہ کھول کر باہر آئی۔ ڈرائنگ روم میں پہنچی تو ڈاکٹر اندر آ رہا تھا۔ اس نے حیرت سے پوچھا "میڈم آپ کہاں جا رہی ہیں؟ میں نے آپ کو آرام کرنے کے لیے کہا تھا۔"

وہ بولی "آپ پریشان نہ ہوں' میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس یہیں قریب ہی جا رہی ہوں۔ آدھے گھنٹے میں واپس آ جاؤں گی۔"

"جانا بہت ہی ضروری ہے تو پہلے مجھے معائنہ کرنے دیں اور ایک خوراک دوا کی لیں پھر جائیں۔"

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔ آپ اپنے کلینک میں چلیے۔ میں آدھے گھنٹے بعد وہیں آ جاؤں گی۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی باہر آئی اور کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر ڈرائیور سے کہا "علاقے کے تھانے میں چلو۔"

گاڑی وہاں سے چل پڑی۔ وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ سانسوں میں گرمی تھی۔ یہ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ بخار کی وجہ سے حرارت ہے یا وہ اندر سے بری طرح بھڑکی ہوئی ہے۔ بھڑکنے کا کوئی علاج نہ تھا جو تھا وہ حوالات میں پہنچا ہوا تھا اور حوالات سے باہر آ کر بھی اسے شانت نہیں کر سکتا تھا۔ اکثر عورتیں عاقبت اندیش ہوتی ہیں۔ خود کو لگام دینا جانتی ہیں۔ ذرا ہی دیر میں وہ تھانے پہنچ گئی جہاں انسپکٹر نے گل خانم کو دیکھتے ہی اٹھ کر مسکراتے ہوئے کہا "میڈم......! آئیے تشریف لائیے۔ آپ کے گارڈز نے بتایا تھا کہ وہ شخص جبراً آپ کی کوٹھی میں گھس آیا تھا اور اس نے آپ کے ایک گارڈ پر قاتلانہ حملہ بھی کیا تھا۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی "آفیسر......! کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے۔ یہ شخص جبراً میری کوٹھی کے اندر نہیں آیا تھا بلکہ میں نے اسے بلایا تھا۔ ایک بات پر ہمارے درمیان جھگڑا ہو گیا گارڈز نے یہ سمجھا کہ وہ کوئی دشمن ہے اور مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ اسے پکڑ کر یہاں لے آئے۔ مجھے اس کے خلاف کوئی شکایت نہیں ہے' پلیز اسے رہا کر دیں۔"

"سوری میڈم! بات صرف آپ تک محدود نہیں ہے۔ سیکورٹی گارڈز پر حملہ کرنا ایک بڑا جرم ہے۔ سیکورٹی ڈیپارٹمنٹ کے ایک اعلیٰ عہدے دار نے اس کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی ہے۔ اب تو کورٹ سے ہی اس کی ضمانت ہو تب ہی ہم اسے چھوڑ سکتے ہیں۔"

"آفیسر! کیا آپ میری ضمانت پر اسے رہا نہیں کر سکتے؟"

"سوری میڈم! ہم آپ کی بہت عزت کرتے ہیں۔ آپ واقعی بہت اچھی گلوکارہ ہیں' ہمارے ملک کا سرمایہ ہیں لیکن ہم قانون سے مجبور ہیں۔ آپ کل صبح کورٹ سے ضمانت حاصل کر لیں۔ اس سے پہلے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

وہ مایوس ہو کر بولی "کیا میں اس سے ملاقات کر سکتی ہوں؟"

"جی ہاں!"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ گل خانم اس کے ساتھ چلتی ہوئی' آہنی سلاخوں والی ایک کوٹھری کے پاس آئی۔ یاور خان فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے گل خانم کو دیکھتے ہی اٹھ کر چیختے ہوئے کہا "اب کیوں آئی ہو۔ پہلے تو بے عزت کر کے گھر سے نکالا اور اپنے سیکورٹی گارڈز کے حوالے کر دیا کہ وہ میرے ساتھ جو بھی سلوک کریں۔ اگر میرے پاس بھی گن ہوتی تو میں انہیں بھون کر رکھ دیتا۔"

انسپکٹر نے کہا "اے...... کتے کی طرح کیوں بھوک رہا ہے۔ تیرے دماغ میں بہت گرمی ہے؟ جب ڈنڈے پڑیں گے تو ساری گرمی ناک کے راستے نکل جائے گی۔"

گل خانم نے عاجزی سے کہا "یاور......! کیوں تماشا بن رہے ہو اور مجھے بھی تماشا بنا رہے ہو۔"

پھر وہ انسپکٹر سے بولی "انسپکٹر......! پلیز میں ذرا تنہائی میں ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

انسپکٹر نے حقارت سے یاور خان کو دیکھا اور وہاں سے چلا گیا۔ وہ بولی "ایک بات اچھی طرح میری سمجھ میں آ گئی ہے اور وہ یہ کہ مجھے اب فون پر بھی تم سے باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ میری آواز سن کر تم جذباتی ہو جاتے ہو۔ اب ہمارے سامنے ایک ہی راستہ ہے۔ اگر تم مجھے بیوی بنانا چاہتے ہو تو دینی اصولوں کے مطابق ہماری شادی ہو سکے گی اور تم جانتے ہو کہ تم سے رجوع کرنے کے لیے مجھے کسی اور سے شادی کرنی ہو گی۔"

"نہیں...... میں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔"

"تم کون ہوتے ہو مجھے اجازت دینے والے؟ نہ تم میرے شوہر ہو' نہ میرے آقا ہو اور نہ ہی میں تمہاری کنیز ہوں۔ میں کنواری لڑکی تھی تم نے شادی کی۔ مجھے عورت بنایا میرے اندر جذبات کا آتش فشاں بھر دیا پھر مجھے اپنے بچے کی

ماں بنایا۔ میرے اندر مامتا کا جنون پیدا کر دیا۔ تمہارے پاگل پن نے میرا بچہ مجھ سے چھین لیا۔ اب میں دوسری شادی کے لیے مجبور ہوں۔ مجھے ایک جیون ساتھی چاہیے۔ میں صرف ایک بیوی نہیں' ایک ماں بھی بننا چاہتی ہوں۔''

وہ اپنا غصہ بھول کر پریشان ہو کر بولا ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا مجھے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا شوہر' اپنا مجازی خدا بناؤ گی؟ کیا تمہیں شرم نہیں آئے گی؟''

''اگر تمہیں شرم ہوتی تو طلاق نہ دیتے۔ مرد جب طلاق دیتا ہے تو شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی بیوی کو اپنی زندگی سے کاٹ کر کسی دوسرے کی طرف جانے پر مجبور کر دیتا ہے اور تم مجھے مجبور کر چکے ہو۔''

''ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔ اتنی جلدی شادی کا فیصلہ نہ کرو اور ابھی تو تمہارے عدت کے دن بھی پورے نہیں ہوئے ہیں۔''

''ہاں پورے نہیں ہوئے ہیں۔ پورے ہونے تک سوچو' غور کرو۔ اگر تم راضی ہوئے تو میں کسی ایسے شخص سے شادی کر لوں گی جو شادی کے بعد مجھے طلاق دے۔ اس کے بعد ہی تم مجھے اپنی شریکِ حیات بنا سکو گے اور اگر تم انکار کرو گے تو میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں اپنے دوسرے شوہر سے طلاق کا مطالبہ نہیں کروں گی۔''

وہ جھنجلا کر بولا ''جس کی شامت آئے گی وہی تم سے شادی کرے گا۔ کیونکہ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ تنک کر بولی ''دنیا میں ایک تم ہی شہہ زور نہیں رہ گئے ہو۔ کوئی تمہاری ان دھمکیوں میں نہیں آئے گا۔ میں ایک معروف سنگر ہوں۔ میرے کتنے ہی پرستار ہیں۔ میں جس پر نظر ڈالوں گی وہ میری طرف کھنچا چلا آئے گا۔''

وہ پلٹ کر جانے لگی۔ اس نے کہا ''رک جاؤ۔ مجھے اس حال میں چھوڑ کر جا رہی ہو؟''

وہ رک گئی۔ پلٹ کر بولی ''میں اب بھی تمہیں چاہتی ہوں۔ اس حال میں نہیں چھوڑوں گی۔ ابھی تمہاری رہائی کا انتظام کرتی ہوں۔''

وہ وہاں سے زیشان کی طرف چلی آئی جو دفتر میں بیٹھا ہوا تھا اپنے موجودہ حالات سے پریشان تھا۔ دردانہ نے پچھلے دنوں چیلنج کیا تھا کہ حشمت زیادہ عرصے تک کہیں چھپا نہیں رہ سکے گا اور نہ ہی اس جیسا پولیس افسر اسے بچا سکے گا اور یہی ہوا۔ حشمت مارا گیا۔ اس کی لاش ہانگ کانگ سے آنے والی تھی۔ اس نے ہانگ کانگ پولیس کی رپورٹ پڑھی تھی اور اس میں زبیری کا نام سن کر چونک گیا تھا۔ زبیری نے وہاں بیان دیا تھا کہ وہ پاکستان کے پولیس افسر ایس پی زیشان کا خاص آدمی ہے اور اسی کے لیے کام کرتا رہتا ہے۔

ایسے میں زیشان کو میری پیش گوئی یاد آئی۔ میں نے کہا تھا کہ وہ اپنے ایک وفادار ماتحت کی وجہ سے مصیبت میں پڑنے والا ہے۔ یہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی تھی۔ اسے ابھی یہ نہیں معلوم تھا کہ آگے اور کیا ہونے والا ہے۔ اسے زبیری کا انتظار تھا جو حشمت اور آرزو کی لاشوں کے ساتھ قیدی بن کر آنے والا تھا۔ اس کے آنے پر ہی یہ تفصیلات معلوم ہو سکتی تھیں کہ دردانہ نے کیسی چالیں چلی ہیں اور وہ زبیری کو کس طرح اپنا آلہ کار بنا سکی تھی۔

دروازے پر دستک سن کر وہ خیالات سے چونک گیا اور اس نے کہا ''کم ان......''

اس کے ایک خاص ماتحت نے اندر آ کر سلیوٹ کرتے ہوئے کہا ''سر میڈم گل خانم آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

اس نے سوچتے ہوئے کہا ''گل خانم......؟ اچھا...... ٹھیک ہے اسے بھیج دو۔''

ماتحت پھر سلیوٹ کر کے چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ اس نے کہا ''آ جاؤ۔''

دروازہ کھلا۔ گل خانم آتے آتے رک گئی اور چوکھٹ سے ٹیک لگا کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ وہ چہرے سے بیمار لگ رہی تھی۔ زیشان نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''آر یو آل رائٹ؟ تم تو بیمار اور کمزور دکھائی دے رہی ہو۔ آؤ اندر آؤ۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اندر آئی اور کرسی پر بیٹھنا چاہتی تھی کہ زیشان نے کہا ''یہاں نہیں صوفے پر آرام سے بیٹھو۔''

وہ پلٹ کر ایک بڑے صوفے کے پاس آئی اور وہاں بیٹھ گئی۔ زیشان نے ایک گلاس میں پانی لا کر اسے پیش کیا۔ اس نے گلاس لے کر شکریہ ادا کیا اور دو گھونٹ پانی پی کر بولی۔ ''میں پھر آپ کو پریشان کرنے آ گئی ہوں۔''

وہ ایک کرسی اس کے قریب کرسی کھسکا کر بیٹھتے ہوئے بولا ''میری بات چھوڑو اپنی پریشانی بیان کرو۔''

اس نے اور دو چار گھونٹ پینے کے بعد گلاس قریب پڑی سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا اور بولی ''طلاق میرے لیے مسئلہ بن گئی ہے۔''

''اب کیا مسئلہ پیدا ہو گیا؟''

''وہ میرا دیوانہ ہے۔ میری طلب میں پاگل ہو جاتا ہے۔ میں نے اس پر بڑی پابندیاں لگائی تھیں اپنے سیکورٹی گارڈز سے کہہ دیا تھا کہ میری اجازت کے بغیر کسی کو کوٹھی کے اندر داخل نہ ہونے دیا جائے پھر سیکورٹی گارڈز نئے ہیں۔ انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ میرا شوہر رہ چکا ہے۔''

اس کے اجلے چہرے پر زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ انہیں چہرے سے ہٹاتے ہوئے بولی ''اس کی ضد مان کر میں فون پر اس سے باتیں کر لیتی تھی۔ کبھی کبھی بالکونی میں آ کر کھڑی ہوتی تو وہ بھی کچھ دور کھڑا مجھے دیکھتا رہتا تھا۔''

زیشان یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ صرف یاور خان ہی نہیں' کتنے ہی دل والے اس حسینہ کے دیوانے ہیں۔ ایک تو وہ مشہور سنگر تھی۔ دوسرے یہ کہ جوانی اس پر ایسے آئی تھی جیسے پھلوں میں رس اور پھولوں میں خوشبو آتی ہے۔ اسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ مطلقہ ہے اور ایک بچے کی ماں بھی بن چکی تھی۔ اسے دیکھنے والے سب ہی اس کے طلب گار بن جاتے تھے۔

وہ بولی ''آج تو وہ پاگل ہو گیا تھا۔ میرے بیڈ روم میں گھس آیا۔ اگر میں خود پر قابو نہ پاتی تو وہ مجھے گنہگار بنا دیتا۔ میرے گارڈز اسے پکڑ کر باہر لے گئے۔ اس نے باہر ان سے جھگڑا کیا۔ ایک گارڈ پر چاقو سے قاتلانہ حملہ کرنا چاہا۔ دوسرے گارڈ نے اسے زخمی کر کے تھانے والوں کے حوالے کر دیا۔''

وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئی۔ کمزوری کے باعث دھیرے دھیرے ہانپنے لگی۔ زیشان نے پوچھا ''تم ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں؟''

وہ سر ہلا کر بولی ''ہاں میرا فیملی ڈاکٹر علاج کر رہا ہے۔ میں دوائیں کھا رہی ہوں۔''

''میرا خیال ہے اس وقت تمہیں ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔''

وہ ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولی ''نہیں۔ بس ایک ذرا کمزوری ہے اور کمزوری بھی کیا ہے' حالات نے تھکا مارا ہے۔ وہ بہت ہی ضدی اور خرد ماغ ہے۔ میرے لیے پرابلم بنا رہتا ہے پھر بھی مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو رہا ہے کہ وہ حوالات میں رہے۔ اسی لیے آپ کے پاس آئی ہوں۔''

''کیا تم اس سے ملنے کے لیے تھانے گئی تھیں؟''

''ہاں۔ میں نے انسپکٹر سے کہا۔ مجھے یاور خاں سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اسے رہا کر دیا جائے لیکن وہ کہتا ہے ایف آئی آر درج ہو چکی ہے۔ اب کورٹ سے ضمانت حاصل کرنے پر ہی اسے رہائی ملے گی۔''

''وہ تمہیں پریشان کرتا رہتا ہے تو یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے لیکن وہ اپنی خرد ماغی کے باعث دوسروں کے لیے بھی مصیبت بن جاتا ہے جیسے کہ اس نے ایک سیکورٹی گارڈ پر چاقو سے حملہ کیا' یہ بہت بڑا جرم ہے۔''

وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی ''آپ چاہیں تو اس معاملے کو رفع دفع کر سکتے ہیں۔''

زیشان نے نظریں جھکا کر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر دیکھا۔ اس ہاتھ کی حرارت دل' دماغ اور جانے کہاں کہاں تک پہنچ رہی تھی۔ اب سے پہلے بھی وہ بیماری کی حالت میں اس کے بہت قریب آئی تھی۔ اگرچہ ایسا انجانے میں اور غفلت میں ہوا تھا' مگر جیسے بھی ہوا تھا' وہ کسی حد تک اس کی قربت سے متعارف ہو چکا تھا۔

اس نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر تھپکتے ہوئے کہا ''میں ابھی اس تھانے کے انچارج سے بات کرتا ہوں مگر یہ تو بتاؤ کہ تم کب تک اس کے پیچھے دوڑتی رہو گی؟ وہ الٹی سیدھی حرکتیں کر کے اگر حوالات میں پہنچتا رہا تو تم اسے رہائی دلانے کے لیے کب تک پولیس والوں کی خوشامدیں کرتی رہو گی؟ جیسی شہرت تم نے حاصل کی ہے۔ اس کے پیشِ نظر تو تمہیں یوں باؤلی ہو کر نہیں پھرنا چاہیے۔ اپنی عزت کا تو کچھ خیال کرو۔''

وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر وہاں سے اٹھ گیا اور اپنی میز کے پیچھے ریوالونگ چیئر پر آ کر بیٹھتے ہوئے بولا ''کون سا تھانہ ہے؟''

اس نے علاقے اور تھانے کا نام بتایا۔ زیشان نمبر ملا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی رابطہ قائم ہو گیا۔ اس نے کہا ''میں ایس پی زیشان بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے آواز آئی ''یس سر! میں انسپکٹر نعیم الدین بول رہا ہوں۔ حکم سر؟''

اس نے کہا ''تمہارے حوالات میں ایک شخص یاور خان ہے...... قصہ کیا ہے؟''

وہ رپورٹ پیش کرنے لگا۔ زیشان نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا ''اس نے سیکورٹی گارڈ پر حملہ کیا۔ بے شک یہ جرم ہے۔ اسے سزا ملنی چاہیے۔ کیا ایف آئی آر درج ہو چکی ہے؟''

''نو سر! میں نے گل خانم سے جھوٹ کہا ہے۔ وہ اس کی رہائی چاہتی تھیں' وہ اتنی بڑی گلوکارہ ہیں۔ مشہور ہستی ہیں' صاف انکار تو نہیں کر سکتا تھا لیکن ٹالنے کے لیے بہانہ کر دیا کہ ایف آئی آر درج ہو چکی ہے اور ضمانت اب کورٹ کے ذریعے ہو گی۔''

''ہوں...... اسے سختی سے تنبیہ کر کے رہا کیا جا سکتا ہے۔''

''سر! آپ جو حکم دیں گے اس کی تعمیل ہوگی۔''

''اسے فون پر بلاؤ!''

اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر گل خانم کو دیکھا پھر کہا ''میں تمہارے کہنے پر اسے دوسری بار رہا کر رہا ہوں۔ آخر کب تک اس کی سفارش کرتی رہو گی؟''

وہ بولی ''آج میں نے اسے اپنا آخری فیصلہ سنا دیا ہے۔ آپ اسے سختی سے کہہ دیں کہ آئندہ میری کوٹھی کے قریب بھی نہ آئے۔ عدت کے ایام گزارنے کے بعد میں ریکارڈنگ کے لیے جانے لگوں تو وہ کبھی میرا پیچھا نہ کرے۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور فون پر کہا ''ہوں...... دلاور خان؟''

دوسری طرف سے آواز آئی ''جی جناب! میں بول رہا ہوں۔''

''تم اس قابل تو نہیں ہو کہ تم سے بات کی جائے۔ تم سے تو صرف ڈنڈے کی زبان سے باتیں کی جانی چاہئیں۔ بہر حال گل خانم کا احسان مانو کیونکہ صرف اس کی وجہ سے تم ابھی تک خیریت سے ہو اور بولنے کے قابل ہو۔ تم نے ایک سیکورٹی گارڈ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اس کے بعد تمہاری رہائی ممکن تو نہیں ہے۔ میں پوچھتا ہوں تمہیں کس اعتماد پر رہا کیا جائے؟ کیا تم رہائی کے بعد پھر ایسی مجرمانہ حرکتیں نہیں کرو گے؟''

''سر! میں شرمندہ ہوں۔ آپ سے وعدہ کرتا ہوں آئندہ ایسی حرکتیں نہیں کروں گا۔''

''میں نے پہلی بار تمہیں رہا کرتے وقت وارننگ دی تھی کہ گل خانم سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں رہا ہے' تم نامحرم ہو۔ لہٰذا اب کبھی اس کے سامنے نہیں جاؤ گے پھر آج کیوں اس کے بیڈروم میں گھس آئے تھے؟''

دوسری طرف سے خاموشی رہی۔ ذیشان نے ڈانٹ کر پوچھا ''جواب دو؟ خاموش کیوں ہو؟ تم اسلامی احکامات کے خلاف حرکتیں کر رہے تھے۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ تمہیں رہا نہ کروں۔ الٹا لٹکا کر رکھوں اور دن رات تم پر تشدد ہوتا رہے۔''

وہ عاجزی سے بولا ''سر! معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا۔''

''میں تمہیں رہا تو کر رہا ہوں لیکن میری آخری وارننگ سن لو۔ کبھی تم گل خانم کی کوٹھی کے قریب دیکھے گئے یا کبھی باہر بھی اس کا پیچھا کیا تو میں تمہیں گرفتار کر کے ٹارچر سیل میں پہنچا دوں گا۔ وہاں سے تم اپاہج بن کر نکلو گے اور کسی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر ساری زندگی بھیک مانگتے رہو گے۔''

''وہ بولا ''سر! میں گل خانم کی قسم کھا کر کہتا ہوں......''

وہ ایک دم سے گرج کر بولا ''شٹ اپ......! نان سینس...... گل خانم تمہاری کوئی نہیں ہوتی۔ اس کی قسم نہ کھاؤ۔ صرف اپنے اعمال درست رکھو۔ بداعمالی تمہیں جہنم میں پہنچا دے گی...... ریسیور تھانہ انچارج کو دو۔''

چند سیکنڈ بعد انسپکٹر کی آواز سنائی دی ''یس سر! حکم......؟''

''اسے چھوڑ دو۔ ہمارے دو سپاہی کچھ روز تک اس کی نگرانی کرتے رہیں گے۔ اگر یہ گل خانم کی کوٹھی کے قریب بھی جائے یا باہر کہیں اس کا پیچھا کرے تو پھر اسے گرفتار کر کے حوالات میں ڈلوا دینا۔''

یہ کہہ کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ گل خانم اسے بڑی عقیدت سے دیکھ رہی تھی۔ پہلی ملاقات سے ہی اس کے دوستانہ رویے نے اسے متاثر کیا تھا۔ وہ بولی ''میں بہت شرمندہ ہوں۔ میری وجہ سے آپ ایک مجرمانہ حرکتیں کرنے والے کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آیا اور کرسی پر بیٹھ کر بولا ''تم شرمندگی کا اظہار مت کرو۔ آخر اس کی وجہ سے کب تک شرمندہ ہوتی رہو گی؟ اس یاور کی بد دماغی کے باعث تمہارا نوزائیدہ بچہ مارا گیا۔ اس نے تمہیں طلاق دے دی۔ جب مرد اپنی عورت کو طلاق دیتا ہے تو گویا اسے اپنی زندگی سے باہر تھوک دیتا ہے۔ اس نے بھی تم پر تھوک دیا ہے۔ کیا تم اپنی توہین محسوس نہیں کرتیں؟ کیا تمہارے اندر ایک عورت کی خودداری اور انا نہیں ہے؟''

وہ سر جھکا کر بولی ''میں محبت میں مر مٹنے والی عورت ہوں۔ ایسے وقت اپنی انا اور خودداری بھول جاتی ہوں اور یہ میری غلطی ہے۔ بہر حال اب میں اپنی زندگی کے چند اہم فیصلے کرنے والی ہوں۔''

''کیا فیصلہ کرو گی؟ میں نے تمہیں مشورہ دیا تھا کہ عدت کے ایام گزارنے کے بعد تمہیں دوسری شادی کر لینی چاہیے۔ تم ایک بچے کے لیے تڑپ رہی تھیں۔ شادی کے بعد بچے کی کمی بھی پوری ہو جائے گی۔''

وہ اپنے سر کو تھام کر صوفے کی پشت سے ٹک گئی۔ وہ پھر تھکن اور کمزوری محسوس کر رہی تھی۔ اس نے کہا ''میں یاور خان کے ساتھ ایک عالم دین کے پاس گئی تھی۔ انہوں نے یاور کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ جب تک میں حلالہ کے مرحلے سے نہیں گزروں گی' تب تک وہ مجھے اپنی شریک حیات نہیں بنا سکے گا۔''

''ہوں...... میں اس خر دماغ کو اچھی طرح سمجھ گیا

ہوں۔ وہ اس بات کے لیے راضی نہیں ہوگا۔''

''ہاں...... اسے اپنی غیرت کا مسئلہ بنا رہا ہے۔ مجھے کسی دوسرے کی دلہن بننے کی اجازت نہیں دے رہا ہے۔''

''تم اس کی اجازت حاصل کرنے کی محتاج تو نہیں ہو۔''

وہ گہری گہری سانسیں لیتی ہوئی بولی ''یہ بات میں اس سے کہہ چکی ہوں۔''

وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا ''میں محسوس کر رہا ہوں' تم کچھ پریشان ہو' تمہاری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔''

وہ بڑی نقاہت سے بولی ''مجھے گھر جا کر آرام کرنا چاہیے لیکن میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''باتیں بعد میں ہو جائیں گی۔ چلو اٹھو میں تمہیں گھر تک پہنچا دوں۔''

''میری گاڑی ہے۔ ڈرائیور مجھے پہنچا دے گا۔ میں طبیعت سنبھلتے ہی آپ کو فون کروں گی۔ کیا آپ مجھ سے ملنے آئیں گے؟''

''میں اب تک تمہارے کام آتا رہا ہوں۔ آئندہ بھی تمہیں مناسب مشورے دینے کی کوشش کروں گا۔''

وہ آہستہ آہستہ صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اپنا پرس اٹھانے کے لیے جھکی تو سر چکرا گیا۔ وہ آگے کی طرف گرنے ہی والی تھی کہ ذیشان نے دونوں بازوؤں میں اسے سنبھال لیا۔ اس نے بھی سنبھلنے کے لیے اپنی دونوں بانہیں اس کی گردن میں حمائل کر دیں۔

گل خانم نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا۔ اس نے تو اپنے سابقہ شوہر کو قریب آنے سے روک دیا تھا پھر وہ کسی غیر کے قریب کیوں جاتی؟ ان لمحات میں اس کا سر اس بری طرح چکرایا کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ ایسے میں سہارا لینا ضروری ہو گیا تھا۔

لیکن ذیشان کی حالت غیر ہوگئی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا' جیسے دونوں بازوؤں میں قارون کا خزانہ سمٹ آیا ہو۔ ایک غزل تھی' جو اس کے سینے سے لگی' دھڑک دھڑک کر بدن کا ایک ایک شعر سنا رہی تھی۔

وہ تاریکی میں تھی' کچھ ہوش میں تھی لیکن بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ وہ ہوش میں تھا لیکن مدہوشی کی طرف مائل تھا اور کچھ کشمکش میں تھا۔ وہ یہ فیصلہ کرنے کے قابل نہیں رہا تھا کہ جو مال ہاتھ آیا تھا وہ اپنا نہیں تھا۔ پرائے مال کو ہاتھ لگانا چاہیے یا چھوڑ دینا چاہیے؟

میں مسکرا رہا تھا۔ یہی تو میرے تماشے ہیں۔ کسی کو کسی سے جدا کرنے اور کسی کو کسی کے قریب لانے کا کوئی بہانہ تو ہوتا ہی ہے نا۔ بے چاری اپنے نوزائیدہ بچے سے محروم ہوگئی تھی اور وہ بے چارہ برسوں سے باپ بننے کے لیے ترس رہا تھا۔

☆☆☆

بیگم آفتاب نے فون پر مسز رانا سے رابطہ کیا ''بہن آپ نے تو اچانک اس طرح ہماری بیٹی کا رشتہ مانگا ہے کہ ہمارے بیٹے اور بہو سب حیران رہ گئے ہیں۔ سب ہی یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ پہلے جبران کی تمام میڈیکل رپورٹس پڑھی جائیں اور جو ڈاکٹر اس کا علاج کرتے رہے ہیں ان سے بھی ملاقات کی جائے۔''

مسز رانا نے کہا ''بے شک کوئی بھی آنکھیں بند کر کے اپنی بیٹی کا رشتہ نہیں کرتا۔ آپ کو چھان بین کرنے کا پورا حق ہے لیکن پہلے رضامندی تو ظاہر کر دیں۔''

''اگر میڈیکل رپورٹ نے یہ ثابت کر دیا کہ پاگل خانے سے آنے کے بعد جبران نارمل رہتا ہے۔ اگر کبھی ایب نارمل ہوتا بھی ہے تو قابلِ علاج ہے، تو ہماری طرف سے ہاں سمجھیے۔''

مسز رانا نے خوش ہو کر کہا ''بہن آپ نے تو مجھے خوش کر دیا ہے۔ کیا میں ابھی ایک گھنٹے کے بعد اپنے بیٹے کے ساتھ آ سکتی ہوں؟ اس کی تمام میڈیکل رپورٹ لے کر آؤں گی۔''

''بے شک' ہم آپ کو خوش آمدید کہیں گے۔ آپ ضرور تشریف لائیں اور رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھائیں۔''

مسز رانا نے کہا ''آپ کا بہت بہت شکریہ۔ بس ہم ایک گھنٹے میں پہنچ رہے ہیں۔''

فون رکھ کر وہ خوش ہو کر بیٹے کی پیشانی کو چوم کر بولی۔ ''تمہارے من کی مراد پوری ہونے والی ہے بیٹے۔ وہ رشتے کے لیے راضی ہو گئے ہیں۔ بس وہ تمہاری میڈیکل رپورٹس دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم فوراً تیار ہو جاؤ۔ ہم ابھی وہاں جا رہے ہیں۔''

وہ وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا ''ماما......! وہاں نمرہ سے بھی ملاقات ہوگی ناں؟''

''دیکھو بیٹا۔ اگر ملاقات نہ ہو تو اس سے ملنے کی ضد نہ کرنا۔ جب رشتے کے لیے ہاں کر دی جاتی ہے تو لڑکی کو پردہ کرایا جاتا ہے۔''

''ماما......! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی میں وہاں گیا اور وہ نظر نہ آئی تو پھر میرے اندر حرارت کی کمی ہوگی۔ میری زندگی کی گاڑی پیٹرول مانگنے لگے گی۔''

''بکواس مت کرو۔ میں تمہاری خاطر کروڑوں روپے

داؤ پر لگا کر تمہاری مطلوبہ لڑکی کو حاصل کرنا چاہتی ہوں لیکن اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی جس سے یہ ظاہر ہو کہ تم ایب نارمل ہو تو یہ رشتہ نہیں ہو سکے گا پھر تم کبھی نمرہ کو حاصل نہیں کر سکو گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اس سے ملنے کی ضد نہیں کروں گا۔"

وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر الماری کھول کر بیٹے کی میڈیکل رپورٹ کی فائلیں نکالنے لگی۔ اس وقت اندیشوں میں گھری ہوئی تھی کہ بیٹا وہاں کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر دے جس کی وجہ سے اسے ایب نارمل سمجھا جائے۔"

مسز رانا کی طرح بیگم آفتاب بھی اندیشوں میں مبتلا تھی۔ اسے اپنی بہو اسما اور اپنی نند فلک ناز کی طرف سے یہ اندیشہ تھا کہ وہ دونوں رنگ میں بھنگ نہ ڈال دیں۔ اسما نے کہا "میں نمرہ کی دشمن نہیں ہوں۔ اس کی خوشیاں چاہتی ہوں۔ اب جب وہ شادی کے لیے راضی ہے تو میں اس رشتے کے خلاف کچھ نہیں بولوں گی۔"

فلک آفتاب نے اپنی بہن سے پوچھا "ناز......! تمہیں کوئی اعتراض ہے تو ابھی سے بتا دو۔ ہم نہیں چاہتے کہ لڑکے والوں کے سامنے تم کوئی جلی کٹی سناؤ۔"

وہ بولی "بھائی جان! آپ دیکھ رہے ہیں' میں کیسی بن سنور کر آئی ہوں۔ مجھے تو آپ لوگوں سے زیادہ خوشی ہے کہ نمرہ نے جبران کو پسند کر لیا ہے۔ میں تو صاف کہتی ہوں مجھے خوشی اس لیے ہے کہ میری آسرا کے لیے راستہ ہموار ہو جائے گا۔"

اسما نے کہا "یہ کہنا چاہیے کہ اس نئے رشتے کی بدولت آپس کی رنجشیں ختم ہو رہی ہیں۔ نمرہ کی شادی سب کے لیے خوشیاں اور آسودگی لا رہی ہے۔"

بیگم آفتاب نے بہو کو پہلی بار خوش ہو کر دیکھا پھر کہا۔ "اسما! تمہارے منہ میں گھی شکر' زندگی میں پہلی بار تم نے مجھے خوش کیا ہے۔"

ایک ملازم نے آ کر کہا "مہمان آ رہے ہیں۔"

بیگم آفتاب فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ وہاں مسز رانا اپنے بیٹے جبران کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ ان کے پیچھے ایک ملازم کے سر پر مٹھائیوں کا بڑا سا ٹوکرا تھا۔ دوسرے ملازم نے کچھ فائلیں اٹھائی ہوئی تھیں۔ مسز رانا نے بیگم آفتاب کے گلے لگ کر کہا۔ "آج سے آپ میری بہن ہیں۔ آپ کا منہ میٹھا کرنا چاہتی تھی۔ راستے سے تھوڑی سی مٹھائی لے آئی ہوں۔"

"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟" بیگم آفتاب نے کہا۔

"یہ تکلف نہیں دستور بھی ہے۔ نئے رشتوں کی شروعات مٹھاس سے ہونی چاہیے۔"

فلک آفتاب نے کہا "ہم نے بھی آپ کے لیے مٹھائیاں رکھی ہیں لیکن دروازے کے باہر نہیں کھلائیں گے۔ کھانے کے لیے آپ کو اندر آنا ہوگا۔"

اس بات پر سب ہی قہقہے لگانے لگے۔ مسز رانا نے اندر آ کر اپنے بیٹے کا تعارف کرایا "یہ میرا بیٹا جبران ہے اور بیٹے! یہ نمرہ کی ممی ہیں اور یہ ڈیڈی ہیں۔"

جبران نے انہیں سلام کیا تو بیگم آفتاب نے دعا دی "جیتے رہو۔ خدا تمہیں خوش رکھے!"

فلک آفتاب بھی اپنی بہن فلک ناز اور اپنی بہو اسما کا تعارف کراتے ہوئے بولے "ہمارا بڑا بیٹا ذیشان ایس پی ہے۔ اس وقت ڈیوٹی پر ہے اور ہمارا چھوٹا بیٹا بابر کاروبار کے سلسلے میں مصروف ہے۔"

وہ سب صوفوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ ملازموں نے مٹھائی کا ٹوکرا رکھا۔ فائلیں سینٹر ٹیبل پر رکھیں اور وہاں سے چلے گئے۔ مسز رانا نے کہا "ان فائلوں میں جبران کی میڈیکل رپورٹس ہیں۔ ان میں ان ڈاکٹروں کے نام اور پتے بھی ہیں جو اس کا علاج کرتے رہے ہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا "ڈاکٹروں کی زبان اور ان کی رپورٹس ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اگر آپ انہیں چھوڑ جائیں تو ہم اپنے ڈاکٹر کو دکھا دیں گے۔"

"بے شک' یہ تمام فائلیں آپ کے پاس رہیں گی۔ میں اسی لیے لائی ہوں کہ آپ پوری طرح سے مطمئن ہو جائیں۔"

بیگم آفتاب نے کہا "ہم نے تو آپ کو دیکھا' آپ کے بیٹے کو دیکھا' بس اطمینان ہو گیا۔ باقی یہ انکوائری وغیرہ تو رسمی چیزیں ہیں۔"

فلک ناز نے کہا "میں تو چاہوں گی کہ بھائی جان یہ رپورٹس جلد سے جلد دیکھ لیں اور رشتے داروں کو بھی دکھا دیں اور پھر جتنی جلدی ہو سکے شادی کی تاریخ طے کر لیں۔"

مسز رانا نے خوش ہو کر کہا "آپ نے تو میرے منہ کی بات چھین لی۔ میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی کہ شادی میں دیر نہ ہو تو اچھا ہے۔ دراصل میں اپنے بیٹے کو علاج کے لیے لندن لے جا رہی ہوں اور چاہتی ہوں کہ بہو بھی ہمارے ساتھ جائے۔"

اس پر بیگم آفتاب بولیں۔

"تمام ماں باپ بیٹی کی ذمے داریاں جلد سے جلد پوری

کرنا چاہتے ہیں' لیکن اتنی جلدی بھی مناسب نہیں ہے۔ ایسے معاملات میں عزیز و اقارب کا بھی خیال کرنا پڑتا ہے۔"

"بہر حال میں تو چاہتی ہوں کہ جلد سے جلد ہم اس ذمے داری سے سبکدوش ہو جائیں۔" مسز رانا نے کہا' پھر بولیں "کل میں' نمرہ کو بینک لے جاؤں گی۔ تاکہ میں نے جو رقم اس کے نام جمع کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ کل اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کرا دوں۔"

بیگم آفتاب خوش ہو کر بولیں "اب تو وہ آپ کی ہی بیٹی ہے۔"

ادھر جبران صوفے پر بیٹھا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا اور ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ آخر اس نے اپنی ماں کی طرف جھک کر کہا "ماما......! وہ نمرہ......؟"

مسز رانا نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ تو نمرہ کے لیے پاگل ہو جاتا ہے۔ اس کی نظریں اسی کو ڈھونڈ رہی ہیں۔"

پھر وہ بیٹے سے بولی "بیٹے! میں نے تمہیں سمجھایا تھا' جب رشتہ طے ہو جاتا ہے تو لڑکی کو پردہ کرایا جاتا ہے۔"

فلک ناز نے کہا "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لڑکا لڑکی کے ایک دوسرے سے ملنے' بات چیت کرنے سے انڈر اسٹینڈنگ بڑھتی ہے۔ میں ابھی اسے بلا کر لاتی ہوں۔"

وہ جانے کے لیے اٹھ ہی رہی تھی کہ نمرہ دروازے پر آ گئی۔ جبران اسے دیکھتے ہی خوش ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا "نمرہ......! تم کہاں رہ گئی تھیں؟ میں کب سے انتظار کر رہا ہوں۔"

نمرہ نے آگے بڑھ کر سلام کیا پھر جبران کو دیکھتے ہوئے ایک صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ وہ پلک جھپکائے بغیر بڑے پیار سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی ماں سے کہا "ماما......! آپ نمرہ کو بتائیں ہماری شادی ہونے والی ہے۔"

"بیٹے! نمرہ کو سب معلوم ہے۔ تم آرام سے بیٹھو۔"

ماں نے اسے پکڑ کر صوفے پر بٹھایا پھر اس کے کان کے قریب سرگوشی میں کہا "تم نے وعدہ کیا تھا یہاں آ کر نمرہ کی باتیں زیادہ نہیں کرو گے اور نہ اس کی طرف دیکھو گے۔ خدا کے لیے خود کو کنٹرول کرو۔ ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

فلک ناز نے مسکرا کر پوچھا "یہ ماں بیٹے میں کیا سرگوشیاں ہو رہی ہیں؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی "کچھ نہیں۔ میں بیٹے کو سمجھا رہی ہوں کہ سسرال میں نظریں نیچی کر کے بیٹھنا چاہیے۔"

جبران نے نظریں نیچی کر لیں۔ بیگم آفتاب نے کہا۔ "ماشاءاللہ بڑا ہی فرماں بردار بیٹا ہے۔"

مسز رانا نے نمرہ سے پوچھا "بیٹی کل صبح تم میرے ساتھ بینک چل رہی ہو ناں؟"

نمرہ نے کہا "آنٹی آپ برا نہ مانیے گا' مگر یہ بتائیں کہ آپ مجھے بہو بنانے آئی ہیں یا خریدنے آئی ہیں؟"

اس سوال پر سب ہی چونک پڑے۔ بیگم آفتاب نے ذرا سخت لہجے میں کہا "نمرہ! یہ کیسا سوال کر رہی ہو؟"

مسز رانا نے کہا "بہن آپ اسے بولنے سے نہ روکیں۔ اس کے دل میں جو کچھ ہے اسے زبان پر آنا چاہیے۔ نمرہ......! تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں تمہیں دل سے بہو بنانا چاہتی ہوں۔ اپنے بیٹے کی خوشیاں چاہتی ہوں۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے اتنی بڑی دنیا میں اس کے سوا میرا کوئی نہیں ہے۔ اسے نارمل بنائے رکھنے کے لیے اور اس کی طویل عمری کے لیے میں اپنی ساری دولت اور جائداد داؤ پر لگا سکتی ہوں۔"

نمرہ نے کہا "یہ اپنے بیٹے کے لیے آپ کے احساسات اور جذبات ہیں لیکن میرے احساسات یہ ہیں کہ میں ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ ایک شریف زادی ہوں اور بکاؤ مال نہیں ہوں۔ آپ مجھے خریدنے کی بات کریں گی تو میں رشتے سے انکار کر دوں گی۔"

جبران نے تڑپ کر کہا "ماما......! کیا یہ رشتے سے انکار کر رہی ہے؟"

ماں نے بیٹے کا بازو تھام کر کہا "خاموش بیٹھے رہو۔ اس نے انکار نہیں کیا ہے۔ اس کی پوری باتیں سنو۔"

وہ بولی "میری آخری بات یہ ہے کہ میں آپ سے کوئی رقم نہیں لوں گی۔ جبران......! تم سمجھدار ہو ناں؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا "ہاں' میں بہت سمجھ
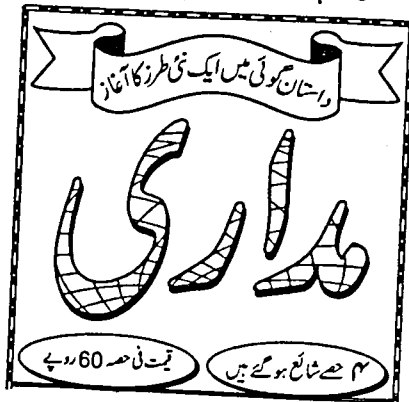
دار ہوں۔"

"تو پھر جواب دو' انسان کو انسان سے محبت کرنا چاہیے یا دولت سے؟"

"میں دوسرے انسانوں کے بارے میں تو نہیں جانتا۔ بس ایک بات جانتا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"کیا مجھے تمہاری ماما سے دس کروڑ روپے لینے چاہیے؟ کیا میں تم سے زیادہ دولت کو اہمیت دوں؟"

اس نے تیزی سے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں نہیں...... تم میرے سوا کسی کو اہمیت نہ دو۔"

اس نے اپنی ممی اور ڈیڈی کو دیکھتے ہوئے کہا "جبران کی میڈیکل رپورٹس پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ ان کی باتوں سے سمجھ لینا چاہیے کہ یہ پاگل خانے میں رہنے کے باوجود ایب نارمل نہیں ہیں۔ اگر ان کا پوری طرح علاج ہوتا رہا تو رہی سہی خامیاں بھی دور ہو جائیں گی۔"

مسز رانا نے خوش ہو کر کہا "نمرہ بیٹی! تم میری توقع سے زیادہ سمجھ دار ہو اور کسی لالچ کے بغیر میرے بیٹے کی حمایت میں بول رہی ہو۔"

وہ بولی "آنٹی! میں آپ سے اور آپ کے بیٹے سے صرف دو شرطیں منوانا چاہتی ہوں۔"

"بیٹی ہزار شرطیں منواؤ۔ ہم مان لیں گے۔ بولو' کیا چاہتی ہو؟"

نمرہ نے جبران کو دیکھا پھر کہا "میں اسی شرط پر شادی کروں گی کہ تم میری ایک بات مانو گے۔ آئندہ کبھی الیکٹرک شاک نہیں لو گے۔"

وہ بولا "میں اپنی ماما کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ آئندہ کبھی الیکٹرک شاک نہیں لوں گا۔"

مسز رانا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور نمرہ کے پاس آ کر اسے گلے سے لگا کر رونے لگی۔ وہ روتے روتے کہہ رہی تھی "میری بچی! آج تک کسی ڈاکٹر نے میرے بیٹے کا ایسا علاج نہیں کیا۔ جیسا تم نے بیٹھے بیٹھے کر دیا ہے۔ تم نے تو مجھے کوڑیوں کے مول خرید لیا ہے۔"

میں نے نمرہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ شادی سے انکار نہ کرے اور خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دے۔ وہ میرے مشورے پر عمل کر رہی تھی لیکن اس دوران میں محسوس کر رہی تھی جیسے سچ مچ جبران اور اس کی ماں سے قریب ہوتی جا رہی ہے۔ ان لمحات میں ایک ماں کے آنسو اسے بری طرح متاثر کر رہے تھے اور وہ فخر سے یہ سوچ رہی تھی کہ وہ ایک مسیحا بن چکی ہے اور بڑی کامیابی سے ایک بیمار کا علاج کر رہی ہے۔

تھوڑی دیر تک ڈرائنگ روم میں خاموشی طاری رہی۔ مسز رانا ابھی تک نمرہ سے لپٹ کر رو رہی تھی۔ بڑا ہی جذباتی منظر تھا۔ جبران خاموشی سے یہ دیکھتا رہا پھر بولا "ماما کیا میں نے کوئی غلط بات کی ہے؟" تو وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"نہیں بیٹا۔ میری نمرہ کی محبت نے مجھے رلا دیا۔" پھر وہ بیگم آفتاب سے بولی "بہن! میری بات مان لیں اور اسی ہفتے کسی دن شادی کی تاریخ طے کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔"

بیگم آفتاب نے اپنے میاں کی طرف دیکھا۔ نمرہ نے کہا "آنٹی! آپ نے میری دوسری شرط نہیں سنی۔"

"ہاں...... میں تو خوشی میں بھول ہی گئی تھی۔ بولو تمہاری دوسری شرط کیا ہے؟"

وہ بولی "میں نے ایک ماہر نجومی کو اپنا ہاتھ دکھایا ہے اور چاہتی ہوں کہ جبران بھی اپنا ہاتھ اسے دکھائیں۔ وہ نجومی جو پیش گوئی کرے گا' اس کے مطابق شادی کی تاریخ مقرر کی جائے۔"

"بیٹی! تم جو کہو گی' میں وہی کروں گی لیکن پتا نہیں' وہ نجومی شادی کے سلسلے میں کیا پیش گوئی کرے؟"

"آنٹی۔ وہ بہت پہنچا ہوا نجومی ہے۔ کبھی الٹی سیدھی باتیں نہیں کرتا۔ آپ بھی اسے جانتی ہیں۔"

مسز رانا نے حیرانی سے پوچھا "تم کس کی بات کر رہی ہو؟"

"کچھ عرصہ پہلے آپ لندن میں اس سے مل چکی ہیں۔ اس نے آپ کا ہاتھ دیکھ کر سچی پیش گوئی کی تھی۔"

"اوہ...... یس...... تم کیسے جانتی ہو کہ میری اس سے ملاقات ہوئی تھی؟"

"وہ نجومی میرے کزن ہیں۔ میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ اسی گھر میں رہتے ہیں' اور ان کا نام مقدر حیات ہے۔"

میرا نام سنتے ہی جبران کے ذہن کو ایک جھٹکا لگا۔ وہ ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"......مقدر حیات......؟ نمرہ......! تم نے کہا تھا' تم کسی مقدر حیات کو چاہتی ہو یہ وہی میرا دشمن ہے۔ میرا رقیب ہے۔ نہیں' نمرہ......! میں اپنے اور تمہارے درمیان کسی کو نہیں آنے دوں گا۔"

مسز رانا نمرہ کے پاس سے اٹھ کر اس کے پاس گئی اور اسے پکڑ کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولی "کیوں خوامخواہ طیش

میں آرہے ہو۔ نمرہ اگر اسے چاہتی تو تم سے شادی کے لیے راضی نہ ہوتی۔ ذرا عقل سے کام لو۔"

اس نے نمرہ کی طرف دیکھا' دونوں کی نظریں ملیں۔ وہ دیکھتے ہی ذرا نرم پڑ گیا۔ مسز رانا نے کہا "میں مقدر حیات سے مل چکی ہوں۔ وہ بہت ہی سلجھے ہوئے ذہن کا نوجوان ہے اور سب سے دوستی کرنے والوں میں سے ہے۔"

پھر اس نے نمرہ سے پوچھا "تم نے ابھی کہا ہے کہ وہ اسی گھر میں رہتا ہے۔ کیا ابھی اس سے ملاقات ہو سکتی ہے؟"

فلک ناز نے بڑے فخر سے اتراتے ہوئے کہا "نہیں اس وقت تو وہ میری بیٹی آسرا کے ساتھ کہیں گیا ہوا ہے۔"

نمرہ کے چہرے پر ایک سایہ سا گزر گیا۔ یہ سن کر تکلیف ہوئی کہ میں آسرا کے ساتھ کہیں تفریح کے لیے گیا ہوں۔ بیگم آفتاب نے کہا "وہ جہاں بھی گیا ہے رات کے کھانے تک آجائے گا اور آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔"

فلک ناز نے کہا "آج تو شاید ہی ملاقات ہو۔ ہو سکتا ہے وہ دونوں رات کا کھانا کہیں باہر ہی کھائیں۔"

مسز رانا نے کہا "میں اس کا انتظار کروں گی۔ اگر ملاقات نہ ہوئی تو بڑی مایوسی ہوگی۔ نمرہ نے درست مشورہ دیا ہے کہ اسے جبران کا ہاتھ دکھانا چاہیے۔ امید ہے وہ اور بہت سی اچھی اور سچی باتیں بتائے گا۔"

نمرہ نے کہا "آنٹی! آپ فکر نہ کریں۔ اگر ابھی ملاقات نہ ہوئی تو کل صبح میں اسے آپ کے گھر لے آؤں گی۔"

جبران نے کہا "تم اسے کیوں لاؤ گی......؟ نہیں...... تم اس سے دور رہو گی۔"

ماں نے ذرا سخت لہجے میں کہا "جبران! ایسی باتیں نہیں کرتے۔"

نمرہ نے اسے دیکھ کر پوچھا "کیا تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا "سوری! مجھے تو پورا بھروسا ہے۔"

نمرہ مسکرانے لگی۔ مسز رانا نے کہا "دیٹ از لائیک اے گڈ بوائے۔"

میں آسرا کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا "یہ اچانک ہی تم نے باہر آنے کا پروگرام کیوں بنا لیا؟"

"بس یونہی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ جو مہمان آرہے ہیں ان کا سامنا کروں۔"

وہ مسکرا کر بولی "میں سمجھ رہی ہوں۔ اپنی محبوبہ کو پرائی ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ تمہارا دل ٹوٹ رہا ہے۔"

"میرے نہیں' اپنے دل کی بات کرو۔ تمہارے دل میں جو پھانس ہے وہ نکل رہی ہے۔ نمرہ پٹڑی بدل رہی ہے۔ جلد ہی پرائے دیس چلی جائے گی۔"

"کیا تمہیں اس سے بے وفائی کا گلہ نہیں ہے؟"

"گلہ کرنے سے وہ آ کر میرے گلے تو نہیں لگ جائے گی اور نہ ہی میں اس سے کہوں گا کہ وہ اپنا فیصلہ بدل کر میری طرف چلی آئے۔"

"میں حیران ہوں۔ نمرہ لالچی نہیں ہے تو پھر اس دولت مند کی طرف کیوں جھک رہی ہے؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ اسے مجھ پر اعتماد نہیں رہا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئی ہے کہ میں تمہاری طرف مائل ہوں اور تم ہی سے شادی کروں گا لیکن تم بھی میرے ساتھ نمرہ جیسا ہی سلوک کرو گی۔"

"میں اس کی طرح بے وفا نہیں ہوں لیکن یہ طے ہے کہ تم سے شادی نہیں کروں گی کیونکہ میں ایک لمبی عمر جینا چاہتی ہوں۔"

"تم دونوں کے رویے مختلف ہیں لیکن میرے ساتھ تو وہی ایک جیسا سلوک ہو رہا ہے۔ اس نے جبران کی خاطر مجھے چھوڑ دیا۔ تم اپنی لمبی زندگی کی خاطر مجھ سے دور بھاگتی رہو گی۔ کیا یہ تمہاری خود غرضی اور بے وفائی نہیں ہو گی۔"

"میں شادی نہ کر کے تمہاری وفادار رہوں گی۔"

میں نے واپسی کے لیے گاڑی موڑ دی۔ اس نے پوچھا "اب کہاں جا رہے ہو؟"

"ہم واپس جا رہے ہیں۔"

"کیا وقت ہوا ہے؟"

میں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی اور کہا "گیارہ بجنے والے ہیں۔"

میں نے کوٹھی کے سامنے پہنچ کر گاڑی روک دی پھر کہا۔

"تم اندر جاؤ۔ میں ذرا ایک کام سے جا رہا ہوں۔"

"اب اتنی رات کو کہاں جاؤ گے؟"

"کہا نا...... ضروری کام ہے۔ آ کر بتاؤں گا۔"

اس نے جانے کے لیے اپنی طرف کا دروازہ کھولا تو میں نے پوچھا "یونہی چلی جاؤ گی؟"

اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھ کر پوچھا "مجھے کیسے جانا چاہیے؟"

"بھئی! ہم ایک دوسرے کو چھو تو سکتے ہیں۔ مجھ سے مصافحہ تو کر سکتی ہو؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں' ہمارے درمیان فاصلہ

رہنا چاہیے۔''

''اچھی بات ہے۔ مجھے نہ سہی تم اپنی کسی چیز کو تو چھو سکتی ہو؟''

''ہاں۔ اپنی چیز کو چھونے میں بھلا اعتراض کیوں ہوگا؟''

میں نے اپنی کلائی اس کی طرف بڑھائی پھر کہا ''یہ گھڑی تمہاری ہے۔ اسے چوم لو۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی ''اسے چومنے سے کیا ہوتا ہے' لو چوم لیتی ہوں۔''

اس نے جھک کر اپنے ہونٹ گھڑی کی سطح پر رکھ دیئے پھر اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ میں نے وہ کلائی اپنی طرف کی پھر جھک کر اس گھڑی کی سطح پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ وہ ایک دم سے شرما کر تیزی سے دروازہ کھولتی ہوئی باہر چلی گئی۔

میں مسکرا کر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب وہ گیٹ سے گزر کر نظروں سے اوجھل ہوگئی تو میں نے کار اسٹارٹ کی اور مسز رانا کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ گیارہ بجے تک ہمارے گھر پر میرا انتظار کرتی رہی تھی پھر بیٹے کے ساتھ وہاں سے چلی آئی اور اسی وقت اس کی کار اپنی کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ میں نے بھی اپنی گاڑی اس کے پیچھے ہی کوٹھی میں داخل کر دی۔ چوکیدار نے سمجھا میں شاید ان کا مہمان ہوں اس لیے اس نے مجھے نہیں روکا۔ مسز رانا نے پورچ میں کار روک کر باہر نکلتے ہوئے میری کار کی طرف دیکھا۔ میں نے بھی گاڑی سے نکلتے ہوئے کہا ''ہیلو مسز رانا! کیا آپ مجھے پہچانتی ہیں۔ میں ہوں مقدر حیات......!''

وہ خوش ہو کر بولی ''ہیلو مسٹر مقدر! میں تو نمرہ کے ہاں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔''

اس نے آگے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا پھر بیٹے سے کہا ''جبران! یہی مقدر حیات ہیں۔''

اس نے ناگواری سے مجھے دیکھا۔ مصافحہ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن ماں کے حکم سے مجبور ہوگیا۔ بے دلی سے مصافحہ کرنے کے بعد تیزی سے کوٹھی کے اندر چلا گیا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام کر کہا ''آؤ اندر چلیں۔''

میں اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آیا۔ جبران وہاں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کے دماغ میں یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ نمرہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور میں اس کا رقیب ہوں۔ شاید اس کے راستے کا پتھر بننے آیا ہوں۔ مسز رانا بیٹے کی ذہنی حالت کو خوب سمجھتی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا ''یہاں بیٹھو۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔''

پھر اس نے بیٹے سے کہا ''جبران! آرام سے تمہیں ٹینشن میں مبتلا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

وہ جھنجلا کر بولا ''ماما......! یہ کیا ضروری ہے کہ ہاتھ انہیں دکھاؤں۔ نمرہ کی یہ شرط مجھے پسند نہیں آئی۔''

''بیٹا ہم نے نمرہ کو زبان دی ہے۔ وہ بچی اور کھری ہے۔ ہمیں بھی اس کے ساتھ وعدہ نباہنا چاہیے اور اس دوسری شرط پوری کرنی چاہیے۔''

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ ماں اس کے پاس بیٹھ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی محبت سے بولی ''دیکھو۔ مقدر میاں کو نہیں جانتے۔ یہ بہت ہی سچی اور کھری بتاتے ہیں۔ ان سے ہمیں رہنمائی حاصل کرنی چاہیے سے تین برس پہلے انہوں نے میرا ہاتھ دیکھا تھا اور کہ تمہارے ڈیڈی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ وہ اپنا اپنی دولت اور جائیداد سب ہمارے لیے چھوڑ کر چلے گئے اور پھر یہ پیش گوئی کی تھی کہ تمہارے چچا تم سے دشمنی کریں گے۔''

''اور میں نے تمہاری ماما سے کہا تھا کہ دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ بلکہ دماغی نقصان پہنچائیں۔''

ماں نے بیٹے سے کہا ''اور مقدر میاں کی ایک ایک درست ثابت ہوئی ہے۔ تمہارے ڈیڈی اللہ کو پیارے تھے۔ اس کے بعد ہی تمہارے چچا نے دشمنی کی انتہا تمہیں پاگل خانے تک پہنچا دیا۔ اس نے اس جوان گوئی کے مطابق جانی نقصان نہیں پہنچایا مگر تمہیں اس دماغی نقصان پہنچایا ہے کہ آج تک سنبھل نہیں پا رہے ہ

جبران نے مجھے بے یقینی سے دیکھ کر کہا ''تعجب۔ ہاتھ کی لکیریں اس قدر سچ بولتی ہیں؟''

''میں نہیں جانتی' ہاتھ کی لکیریں کیا کہتی ہیں لیک جوان نے جو کہا' وہ سب سچ ہوتا رہا۔''

میں نے کہا ''مسز رانا میں نے ایک اور پیش گوئ جسے آپ بھول رہی ہیں۔''

اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے کریئے آپ نے اپنے بیٹے کی طویل عمری کے سلسلے م تھا۔''

وہ بولی ''ہاں یاد ہے۔ تم نے کہا تھا میرے بیٹے کی مختصر بھی ہو سکتی ہے اور طویل بھی......''

''پھر آپ نے پوچھا تھا' آپ کے بیٹے کی زندگ کس طرح ہو سکتی ہے؟''

''ہاں......! یاد آ رہا ہے...... تم نے کہا تھا...... تم نے کہا ......'' وہ بولتے بولتے ایک دم سے چونک گئی پھر چیخ کر ی ''نہیں' یہ نہیں ہو سکتا۔''

اس نے بیٹے کے بازو کو سختی سے جکڑ لیا۔ بیٹے نے پوچھا ''ماما...... ! کیا بات ہے؟ آپ پریشان کیوں ہو گئی ہیں؟''

''بیٹے! مقدر حیات نے کہا تھا' تمہاری زندگی میں کسی ی لڑکی کو نہیں آنا چاہیے جس کے نام کا پہلا حرف ''این'' ہے۔ او خدایا......! میں تمہیں الیکٹرک شاک سے نجات دلانے کے لیے اس قدر حواس باختہ ہو گئی تھی کہ نمرہ کا نام سن کر بھی یاد آیا کہ اس کے نام کا پہلا حرف ''این'' ہے۔''

وہ ماں کو دھکا دے کر صوفے سے اٹھ گیا ''آپ کیا کہنا ہتی ہیں۔ اگر اس کا نام ''این'' سے شروع ہوتا ہے تو مجھے ں سے محبت نہیں کرنی چاہیے؟ اس سے شادی نہیں کرنی

چاہیے؟ یہ بہروپیا نجومی بن کر نمرہ کو مجھ سے دور کرنے آیا ہے۔ میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ یہ راستے کا پتھر ہے۔ میرے راستے میں کانٹے بچھائے گا اور یہ کانٹے بچھا رہا ہے۔''

وہ تیزی سے چلتا ہوا میرے پاس آیا اور اس نے ایک گھونسا مجھے مارنا چاہا۔ میں نے اس کی کلائی پکڑ لی اس نے دوسرے ہاتھ سے حملہ کرنا چاہا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے س کی دوسری کلائی پکڑ لی۔ وہ خود کو چھڑانے کی کوششیں کرنے لگا۔ میں نے کہا ''سنو! تم اس وقت مقدر کی گرفت میں ہو۔ پھڑ پھڑاتے رہو گے۔ تمہاری ماں تمہیں طویل زندگی کی طرف لے جانا چاہے گی اور تم نمرہ کے پیچھے پیچھے موت کی طرف جاؤ گے۔ میری ہر بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔''

میں اس کے ہاتھ کی لکیروں پر چل رہا تھا۔ آگے بہت کچھ کہنے والا تھا۔ یہ میں ہی جانتا ہوں' آگے کیا ہونے والا ہے اور کیا نہیں ہونے والا ہے۔ اور میں اس لیے جانتا ہوں کہ...... میں

اک بازی گر ہوں!
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں۔
تمہارا دوست بھی ہوں۔
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں......
اک بازی گر ہوں......!

تقدیر اور تدبیر کی جنگ جاری رہتی ہے۔ ازل سے ابد تک یعنی اس دنیا میں آنے والے پہلے انسان حضرت آدم سے لے کر اس دنیا کے آخری انسان تک یہ جنگ جاری رہے گی۔ جبران مجھ سے ہاتھا پائی پر اتر آیا تھا۔ میں نے اس کی دونوں کلائیوں کو پکڑ لیا تھا بندے کو جب مقدر پکڑ لیتا ہے تو سمجھو جکڑ لیتا ہے۔

میرا سچ کسی سے ہضم نہیں ہوتا۔ جبران سے بھی ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ میری یہ پیش گوئی ماننے کو تیار نہیں تھا کہ نمرہ سے اس کا سنجوگ نہیں ہوسکتا اور یہ کہ وہ حرف ''این'' سے شروع ہونے والے نام کی کسی بھی لڑکی سے شادی کرے گا تو اس کی زندگی مختصر ہو جائے گی۔ وہ تو مجھے اپنا رقیب سمجھتا تھا' تو بھلا وہ رقیب کی پیش گوئی کو درست کیسے مان لیتا۔ اس کے ذہن میں یہ بات نقش ہوگئی تھی کہ میں اس کی راہ کی رکاوٹ بنوں گا۔

یہی سب سوچ کر اس نے طیش میں آ کر مجھ پر حملہ کر دیا تھا اور میں نے اس کی دونوں کلائیوں کو جکڑ لیا تھا۔ پھر اس نے اپنی لاتیں استعمال کرنی چاہیں تو میں نے اس کے حملوں کو روکا۔ اس دوران مسز رانا پیچھے سے آ کر اس سے لپٹ گئی تھی۔ وہ اس سے کہہ رہی تھی'' بیٹے یہ کیا کر رہے ہو۔ تمہیں ہر بات ٹھنڈے دماغ سے سننا چاہیے۔ ہٹ جاؤ۔ چھوڑ دو مقدر کو......''

وہ عاجز آ کر بولا'' ماما......! میں کیا چھوڑوں اس نے مجھے پکڑ رکھا ہے۔''

وہ گڑگڑا کر بولی'' مقدر میاں...... پلیز اسے چھوڑ دو۔''

میں نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ اور وہ لڑکھڑاتا ہوا جا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ بیٹے کے پاس آ کر دونوں بازوؤں کو پھیلا کر اس سے لپٹ گئی پھر رونے کے انداز میں بولی ''بیٹا...... تم نہیں جانتے اس کی باتیں درست ہوتی ہیں۔''

''اگر اس نے آپ کا ہاتھ دیکھ کچھ باتیں سچ کہہ دیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ ہمیشہ ہی سچی پیش گوئی کرتا ہے۔''

''ابھی تم نے نمرہ کے گھر میں اس کے ممی اور ڈیڈی کی باتیں بھی تو سنی ہیں۔ وہاں سب ہی کہہ رہے تھے کہ مقدر میاں نے جس کا بھی ہاتھ دیکھا ہے' اس کے ماضی' حال اور مستقبل کی سچی باتیں بتائی ہیں۔''

''آپ مجھے یہ سمجھانا چاہتی ہیں کہ میں اس کی پیش گوئی سے ڈر کر نمرہ سے دور ہو جاؤں' اسے اپنے دل سے نکال دوں؟''

''بیٹے آرام سے بیٹھو اور میری باتیں توجہ سے سنو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں تمہاری خوشیاں پوری کرنے کے لیے [illegible] کے اکاؤنٹ میں دس کروڑ روپے جمع کرانے والی تھی۔ [illegible] تمہاری خوشی کے علاوہ اس کی اور کیا وجہ تھی۔''

''مگر آپ یہ بھی تو دیکھیے کہ نمرہ نے اتنی بڑی رقم [illegible] سے انکار کر دیا۔ آپ کو اس کی نیک نیتی کی قدر کرنا چاہیے۔ ایسی بے غرض' بے لوث' سچی اور کھری لڑکیاں صرف [illegible] والوں کو ملتی ہیں۔ یہ شخص ہمارا مقدر بگاڑنا چاہتا ہے۔ آ[illegible] اس کی باتوں میں نہ آئیں اور جلدی سے شادی کا انتظام کروائیں۔''

''بیٹا میں نادان بچی نہیں ہوں کہ کسی کی باتوں [illegible] آ جاؤں۔ میں نے ایک کے بعد ایک سچائیاں دیکھی ہیں تب ہی میں مقدر میاں پر بھروسا کر رہی ہوں۔ صاف صا[ف] کہہ دیتی ہوں میں تمہارے معاملے میں کوئی بھی خطرہ مول نہیں چاہوں گی۔ ایسی کوئی بھی لڑکی تمہاری زندگی میں نہ آئے گی جس کا نام حرف ''این'' سے شروع ہوتا ہو۔''

''اور میں صرف نمرہ سے ہی شادی کروں گا چاہے اس کا نام ہی بدلنا پڑے۔''

اور پھر اس نے چونک کر مجھے اور پھر اپنی ماں کو [illegible]

''ہاں...... ہاں...... ماما...... بات بن سکتی ہے۔ اگر نمرہ کا [نام] بدل دیا جائے۔ اس کے نام کے ساتھ حرف این کی نحوست [ختم] کر دی جائے تو میری زندگی مختصر نہیں ہوگی۔''

اس کی ماں نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ[کر] پوچھا ''کیا یہ ممکن ہے؟ ایسی نام بدلنے والی کوئی تدبیر [کی] جا سکتی ہے؟''

جبران بولا'' آپ اس سے کیا پوچھ رہی ہیں۔ [تقدیر] انسان کی ذہانت سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی۔ ہم تدبیر کریں۔ یقیناً تقدیر بدلے گی۔''

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا'' بے[شک] ہماری دنیا میں انسان کی ذہانت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ تدبیر سے تقدیر کو بدلنے کی بے شمار مثالیں موجود ہیں [لیکن] انسان اپنی ذہانت سے موت کا وقت ہرگز نہیں بدل سکتا۔ [جس] وقت اس کی موت لکھی ہوتی ہے ٹھیک اسی لمحے میں وہ دم [توڑتا] ہے۔''

جبران نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے بڑے جو[شیلے] انداز میں کہا'' میں نہیں مروں گا جب تک نمرہ میری زندگی [میں] نہیں آئے گی۔ میں نہیں مروں گا۔ چاہے موت کا کوئی وقت مقرر ہو۔ میں موت کے وقت کو ٹال دوں گا۔''

میں نے کہا'' بعض لوگوں کو خوش فہمی ہوتی ہے کہ [illegible] نہیں آئے گی۔ اگر آئی بھی تو وہ اس کے شکنجے سے بچ [جائیں] گے پھر وہ بچنے کے لیے طرح طرح کی تدابیر کرتے [ہیں۔ اگر] بیمار ہوں تو زندگی کی طرف جانے کے لیے علاج [کراتے] ہیں۔ ممکنہ حادثات سے بچنے کی کوششیں کرتے رہتے [ہیں] ہیں۔ اگر ان کی جان کو کسی دشمن سے خطرہ ہو تو وہ اس دشمن کو [ختم ک]رنے کی تدابیر کرتے رہتے ہیں۔''

وہ غصے سے بولا'' تم ذرا دھمکا کر مجھے نمرہ سے دور کرنے [کی] باتیں نہ کرو۔ اتنے ہی بڑے نجومی ہو تو میری موت کا [مقر]رہ وقت بتاؤ۔ میں اپنی ذہانت اور تدبیر سے اس مقررہ [وقت] کو ٹال کر دکھاؤں گا۔''

میں اس کے بچکانہ دعوے پر مسکرانے لگا۔ میں نے انکار [میں] سر ہلا کر کہا'' نہیں...... اگر تم اپنی زندگی کی اس منحوس گھڑی [کو ٹ]ال دو گے تو تمہیں مزید ایک برس کی زندگی ملے گی۔ اس [ایک] برس کے بعد پھر وہی منحوس تاریخ اور منحوس وقت آئے [گا۔]''

وہ پھر اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے پُرجوش انداز میں [بولا] ''آنے دو' میں پھر اس موت کے مقررہ وقت کو ٹال دوں [گا۔]''

مسز رانا نے پریشان ہو کر ہمیں دیکھا پھر مجھ سے پوچھا۔ ['']کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک مقررہ وقت ٹل جائے تو دوبارہ اس [مقر]رہ وقت پر موت پھر زندگی چھین لینے کی دھمکی دے؟''

میں نے کہا'' ہماری دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ ناممکن بھی [ممک]ن ہو جاتا ہے۔''

جبران نے کہا'' پھر میں بھی ناممکن کو ممکن بنا دوں گا۔ میں [اس] منحوس گھڑی کو اپنی زندگی میں آنے ہی نہیں دوں گا جو [می]رے لیے مقرر کی گئی ہو۔''

پھر وہ میری طرف چلتا ہوا آیا۔ میں نے اپنی جگہ سے [اٹھ] کر پوچھا'' کیا پھر پنجے لڑاؤ گے؟''

اس کی ماں تیزی سے چلتی ہوئی ہمارے درمیان آ گئی۔ [وہ] بولا'' ماما...... آپ پریشان نہ ہوں میں جھگڑا نہیں کروں [گا۔]''

پھر وہ اپنا دایاں ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ [''میرے ہاتھ کو] اسے اچھی طرح دیکھو اور مجھے بتاؤ وہ طے شدہ وقت میری [زن]دگی میں کب آئے گا؟''

ماں نے اپنے بیٹے کے ہاتھ کو تھام کر مجھ سے کہا'' مقدر [می]اں! تم یہ بھی بتا سکتے ہو کہ کیا اس کا دعویٰ درست ہوگا' کیا یہ [اپ]نی ذہانت اور تدبیر سے اس منحوس گھڑی کو ٹال سکے گا؟''

میں نے دور سے اس کے ہاتھ کو دیکھا پھر کہا'' مسز رانا......! میں ایک ہی بار جو ہاتھ دیکھ لیتا ہوں اس کی لکیریں میرے ذہن میں نقش ہو جاتی ہیں۔ آپ اپنے بیٹے کے ساتھ وہاں صوفے پر بیٹھیں میں وہی کہوں گا جو سچ ہے۔''

وہ اپنے بیٹے کے ساتھ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی اور دونوں میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ میں نے اپنے صوفے پر آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا'' میں اس کی موت کا مقررہ وقت بتاتا ہوں۔'' پھر میں ایک لمحے کو چپ ہوا تو وہ ماں بیٹے اپنی اپنی جگہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگے۔ جبران موت سے خوف زدہ نہیں تھا لیکن ماں سہمی ہوئی تھی۔ میں نے کہا'' ہر سال اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے پرانا سال گزر جاتا ہے اور نیا سال آ جاتا ہے۔ پرانے اور نئے سال کے اس سنگم پر ٹھیک بارہ بجے موت جبران پر شب خون مارے گی۔''

مسز رانا کو میری یہ بات ایسے لگی جیسے میں نے ان کا کلیجا اپنی مٹھی میں بھینچ دیا ہو۔ میں نے کہا'' سوری! میرے سچ بولنے کی عادت ایک ماں کو عذاب میں مبتلا کر رہی ہے۔''

جبران دل ہی دل میں حساب کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''آج اگست کی پہلی تاریخ ہے۔ گویا ٹھیک پانچ ماہ بعد؟''

میں نے صرف اثبات میں گردن ہلا دی۔

ماں کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ تیزی سے صوفے پر سے اتری اور فرش پر آ کر بیٹے کے پیروں کو پکڑ کر بولی'' میرے بچے' میرے لال' اپنی ضد سے باز آ جا۔ نمرہ کا خیال دل سے نکال دے۔ میں دنیا کی حسین ترین لڑکیاں تیرے لیے ڈھونڈ کر لا سکتی ہوں۔ ہر قیمت پر......''

''ماما......! آپ جانتی ہیں مجھے لڑکیوں سے دلچسپی نہیں۔ زندگی میں پہلی بار نمرہ نے مجھے متاثر کیا ہے' موت کے برف خانے میں مجھے زندگی کی نئی حرارت دی ہے۔ نہ میں اسے کبھی چھوڑ سکتا ہوں نہ اسے کبھی بھول سکتا ہوں۔''

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور غصے سے روتے ہوئے بولی'' یہ کیسا عشق ہے کیسی دیوانگی ہے۔ کیا تم اپنی ماں کی جان لے کر رہو گے؟''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا'' ماما......! میں صرف نمرہ کے لیے ہی نہیں آپ کے لیے بھی اپنی جان دے سکتا ہوں۔ خدا نہ کرے آپ کو کچھ ہو گیا تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گا۔ میں نمرہ کی خاطر آپ کو کبھی نظر انداز نہیں کروں گا اور آپ کی خاطر نمرہ کی طلب سے باز نہیں آؤں گا۔ کیا میری ایک بات مانیں گی؟''

اس نے پوچھا'' بولو میں تمہاری کون سی بات نہیں مانتی

ہوں۔ بولو اب کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"دیکھیے ماما......! میں مروں گا تو آپ زندہ نہیں رہیں گی۔ اپنی جان دے دیں گی اسی طرح خدانخواستہ آپ نے میری ضد سے مجبور ہو کر اپنی جان دی تو میں بھی اسی لمحے اپنی جان پر کھیل جاؤں گا۔ یہ طے ہے کہ ہم ماں بیٹے جئیں گے بھی ایک ساتھ مریں گے بھی ایک ساتھ۔ تو کیا آپ میری خاطر اپنی یہ زندگی نمرہ کے لیے داؤ پر نہیں لگا سکتیں؟ آپ مجھے نمرہ کو حاصل کرنے دیں۔ میں اپنی ماں کو زبان دیتا ہوں کہ نئی زندگی حاصل کر کے دکھاؤں گا پھر میں بھی جیوں گا آپ بھی جئیں گی۔"

اس نے بے بسی سے بیٹے کو دیکھا پھر میری طرف پلٹ کر آئی۔ میں صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اچانک ہی میرے قدموں میں گر پڑی۔ میں گھبرا کر اپنے پیروں کو چھڑا کر الگ ہوتے ہوئے بولا "یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ آپ میری ماں کے برابر ہیں۔ پلیز مجھے شرمندہ نہ کریں۔"

وہ فرش سے اٹھتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی "مجھے ماں کہتے ہو تو پہلے ایک بیٹے کا حق ادا کرو۔ یہ بتاؤ' کیا میرا بیٹا اپنی ضد میں کامیاب ہوگا؟ کیا یہ اپنی تدبیر سے اس منحوس گھڑی کو ٹال سکے گا؟ کیا تم اس سلسلے میں اس کی کچھ مدد کر سکتے ہو؟ اس منحوس گھڑی سے اسے بچا سکتے ہو؟"

میں اس کے قریب آیا اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ آرام سے بیٹھ کر میری باتیں سنیں۔"

میں اسے تھام کر اس کے صوفے تک لایا۔ جبران بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے ٹہلتے ہوئے دھیرے دھیرے کہا "آپ کا بیٹا ایب نارمل نہیں ہے۔ یہ اپنی ذہانت سے موت کا وقت ٹال سکتا ہے۔"

ماں نے چونک کر بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ بیٹا بھی پہلی بار خوش ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔

"میں بظاہر ایک ناممکن سی بات کہہ رہا ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ موت کے وقت کو ٹالا جا سکے لیکن غور کیا جائے تو انسان کبھی کبھی ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ ایک مریض جو لب دم ہوتا ہے، جس کو بچنے کی امید نہیں ہوتی' اس کی موت یقینی ہو جاتی ہے اور ڈاکٹر اسے انتہائی نگہداشت والے کمرے میں رکھ کر اسے آکسیجن پہنچاتے ہیں اور ہر لمحہ اس پر توجہ دیتے ہیں تو اکثر وہ موت کی طرف سے لوٹ آتا ہے اور اسے نئی زندگی مل جاتی ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دشمن ایک جوان کو گولی مارنا چاہتے ہیں۔ اس کی موت یقینی ہو جاتی ہے۔ ایسے میں اس کی ماں سامنے آ کر ڈھال بن جاتی ہے اور اس حصے کی گولی کھا لیتی ہے اور بیٹا بچ جاتا ہے۔

"ایسے وقت میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ موت کا وقت کے لیے ہی مقرر تھا' بیٹے کی زندگی ابھی باقی تھی اس لیے مرگئی اور بیٹا زندہ رہ گیا۔ کس وقت کس کی موت کو آنا ہے کس کی موت کو ٹل جانا ہے مقدر کی یہ ہیرا پھیری کوئی جانتا۔ بظاہر بالکل لب مرگ بچ جاتے ہیں۔ اسی طرح کا بیٹا جبران بھی بچ سکتا ہے۔"

مسز رانا نے کہا "اگر میں اپنے بیٹے کے لیے اپنی دے کر بھی اسے بچا سکتی ہوں تو مجھے صاف صاف بتاؤ سے کچھ نہ چھپاؤ۔"

"میں کچھ نہیں چھپا رہا ہوں۔ آپ کو کسی طرح کی نہیں دینی ہوگی۔ جبران صرف اپنی تدبیر سے بچ سکے گا۔

اس نے ماں کے بازو کو تھام کر کہا "ماما میں تو مقد دشمن سمجھ رہا تھا لیکن یہ تو بڑی اچھی باتیں کر رہا ہے۔ اگ میں اس پر بھروسا کر سکتا ہوں۔ آپ کو تو پہلے سے ہی بھروسا ہے۔ جب یہ کہہ رہا ہے کہ میں بچ سکتا ہوں تو پھ پر چھوڑ دیں کہ میں کون سی تدبیر خود کو بچانے کی کرتا ہوں

مسز رانا اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اور میرے پاس صوفے پر بیٹھ کر بولی "بیٹے تمہاری نے مجھے بڑا حوصلہ دیا ہے۔ میری فون پر تو تم سے کئی با ہوئی ہے لیکن ہماری یہ دوسری ملاقات ہے۔ میں اچھ سمجھ گئی ہوں کہ تم بہت گہرے ہو۔ بہت کچھ جانتے بھ بہت کچھ کر بھی سکتے ہو۔ خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ کس تد میرا بیٹا محفوظ رہ سکتا ہے؟"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ اپنے بیٹے کو خود سوچنے وہ خود کوئی تدبیر کرے گا۔ اسے یہ ثابت کرنے دیں کہ نارمل نہیں ہے' ذہین ہے اور وقت پڑنے پر اپنے راستے ہموار کر سکتا ہے۔"

"بے شک میرا بیٹا ایب نارمل نہیں ہے اور مجھے ذہانت پر بھروسا ہے۔ پھر بھی میں تم سے پوچھتی ہوں معقول تدبیر نہ کر سکا تو؟"

میں نے جبران سے پوچھا "تمہارا کیا خیال ہے تک کوئی تدبیر سوچ لو گے اور اس پر عمل کر دو گے؟"

"ابھی تو اس منحوس گھڑی کو آنے میں پانچ وقت ہے میں اس عرصے میں بہت کچھ سوچ لوں گا۔" کہا۔

مسز رانا نے کہا "پانچ مہینے کی بات نہ کرو۔ ہ

منحوس گھڑی کے قریب لے جائے گا۔ تمہیں جلد سے جلد چاہیے اور کوئی تدبیر کرنا ہے۔ اگر ناکام ہوئے تو ہم مقدر مشورہ مانگ سکتے ہیں۔"

پھر وہ میری طرف پلٹ کر بولیں "دیکھو مقدر میاں! میں ہوں۔ میرا دل نہیں مانتا۔ بس میں اسے چوبیس گھنٹے کی دے رہی ہوں۔ اگر اس دوران یہ کوئی تدبیر نہ کر سکا تو ہاری مدد کرنا۔ مجھے کسی طرح اطمینان دلاؤ کہ میرے بچے نقصان نہیں پہنچے گا اور یہ ایک طویل زندگی گزارے گا۔ خدا لیے میری ممتا کو سمجھو۔"

میں نے کہا "اچھی بات ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں' چوبیس گھنٹے بعد آپ دونوں سے ملاقات کروں گا پھر کے بارے میں بات کریں گے۔"

مسز رانا نے کہا "دیکھو بیٹے! تم مقدر میاں کو اپنا دشمن سمجھ تھے مگر دیکھو انہوں نے کیسا دوستانہ رویہ اختیار کیا ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گیا اور بولا "میں ندہ ہوں کہ تمہیں اپنا دشمن اور رقیب سمجھ رہا تھا۔"

اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اس مصافحہ کرتے ہوئے کہا "تمہیں اتنا تو عقل سے سوچنا یے تھا کہ جب نمرہ تم سے شادی کے لیے تیار ہو گئی ہے تو پھر رقیب کیسے بن سکتا ہوں۔ تم سے تعاون کرتا رہوں گا' اور تم موت کی اس منحوس گھڑی سے بچ نکلو گے تو سب سے میں تمہیں نئی زندگی کی اور نمرہ سے شادی کی مبارک باد گا۔"

اس نے پوچھا "یعنی تم پانچ ماہ بعد شادی کی مبارک باد گے جبکہ میں تو جلد سے جلد شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"میرا نیک مشورہ یہی ہے کہ ابھی شادی نہ کرو۔ کیا تم تنے خود غرض بن رہے ہو کہ موت کو سامنے دیکھ کر بھی فوراً دی کرنا چاہتے ہو اور اگر خدانخواستہ تم بچنے میں ناکام رہے کیا اسے جوانی میں بیوہ بنا کر چلے جاؤ گے؟"

وہ بڑے یقین کے ساتھ بولا "میں موت سے بچوں گا، رور بچوں گا اور اپنی نمرہ کی خاطر ایک طویل زندگی گزاروں ۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں اسی لیے تم سے تعاون کر رہا ں۔ مجھے یقین ہے کہ تم بچ سکو گے۔ تمہارے ساتھ ماں کی عائیں بھی ہیں پھر بھی احتیاطاً پانچ ماہ اور انتظار کر لو۔"

اس نے ماں کی طرف دیکھا تو وہ بولی "مقدر میاں کا شورہ مناسب ہے۔ تمہیں خود غرضی سے صرف اپنے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے۔ اس کا بھی تو سوچو جس کو دلہن بنا کر لانا چاہتے ہو۔"

میں نے کہا "اگر تمہارا عشق سچا ہے تو تم ضرور کامیاب ہو گے پھر بھی دانش مندی یہی ہے کہ پانچ ماہ تک شادی پر اصرار نہ کرو۔"

وہ ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ بے بسی سے کبھی اپنی ماں کو اور کبھی مجھے دیکھنے لگا پھر بولا "میں اسے دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ میں یہ بھی نہیں چاہوں گا کہ میرے بعد وہ بیوہ کہلائے۔ میں کیا کروں میں اس سے دور نہیں رہ سکتا۔ مقدر......! تم بہت کچھ جانتے ہو' بہت کچھ سمجھتے ہو۔ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ میں اس کے قریب رہ سکوں پھر پانچ ماہ تو کیا میں پانچ برس' پانچ صدیاں بھی ایسے ہی گزار دوں گا۔"

میں نے سوچتے ہوئے کہا "ایسی تدبیر ہو سکتی ہے۔ شادی کے بغیر بھی وہ تمہارے قریب رہ سکتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ تم دونوں کو اخلاق، تہذیب اور شرم و حیا کی حدود میں رہنا ہوگا۔"

"میں قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ایسا ہو گیا تو میں اس سے فاصلہ رکھوں گا اور ایسی کوئی حرکت یا خواہش نہیں کروں گا جو دین' ایمان اور اخلاق و تہذیب کے خلاف ہو۔"

مسز رانا نے کہا "میں اسے جلد سے جلد علاج کے لیے لندن لے جانا چاہتی ہوں اور یہ بھی چاہتی ہوں کہ نمرہ بھی ہمارے ساتھ چلے۔ کیا اس کے والدین اور خاندان والے شادی کے بغیر اسے اس کے ساتھ لندن جانے کی اجازت دے دیں گے؟"

میں نے کہا "ہاں' کچھ حکمت عملی سے کام لینا ہوگا۔"

ان دونوں نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو میں نے کہا "میں ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کروں گا کہ شادی سے پہلے جبران کو چیک کرنا چاہیے کہ وہ کس حد تک نارمل رہتا ہے' اور ایسا کرنے کے لیے نمرہ کا جبران کے قریب رہنا ضروری ہے۔ وہ اس کے علاج کے دوران میں ساتھ رہے گی تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے گی کہ یہ نارمل ہے اور آئندہ بھی نارمل رہنے کا امکان ہے۔"

مسز رانا نے کہا "مجھے یقین نہیں کہ وہ راضی ہو جائیں گے۔"

"ایک اور راستہ ہے۔ آپ نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ نمرہ کے والدین لالچی ہیں اور وہ بیٹی کی شادی سے پہلے ہی دس کروڑ روپے آپ سے لینے کے لیے راضی ہو گئے تھے۔"

مسز رانا بولی "لیکن نمرہ لالچی نہیں ہے۔ اس نے صاف

انکار کردیا تھا کہ وہ ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں لے گی۔"

"ہاں نمرہ صاف دل کی اور کھری لڑکی ہے۔ وہ کبھی آپ سے اور جبران سے اس قسم کا کوئی مطالبہ نہیں کرے گی لیکن اگر آپ رازداری سے نمرہ کے علم میں لائے بغیر اس کے والدین کو ایک کروڑ روپے کی پیشکش کریں اور اسے اپنے ساتھ لندن لے جانے کی خواہش ظاہر کریں تو وہ انکار نہیں کریں گے۔"

"ہاں۔ تمہاری بات دل کو لگ رہی ہے۔ واقعی میں ایک کروڑ روپے میں ان کے والدین کو خرید سکتی ہوں۔ لیکن کیا نمرہ بھی شادی کے بغیر ہمارے ساتھ لندن جانے کے لیے تیار ہوجائے گی؟"

"وہ جبران کو چاہتی ہے۔ اس کی شدید خواہش ہے کہ یہ بالکل نارمل ہوجائے۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ آپ کے اور جبران کے ساتھ جانے پر راضی ہوجائے گی۔"

وہ خوش ہوکر بولیں "میں نے وہاں دیکھا ہے تمہارے خاندان کے سب ہی لوگ تمہاری تعریف کرتے ہیں۔ تم بھی میرے بیٹے کی حمایت میں بات کرو گے تو سب ہی راضی ہوجائیں گے کہ نمرہ ہمارے ساتھ لندن چلی جائے۔"

جبران نے خوش ہوکر کہا "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ہمارے ساتھ اس قدر تعاون کرو گے۔"

"میں تمہاری اور نمرہ کی خوشیاں چاہتا ہوں۔ مجھ سے جو ہوسکے گا وہ کرتا رہوں گا۔"

مسز رانا نے کہا "ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"آپ ضرور پوچھیں کیا بات ہے؟"

"تم نے میرے بیٹے کے بارے میں پیش گوئی کی ہے اور پانچ ماہ بعد اس منحوس گھڑی کا ذکر کرکے ہمیں خوف زدہ کردیا ہے۔"

"میں نے خوف زدہ نہیں کیا ہے۔ خطرے سے آگاہ کیا ہے' تب ہی تو میں آپ اور جبران سب ہی اس خطرے سے بچنے کی کوشش کریں گے۔"

"درست کہتے ہو۔ میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کیا اس اندیشے کا ذکر نمرہ اور اس کے والدین سے بھی کرو گے؟"

میں نے انکار میں رہلایا "نہیں...... یہ ایک راز ہے جو ہم تینوں کے درمیان رہے گا کسی اور پر ظاہر نہیں کیا جائے گا۔"

دونوں ماں بیٹے خوش ہوکر میرے پاس آئے۔ مسز رانا نے میرے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنی طرف جھکایا اور میری پیشانی کو چوم لیا۔ جبران مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہہ نہیں پا رہا تھا۔ جب وہ کچھ کہہ نہ آگے بڑھ کر مجھ سے لپٹ گیا۔

☆☆☆

سید تراب علی شاہ کا بیٹا سید حشمت علی شاہ اپنے دو پ سے چلتا ہوا گھر سے گیا تھا۔ واپسی پر چار کاندھوں پر آیا میں کہرام مچ گیا۔ اس کی ماں بیگم شاہ اور دوسری رشتے خواتین رو رہی تھیں۔ عروج اور عینی ان خواتین کے در سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ اپنے بیٹے کو یاد کرکے روتے ہو کے قاتلوں کو کوس رہی تھیں۔

وہاں ایسی بھی خواتین تھیں جنہیں رونا تو نہیں آ لیکن تعزیت کے لیے دکھ ظاہر کرنا ضروری تھا۔ اس لیے بار اپنی آنکھیں دوپٹوں سے پونچھ رہی تھیں۔ ایک خا نے روتی ہوئی آواز میں کہا "ہانگ کانگ میں تو باشندے رہتے ہیں' پتا نہیں وہ کیوں حشمت کے دشمن ہوگ کیوں انہوں نے اسے گولی ماردی؟"

بیگم شاہ نے روتے ہوئے کہا "میرے بیٹے کو باہر لوگوں نے نہیں اسی ملک کے لوگوں نے قتل کیا ہے۔"

"بہن اپنے لوگوں کو آخر کیا دشمنی تھی؟"

"دشمنی کیا ہوگی' میرے بیٹے کی ذہانت سے اور دو سے جلتے تھے۔ میرا بیٹا تو کسی کے لینے میں تھا نہ دینے م اس کی تو کسی سے دشمنی نہیں تھی۔"

ایک خاتون نے کہا "سنا ہے وہ کسی عورت کے سا ہانگ کانگ گیا تھا؟"

بیگم شاہ نے کہا "توبہ ہے لوگ کیسی کیسی باتیں بنا ہیں۔ وہ لیڈی ڈاکٹر تو الگ گئی تھی۔ میرے بیٹے کا اس سے تعلق یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ میرا بچہ کبھی کسی لڑکی کی طر آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔"

عینی نے آہستگی سے نظریں اٹھا کر بیگم شاہ کو دیکھا عروج سے نظریں ملیں۔ وہ ناگواری نے اپنی ماں کو دیکھ تھی۔ بات تو یہیں سے بگڑی تھی کہ حشمت نیت کا کھوٹا اس نے عینی پر بری نیت رکھی تھی اور اس کے ساتھ زیا کرنے کی کوششیں کی تھیں۔

سید تراب علی شاہ بھی پرسا کرنے والے لوگوں درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں بھی لوگ وہی سوالات کرر ہے کہ اسے کیوں قتل کیا گیا اور کس نے قتل کیا؟

تراب علی انہیں بتا رہا تھا کہ قاتل کو گرفتار کیا گیا ہے وہ پاکستانی ہی ہے۔ ابھی اس سے پوچھ گچھ ہورہی۔

تفصیلات تو بعد میں ہی معلوم ہوں گی۔ وہ جانتا تھا کہ دردانہ اور زیشان کی دشمنی کے درمیان اس کا بیٹا پس کر رہ گیا تھا۔ اگرچہ زیشان نے آخری وقت اس کے بیٹے کی سلامتی کے سلسلے میں مدد بھی کی تھی اور اسے ملک سے باہر بھیج دیا تھا اس کے باوجود تراب علی کے دل میں زیشان کے خلاف میل تھا۔ اس کے ذہن میں یہ بات چھپی ہوئی تھی کہ زیشان اور دردانہ کی دشمنی نہ ہوتی تو اس کا بیٹا شاید نہ مارا جاتا۔ اتنے میں تراب علی کے ایک عزیز نے آکر اس سے کہا "انٹیلی جنس کے ایک افسر آپ سے ملاقات کرنے آئے ہیں۔"

اس نے کہا "انہیں یہاں بھیج دو۔"

انٹیلی جنس کا افسر اپنے ایک ماتحت کے ساتھ وہاں آیا اور تراب علی سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا "میرا نام سرفراز حسین ہے۔ آپ کے بیٹے کا کیس میرے پاس ہے اور میں اس سلسلے میں متعلقہ افراد سے ملاقاتیں کررہا ہوں۔"

تراب علی نے کہا "آیئے۔ تشریف لایئے۔ میں آپ سے ہر طرح تعاون کروں گا۔"

سرفراز نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا "ایس پی زیشان سے آپ لوگوں کے تعلقات کیسے ہیں؟"

"تعلقات اچھے بھی ہیں اور کچھ دنوں پہلے برے بھی رہے ہیں۔"

"ان میں برائی کیوں پیدا ہوئی تھی؟"

اس نے میرے بیٹے پر الزام لگایا تھا کہ حشمت نے اس کی بہن سے زیادتی کرنے کی کوششیں کی تھیں۔ تب سے زیشان اس کے خلاف ہوگیا تھا' اسے گرفتار کرنا اور اس پر تشدد کرنا چاہتا تھا۔ بعد میں ہمارے درمیان سمجھوتا ہوگیا اور اس کے بعد ہمیں ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہیں رہی تھی۔"

سرفراز نے کہا "ایس پی زیشان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مجرموں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ آپ کا کیا خیال ہے کیا اس نے آپ کے ساتھ دل سے سمجھوتا کیا تھا اور آپ کے بیٹے کو دل سے معاف کردیا تھا؟"

"میں کسی کے دل کا حال کیا جان سکتا ہوں۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرے بیٹے کے قتل میں ایس پی زیشان کا ہاتھ ہوسکتا ہے؟"

"جی ہاں۔ کچھ ایسی ہی بات ہے۔ جو قاتل گرفتار ہوا ہے اس کا نام زبیری ہے اور وہ زیشان کا خاص ماتحت ہے۔ اس کا بیان ہے کہ زیشان نے پہلے تو حشمت سے اور اس کے باپ سے سمجھوتا کیا اور یہ کہہ کر خوف زدہ کیا کہ اس کی کوئی دشمن دردانہ بیگم اسے قتل کرانا چاہتی ہے۔ لہٰذا اسے ملک سے باہر بھیج دیا جائے۔ بعد میں زیشان ہی نے زبیری کو بتایا کہ حشمت ہانگ کانگ میں ہے اسے وہیں قتل کردیا جائے۔"

تراب علی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں...... ہم نے زیشان کے مشورے پر ہی حشمت کو ملک سے باہر بھیجا تھا۔"

سرفراز نے کہا "ایس پی زیشان کے خلاف پہلے ہی انکوائری ہورہی ہے۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسران اور بڑے بڑے مجرموں کا بیان ہے کہ زیشان ایک بہت ہی درندہ صفت افسر ہے۔ وہ ایسے مجرموں کو زندہ نہیں چھوڑتا جو رشوت سے اور چالبازیوں سے قانون کی گرفت سے نکل جاتے ہیں۔ وہ ایسے مجرموں کو اپنے خاص آلہ کاروں کے ذریعے ہلاک کرادیتا ہے اور ان آلہ کاروں میں سے ایک یہ زبیری بھی ہے جس نے آپ کے بیٹے کو ہلاک کیا ہے۔"

تراب علی نے کہا "میں اب تک یہ سنتا آیا تھا کہ زیشان بہت خطرناک پولیس افسر ہے لیکن اب میرے بیٹے کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا ہے اس سے ثابت ہوگیا ہے کہ وہی اصل مجرم ہے اسے سزا ملنی چاہیے۔"

"سزا تو اس وقت ملے گی جب اس کے خلاف ثبوت مل جائیں گے لیکن اس سلسلے میں آپ کو بھی صفائی سے بتانا ہوگا کہ آپ کے بیٹے نے آخر وہ کیا مجرمانہ حرکتیں کی تھیں کہ ایس پی زیشان اس کا اس حد تک دشمن ہوگیا۔"

تراب علی نے ذرا ڈھٹائی سے کہا "میرے مقتول بیٹے نے کبھی کوئی مجرمانہ حرکت نہیں کی۔ خوامخواہ اس پر الزام دھرا گیا تھا۔"

"آپ اگر حقیقت چھپائیں گے تو ایس پی زیشان سزا سے بچ جائے گا۔ آپ ہم سے تعاون نہیں کریں گے تب بھی ہم کسی نہ کسی ذریعے سے معاملہ کی تہ تک پہنچ جائیں گے۔"

تراب علی پریشان ہوکر سوچنے لگا کہ اپنے بیٹے کی اصلیت بتائے یا نہ بتائے۔ اگر وہ اصلیت چھپاتا تو زیشان سزا سے بچ جاتا۔ اس کے خلاف ٹھوس ثبوت پیش کرنا ضروری تھا۔

سرفراز نے کہا "آپ کا بیٹا اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ وہ اچھا تھا یا برا' اس کے اعمال اس کے ساتھ جاچکے ہیں لیکن اگر وہ برا تھا تو بھی اب وہ دنیاوی قانون سے تو بچ ہی گیا۔ لہٰذا آپ حقیقت ہم سے نہ چھپائیں۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "میرے بیٹے میں کوئی برائی نہیں تھی۔ دراصل زیشان نے اس پر دباؤ ڈالا تھا اور یہ بیان لکھوایا تھا کہ میرے بیٹے نے اس کی بہن عینی کو اندھا کرنے کے لیے

ضرر رساں دوا اس کے آئی ڈراپس میں ملا دی تھی۔ اگر اس سازش کا علم بروقت نہ ہوتا تو عینی اندھی ہو جاتی۔"

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کے مقتول بیٹے حشمت کا تحریری بیان ایس پی ذیشان کے پاس موجود ہے؟"

"جی ہاں! وہ بیان لکھنے کے بعد میرا بیٹا ذیشان آگے مجبور ہو گیا کہ ذیشان کے مشوروں پر عمل کرے اور اسی کے مشورے پر وہ ہانگ کانگ چلا گیا تھا۔"

"آپ کا بیٹا اس کی بہن عینی کا دشمن کیوں تھا۔ وہ کیوں اسے اندھی بنا دینا چاہتا تھا؟"

"میرا بیٹا اس کا دشمن نہیں تھا۔ یہ سراسر اس پر الزام لگایا گیا تھا اور جبراً یہ بیان لکھوایا گیا تھا۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے آپ کا بیٹا بالکل ہی فرشتہ تھا۔"

"میں ایک باپ کی حیثیت سے جانتا ہوں کہ میرے بیٹے میں کوئی برائی نہیں تھی۔ اس کے اعمال ایسے نہیں تھے جو قابل گرفت ہوتے۔"

سرفراز طنزیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولا "اگر وہ اتنا ہی اچھا تھا تو پھر ایک لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ ہانگ کانگ کیوں گیا تھا اور اس کے ساتھ ایک ہی کمرے میں کیوں رہتا تھا؟ ہمیں یہ بھی پتا چلا ہے کہ حشمت اس لیڈی ڈاکٹر آرزو کے ساتھ یہاں بھی اس کی رہائش گاہ میں رہا کرتا تھا اور وہ دونوں شرمناک زندگی گزارتے رہے تھے۔"

تمام رشتے داروں کے سامنے تراب علی کا سر جھک گیا۔ وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ بات اب چھپی نہیں تھی کہ اس کا بیٹا لیڈی ڈاکٹر آرزو کے ساتھ ہانگ کانگ کے ہوٹل میں دیکھا گیا تھا اور وہ اس جوان عورت کے ساتھ کئی راتوں سے وہیں رہ رہا تھا۔

وہ ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا "دیکھیے آپ میرے مقتول بیٹے پر تہمت نہ لگائیں۔ جس عورت کے ساتھ وہ وہاں دیکھا گیا تھا وہ میری ہونے والی بہو تھی؟"

سرفراز نے طنزیہ انداز میں کہا "ہونے والی تھی، ہوئی تو نہیں تھی۔ مسٹر تراب علی شاہ کچھ لوگ دولت اور طاقت کے بل پر اپنے گناہ اپنی زندگی میں چھپا لیتے ہیں مگر یہ گناہ ان کے مرنے کے بعد ضرور دنیا والوں کے سامنے آتے ہیں اور ان کے بزرگوں کا سر جھکا دیتے ہیں جیسا کہ آپ کا سر اس وقت جھکا ہوا ہے۔ بہرحال آپ کے بیان سے ایک نئی بات سامنے آئی کہ ایس پی ذیشان نے آپ کے بیٹے سے جبراً ایک جرم کا اعتراف نامہ لکھوایا تھا۔ اگر وہ اعتراف نامہ ہمیں مل جائے تو اس سے ثابت ہو جائے کہ ایس پی ذیشان نے اپنی بہن کے مجرم کو معاف نہیں کیا تھا بلکہ بظاہر سمجھوتا کیا تھا اور پھر اسے ملک سے باہر بھیج کر قتل کرا دیا۔"

تراب علی شاہ اٹھتا ہوا بولا "ہاں...... اس اعتراف نامے کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی میرے پاس ہے میں ابھی لا کر دیتا ہوں۔"

وہ وہاں سے اپنے بیڈ روم میں آیا اور اپنی بیگم کو بلا کر خفیہ پولیس کے افسر سرفراز کی گفتگو سے اُسے آگاہ کیا۔ بیگم شاہ نے روتے ہوئے کہا "ذیشان کتنا مکار ہے۔ میٹھی چھری بن کر میرے بیٹے کو مار ڈالا۔ ہم اس کے لیے ضرور سزائے موت کی اپیل کریں گے۔"

پھر بیگم نے الماری کھول کر اپنے بیٹے کے لکھے ہوئے اس اعتراف نامے کی کاپی نکالی اور بیٹے کی تحریر کو دیکھ کر اسے سینے سے لگا کر رونے لگی۔ تراب علی شاہ نے وہ تحریر اس کے ہاتھ سے لی اور باہر جاتے ہوئے بیوی کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"صبر کرو بیگم! وہ مجرم ہے۔ اسے ضرور سزا ملے گی۔"

بیگم پھر پُرسا کرنے والی عورتوں کے درمیان آ کر بیٹھ گئی۔ عینی کو دیکھ کر اپنی بیٹی عروج سے بولی "تم سانپوں کے درمیان جا کر رہتی ہو۔ تمہیں پتا بھی ہے کہ تمہارے بھائی کو کس نے قتل کرایا ہے؟"

عینی اور عروج نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ بولی "انٹیلی جنس کا ایک افسر تمہارے ڈیڈی سے ملنے آیا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ جس قاتل کو گرفتار کیا گیا ہے وہ ذیشان کا خاص ماتحت ہے اور اس نے بیان دیا ہے کہ ذیشان کے حکم پر اس نے ہانگ کانگ جا کر حشمت کو قتل کیا ہے۔"

عینی نے تڑپ کر کہا "یہ جھوٹ ہے میرے بھائی جان کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔"

بیگم نے کہا "تم تو ضرور اپنے بھائی کی حمایت میں بولو گی لیکن اس کے خلاف اتنے ثبوت جمع ہو رہے ہیں کہ وہ اپنے جرم سے انکار نہیں کر سکے گا۔ پھانسی کے تختے تک ضرور پہنچے گا اور ہم اسے پہنچا کر رہیں گے۔"

عروج نے کہا "چپ ہو جائیں ممی! قانونی طور پر جو ہو گا وہ بعد کی بات ہے۔ ابھی آپ خوانخواہ کسی کو الزام نہ دیں۔"

"میں الزام نہیں دے رہی ہوں۔ انٹیلی جنس کا ایک اعلیٰ افسر آیا ہوا ہے وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر رہا ہے۔ قاتل ثابت ہو چکا ہے۔"

وہاں بیٹھی ہوئی دوسری عورتیں اس معاملے میں دلچسپ

لینے لگیں اور بیگم شاہ سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگیں، وہ جواب میں ذیشان کے خلاف بولنے لگی اور رہ رہ کر عینی کو بھی طنز کا نشانہ بنانے لگی۔ عروج نے عینی کا ہاتھ پکڑ کر کہا "چلو یہاں سے میرے کمرے میں چلو۔"

وہ دونوں وہاں سے چلی گئیں۔ بیگم آفتاب پہلے تو ذیشان کے خلاف بول رہی تھی اب عینی کے خلاف بھی بولنے لگی۔ اتنے میں دردانہ بھی آ گئی جسے دیکھتے ہی بیگم شاہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور دونوں بازو پھیلا کر روتی ہوئی اس کی طرف بڑھنے لگی تو دردانہ بیگم نے تیزی سے آ کر اسے گلے سے لگایا اور وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کہنے لگی "آپ لوگوں کو میرے خلاف بہت بھڑکایا گیا ہے۔ میں سوچ رہی تھی یہاں تعزیت کے لیے آنا چاہیے یا نہیں لیکن دل نہیں مانا اس لیے آ گئی ہوں۔ جوان بیٹے کا صدمہ اٹھا چکی ہوں اور اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ اس وقت آپ کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی؟"

بیگم شاہ نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہا "ہائے ہم دونوں کے جوان بیٹے مارے گئے اور ہمارے بیٹوں کا قاتل ایک ہی دشمن ہے دردانہ......! اس دشمن کے خلاف کچھ کرو دردانہ!"

دردانہ نے اسے تھپکتے ہوئے کہا "صبر کرو، ذرا صبر کرو۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تمہارے بیٹے کو ہلاک کرنے کے بعد اب اس پر میرے بیٹے کا قتل بھی ثابت ہو جائے گا۔ ہم سب عدالت میں اس کے لیے سزائے موت کی اپیل کریں گے۔" اور وہ بیگم کو تسلیاں دینے لگی پھر کچھ دیر بعد بولی "کیا عروج نہیں آئی ہے؟"

بیگم شاہ نے کہا "بھائی ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا ہے بہن کیسے نہ آتی۔ وہ ہماری دشمن عینی کے ساتھ بیڈ روم میں ہے۔"

"عینی تو آپ کی بیٹی کے گلے میں ہمیشہ پھندے کی طرح پڑی رہتی ہے، ساتھ ہی نہیں چھوڑتی۔ میں عروج سے ملنے جا رہی ہوں۔ پتا نہیں بے چاری بھائی کا صدمہ کس دل سے برداشت کر رہی ہو گی؟"

"عینی نے تو میرے بیٹے کی زندگی میں کبھی بہن بھائی کو ایک ہونے نہیں دیا عروج کے دل میں ہمیشہ بھائی کے لیے نفرتیں پیدا کرتی رہی۔ اب وہ بہن کیا خاک اپنے بھائی کا صدمہ محسوس کرے گی۔ وہ تو اب بھی عینی کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہیں کر رہی اسی لیے اسے یہاں سے اٹھا کر لے گئی ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں جب ذیشان ہمارے بیٹوں کا قاتل ثابت ہو جائے گا اور اسے سزا ہو گی۔ تب عروج کو عقل آئے گی کہ وہ سانپوں سے دوستی کرتی رہی ہے۔ اچھا میں ذرا اس سے مل کر آتی ہوں۔"

وہ اٹھ کر عروج کے بیڈ روم کے سامنے آئی اور دروازے پر دستک دی۔ عروج نے دروازہ کھول کر اسے دیکھا تو ذرا حیران ہوئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ دردانہ ان کے گھر آئے گی اور اس کے کمرے میں بھی چلی آئے گی۔ مگر وہ کسی جواب کا انتظار کیے بغیر ہی کمرے میں آ گئی اور عینی کو دیکھ کر بولی "میں جانتی تھی یہاں تم سے بھی سامنا ہو گا۔ ویسے تمہارے منہ پھیرنے کا انداز بتا رہا ہے کہ تم سامنا نہیں کرنا چاہتی ہو۔"

عروج نے کہا "جب آپ جانتی ہیں کہ ہماری طرف سے آپ کو کوئی گرم جوشی نہیں ملے گی تو آپ کو آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

"بے شک، میں ابھی چلی جاؤں گی لیکن کچھ ضروری باتیں ایسی ہیں جنہیں تم دونوں کے سامنے کہنا چاہتی ہوں۔"

عینی نے کہا "ہم کوئی ضروری بات سننا نہیں چاہتیں۔ پلیز آپ چلی جائیں۔"

"میں کہے بغیر نہیں جاؤں گی تم دونوں سنو یا نہ سنو۔ دیواروں کے کان نہیں ہوتے لیکن سنانے والے دیواروں سے بھی بولتے ہیں۔"

وہ ادھر سے اُدھر جاتے ہوئے بولی "یہ تو تمہیں معلوم ہو گا کہ ذیشان تمہارے بھائی حشمت کا قاتل ثابت ہو رہا ہے اس کے خلاف ٹھوس ثبوت ملتے جا رہے ہیں۔ اس کے خلاف مقدمہ چلے گا اور وہ پھانسی کے تختے تک ضرور پہنچے گا۔ میں اسے وہاں تک پہنچاؤں گی اور اس نیک کام میں تمہارے ماں باپ میرا ساتھ دیں گے۔"

پھر وہ ایک کرسی پر بڑے آرام سے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"میں اپنے بیٹے کی ہلاکت پر تڑپتی رہی، چیختی رہی، سب سے کہتی رہی کہ میرے جواد کا قاتل صرف اور صرف ذیشان ہے۔ میں جانتی تھی کہ جب وہ حشمت کو قتل کرنے کی حماقت کرے گا تو قانون کی گرفت میں آ جائے گا اور اب یہی ہو رہا ہے۔"

عینی نے کہا "میرے بھائی جان ایسے نادان نہیں ہیں کہ آپ کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جائیں گے۔ آپ ان کے خلاف جو کرنا چاہتی ہیں کرتی رہیں اور اگر آپ اپنی بات کہہ چکی ہیں تو پلیز گیٹ آؤٹ۔"

دردانہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی "تم اپنی دانست میں میری بے عزتی کر رہی ہو۔ میں تمہیں اپنے جواد کی

دلہن بنانا چاہتی تھی لیکن تم نے اپنے بھائی جان ایس پی ذیشان کے ذریعے اسے قتل کرادیا۔" پھر وہ عینی کے پاس آ کر بڑے مستحکم لہجے میں بولی "مگر میں ارادے کی پکی ہوں۔ میرا ایک بیٹا گیا تو کیا ہوا میرا دوسرا بیٹا ہے۔ میں تمہیں اپنی بہو بنا کر رہوں گی۔"

عروج نے کہا "بہت اونچی اڑ رہی ہو دردانہ بیگم! ذیشان بھائی کو جھوٹے الزامات میں پھنسا کر سمجھ رہی ہو کہ ہم سب کو اپنی انگلیوں پر نچاتی رہو گی؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی "یہ تو ہو رہا ہے اور یہی ہوگا۔ عینی......! میری سوتیلی بیٹی تم اپنی سوتیلی ماں کو ساس بنانا نہیں چاہتی تھیں لیکن میں تمہارے دروازے پر بارات لے کر آؤں گی اور جب تم اس بارات کے دولہے کو دیکھو گی تو چیخ چیخ کر بولو گی قبول ہے...... قبول ہے......"

دونوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ان کے دلوں نے دھڑک دھڑک کر کہا "بارات جہاں سے بھی آئے اس کا دولہا پاشا ہی ہونا چاہیے۔ کیا دردانہ ایسی کوئی بارات لانے والی ہے؟"

دردانہ مسکراتے ہوئے دروازے تک گئی پھر وہاں سے پلٹ کر عینی کو دیکھتے ہوئے بولی "ہائے میری بچی کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ دولہا آتے آتے گم ہوگیا۔ میری بچی...... دل چھوٹا نہ کرو میں تمہارے گمشدہ دولہے کی بارات سجا کر لاؤں گی۔ بس ایک فون مجھے کر دینا کہ تم میری بہو بننے کے لیے راضی ہو پھر دیکھو میں کیا تماشا دکھاتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئی۔ عینی اور عروج ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے تک رہی تھیں۔

☆☆☆

گل خانم نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں چھت دکھائی دے رہی تھی۔ چھت کا پنکھا تیزی سے گردش کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی' اس وقت کہاں ہے؟

اس نے آہستہ آہستہ نظریں اِدھر سے اُدھر گھمائیں۔ وہ اپنے ہی کمرے میں اپنے ہی بیڈ پر پڑی ہوئی تھی۔ پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا تھا۔ وہ خود سے اور ساری دنیا سے غافل ہوگئی تھی اپنا ہوش نہیں رہا تھا۔ اب ہوش میں آنے کے بعد سوچ رہی تھی "کیا میں نیند میں تھی؟"

اسے یاد آیا وہ بخار میں مبتلا تھی۔ اس نے فوراً اپنی پیشانی اور چہرے کو چھو کر دیکھا بخار نہیں تھا پھر اسے یاور خان سے فون پر بات کرنا' اس کا کمرے میں گھس آنا اور پھر چوکیداروں کے ذریعے حوالات تک جا پہنچنا اور پھر اپنا ذیشان کے دفتر جانا اور وہاں چکرا جانا یاد آ گیا۔

ذیشان کے یاد آتے ہی دل ایک بار پھر تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ایک دم سے کتنی ہی ایسی باتیں یاد آنے لگیں جو جذبات کو بھڑکا دیتی ہیں اور دل کو دھڑکانے لگتی ہیں۔ جو رنگین اور سنگین لمحات گزر چکے تھے وہ آنکھوں کے سامنے متحرک ہوگئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بڑی سی اسکرین پر خود کو ذیشان کے ساتھ دیکھ رہی ہو۔

ہائے! وہ کیسے کمزور لمحات تھے جب وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اس پر آ گری تھی اور اس نے دونوں بازوؤں میں اسے بھر لیا تھا' جیسے منہ موتیوں سے اور دامن مرادوں سے بھر لیا ہو۔

وہ یقین سے کہہ نہیں سکتی تھی کہ ان لمحات میں اس پر بے ہوشی طاری تھی یا مدہوشی غالب آ رہی تھی۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا بخار اور کمزوری کے باعث ہو رہا تھا۔ اس کی قوتِ مدافعت جواب دے گئی تھی۔ کیا اچھا ہے کیا برا ہے وہ سوچنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ آخری لمحات میں اتنا یاد آیا کہ اس نے اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا لیا تھا پھر صوفے پر لا کر لٹا دیا تھا۔ وہ نہیں جانتی اس کے بعد کیا ہوا۔ وہ اپنے ہوش و حواس کھو چکی تھی۔ اب آنکھ کھلی تو پتا چلا کہ بہت سا وقت گزر چکا ہے۔ بخار اتر چکا ہے۔ مسیحا جا چکا ہے۔ موسم نے انگڑائی لی ہے۔ رت بدل چکی ہے اور مزاج بھی بدل چکا ہے۔

مزاج اس طرح بدل چکا تھا کہ پہلے یاور خان کے لیے اس کی محبت اس کی لگن اس کی توجہ یک طرفہ تھی۔ بے شک شوہر ایک ہی ہوتا ہے' لیکن طلاق کے بعد وہ یک طرفہ محبت نقصان پہنچاتی ہے۔ صرف اسی کی طلب ہو تو اسے گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔ حالہ کا دینی قانون اسی لیے ہے کہ عورت کے لیے ایک دروازہ بند ہو تو دوسرا کوئی معقول اور مناسب دروازہ کھل جائے' جہاں اس کی شرم و حیا قائم رہے۔ دینی اور دنیاوی اجازت حاصل ہونے کے باوجود وہ اسی ایک دروازے سے چپکی ہوئی تھی جہاں سے ٹھکرائی گئی تھی۔ اب حالات نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ادھر ذیشان کی قربت نے انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اس کی سوچ بھی بدل رہی تھی۔ مزاج بھی بدل رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار ایک کے بعد دوسرا آیا تھا اور دوسرے نے یہ بات اچھی طرح سمجھا دی تھی کہ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔

وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ یوں اٹھ کر بیٹھتے ہی دماغی اور جسمانی کمزوری محسوس کرنے لگی۔ اسی وقت بیڈ روم کا دروازہ کھلا۔ اس کی گورنس اسے دیکھ کر خوش ہوگئی۔ اندر آتے ہوئے

بولی "تھینکس گاڈ...... آپ اٹھ کر بیٹھ گئی ہیں۔"

اس نے گورنس کو دیکھا۔ وہ تو ایک دن کی چھٹی لے کر گئی تھی۔ اس نے پوچھا "تم کب آئیں؟"

"میڈم! میں کل شام آ گئی تھی۔ رات گیارہ بجے ذیشان صاحب آپ کو ایک ایمبولینس میں لے کر آئے تھے۔ آپ اس وقت گہری نیند میں تھیں۔"

"مجھے کیا ہوا تھا؟ انہوں نے کچھ بتایا؟"

"جی ہاں...... وہ کہہ رہے تھے آپ ان کے دفتر گئی تھیں وہاں بے ہوش ہوگئیں۔ وہ آپ کو ہاسپٹل لے گئے تھے جہاں آپ کو ہوش میں لایا گیا۔ آپ ہوش میں تو آ گئیں' لیکن اپنے حواس میں نہیں تھیں اور تھوڑی دیر بعد گہری نیند سو گئیں۔ ڈاکٹر نے کہا تھا آپ کو آرام سے سونے دیا جائے آپ خود ہی بیدار ہوں گی۔ اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟"

"بس۔ ٹھیک ہی ہوں۔" پھر اس نے پوچھا "کیا ذیشان صاحب کوٹھی کے اندر آئے تھے؟"

"جی ہاں وہ رات دو بجے تک یہاں رہے پھر یہ کہہ کر چلے گئے کہ پھر کسی وقت آئیں گے۔"

گل خانم نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ رات کے گیارہ بجے اسے یہاں لے کر آیا تھا اور رات کے دو بجے گیا تھا۔

گورنس نے کہا "انہوں نے صبح آپ کی خیریت پوچھنے کے لیے فون کیا تھا۔ میں نے بتا دیا تھا کہ آپ سو رہی ہیں۔"

وہ گورنس کی باتیں کچھ سن رہی تھی' کچھ نہیں سن رہی تھی۔ اپنے خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں بار بار یہ سوال آ رہا تھا "وہ رات دو بجے تک میرے بیڈ روم میں کیوں رہا؟ اتنی رات تک کیا کرتا رہا؟"

اس نے گورنس سے پوچھا "کیا تم بھی بیڈ روم میں تھیں؟"

"نو میڈم......! میں باہر آ گئی تو انہوں نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا تھا۔"

گل خانم کا کلیجا دھک سے رہ گیا۔ اس نے دروازہ کیوں بند کر لیا تھا؟

گورنس نے کہا "میڈم آپ نے کل رات سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ کیا کچھ لینا پسند کریں گی؟"

"ہاں...... میں واش روم میں جا رہی ہوں۔ آدھے گھنٹے بعد کچھ لے آؤ۔"

گورنس وہاں سے چلی گئی۔ وہ بستر سے اٹھ کر ایک قد آدم آئینے کے سامنے سے گزرتی ہوئی واش روم کی طرف جانے لگی پھر ٹھٹک گئی۔ وہاں سے پلٹ کر آئینے کے سامنے آئی تو اپنے لباس کو دیکھ کر چونک گئی۔ جو لباس وہ پہن کر ایس پی ذیشان کے آفس میں گئی تھی' یہ وہ لباس نہیں تھا۔ تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کا لباس کس نے تبدیل کیا تھا؟

اس کا دل پھر تیزی سے دھڑکنے لگا۔ کتنے ہی رنگین و سنگین خیالات تیزی سے ابھرنے اور ڈوبنے لگے۔ وہ حیران حیران سی آئینے میں اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ ذیشان تو بہت ہی شائستہ اور مہذب انسان ہے۔ اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی ہوگی جو قابلِ اعتراض ہو لیکن یہ بات تو طے تھی کہ اس نے ایک لباس اتار کر اسے دوسرا لباس پہنایا ہے۔

وہ پیچھے ہٹ کر بیڈ سے ٹک گئی۔ سہارے کے بغیر کھڑی بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ پتا نہیں پچھلی رات کن حالات سے گزری تھی۔ کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ نڈھال سی ہو کر بستر پر اوندھے منہ گر پڑی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اپنا تجزیہ خود کرنا چاہیے۔ شاید وہ ایک ایسی عورت ہے جو ایک جیون ساتھی کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتی۔ اس نے یاور خان سے محبت کی اور پھر گھر والوں کی مرضی کے بغیر اس سے شادی کی۔ اس کا خیال تھا اسے یاور خان سے عشق ہوگیا ہے اور وہی اس کی زندگی کا پہلا اور آخری مرد ہے لیکن یاور خان ایک محبوب یا عاشق کے بجائے ایک روایتی ضدی اور غصہ ور شوہر نکلا اور ضد ہی کی باعث اسے طلاق دے دی۔

لیکن ایک عورت کے بیوہ یا مطلقہ ہو جانے کے بعد دوسرے مردوں کے لیے راستہ کھل جاتا ہے۔ یہ بات کل تک گل خانم کی سمجھ میں نہیں آئی تھی پھر وہ جانے انجانے میں خود ذیشان کی طرف مائل ہوئی تھی۔ بیماری اور نیم بے ہوشی تو ایک بہانہ تھی۔ میں مقدر ہوں لکیروں کی بساط پر اپنی چالیں چل رہا تھا اور ان لکیروں کے بدلے ہوئے مزاج کے مطابق اس کے اندر انقلابی تبدیلیاں لا رہا تھا۔

گورنس دروازہ کھول کر ناشتے کی ٹرالی لے آئی۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا "میرے لیے بٹر سلائس تیار کرو۔ میں باتھ روم سے ہو کر آتی ہوں۔"

اس نے واش روم میں آ کر پیسٹ اور برش لیا پھر اپنے دانت صاف کرتے ہوئے گورنس سے پوچھا "کل مجھے ہاسپٹل سے یہاں لایا گیا تو تم موجود تھیں؟"

"یس میڈم......!"

اس نے پوچھا "تم ایس پی صاحب کے ساتھ میرے بیڈ روم میں آئی تھیں؟"

''یس میڈم......!''

وہ اس سے یہ سوالات اس لیے کر رہی تھی تا کہ وہ اس کے لباس کے بارے میں بتائے کہ وہ کیسے تبدیل ہو گیا تھا۔

وہ تولیے سے منہ پونچھتی ہوئی' واش روم سے نکل کر کمرے میں آئی ''کیا تم نے میرے کپڑے بدلوائے تھے؟''

گورنس نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پلٹ کر کہا۔

''ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا میں انہیں آپ کی خیریت سے آگاہ کرتی رہوں۔ میں انہیں فون کر کے آتی ہوں۔''

وہ ذرا جھنجلا کر بولی ''مجھ سے باتیں کرتے کرتے تمہیں فون کا خیال کیوں آ گیا؟ بات تو پوری کرو۔''

وہ بولی ''بات تو ہو گئی اور میں کیا کہوں؟''

''یہ...... یہ لباس...... میرا مطلب ہے وہ لباس کس نے اتارا اور یہ لباس کس نے پہنایا؟''

گورنس زیر لب مسکرائی اور بولی ''میڈم چائے ٹھنڈی ہو جائے گی پہلے ناشتا کر لیں۔''

گورنس کی مسکراہٹ نے بہت کچھ کہہ دیا تھا اسے تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہر بار بات کا رخ بدلتی جا رہی تھی۔ وہ بولی ''میں آپ کی خیریت کی اطلاع دینے جا رہی ہوں۔ ڈاکٹر سے کہہ دوں گی پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے تک گئی پھر وہاں رک کر بولی ''میڈم! آپ کے بدن پر یہ لباس دیکھ کر کچھ کہنے کی جرأت کر رہی ہوں۔''

گل خانم نے جھینپتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ بولی ''اچھا ہوا آپ کی طلاق ہو گئی۔ آپ کے ایکس ہسبینڈ آپ کے قابل نہیں تھے۔ آپ کا یہ پروپوزل قابلِ تحسین ہے۔''

اور وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ گل خانم بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ جھینپ رہی تھی اور شرما رہی تھی۔ جو بات ابھی پوری طرح اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ بات بند دروازے کے باہر پرائی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

اب ذرا ذیشان کا کچھ حالِ دل معلوم ہو جائے۔

اب تک اس کا یہی دعویٰ تھا کہ اس کا دل صرف اس کی اپنی شریکِ حیات اسما کے لیے ہے۔ بلاشبہ وہ اسے دل و جان سے چاہتا تھا۔ کبھی اسے شکایت کا موقع نہیں دیتا تھا۔ اسی لیے رات دو بجے واپس چلا آیا تھا۔ ورنہ گل خانم نے اسے سحر زدہ کر دیا تھا۔ اس نے پہلی بار دل ہی دل میں یہ تسلیم کیا کہ جب پہلی بار گل خانم سے ملاقات ہوئی تھی تب ہی سے وہ غیر شعوری طور پر اس سے متاثر ہوتا رہا تھا اور شعوری طور پر اسے نظر انداز کرتا رہا تھا۔

پچھلی شام اپنے آفس میں بند دروازے کے پیچھے د اسے نظر انداز نہ کر سکا۔ حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ دوری مٹ گئی تھی۔ فاصلے ختم ہو گئے تھے۔ اس کی قربت ایسے دھڑک دھڑک کر اپنا تعارف پیش کر رہی تھی کہ وہ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ دماغ پر دھند چھا گئی تھی۔ اس دھند میں صرف وہی وہ تھی کبھی چھپ رہی تھی۔ کبھی جھلک رہی تھی۔ کبھی بدن سے دوپٹے کی طرح ڈھلک رہی تھی۔

وہ اسے ہاسپٹل لے گیا تھا۔ جہاں وہ ہوش میں تو آ گئ تھی لیکن تھوڑی ہی دیر بعد گہری نیند میں ڈوب گئی تھی۔

ڈاکٹر نے کہا ''میڈم کو آرام سے سونے دیں۔ آپ چاہیں تو انہیں گھر لے جا سکتے ہیں۔''

اسے اسپتال سے اسٹریچر پر باہر لایا گیا تھا کہ تیزی سے گزرتی ایک کار نے سڑک پر جمع پانی کے چھینٹے اس پر اڑا دیئے جس سے اس کا لباس اور جسم کچھ گندا ہو گیا۔ وہ اسے گھ لایا تو اس نے بیڈروم میں پہنچ کر اس کی گورنس سے کہا تھا ''ان کا لباس تبدیل کر دو۔''

عمر رسیدہ گورنس نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا او بولی ''الماری کھلی ہے۔ میڈم کے بے شمار ملبوسات ہیں آپ کوئی سا پسند کر لیں۔'' یہ کہہ کر وہ زیرِ لب مسکراتی ہوئی بیڈرو سے چلی گئی۔ میں جس کے ہاتھ کی لکیروں پر چلتا ہوں' ا کے مزاج کو اس کی نیتوں کو اور اس کے ارادوں کو خوب سمجھ ہوں اور میں سمجھ رہا تھا کہ ذیشان بدنیت نہیں ہے۔ وہ لبا بھی تبدیل کرنا چاہتا تھا اور شرافت کے تقاضے بھی پورے کر چاہتا تھا۔

اس نے الماری کے پاس آ کر ایک لباس نکال کر ایک کرسی پر رکھا پھر واش روم سے ایک چھوٹی بالٹی میں گرم پا اور ایک چھوٹا تولیہ لے کر بیڈروم میں آ گیا۔ صفائی کے ا لباس تبدیل کرنے کے تمام انتظامات کرنے کے بعد اس وہاں کی تمام لائٹس بجھا دیں۔ کمرے میں گھپ اندھیر چھا گیا۔

اندھیرے میں کیا ہوتا ہے؟ یہ اچھا ہے کہ کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ دھرم والے کا دھرم رہ جاتا ہے شرم والے کی شرم۔ یو دونوں کا بھرم رہ جاتا ہے۔ وہ شکایت نہیں کر سکتی تھی کہ ا نے دیکھا ہے۔ وہ قسم کھا سکتا تھا کہ میں نے تو کچھ نہیں دیکھا البتہ چھونا ایک مجبوری تھی اس کے بغیر نہ بدن کی صفائی ہو سک تھی نہ لباس تبدیل کیا جا سکتا تھا۔

یہ کہاوت بڑی سچی ہے کہ تاریکی میں دکھائی نہیں د

لیکن سجھائی دیتا ہے۔ ایسے میں تصور کو جلا ملتی ہے۔ تجسس کو راہ ملتی ہے تاریکی میں بھٹکنا اتنا اچھا لگتا ہے کہ آنکھوں کے دیئے بجھائے رکھنے کو جی چاہتا رہتا ہے۔

ذیشان اسے اسی حالت میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ اسے اپنے آپ پر اعتماد تھا کہ وہ تاریکی میں اور تنہائی میں گمراہ نہیں ہو گا۔ شام کو آفس میں بھی یہی ہوا تھا۔ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں کمبل بن گئی تھی اور وہ سحر زدہ ہو گیا تھا لیکن نیت اچھی ہو اور دل و دماغ میں ہوس نہ ہو تو انسان آلودگی سے پاک رہتا ہے۔

بیڈروم کی تاریکی میں بھی یہی حال تھا۔ کبھی بھٹک رہا تھا۔ کبھی سنبھل رہا تھا۔ وہ فرشتہ نہیں تھا بندہ گرتے گرتے ہی سنبھلتا ہے۔ اندھا ٹھوکر کھائے تو اس پر ترس آتا ہے۔ تاریکی میں آنکھ والا بھی تو ٹھوکر کھاتا ہے اس پر بھی ترس آنا چاہیے۔

اس نے بیڈروم میں دوبارہ روشنی کی تو ایک بج کر چالیس منٹ ہو چکے تھے۔ وہ بڑے دشوار گزار مرحلوں سے گزر کر روشنی میں آیا تھا۔ ایک طرف بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ بدستور گہری نیند میں تھی۔

وہ بڑی دیر تک اسے پیار سے دیکھتا رہا۔ گہری سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچتا رہا اور دل ہی دل میں کچھ فیصلے کرتا رہا پھر اس نے دروازہ کھول کر گورنس کو بلایا اور کہا ''دو بج رہے ہیں۔ اب میں چلتا ہوں۔ صبح کسی وقت فون کر کے خیریت معلوم کروں گا۔''

گھر پر اسما اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے جب بھی واپسی میں دیر ہوتی تھی وہ اسی طرح کچھ کھائے پیے بغیر اس کا انتظار کرتی رہتی تھی۔ اس نے بیڈروم میں آ کر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا ''میں جانتا ہوں' تم نے کچھ کھایا بھی نہیں ہو گا۔''

''یہ تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں پھر کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ میں نے بھی کچھ نہیں کھایا ہے۔''

وہ حیرانی سے بولی ''آپ اتنی دیر تک کیوں بھوکے رہے' کچھ کھا لیتے۔''

''کوئی سوال نہ کرو۔ کچن میں چلو بڑی بھوک لگی ہے۔''

اسما خود کو بہت خوش نصیب سمجھتی تھی اور غلط نہیں سمجھتی تھی۔ اگر مقدر کی ہیرا پھیری سے مرد کبھی بہک جائے یا بھٹک جائے تو اسے خوش نصیب بیوی کی بدنصیبی نہیں کہنا چاہیے۔ ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ اسما کے سر پر دھوپ آنے والی تھی۔

آگے چل کر کبھی گھنا سایہ بھی مل سکتا تھا۔

وہ کچن میں کھانا گرم کرتی رہی اور کچھ نہ کچھ بولتی رہی۔ وہ محض ہوں ہاں کرتا رہا کیونکہ اس کا ذہن تو گل خانم کی طرف بھٹک رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھانا رکھتے ہوئے بولی۔ ''کہاں گم ہیں۔ چلیں کھانا شروع کریں۔''

اور خود بھی دوسری طرف اس کے سامنے بیٹھ گئی اور اس کی طرف ایک ڈش بڑھاتے ہوئے بولی ''یہ آپ کی بری عادت ہے کہ دفتر سے آنے کے بعد بھی انہی معاملات میں الجھے رہتے ہیں۔ اور اب یہ دردانہ آپ کے لیے نئی مصیبتیں کھڑی کر رہی ہے۔''

وہ بولا ''بات صرف دردانہ کی نہیں ہے' اپنے کچھ ذاتی مسائل بھی ہیں۔''

''میں آپ کے دفتری مسائل کے سامنے اپنے گھریلو مسائل کو اہمیت دینا نہیں چاہتی۔''

''یہی تمہاری غلطی ہے۔ تمہیں یہاں کے مسائل سے بھی دلچسپی لینی چاہیے اور ان مسائل کو حل کرنا چاہیے۔''

''اب ایسی کون سی نئی بات ہوئی کہ آپ یہ باتیں لے بیٹھے ہیں؟''

ذیشان نے اسے دیکھا پھر کہا ''تم انجان بن رہی ہو یا پھر اس گھر کے سب سے اہم مسئلے کو نظر انداز کر رہی ہو۔

وہ خاموش رہی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ذیشان کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس نے بات جاری رکھی۔ ''چپ کیوں ہو؟ بولو۔ میں تمہاری خوشی میں خوش رہتا ہوں تمہاری خاطر میں نے ایک جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ اپنے والدین کے سامنے پیش کیا مگر اس وقت ہمیں ایک امید تھی۔ تمہیں یاد ہے؟''

اسما نے سر اٹھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ بولا ''ہم نے سوچا تھا ہم جلد سے جلد بابر کی شادی کرائیں گے اور اس کے ہاں اولاد ہو گی تو ممی اور ڈیڈی ہمارے بارے میں پریشان ہونا چھوڑ دیں گے۔''

اسما کا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ذیشان اب کیا کہنے والا ہے۔ وہ بولا ''اب تو بابر کی رپورٹ بھی نگیٹیو ہے تو اب تم ہی ایمان سے بولو' کیا میں اب بھی اپنے والدین کو اندھیرے میں رکھوں؟''

وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا۔ اس نے کہا ''چپ کیوں بیٹھی ہو کم از کم کھانا تو کھاتی رہو۔''

وہ اپنا لقمہ پلیٹ میں رکھتی ہوئی بولی ''کیا خاک کھاؤں؟ میرا تو کھانا پینا حرام ہو گیا ہے۔ نیند اڑ گئی ہے ہمیشہ

یہ سوچ پتھر کی طرح میرے دماغ میں لگتی رہتی ہے کہ کسی نہ کسی دن میری سوکن ضرور آئے گی۔"

"کھانا تو کھاتی رہو۔"

"اب کیا خاک کھاؤں؟"

"پھر میں بھی نہیں کھاؤں گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" آپ تو کھائیے اور یہ آپ کھل کر نہیں کہہ رہے ہیں لیکن آپ کی باتوں کے پیچھے یہی بات چھپی ہوئی ہے کہ آپ دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ آپ کے ہاں اولاد ہو۔"

"میں اپنی زبان سے ایسی کوئی بات نہیں کروں گا۔ تم ہی بولو مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ذیشان نے ہاتھ اٹھا کر کہا "پہلے یہ لقمہ اٹھاؤ۔ منہ میں ڈالو' اسے کھاؤ پھر بات کرو۔ ورنہ میں بھی کھانا چھوڑ دوں گا۔"

"یہ کیا زبردستی ہے۔ ایک تو میرا گلا دبوچ رہے ہیں اوپر سے کہہ رہے ہیں کہ لقمہ نگلتی رہوں۔ دوسری شادی ضروری تو نہیں ہے۔ کیا ہم کسی سے ایک بچہ گود نہیں لے سکتے؟"

"لے سکتے ہیں' لیکن وہ ہمارا اپنا نہیں ہوگا۔ میرے ڈیڈی یہی کہیں گے' میں بھی یہی کہوں گا اور ساری دنیا یہی کہے گی کہ نسل اپنے خون سے بڑھتی ہے اور اپنے خون سے پہچانی جاتی ہے۔ اب تمہاری محبت میں کب تک سب کو دھوکا دوں۔"

"میں کب کہتی ہوں کہ آپ میری محبت میں اندھے ہو جائیں۔"

"تم نے کہا ہے اور میں نے اندھا ہو کر اپنے ماں باپ کو دھوکا دیا ہے اور اب تک دھوکا دیتا آ رہا ہوں۔ یہ صرف تمہاری محبت ہے جس کی وجہ سے تم پر سوکن نہیں لانا چاہتا۔ کیا تم میرے خلوص کو میری محبت کو نہیں مانتیں؟"

وہ منہ بنا کر بولی "بالکل مانتی ہوں اور سمجھتی ہوں۔ آپ کی محبت پر فخر کرتی ہوں۔ مگر دلی محبت اور سچی محبت تو یہ ہے کہ آپ سوکن سمیت مجھے ہر آفت سے بچائیں۔"

"اس طرح اولاد کا مسئلہ تو حل نہیں ہوگا۔"

"ہو جائے گا۔ سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ تم ہی کوئی صورت پیدا کرو لیکن پہلے کھانا شروع کرو۔"

وہ لقمہ منہ میں رکھ کر چباتے ہوئے بولی "ہمارے ملک میں بڑی مہنگائی ہے۔ کتنی غریب عورتیں ہیں جو ضرورت کے وقت بک جاتی ہیں۔ اگر آپ کسی غریب ضرورت مند عورت کو دولت کا لالچ دیں تو وہ عارضی طور پر دلہن بننے کے لیے راضی ہو جائے گی اور پھر اولاد ہونے کے بعد اولاد آپ کے حوالے کر کے طلاق لے لے گی۔"

"یہ تو ایسی بات ہے' جیسے بازار سے کوئی عورت خریدی جا رہی ہے۔"

"عورت بازار سے نہیں خریدی جائے گی۔ وہ کسی شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہوگی لیکن شاید حالات سے مجبور ہو کر آپ کی شرائط مان لے گی۔"

"تم کسی کی غربت اور مجبوری سے کھیلنے کی بات کر رہی ہو۔"

"میں بھی تو بہت مجبور ہو کر ایسی بات کہہ رہی ہوں۔ میں سوچ سکتی ہوں کہ اس عورت کا دکھ کیا ہوگا' جو شادی کرے' بچہ پیدا کرے پھر اس بچے کو آپ کے حوالے کر کے طلاق لے لے۔ بچے سے بھی محروم ہو شوہر کو بھی کھو دے۔ میں ایک عورت کا دکھ سمجھتی ہوں اور اپنا بھی دکھ سمجھتی ہوں پھر بھی کوئی عورت ہنسی خوشی سوکن کو برداشت نہیں کرتی۔"

"تم جس غریب اور مجبور عورت کی بات کر رہی ہو آخر وہ بھی تو سوکن ہی بنے گی؟"

"وہ مجبوری عارضی ہوگی۔ اگر چھپ کر اس سے شادی کریں اور تمام معاملات رازداری سے نمٹ جائیں تو کیا حرج ہے۔"

ذیشان نے پانی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا "اچھی بات ہے۔ میں تمہارے اس مشورے پر غور کروں گا۔"

اسما سے یہ باتیں کرتے وقت گل خانم اس کے خیالوں میں انگڑائیاں لے رہی تھی۔ وہ غریب نہیں تھی لیکن مجبور تھی۔ اسے مجبوراً حلالہ کے مرحلے سے گزرنا تھا۔ تب ہی تو وہ اپنے سابقہ شوہر تک پہنچ سکتی تھی۔ اور اس کے لیے شاید وہ ذیشان کی شرائط مان لیتی۔

اس نے بڑے پیار سے اپنی محبوب بیوی کو دیکھا اور سوچا صرف گل خانم ہی ایسی سوکن بن سکتی ہے' جو ہمیشہ اس پر مسلط نہ رہے گی۔ اس سلسلے میں بس ایک ہی مسئلہ درپیش ہوگا۔ کیا گل خانم ذیشان سے ہونے والے بچے کو اس کے حوالے کر دے گی؟ کیا ایک بار پھر وہ اپنے بچے سے محروم ہونا گوارا کرے گی؟

☆☆☆

میں نے مسز رانا کو مشورہ دیا تھا کہ انہیں اپنے بیٹے کی موت کو ٹالنے کے لیے اسے اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے تک انتظار کرنا ہوگا۔ یوں اس کی موت کے ٹلنے کے بعد اس کی نمرہ سے شادی کرائی جا سکتی تھی لیکن اکتیس دسمبر کے آنے میں تو پانچ ماہ تھے اور جبران پانچ ماہ تک نمرہ سے دور نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ تو آج ہی اسے اپنی دلہن بنا کر لے آنا چاہتا تھا۔ میں نے مسز رانا کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ نمرہ کے ماں باپ کو دولت کا لالچ دے کر اس بات پر راضی کر سکتی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو شادی سے پہلے ہی مسز رانا اور جبران کے ساتھ لندن جانے کی اجازت دے دیں۔

دیکھا جائے تو ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ رشتے دار باتیں کرتے۔ جوان بیٹے بابر اور ذیشان اعتراض کرتے کہ شادی سے پہلے اپنی بہن کو غیروں کے ساتھ نہیں رہنے دیں گے۔

ادھر فلک آفتاب ضرورت مند تھا۔ اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لیے اسے ایک بڑی رقم کی ضرورت تھی اور یہ رقم مسز رانا سے ہی مل سکتی تھی۔ اصل مسئلہ تو لڑکی کا تھا۔ نمرہ شادی سے پہلے پانچ ماہ تک اپنے ہونے والے شوہر کے ساتھ رہنا پسند کرے گی یا نہیں؟ اور میں جانتا تھا وہ راضی نہیں ہوگی پھر بھی میں نے اس سلسلے میں اسے سمجھانے کا سوچا تھا۔

مسز رانا نے فون پر بیگم آفتاب کو یہ پیشکش کی تو وہ ذرا متذبذب ہوئیں مگر ایک کروڑ روپے کا سن کر وہ پھسل رہی تھیں۔ اگر بات ملک سے باہر جانے کی نہ ہوتی تو شاید وہ فوراً مان جاتیں' مگر لندن جانے کا سن کر انہوں نے کہا۔

"بہن......! آپ نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ میں فوراً کوئی جواب نہیں دے سکتی۔ مجھے سوچنے کا موقع دیں۔ میں ذرا اپنے شوہر اور بیٹوں سے بات کر لوں پھر کوئی مناسب جواب دوں گی۔"

"مجھے مناسب جواب کی ہی توقع ہے۔ کیونکہ میری درخواست ایسی نامناسب بھی نہیں ہے۔ شادی سے پہلے جبران اور نمرہ ایک دوسرے کے قریب رہیں گے تو اچھا ہے۔ ایک دوسرے کے مزاج کو بھی سمجھ لیں گے۔"

"یہ باتیں ہر ایک تو نہیں سمجھتا۔ بہر حال میں بعد میں فون کروں گی۔"

بیگم آفتاب نے رابطہ ختم کر کے اپنے میاں سے کہا "یہ محترمہ ہمیں ایک کروڑ روپے دینے کو تیار ہیں مگر مطالبہ ذرا ٹیڑھا ہے۔ وہ شادی سے پہلے نمرہ کو پانچ ماہ تک اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہیں اور وہ بھی لندن لے جا کر......"

فلک آفتاب نے حیرت سے کہا "ایک کروڑ روپے......؟ ہمیں کاروبار کے لیے بہت بڑی رقم کی ضرورت ہے۔ ہمیں کہیں سے ایک لاکھ روپے بھی قرض کے طور پر نہیں مل رہے ہیں۔" پھر ذرا دیر سوچنے کے بعد بولے "ہم اللہ پر بھروسا کر کے نمرہ کو ان کے ساتھ بھیج سکتے ہیں۔ مجھے رشتے داروں کی پروا نہیں ہے لیکن اپنے بیٹوں کو سمجھانا ہوگا۔"

"آپ بھی ذیشان اور بابر کو سمجھائیں' میں بھی سمجھاؤں گی۔ اللہ نے چاہا تو بات بن جائے گی۔ کچھ بھی ہو میں یہ رقم چھوڑنا نہیں چاہتی۔"

انہیں اپنے بیٹوں کی طرف سے فکر تھی کہ شاید وہ نہ مانیں۔ ساتھ ہی نمرہ کو راضی کرنے کا بھی مرحلہ تھا۔ اسی دوران میں نے نمرہ کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے پوچھا "کون ہے؟"

میں نے جواب دیئے بغیر پھر دستک دی۔ اس نے دروازے کے قریب آ کر پوچھا "کون......؟"

میں نے تیسری بار دستک دی تو اس نے جھنجلا کر دروازہ کھولا۔ شاید کچھ کہنا چاہتی تھی مگر مجھے دیکھ کر چپ ہو گئی اور گھور کر بولی "یہ کیا شرارت ہے۔ منہ سے بول نہیں سکتے تھے؟"

"مقدر منہ سے نہیں بولتا' صرف دستک دیتا ہے۔ جو دروازہ نہیں کھولتا اس کی قسمت پر تالا پڑ جاتا ہے۔"

میں نے اندر آتے ہوئے کہا "دیکھو تم نے دروازہ کھولا اور تمہارا مقدر تمہارے پاس آ گیا۔"

وہ دروازہ بند کرتے ہوئے بولی "پتا ہے مسز رانا اپنے بیٹے کے ساتھ آئی تھیں اور بڑی دیر تک تمہارا انتظار کرتی رہی تھیں۔"

"مجھے سب پتا ہے۔ میں ان کے گھر گیا تھا۔ ان سے ملاقات کی تھی اور جبران کا ہاتھ بھی دیکھا تھا۔"

"اف خدایا! تم تو آندھی طوفان کی رفتار سے اپنے کام نمٹا لیا کرتے ہو۔ ویسے یہ اچھا ہوا کہ تم نے جبران کا ہاتھ دیکھ لیا۔ اب بتاؤ اس کا مقدر کیا کہتا ہے؟"

"یہ بتانے کے لیے ایک بار پھر تمہارا ہاتھ دیکھنا ہوگا۔"

"تم نے تو کہا تھا ایک ہی بار ہاتھ دیکھتے ہو اور تمام ہسٹری جان لیتے ہو؟"

"ہاں کہا تھا لیکن اس وقت تمہارا ہاتھ دوبارہ دیکھنا ضروری ہو گیا ہے۔"

اس نے اپنی بائیں ہتھیلی میری طرف پھیلا دی۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر سر جھکا کر اس ہتھیلی کو چوم لیا۔ وہ ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر بولی "یہ کیا حرکت ہے؟"

"تم نے اس طرح ہتھیلی پھیلائی تھی جیسے کچھ مانگ رہی ہو۔ میں اس سے بہتر کیا چیز تمہیں دیتا۔"

"معلوم ہوتا ہے ان ماں بیٹوں سے مل کر تمہاری طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی ہے۔ بس خبردار' اب مجھ سے دور رہنا۔"

میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "بہت خوب رو ہے۔ قد آور ہے۔ ہینڈسم ہے۔" وہ گھور کر بولی۔

"میرے سامنے جبران کی تعریفیں کیوں کر رہے ہو؟"

"میں نے کب کہا کہ میں جبران کی تعریف کر رہا ہوں؟ یہ تو اپنے بارے میں کہہ رہا ہوں کہ خوب رو ہوں۔ قد آور ہوں۔ ہینڈسم ہوں کیا اس حقیقت سے انکار کرو گی؟ ویسے انکار کر سکتی ہو کیونکہ تمہارے حواس پر تو جبران چھایا ہوا ہے۔ ابتدائے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"مجھے کوئی عشق وشق نہیں ہوا ہے۔ فضول باتیں نہ کرو۔ کام کی بات کرو۔ مجھے بتاؤ اس کے ہاتھ کی لکیریں کیا کہتی ہیں؟"

"یہ کہتی ہیں کہ تمہاری اور اس کی شادی پانچ ماہ کے بعد ہونی چاہیے۔"

"یہ بات تو ہمارے فیور میں ہے۔ چلو پانچ ماہ کے لیے تو شادی کی بات ٹل جائے گی۔"

"آگے تو سنو......!"

"تم نے تو ایک ہی بات سے دل خوش کر دیا ہے۔ ہو سکے تو اس شادی کو مزید پانچ برس کے لیے ٹلوا دو۔"

"میں نجومی ہوں تقدیر کا حال بتاتا ہوں۔ کسی کی تقدیر لکھ نہیں سکتا۔ تم دونوں کے مقدر میں جو لکھا ہے۔ اسے بدل نہیں سکتا۔"

"آخر بتاؤ تو سہی اور کیا لکھا ہے؟"

"تم کچھ سنو تو بتاؤں۔ تم شادی سے پہلے پانچ ماہ تک اس کے ساتھ لندن جا کر رہو گی۔"

وہ تقریباً چیختے ہوئے بولی "کیا......؟ میں شادی سے پہلے اس کے ساتھ پانچ ماہ تک رہوں گی' اور وہ بھی لندن میں؟ کیا میرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟"

"ذرا دھیمی آواز میں بولو۔ تمہارے چیخنے چلانے سے تقدیر نہیں بدلے گی۔ جو لکھا ہے وہی ہو گا۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں وہاں جانے کے لیے راضی ہو جاؤں گی اور اس کے ساتھ پانچ ماہ لندن میں گزاروں گی؟"

"ضروری نہیں ہے کہ یہ پانچ ماہ لندن میں گزارو۔ یہاں بھی گزار سکتی ہو لیکن اس کے ساتھ ہی گزریں گے اور یہ تم دونوں کے ہاتھ کی لکیریں کہتی ہیں۔"

"جہنم میں گئیں ہاتھ کی لکیریں۔ تم نے پہلے تو یہ نہیں کہا تھا کہ میرے ہاتھ کی لکیریں ایسی کوئی بات کہتی ہیں؟"

"میں نے یہ تو بتا دیا تھا کہ جبران کی وجہ سے میرے اور تمہارے درمیان عارضی جدائی ہو گی۔"

وہ جھنجلا کر بولی "پانچ مہینے کی جدائی کو عارضی کہہ ہو۔ پلیز تشویش میں مبتلا کرنے والی کوئی پیش گوئی نہ کرو اچھی بات کہو۔"

"اچھی بات یہی ہے کہ تمہیں اس کی ذات سے نق نہیں پہنچے گا۔ وہ عادات واطوار کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔ تمہیں اس سے محبتیں ملتی رہیں گی۔ تم رفتہ رفتہ اس متاثر بھی ہوتی چلی جاؤ گی۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں اس سے متاثر ہونے لگو اور تمہیں بھولتی چلی جاؤں گی۔ تمہارے دل میں آخر کیوں تم مجھے دوسری طرف دھکا دے رہے ہو؟ آسرا کچھ سکھا پڑھا رہی ہے اور میری طرف سے تمہارا دل پھ ہے؟ بولو یہی بات ہے نا؟"

"تم خوامخواہ مجھ پر شک کر رہی ہو۔ پلیز مجھ پر بو کرو۔ اب تک تو تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ مر جھوٹ نہیں بولتا اور نہ ہی دھوکا دیتا ہوں۔ میں تم سے ایک کہہ چکا ہوں کہ تم میری اور صرف میری دلہن بنو گی تو پھ اور تمہیں دلہن بنا کر نہیں لے جا سکے گا۔ ہاں اس سلسلے میں قباحت ہے۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا پھر پوچھا' قباحت ہے؟"

"یہ ہو سکتا ہے کہ رفتہ رفتہ تم اس سے متاثر ہو جاؤ او سے شادی پر راضی ہو جاؤ۔ تو پھر میرا مقدر بدل جائے گا۔

"فضول باتیں نہ کرو۔ تمہیں شرم نہیں آتی مبر بارے میں ایسی باتیں کرتے ہوئے؟"

میں اسے بتانا نہیں چاہتا تھا کہ جبران کی زندگی پا سے زیادہ نہیں لگتی لیکن کسی طرح اس کی موت ٹل گئی تو ہم کے یعنی میرے' نمرہ کے اور جبران کے مقدر میں جو کہ ہے اس میں اچھی خاصی تبدیلیاں ہونے کا امکان ہے۔ صورت میں حالات اور جذبات اسے جبران کی طرف جائیں گے اور مجھ سے دور کر دیں گے اور پھر نمرہ میرے ایک چیلنج بن جائے گی کہ میں اسے حاصل کر سکوں گا یا نہ کیا میں اپنی جان تمنا کو اتنی آسانی سے ہاتھ سے جانے گا؟ نہیں...... میں کچھ کروں گا مگر کیا؟ یہ ابھی نہیں کہہ سکتا۔

وہ بولی "چپ کیوں ہو جواب دو؟"

میں نے کہا "تم دوسری لڑکیوں کی طرح نہیں ہو۔ تم میری محبت کسی دوسرے کو نہیں دو گی۔ تم میری ہو' میری ہی گی مگر میری بات کو سمجھو۔ لکیریں بدلتی ہیں اور جب یہ

تو ساری دنیا کو بدل کر رکھ دیتی ہیں۔ ہم تم کیا چیز ہیں۔"

"دیکھو مقدر۔ میں تمہارے کہنے سے یہ بات مان گئی تھی مجھے جبران سے مل لینا چاہیے۔ تم نے یقین دلایا تھا کہ ری شادی اس سے نہیں ہو سکے گی اور میں صرف تمہارے ب میں لکھی گئی ہوں۔ اب تم پھر الجھانے والی باتیں رہے ہو۔ آخر ایک ہی بار کیوں نہیں بتا دیتے کہ میرے ندر میں کیا ہے؟"

"میں تمہیں ساری باتیں تو بتا چکا ہوں۔ کوئی الجھانے لی بات نہیں ہے۔ تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔"

پھر میں نے اٹھتے ہوئے کہا "رات بہت ہو چکی ہے۔ ب سو جاؤ۔ میں بھی جا رہا ہوں۔"

"جاؤ...... لیکن کان کھول کر سن لو۔ میں جبران سے ادی نہیں کروں گی اور نہ ہی اس سے کوئی رابطہ رکھوں گی۔"

"تم میرے مشورے پر عمل کرتی رہو۔ اس سے میل ل بڑھاتی رہو۔ تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ ورنہ بہت نقصان اٹھاؤ ں۔"

یہ کہہ کر میں کمرے سے باہر آ گیا۔ میں نے اسے سوچنے ر سمجھنے کے لیے چھوڑ دیا۔ یہ جانتا تھا کہ وہ چاہے یا نہ چاہے سے کم از کم اگلے پانچ ماہ تک جبران کے ساتھ رہنا تھا۔

وہ اندر ہی اندر مجھ سے بدظن ہو رہی تھی۔ یہ خیال اس کے اندر جڑ پکڑتا جا رہا تھا کہ میں اس کے مقابلے میں آسرا سے زیادہ محبت کرتا ہوں اور آئندہ بھی اسی طرح باتیں بناتا ہوں گا۔ اسی طرح ہیرا پھیری کرتا رہوں گا اور ایک دن آسرا سے شادی کر لوں گا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ میں اس سے پیچھا چھڑا رہا ہوں۔

پچھلے چوبیس گھنٹوں میں اس کی ممی اور ڈیڈی نے بھی میرے خلاف خوب زہر اگلا تھا اور اسے سمجھایا تھا کہ جو شخص شادی سے پہلے ہی دوسری لڑکیوں میں دلچسپی لیتا ہو اس پر کبھی بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی کہ اگر میں نے اس سے شادی کر بھی لی تب بھی میں بعد میں آسرا سے بھی ضرور شادی کروں گا۔

نمرہ بھی اب یہی سوچ رہی تھی کہ میں ناقابلِ اعتماد ہوں اس لیے اسے جبران کی طرف مائل رہنا چاہیے۔ وہ اس کا سچا عاشق اور دیوانہ ہے۔ ایسے ہی شخص کے ساتھ وہ آئیڈیل لائف گزار سکے گی۔

میں نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ رفتہ رفتہ جبران کی طرف مائل ہو جائے گی اور اب یہی ہو رہا تھا۔ وہ دل اور دماغ سے جبران کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اسے تو ایسا سوچنا ہی تھا۔ مقدر کی جو لکیر کھینچی گئی تھی۔ وہ اس سے ہٹ کر کیسے چل سکتی تھی۔

میری یہ نئی پیش گوئی بھی اسے الجھا رہی تھی کہ شادی سے پہلے پانچ ماہ تک اسے جبران کے ساتھ دن رات رہنا ہو گا۔ وہ خود اگر راضی نہ بھی ہوئی تو حالات اسے مجبور کر دیں گے۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ حالات کس طرح اسے جبران کی طرف لے جائیں گے۔ بہت سی باتیں میں چھپا لیتا ہوں اور چھپانے میں یہ مصلحت ہے کہ جو تقدیر میں لکھا ہوا ہے وہی چپ چاپ ہوتا چلا جاتا ہے۔

محبت انسان کو نارمل بھی رکھتی ہے اور ایب نارمل بھی بنا دیتی ہے۔ مسز رانا اپنے بیٹے کی محبت میں کبھی کبھی ایب نارمل ہو جاتی تھی۔ وہ بیٹے کی خاطر نمرہ کو حاصل کرنے کے لیے اسے دس کروڑ روپے دینے کے لیے تیار ہو گئی تھی اور یہ کوئی عقلمندی نہیں تھی لیکن اس کے اندر بیٹے کے لیے ممتا مچلتی رہتی تھی اور وہ بیٹے کی خوشیوں کی خاطر کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اس نے تو یہ تک سوچ لیا تھا کہ نمرہ کے والدین اگر جبران کا رشتہ منظور نہیں کریں گے تو وہ نمرہ کو اغوا کرا لے گی۔ وہ اپنی دولت سے بڑے بڑے مجرموں کو خرید سکتی تھی۔

قسمت کی لکیریں کہہ رہی تھیں کہ نمرہ کو ہر حال میں جبران کے ساتھ رہنا ہے۔ چاہے راضی خوشی رہے یا اس کے لیے مجبور کر دی جائے۔

دوسری صبح فلک آفتاب نے اپنے دونوں بیٹوں کو کمرے میں بلایا۔ معلوم ہوا کہ ذیشان رات دیر سے گھر آیا تھا۔ اس لیے گہری نیند میں ہے۔ بابر نے آ کر پوچھا "جی ڈیڈی...... کیا بات ہے؟"

فلک آفتاب نے اصل بات شروع کرنے سے پہلے کہا۔ "بیٹے' میں کاروبار کے سلسلے میں بہت پریشان رہتا ہوں۔ ہماری کاروباری پوزیشن کیا ہے یہ تم اچھی طرح جانتے ہو کیونکہ تم ہی سارا کاروبار سنبھال رہے ہو۔"

"یس ڈیڈ! کوئی خاص پریشانی بھی نہیں ہے کاروبار تو چل رہا ہے۔ موجودہ حالات میں ہماری آمدنی قدرے محدود ہے۔ ہاں اگر ہم کاروبار بڑھانا چاہیں تو ہمیں نئی مشینیں منگوانی ہوں گی اور یہ مشینیں کم از کم ایک کروڑ بیس لاکھ یا پچیس لاکھ تک آئیں گی۔"

بیگم آفتاب نے پوچھا "تم نے کبھی سوچا کہ اتنی بڑی رقم ہم کہاں سے لائیں گے؟"

"سوچنا سراسر حماقت ہے۔ جب اتنی بڑی رقم ہمیں کہیں سے مل ہی نہیں سکتی کیوں خوامخواہ شیخ چلی کی طرح خیالی

بلا ڈیکا ئیں؟"

"فرض کرو کسی کڑی شرط پر اتنی بڑی رقم مل جائے تو کیا اسے قبول کر لینا چاہیے؟"

بابر نے سوچتی ہوئی نظروں سے باپ کو دیکھا پھر کہا۔ "ڈیڈ اگر اپنے کاروبار کو گروی نہ رکھنا پڑے تو ہم ہر طرح کی شرط مان لیں گے۔"

باپ نے خوش ہو کر کہا "تم واقعی پکے اور کھرے بزنس مین ہو۔"

بیگم آفتاب بیٹے کو مسز رانا کے بارے میں بتانے لگی کہ وہ ایک کروڑ روپے کی آفر دے رہی ہے اور شرط یہ ہے کہ شادی پانچ ماہ بعد ہو لیکن شادی سے پہلے نمرہ ان ماں بیٹے کے ساتھ لندن میں رہا کرے۔

بابر نے کہا "ممی! یہ شرط نامناسب ہے۔ پھر یہ کہ خاندان کے بزرگ اور رشتے دار طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔"

فلک آفتاب نے کہا "خاندان کے بزرگ اور رشتے دار ہمارے کاروبار کو سہارا دینے نہیں آئیں گے۔ ان کی بات چھوڑو۔ ہمارا مسئلہ صرف یہ ہے کہ کسی طرح تمہارے بھائی جان اور نمرہ کو منایا جائے۔"

بابر اٹھ کر وہیں ٹہلنے لگا۔ وہ اندر سے بہت گھبرا تھا۔ اپنے مفاد کی باتیں پہلے سوچتا تھا پھر دوسروں کو اہمیت دیتا تھا۔ مثلاً وہ اسما کو بہت چاہتا تھا۔ اسے اپنی بھابی جان ہی نہیں اپنی ماں بھی سمجھتا تھا لیکن جب اس کی بھابی جان نے اس سے کہا کہ وہ شادی کر کے اپنی بھابی کو ایک سوکن کے عذاب سے بچا لے تو وہ کترانے لگا۔

دراصل وہ شادی کر کے بیوی بچوں کے جھمیلے میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنے کاروبار کو زیادہ سے زیادہ وسعت دینے کی فکر میں لگا رہتا تھا مگر اس نے اسما سے انکار نہیں کیا۔ شادی کی حامی بھر لی لیکن اپنے فائدے کے لیے ماں جیسی بھابی کو بھی دھوکا دیا اور پورے خاندان کو بھی اور یہ کہہ دیا کہ وہ نگیٹیو ہے۔ باپ نہیں بن سکے گا اس لیے شادی کی اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔

دوسری طرف اس نے اپنی سیکریٹری کو آلہ کار بنایا اور اس کے ذریعے خود کو نگیٹیو ظاہر کرنے کا ڈراما رچایا اور کام ہونے پر سمیرا کو پچاس ہزار روپے دے کر ٹرخا دیا۔

وہ صرف اپنے مفادات پر نظر رکھتا تھا۔ جہاں سے بھی منافع حاصل ہوا سے چھوڑتا نہیں تھا۔ اس بار اپنی بہن کے ذریعے سے رقم ملنے کی توقع پیدا ہوئی تھی۔ اگر وہ مسز رانا کی شرط مان لیتا تو ایک کروڑ مل سکتے تھے۔ جس سے کاروبار کو وسعت دی جا سکتی تھی اور زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جا سکتا تھا۔

ماں نے پوچھا "بیٹے! کس سوچ میں پڑ گئے ہو؟"

وہ ماں باپ کے سامنے آ کر پھر کرسی پر بیٹھ گیا "ڈیڈی......! ایک کروڑ کم ہیں مسز رانا سے بات کریں اگر ہمیں دو کروڑ بلکہ اس سے بھی زیادہ دیں تو ہم ان کی بات مان لیں گے۔"

بیگم آفتاب نے خوش ہو کر بیٹے کی بلائیں لیتے ہوئے کہا "میرا بچہ بہت ہی ذہین ہے۔ میرے دل میں بھی یہ بات تھی کہ ایک کروڑ کم ہیں۔ جب ہم ان کی اتنی بڑی شرط مانیں گے اپنی بیٹی کو بغیر شادی کے ان کے حوالے کریں تو رقم بھی زیادہ ہونی چاہیے۔"

فلک آفتاب نے کہا "اس کے لیے کہ مسز رانا سے بات کر کے کم از کم تین کروڑ کا مطالبہ کرنا ہوگا۔ واقعی ہم بہت رسک لیں گے۔ خاندان والوں کی مخالفتیں بھی مول لیں گے اور پھر طرح طرح سے انہیں مطمئن کرنا ہوگا۔ بہر حال بڑے مسائل سے گزرنا ہوگا اس لیے رقم زیادہ ہونی چاہیے۔"

بابر نے کہا "قسمت ہم پر مہربان ہو رہی ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ کاروبار کو وسعت دینے کے لیے ہمیں غیبی مدد مل رہی ہے۔ آپ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ بیگم رانا سے تین کروڑ کا مطالبہ کریں۔ وہ عورت اپنے بیٹے کی خاطر راضی ہو جائے گی۔"

"وہ تو راضی ہو جائے گی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذیشان اور نمرہ کو کس طرح راضی کریں گے؟" بابر ایک بار اٹھ کر ٹہلنے لگا پھر بولا "ایک تدبیر ہے۔"

ماں نے کہا "جلدی بولو بیٹے' کیا تدبیر ہے؟"

"ہم بھائی جان سے اور تمام خاندان والوں سے کہیں گے کہ نمرہ کو ہائر اسٹڈیز کے لیے لندن بھیج رہے ہیں۔"

بیگم آفتاب خوشی سے اچھل کر کھڑی ہو گئی اور آگے بڑھ کر بیٹے کے پاس آئی' اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنی طرف جھکایا' اور پیشانی کو چوم کر بولی "یہ ہے اصلی بیٹا۔ ذیشان نے تو ہمیں کبھی ایک پیسے کا فائدہ نہیں پہنچایا۔"

فلک آفتاب نے قریب آ کر بابر کو تھپکتے ہوئے کہا "شاباش بیٹے! واقعی تم مجھ جیسے بزنس مین کے بیٹے ہو۔ اپنے منافع پر نظر رکھتے ہو۔ اسی لیے میں نے اپنا کاروبار تمہارے حوالے کیا ہے' ذیشان پر بھروسا نہیں کیا۔"

بابر حیرانی سے کبھی ماں کو کبھی باپ کو دیکھ رہا تھا۔

اس نے کہا "آپ دونوں تو ایسے مجھے اپنی اولاد اپنا خون کہہ رہے ہیں جیسے بھائی جان آپ کے اپنے نہ ہوں۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو چونک کر دیکھا پھر فلک آفتاب نے جلدی سے کہا "نہیں بیٹے! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ بھی اپنا ہی ہے۔ تمہارا بڑا بھائی ہے مگر پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں' اس لیے اس کا مزاج ذرا مختلف ہے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "ذیشان کی بات رہنے دیں اور اپنا موبائل فون دیں۔ میں ابھی مسز رانا سے بات کرتی ہوں۔"

فلک آفتاب نے اسے فون دیتے ہوئے کہا "ذرا گھما پھرا کر بات کرنا۔ اپنی خاندانی مجبوریاں بتانا۔ تاکہ وہ رقم بڑھانے پر مجبور ہو جائے۔"

اس نے فون لے کر نمبر ملایا۔ تھوڑی ہی دیر بعد مسز رانا کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا "بہن......! میں بول رہی ہوں...... بیگم آفتاب......"

"نام بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو آپ کو آواز اور لہجے سے پہچاننے لگی ہوں۔ آپ سے اتنی محبت ہو گئی ہے کہ آپ دل اور دماغ میں نقش ہو گئی ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولی "شکریہ بہن شکریہ...... کل سے تو آپ نے ہمیں ایک نئی الجھن میں ڈال دیا ہے۔ سچ کہتی ہوں۔ ساری رات نیند نہیں آئی۔ میرے میاں بھی جاگتے رہے اور سوچتے رہے کہ کس طرح آپ کی یہ خواہش پوری کی جائے۔ کس طرح ہم اپنی بیٹی کو آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دیں۔ اب تو آپ کی خوشی ہماری خوشی ہے۔ ہمیں آپ کی کسی بات پر کسی مطالبے پر اعتراض نہیں' لیکن بات یہیں آ کر اٹک جاتی ہے کہ ہمارا خاندان دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ بدنامی بھی دور دور تک پھیلے گی کہ شادی سے پہلے ہی ہم نے لڑکی کو سسرال والوں کے حوالے کر دیا۔"

مسز رانا نے کہا "میں آپ کی پریشانیاں سمجھ رہی ہوں اور میرے لیے آپ کے جو جذبات ہیں اس کی قدر کرتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے بزرگوں اور خاندان والوں کو قائل کرنے کی کوشش کریں گی اور مجھ پر بھروسا کر کے میری ہونے والی بہو کو میرے حوالے کر دیں گی۔"

بیگم آفتاب نے کہا "بہن! میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہمارا چھوٹا بیٹا بابر ہمارا کاروبار سنبھال رہا ہے۔ جب ہم نے آپ کا مطالبہ اس کے سامنے بیان کیا تو وہ پریشان ہو گیا۔ بے چارا یوں بھی سرمایہ کی کمی کے باعث کاروباری معاملات میں پریشان رہتا ہے۔ فیکٹری کی جو مشینیں ہیں وہ بہت پرانی ہو چکی ہیں۔ نئی مشینیں لگوانے کے لیے روپے کی ضرورت ہے۔"

مسز رانا نے کہا "میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں۔ جب آپ نمرہ کو میری بیٹی بنا رہی ہیں تو بابر بھی میرا بیٹا ہے۔ اس کی پریشانیاں میں دور کروں گی۔ اسے جتنی رقم کی ضرورت ہے' میں دوں گی۔"

"اب میں نے آپ کو بہن کہا ہے تو آپ کے سامنے منہ کھولنا نہیں چاہتی مگر بیٹا کہہ رہا تھا اسے تین کروڑ روپے کی ضرورت ہے۔"

"نو پرابلم۔ آپ نمرہ کا پاسپورٹ وغیرہ تیار کرائیں' بلکہ اس کا شناختی کارڈ اور ضروری کاغذات مجھے دے دیں۔ میں کل تک اس کا پاسپورٹ اور ویزا بھی تیار کرا لوں گی اور جہاز کی سیٹیں بھی کنفرم کروا لوں گی' اور کل ہی آپ کے اکاؤنٹ میں تین کروڑ روپے جمع کر دوں گی۔"

"بہت بہت شکریہ بہن! بس یہ سمجھیے کہ آج سے ہماری بیٹی آپ کی ہو گئی۔ میں اس کا شناختی کارڈ لے کر خود آپ کے پاس آؤں گی...... خدا حافظ......!"

اس نے فون بند کر کے خوشی سے بیٹے کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "تم نے تو کمال کر دیا بابر! ہم تو ایک ہی کروڑ پر راضی ہو رہے تھے۔ تم نے اس سے تین کروڑ نکلوا لیے۔"

مسز رانا کی سخاوت سے بابر اور فلک آفتاب کی کروڑوں روپے کی ضرورت پوری ہو رہی تھی اور ان باپ بیٹے کی دولت کی ہوس سے ادھر ماں بیٹے کی ضرورتیں اور خوشیاں پوری ہو رہی تھیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے تعاون کرو' یا ناجائز طریقے سے ہیرا پھیری کرو۔ اسی طرح ایک دوسرے کی تقدیر بنتی یا بگڑتی چلی جاتی ہے۔ نمرہ بھی اب سنجیدگی سے سوچ رہی تھی کہ صرف دل کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔ دماغ سے بھی کام لینا چاہیے۔ تب ہی وہ اپنا مستقبل بہتر بنا سکے گی اور آئندہ میرے "فریب" سے باز رہ سکے گی۔ وہ صحیح طور پر فیصلہ کرنے کے لیے صرف مجھے ہی نہیں جبران کو بھی اچھی طرح آزمانا چاہتی تھی۔

جبران کہیں باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اس کے موبائل کا بزر بولنے لگا۔ اس نے موبائل کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا "ہیلو' میں جبران بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے نمرہ تھی۔ وہ اس کی آواز سنتے ہی خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ کہہ رہی تھی "میں تم سے ملنے آئی ہوں۔"

اس نے حیرانی سے اپنے آس پاس دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا کہہ رہی ہو؟ تم کہاں ہو؟"

''باہر آکر دیکھو۔ تمہارے دروازے پر کھڑی ہوں۔''

وہ تیزی سے دوڑتا ہوا باہر کی طرف لپکا۔ ساتھ ہی خوشی سے چیخ چیخ کر کہتا جا رہا تھا ''ماما...... ماما......نمرہ آئی ہے۔ آپ کہاں ہیں۔ جلدی آئیں نمرہ آئی ہے۔''

مسز رانا ڈرائنگ روم میں تھی۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''کیا کہہ رہے ہو؟ کہاں ہے نمرہ؟''

وہ دوڑتا ہوا دروازے تک پہنچا اور اسے کھول کر دیکھا تو وہ کھڑی ہوئی تھی۔ مسز رانا بھی اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہوگئی اور خوشی سے اس کی طرف آتے ہوئے بولی ''ہائے نمرہ! تم......؟ کس قدر خوشی کی بات ہے۔ آؤ بیٹی اندر آؤ۔''

انہوں نے قریب آکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے اپنے ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں آئیں۔ جبران اسے بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے ایسے کھل گیا تھا جیسے ایک بچے کو اس کا من پسند کھلونا مل گیا ہو۔ وہ تینوں ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔ مسز رانا نے کہا ''ابھی ابھی تمہاری ممی سے بات ہوئی ہے۔ میں تمہارا پاسپورٹ اور ویزا بنوانا چاہتی ہوں۔ انہوں نے کہا ہے۔ ابھی تمہارا شناختی کارڈ لے کر آرہی ہیں۔ ادھر ان سے بات ختم ہوئی' ادھر تم پہنچ گئیں۔''

''میں نہیں جانتی آپ بزرگوں کے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں۔ البتہ مقدر حیات نے مجھے بتایا ہے کہ آپ مجھے لندن لے جانا چاہتی ہیں۔''

''ہاں بیٹی! اس نے شاید تمہیں اور کچھ بھی بتایا ہو اور کچھ مشورے بھی دیئے ہوں گے۔''

''وہ تو آپ کی حمایت میں ایسے مشورے دے رہے ہیں جنہیں شاید میرے ماں باپ یا میرے خاندان والے کبھی تسلیم نہ کریں۔''

''بیٹی! میری ایک بات یاد رکھنا۔ منوانے کا سلیقہ ہو تو ہر بات منوائی جاسکتی ہے۔ یہ ہم بزرگوں پر چھوڑ دو۔ میں آج ہی تمہارے کاغذات وغیرہ تیار کرانا چاہتی ہوں تاکہ کل تک سیٹیں بھی کنفرم ہوجائیں۔''

جبران سامنے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اور خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ اس نے کہا ''نمرہ! مجھے یقین ہے کہ تم میرے ساتھ بڑی محبت سے زندگی گزارو گی۔''

''پوری زندگی گزارنے کے لیے ایک دوسرے کو سمجھنا ضروری ہے۔'' نمرہ نے کہا۔

مسز رانا نے کہا ''یہی تو میں بھی چاہتی ہوں۔ تم ہمارے ساتھ لندن میں رہو گی تو تم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ سکو گے۔''

''مجھے تو آپ ہی سے پتا چلا ہے کہ ممی اور ڈیڈی مجھے بھیجنے پر راضی ہوگئے ہیں۔ مجھے حیرت ہے انہوں نے اب کیوں کیا۔ کیا انہیں یہ خیال نہیں کہ خاندان والے طرح طر[ح] کی باتیں بنائیں گے؟''

''بیٹی! یہ بات بزرگوں پر چھوڑ دو۔ وہ ان سے نمٹ لیں گے۔ تم بس اپنا شناختی کارڈ مجھے دو۔ باقی کارروائی م[یں] کروالوں گی۔''

نمرہ کا دل ڈوبنے لگا۔ ان کے ساتھ جانے کا مطلب ہوا کہ وہ مجھ سے دور ہو رہی ہے۔ اس کا دل تو میری طر[ف] مائل تھا لیکن میں اس کی نظروں میں ہرجائی تھا۔ ایک بھنور کی طرح آس پاس بھی منڈلا رہا تھا جبکہ جبران صرف ا[س کا] عاشق تھا۔ اس کی دیوانگی بتا رہی تھی کہ وہ ساری زندگی م[یں] اسی کا ہو کر رہے گا۔

اسی اثنا میں جبران اس کے قریب آکر صوفے کے ہتھے پر بیٹھ گیا اور بولا ''نمرہ! مجھ پر بھروسا کرو۔ میری دولت' جائیداد اور میری ساری زندگی اپنے نام لکھوالو۔''

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر سر جھکا کر پرس کو کھ[ول]تے ہوئے اپنا شناختی کارڈ نکالا۔

وہ شناختی کارڈ اس کے ہاتھ میں ہولے ہولے ل[رز رہا] تھا۔ مسز رانا نے ہاتھ بڑھا کر اسے لے لیا اور کہا ''[تھینک یو] بیٹی! تھینک یو۔ اب تم سارا کام مجھ پر چھوڑ دو اور جا کر تیاری کرو۔ کل انشاء اللہ ہم یہاں سے روانہ ہوجائیں۔''

وہ بولی ''اگر آپ اجازت دیں تو میں جبران کے [ساتھ] کچھ وقت باہر گزارنا چاہتی ہوں۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''بیٹی یہ تو تم ہمارے دل کی باتیں [کر رہی] ہو کیوں نہیں! جبران چلو فوراً تیار ہو کر نمرہ کو اپنے ساتھ [لے] جاؤ۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا ''[میں] تو بالکل تیار ہوں۔'' پھر نمرہ کی طرف پلٹ کر بولا ''آ[ؤ] چلیں۔'' اور وہ دونوں باہر نکل گئے۔

نمرہ کے ہاتھ کی لکیریں وہی تھیں لیکن ان لکیر[وں نے] اس کا راستہ بدل دیا تھا۔

☆☆☆

ذیشان نے کروٹ لیتے ہوئے آنکھیں کھولیں [تو] نگاہوں کے سامنے اسما کا چہرہ تھا۔ وہ گہری نیند میں [تھی۔] رات وہ دونوں دیر تک جاگتے رہے تھے۔ ذیشان [کی] اولاد کا مسئلہ تھا اور اسما کے لیے سوکن مسئلہ بنی [ہوئی تھی۔ دون]وں کے درمیان بڑی دیر تک بحث جاری رہی تھی۔ آخر وہ [اس] کے سینے سے لگ کر روتے روتے سو گئی تھی۔ وہ بڑے پیار [سے] اسے دیکھنے لگا۔ اس کا خوابیدہ چہرہ بہت پرکشش لگ رہا [تھ]ا۔ اسے چومنے کو جی چاہ رہا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا وہ اس کی [مح]بت کی آنچ پاتے ہی آنکھیں کھول لیتی تھی۔ اس وقت [ذ]یشان نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا۔

[...] گل خانم اس کے حواس پر مسلط تھی۔ صبح کے سات بج [رہ]ے تھے۔ وہ اس کی خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا۔

وہ بڑی آہستگی سے بیڈ سے اٹھا۔ سرہانے کی میز پر سے [مو]بائل فون اٹھایا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ اس [...]نے موبائل پر نمبر ملائے اور رابطے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی [دی]ر کے بعد آواز سنائی دی ''ہیلو......کون؟'' یہ اس کی گورنس [ت]ھی۔

اس نے کہا ''میں ذیشان بول رہا ہوں۔ اپنی میڈم سے بات کراؤ۔''

''سر......! وہ گہری نیند میں ہیں۔ کیا انہیں جگادوں؟''

''نہیں...... انہیں سونے دو۔ میں صرف ان کی خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا۔''

''وہ خیریت سے ہیں۔ میرے خیال میں کئی دن بعد انہیں ایسی پُرسکون نیند آئی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں پھر کسی وقت فون کروں گا۔''

پھر وہ جواب سنے بغیر فون بند کرکے کمرے میں واپس آگیا۔ اسما اسی طرح گہری نیند میں تھی۔ وہ بھی اس کے قریب لیٹ گیا۔ وہ صبح تقریباً پانچ بجے تو سویا تھا پھر سات بجے فون کرنے کے لیے اٹھ گیا۔ اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اس کی پیاری شریک حیات اسما سانسوں کے قریب تھی لیکن آنکھوں کے پیچھے گل خانم چھپی ہوئی تھی اور وہ دونوں کے خیالوں کے درمیان گہری نیند سوگیا۔

تین گھنٹے کے بعد اسما کی آنکھ کھلی۔ عین نگاہوں کے سامنے اپنے مجازی خدا کا چہرہ تھا۔ وہ مسکرانے لگی۔ یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ ہر صبح آنکھ کھلتے ہی اپنے مجازی خدا کا چہرہ دکھائی دیتا تھا لیکن پھر اچانک اس کا مسکراتا چہرہ بجھ گیا۔ اسے پچھلی رات کی باتیں یاد آنے لگیں۔

ذیشان نے صاف کہہ دیا تھا کہ اب اس کے ممی ڈیڈی کو بچوں کے لیے مزید نہیں ٹالا جاسکتا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور بہت ہی دلبرداشتہ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ اس سے شکایت نہیں کرسکتی تھی کہ وہ ہرجائی ہے۔ اس نے ایک شوہر کی حیثیت سے محبت کی انتہا کردی تھی۔ اس کی خاطر کتنا بڑا جھوٹ بولا تھا لیکن اب وہ مجبور ہوگیا تھا۔ وہ سوچتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی تو ذیشان بدستور گہری نیند میں تھا۔ اس کی نظر سرہانے والی میز پر گئی۔ وہاں موبائل فون رکھا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر کچھ یاد آنے لگا۔ نیند کے دوران میں تھوڑی دیر کے لیے اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا تھا کہ ذیشان موبائل فون لیے کمرے سے باہر گیا تھا اور پھر وہ دوبارہ گہری نیند میں چلی گئی تھی۔

وہ میز کے قریب آکر فون دیکھنے لگی۔ کچھ سوچ کر اسے اٹھایا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ صبح اس نے کسے فون کیا تھا؟ میموری سے پتا چلا کہ صبح سات بجے گل خانم کے نمبر پر فون کیا گیا ہے۔ ذیشان نے ایک بار گل خانم کا ذکر تو کیا تھا کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے اور اس کا نوزائیدہ بچہ بھی مرگیا ہے۔ یوں وہ مشہور و معروف گلوکارہ شوہر کے علاوہ اپنے نوزائیدہ بچے سے بھی محروم ہوچکی ہے۔

اس نے سر گھما کر ذیشان کو دیکھا۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ وہ موبائل فون لے کر باہر آگئی۔ وہ گل خانم سے معلوم کرنا چاہتی تھی کہ ذیشان نے اتنی صبح اسے فون کیوں کیا تھا؟

اسی وقت بابر اپنے کمرے سے باہر آیا۔ اسے دیکھ کر بولا ''کیا بھائی جان جاگ رہے ہیں؟''

''نہیں......سو رہے ہیں۔ کیا بات ہے؟''

''ڈیڈی نے انہیں اور مجھے بلایا ہے۔ کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔''

''ڈیڈی سے کہنا وہ رات بہت دیر سے آئے تھے۔ گہری نیند میں ہیں۔ ابھی انہیں جگانا مناسب نہیں ہے۔''

''اچھا...... میں ہی جا کر ڈیڈی سے بات کرتا ہوں۔''

وہ جانے لگا تو اسما نے کہا ''سنو......!''

وہ رک گیا۔ اس نے کہا ''پچھلی رات تمہارے بھائی جان دوسری شادی کی باتیں کر رہے تھے۔ لگتا ہے کہ مجھ پر وہی برا وقت آنے والا ہے۔ مجھے تم سے بڑی امید تھی لیکن افسوس......''

''بھابی جان! آپ تو جانتی ہیں میں پورے خاندان میں آپ سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتا۔ آپ کی خاطر جان دینے کے لیے بھی تیار رہتا ہوں لیکن قدرت کے آگے بھلا کیا کرسکتا ہوں۔''

وہ اس کے ساتھ چل کر نیچے تک آئی اور کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی ''یہ تو میرے ہی نصیبوں کا کھیل ہے۔ اس

گھر میں میرے علاوہ سب نے ہی مقدر میاں کو ہاتھ دکھایا ہے۔ میں بھی مقدر میاں کو ہاتھ دکھاؤں گی۔ معلوم تو ہو کہ آئندہ میرے نصیب میں کیا لکھا ہے؟"

بابر اپنے والدین کے کمرے کی طرف جانے لگا۔ اسما کو بھوک لگی تھی۔ وہ کچن کی طرف جانا چاہتی تھی پھر سوچنے لگی کہ پتا نہیں اس کے ساس سسر اپنے بیٹوں سے ایسی کیا ضروری بات کرنا چاہتے ہیں؟

وہ تھوڑی دیر کھڑی سوچتی رہی پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی فلک آفتاب کے کمرے کی کھڑکی کے نزدیک آ کر کان لگا کر سننے لگی۔ کمرے کے اندر بیگم آفتاب اور فلک آفتاب اپنے بیٹے کو مسز رانا کی پیشکش کے بارے میں بتا رہے تھے۔

اسما کھڑکی کے پاس کھڑی بڑی دیر تک ان کی باتیں سنتی رہی۔ حیران ہو رہی تھی کہ ماں باپ تین کروڑ روپے کے عوض اپنی بیٹی کو شادی سے پہلے ہی اس کی سسرال والوں کے حوالے کرنے پر راضی ہو گئے تھے اور اس رقم کا مطالبہ بابر ہی نے کیا تھا۔ اسے پہلی بار یہ اندازہ ہوا کہ بابر بھی بہت ہی مفاد پرست' خودغرض' اور لالچی ہے۔ وہ صرف رقم کے عوض اپنی بہن کو شادی سے پہلے جبران کے حوالے کر رہا ہے بلکہ اس رقم کو اپنے بھائی یعنی ذیشان سے بھی چھپانا چاہتا ہے۔

وہ کھڑکی کے پاس سے پلٹ کر کچن میں آ گئی۔ خانساماں سے ناشتا تیار کرنے کو کہا اور وہیں بیٹھ گئی۔ اپنے ساس سسر کے بارے میں تو جانتی تھی کہ وہ نہایت ہی لالچی اور خودغرض ہیں لیکن آج پہلی بار بابر کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بھی اپنے ماں باپ سے کچھ کم نہیں ہے۔

اس نے حقارت سے سوچا "اونہہ...... میرے میاں ان لوگوں کی طرح لالچی اور خودغرض نہیں ہیں۔"

خانساماں نے اس کے سامنے ناشتا رکھا۔ وہ ناشتا کرنے کے دوران میں اپنے سسرال والوں کے بارے میں سوچتی رہی۔ سب ہی لالچی اور بے غیرت ہیں۔ پھوپی فلک ناز کو دیکھ لو۔ اسی شہر میں ان کی اپنی کوٹھی ہے۔ ایک بیوٹی پارلر بھی کھول رکھا ہے۔ ماہانہ ہزاروں روپے کماتی ہیں۔ اپنا بینک بیلنس بھرتی رہتی ہیں اور عینی کی دولت پر عیش کرتی رہتی ہیں۔

وہ سوچنے لگی "آج بابر نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔ آج مجھے اس کی اصلیت معلوم ہوئی ہے۔ مجھے بہت دکھ پہنچ رہا ہے۔ میں تو سمجھتی تھی۔ میرے میاں کی طرح یہ بھی دیانت دار اور غیرت مند ہے مگر افسوس یہ تو بڑا بے غیرت اور بددیانت نکلا۔"

وہ کچن سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ایک صوفے پر بیٹھ کر اپنے میاں کے موبائل فون کو دیکھا پھر دل میں کہا "اب ذرا دیکھا جائے کہ ہمارے میاں صاحب کیا کرتے پھر رہے ہیں؟"

اس نے گل خانم کے نمبر ملائے۔ تھوڑی دیر کے بعد گورنس کی آواز ابھری "ہیلو سر......! میڈم جاگ رہی ہیں میں انہیں ابھی فون دیتی ہوں۔"

اسما نے مسکرا کر اپنے فون کو دیکھا پھر زیر لب کہا "بڑی گہری انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ کسی نے سی ایل آئی پر میرے میاں کا نمبر دیکھ کر ہی سمجھ لیا کہ صاحب کا فون ہے۔ اس لیے میڈم ہی بات کریں گی۔"

وہ فون کو کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ ادھر سے گل خانم کی آواز سنائی دی۔ وہ بڑے دھیمے لہجے میں بولی "ہیلو...... میں بول رہی ہوں۔"

اسما ذرا بھاری بھرکم آواز بنا کر بولی "کیا تم گل خانم ہو؟"

دوسری طرف خانم کسی خاتون کی آواز سن کر چونک گئی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ ذیشان نے فون کیا ہے۔ اسما نے پھر پوچھا "تم نے جواب نہیں دیا۔ تم گل خانم ہی ہو نا......؟"

وہ بولی "جی ہاں...... لیکن آپ کون ہیں؟"

"تم سوچو اور بتاؤ' میں کون ہو سکتی ہوں؟"

"ایس پی صاحب کا فون آپ کے پاس ہے۔ تو آپ ان کی وائف ہو سکتی ہیں۔"

"ایس پی صاحب کا فون اس کی ماں کے پاس بھی تو ہو سکتا ہے؟"

وہ جیسے گھبرا گئی "او...... آ...... آپ...... ان کی مم ہیں؟"

"ہاں۔ کچھ عرصے پہلے اس نے تمہارا ذکر کیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ شوہر نے تمہیں چھوڑ دیا ہے اور ایک نوزائیدہ بچہ بھی اللہ کو پیارا ہو گیا ہے۔ تم بہت دکھ اٹھا رہی ہو۔ ہمدردی کی مستحق ہو۔ اسی لیے وہ تم سے ہمدردی کر رہا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس ہمدردی کے پیچھے محبت چھپی ہوئی ہے۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "جی...... جی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"ایسی ہی بات ہے۔ وہ آدھی رات کے بعد بھی تمہارے پاس ہی رہتا ہے۔ یہ محبت نہیں تو اور کیا ہے؟"

"وہ دراصل بات یہ ہے کہ میری طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔ مجھ پر بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔ وہ مجھے ہاسپٹل

لے گئے تھے پھر ہاسپٹل سے انہوں نے مجھے گھر پہنچایا۔"

"پھر رات کے دو بجے تک تمہاری تیمارداری کرتے رہے؟ تم بہت خوش نصیب ہو۔ وہ اپنی بیوی کی بھی اتنی خدمت نہیں کرتا جتنی تمہاری کر رہا ہے۔"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ اسما نے تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد پوچھا۔

"ایک بات پوچھوں؟"

"جی پوچھیں۔"

"کیا میری بہو بنو گی؟"

دوسری طرف ایک گہری سانس چھوڑنے کی آواز ابھری پھر وہ بولی "یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ وہ...... وہ ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔ معذرت چاہتی ہوں۔ فون بند کرنا پڑے گا۔"

"فون بند کرنے سے پہلے میری ایک بات سن لو۔ مجھے دوست بناؤ گی تو تمہاری بات بنے گی۔ میں تم سے ایک رازداری چاہتی ہوں۔"

"کیسی رازداری؟"

"ذیشان سے اس فون کال کا ذکر مت کرنا۔ تم میری رازدار بن کر ہی مجھے اپنی ساس بنا سکو گی۔ اب جاؤ۔ میں آج رات کسی وقت تم سے پھر رابطہ کروں گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا پھر گہری سنجیدگی سے سوچنے لگی۔ گل خانم نے کھل کر کوئی بات نہیں کی۔ کسی سوال کا واضح جواب نہیں دیا لیکن گفتگو کا انداز ایسا تھا جیسے وہ چور جذبوں کو چھپا رہی ہو۔ بہو بننے کی بات پر ایسا لگا جیسے وہ شرما گئی ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر کی آمد کا بہانہ کر رہی تھی۔ بہرحال اتنا تو معلوم ہو گیا کہ میاں صاحب خانم کی زلفوں کے اسیر ہو چکے ہیں۔ شاید اسی کو اس کی سوکن بنانا چاہ رہے ہیں۔

وہ وہاں سے اٹھ کر سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آئی۔ ذیشان واش روم میں تھا۔ اس نے موبائل فون کو سرہانے والی میز پر رکھ دیا اور واش روم کے دروازے کے پاس آ کر دستک دے کر بولی "کتنی دیر اور لگے گی؟"

اندر سے آواز آئی "صرف دس منٹ......"

"ٹھیک ہے۔ میں ناشتے کے لیے کہتی ہوں۔"

خانساماں سے ناشتے کا کہہ کر وہ واپس کمرے میں آئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ گل خانم سے جو باتیں ہوئی ہیں۔ اس کا علم ابھی ذیشان کو نہ ہو۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ذیشان خود ہی خانم کو اس کی سوکن کی حیثیت سے کب پیش کرے گا؟ ابھی وہ خانم سے فون پر کچھ اور باتیں کرنا چاہتی تھی۔ بلکہ وہ تو اس سے ملنا بھی چاہتی تھی۔ اب وہ یہ تو سمجھ گئی تھی کہ کوئی نہ کوئی آ کر ہی رہے گی' لہٰذا وہ پہلے ہی اس سے واقف ہو جائے تو اچھا ہے۔

ذیشان ایک تولیہ لپیٹ کر باتھ روم سے باہر نکلا اور اسے دیکھ کر بولا "ارے تم تو بڑی جلدی اٹھ گئیں' اور شاید ناشتا بھی کر چکی ہو؟"

وہ الماری کے پاس آ کر اسے کھول کر بولی "جی ہاں...... آپ کے لیے بھی ناشتا آ رہا ہے۔"

اس نے الماری سے ایک لباس نکال کر ذیشان کی طرف بڑھا دیا۔ کپڑے پہنتے ہوئے بیڈ کے سرہانے والی میز کی طرف دیکھ کر بولا "تم موبائل فون باہر لے گئی تھیں؟"

"جی ہاں۔ تھوڑی سی پرابلم ہے۔ میں اپنی ڈاکٹر سے کنسلٹ کرنا چاہتی تھی۔"

"پھر کیا کہا ڈاکٹر نے؟"

"اس سے رابطہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ میں فون لے کر نیچے گئی تو وہاں دوسرے معاملے میں الجھ گئی۔"

"ایسا کیا معاملہ پیش آ گیا کہ تم ڈاکٹر سے رابطہ نہ کر سکیں؟"

"اس گھر میں ایک دوسرے کے خلاف ایسی سازشیں ہوتی ہیں کہ اپنوں پر سے اعتماد ہی اٹھ جاتا ہے۔"

ذیشان نے سوالیہ نظروں سے اپنی بیوی کو دیکھا۔ وہ بتانے لگی کہ کس طرح اس نے کمرے کے اندر ہونے والی گفتگو سنی ہے۔ ذیشان حیرانی اور بے یقینی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ تمام باتیں بتانے کے بعد بولی "آپ کی طرح مجھے بھی یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ہمارے بزرگ ایسا احمقانہ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ وہ لڑکی کو شادی سے پہلے ہی سسرال والوں کے حوالے کر رہے ہیں۔ ان کے اس شرمناک منصوبے میں بابر بھی شریک ہے۔ وہ صاف طور پر کہہ رہا تھا کہ تین کروڑ روپے والی بات آپ کو نہ بتائی جائے۔"

وہ بولا "واقعی مجھے یقین نہیں آ رہا ہے لیکن تم مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولتی ہو۔ اس لیے یہ سب سن کر حیران ہو رہا ہوں۔"

"آپ میرا ایک مشورہ مانیں گے؟"

"بولو...... کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"آپ ابھی یہ ظاہر نہ کریں کہ ان کے منصوبے کا علم آپ کو ہو چکا ہے۔ ان کی یہ باتیں خود ہی آپ کے سامنے آئیں گی۔"

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "ہاں...... نمرہ کو باہر بھیجنے کے سلسلے میں وہ میرے سامنے بھی یہی کہیں گے کہ اسے اعلیٰ

تعلیم کے لیے بھیجا جارہا ہے۔" اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ اسما نے کہا" آجاؤ......"

ملازم ایک بڑی سی ٹرے میں ناشتالایا تھا۔ وہ اسے ایک میز پر رکھ کر وہاں سے چلا گیا۔ اسما نے کہا" مسز رانا...... آپ کے ڈیڈی کے اکاؤنٹ میں تین کروڑ جمع کرنے والی ہیں۔ کیا آپ کسی بھی طرح معلوم نہیں کر سکتے کہ وہ رقم جمع کی گئی ہے یا نہیں۔ کیونکہ میرا اندازہ ہے کہ بابر اور ڈیڈی شاید آپ کو کچھ نہ بتائیں۔"

وہ سوچنے لگا۔ لقمہ چباتے ہوئے بولا" اس بینک کا منیجر میرا احسان مند ہے۔ میں نے ایک بار اسے جھوٹے الزام سے بچایا تھا۔ میں اس سلسلے میں اس سے بات کروں گا۔"

وہ گلاس اٹھا کر پانی پینے لگا تو وہ بولی" آپ نے کچھ کھایا ہی نہیں۔ کیا ایک سلائس سے پیٹ بھر جاتا ہے؟"

" پیٹ کیا بھرا جائے۔ بھوک ہی مرگئی ہے۔ پریشانیاں پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ میری ملازمت خطرے میں ہے۔ میرا محاسبہ کیا جارہا ہے۔ طرح طرح کے الزام عائد کیے جارہے ہیں۔ دشمن مجھے کئی مجرموں کا قاتل ثابت کر کے سزا دلوانا چاہتے ہیں اور اوپر سے یہ گھریلو مسائل۔"

وہ پریشان ہو کر بولی" مقدر میاں نے بتایا تھا کہ آپ کے کئی دشمن ہیں اور وسیع ذرائع کے مالک ہیں۔ آپ ان سے تنہا کیسے نمٹ سکیں گے؟"

" اوپر میرا خدا ہے...... اور نیچے میری ذہانت' دیانت داری اور تجربات ہیں۔ اللہ مالک ہے۔ لیکن ادھر یہ گھریلو مسئلے بھی پریشان کرنے کے لیے کچھ کم نہیں ہیں۔ یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے کہ ممی اور ڈیڈی تین کروڑ روپے لے کر نمرہ کو شادی سے پہلے سسرال والوں کے حوالے کررہے ہیں۔ جیسے اسے بیچ رہے ہوں۔"

اسما نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا" آپ کسی طرف بھی توجہ نہ دیں۔ جو جیسا کرے گا۔ ویسا بھرے گا۔ آپ اس شہزور دشمن سے بچنے کی کوشش کریں۔ میری بات مانیں۔ مقدر میاں سے دن رات ملتے رہیں۔ وہ آپ کے دشمنوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ ان کی کمزوریاں بتا سکتا ہے اور آپ کو بہترین مشورے دے سکتا ہے۔"

ذیشان اثبات میں سر ہلا کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

خاندان کے تمام افراد لنچ کے وقت کھانے کی میز پر جمع ہو جایا کرتے تھے مگر اس روز وہ بڑی سی ڈائننگ ٹیبل ویران ویران سی تھی۔ صرف فلک ناز' آسرا اور عدنان کے ساتھ وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ خانساماں کھانے کی ڈشیں لا کر رکھنے لگا تو ناز نے پوچھا" اور لوگ کہاں ہیں؟"

اس نے کہا" بڑے صاحب اور بڑی بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں ہیں۔ بابر میاں بھی وہیں ہیں۔"

" تم نے انہیں بتایا نہیں کہ کھانا تیار ہو گیا ہے؟"

" میں نے کہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ان کا کھانا وہیں پہنچا دیا جائے۔ آج وہ اپنے کمرے میں ہی کھائیں گے۔"

وہ کچن کی طرف چلا گیا۔ فلک ناز سوچ میں پڑ گئی۔ آسرا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا" اب آپ کو فکر ہو گئی کہ وہ یہاں کیوں نہیں آرہے ہیں؟ اپنے کمرے میں کیا کررہے ہیں؟"

وہ بولی" کیا فکر نہیں ہونی چاہیے؟ تم کیا جانو' ایک عرصے بعد آئی ہو۔ یہاں تو آئے دن میرے خلاف سازشیں ہوتی رہتی ہیں۔"

" ممی......! اب بھلا کیا سازشیں ہوں گی؟ آپ مقدر کو اپنا داماد بنانا چاہتی تھیں اب آپ کا راستہ بالکل صاف ہورہا ہے کیونکہ نمرہ جبران سے شادی کے لیے راضی ہو گئی ہے۔"

" راضی ہونے سے کیا ہوتا ہے جب تک شادی نہیں ہو جاتی اور نمرہ یہاں سے چلی نہیں جاتی۔ تب تک میں ان ماں بیٹی پر تو کبھی یقین نہیں کروں گی۔ وہ رہ رہ کر پٹریاں بدلتی رہتی ہیں۔"

عدنان نے کہا" اماں کیا لڑکیوں کی شادی کرنے سے کروڑوں روپے ملتے ہیں؟"

وہ بولی" سب لڑکیوں کے نصیب ایسے کہاں ہیں۔ ہاں بعض لڑکیاں قسمت کی دھنی ہوتی ہیں۔ ان کے دام لگ جاتے ہیں۔"

اس نے ایک طرف سر گھما کر آسرا کو اور دوسری طرف سر گھما کر عدنان کو دیکھا پھر دھیمی آواز میں کہا" یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ دراصل نمرہ کی شادی نہیں ہورہی ہے اچھی خاصی رقم لے کر اسے بیچا جارہا ہے۔"

آسرا نے کہا" پلیز ممی کسی پر کیچڑ نہ اچھالیں۔ نمرہ ایسی نہیں ہے کہ دولت دیکھ کر پھسل جائے۔ کیا مقدر حیات کے پاس دولت نہیں ہے؟ پھر وہ جبران کی طرف کیوں مائل ہوگی اس نے تو صاف طور سے کہہ دیا ہے شادی سے پہلے ان سے کوئی رقم نہیں لے گی۔"

" بیٹی......! یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں۔ تم ابھی بچی ہو۔ تمہیں کیا پتا۔ نمرہ اپنی ماں کے اشاروں پر چلتی ہے اس نے ماں کے کہنے پر سب کے سامنے رقم لینے سے انکار کیا ہے۔ بھابی جان بڑی چالاک ہیں۔ درپردہ رقم وصول کرلیں گی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ انہوں نے لڑکی بیچی ہے۔"

اس نے یہ کہتے ہوئے سامنے سے کھانے کی پلیٹ ہٹادی۔ آسرا نے پوچھا" کیا ہوا؟"

" مجھ سے کھایا نہیں جائے گا۔ پتا نہیں وہاں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ آج بابر بھی اپنی ممی اور ڈیڈی کے کمرے میں ٹھسا ہوا ہے۔ ضرور کوئی بات ہے۔"

" ممی! آپ تو خوانخواہ کی فکر اپنے اوپر لاد لیتی ہیں۔ جو ہورہا ہے وہ سامنے ہی آئے گا۔"

" آسرا......! بہت دنوں کے بعد ان کی چالبازی معلوم ہوگی تو پانی سر سے گزر چکا ہوگا' پھر میں کچھ نہیں کر پاؤں گی۔"

" آپ یہ کیوں سمجھ رہی ہیں کہ وہاں آپ کے خلاف سازشیں ہورہی ہوں گی؟"

" کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے نمرہ نے اپنا ارادہ بدل لیا ہو۔ ہو سکتا ہے لین دین کے معاملے میں مسز رانا سے اختلافات ہورہے ہوں۔ پھر تو وہ پلٹ کر مقدر حیات کی طرف ہی آئیں گے۔ کیا اس طرح ہمارا نقصان نہیں ہوگا؟"

عدنان نے اپنے سامنے سے پلیٹ ہٹاتے ہوئے کہا۔" میں بھی نہیں کھاؤں گا۔"

فلک ناز نے اسے گھور کر دیکھا۔ آسرا نے کہا" آپ جانتی ہیں کہ یہ آپ کو کس قدر چاہتا ہے۔ آپ بھوکی رہیں گی تو کیا یہ اپنا پیٹ بھر لے گا؟"

فلک ناز نے عدنان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا" بیٹے کھالو۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں بعد میں کھالوں گی۔"

" میری بھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں بھی بعد میں آپ کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔"

اس نے بے بسی سے بیٹے کو دیکھا پھر اس پر بڑا پیار آیا۔ وہ اس کی طرف جھک کر اسے چومتے ہوئے بولی" چلو میں کھا رہی ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولا" دیٹ از لائک اے گڈ......"

وہ پھر کھانے لگے۔ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کے کمرے میں واقعی کھچڑی پک رہی تھی۔ کھچڑی بہت گرم تھی۔ کھاتے وقت منہ جل رہا تھا۔ مسز رانا نے فون پر کہا" لندن کے لیے کل تین سیٹیں بک ہو چکی ہیں۔ کل شام پانچ بجے کی فلائٹ ہے۔"

بیگم آفتاب نے پریشان ہو کر کہا" بہن آپ نے اتنی جلدی سیٹیں کیوں کرالیں۔ ہم سے پوچھا تو ہوتا!"

" اب پوچھنے کی کیا بات تھی؟ آپ تو جانتی ہیں جبران کے ڈاکٹر بار بار کہہ رہے ہیں کہ اسے جلد سے جلد علاج کے لیے لندن لے جایا جائے۔"

" وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہماری بھی مجبوری سمجھیں۔ ابھی تو ہم نے اپنے بڑے بیٹے سے بات نہیں کی ہے۔"

" تو کرلیں۔ کل پانچ بجے کی فلائٹ ہے اس طرح آپ کے پاس ستائیس گھنٹے ہیں۔ آپ کا بڑا بیٹا بھی اپنی بہن کو ہائیر اسٹڈیز کے لیے لندن جانے سے نہیں روکے گا۔ آپ بھائی صاحب کو فون دیں۔ میں ان سے بات کرتی ہوں۔"

بیگم نے فون اپنے میاں کی طرف بڑھایا۔ اس نے اسے کان سے لگا کر کہا" السلام علیکم!"

" وعلیکم السلام۔ بھائی صاحب' کل کی سیٹیں کنفرم ہو گئی ہیں۔ میں نمرہ کو اپنے ساتھ لندن لے جارہی ہوں اس سے پہلے آپ کے مطالبات پورے ہو جائیں گے۔ کل صبح دس بجے میں آپ کے ساتھ بینک میں جا کر آپ کی مطلوبہ رقم جمع کردوں گی۔"

" میں جانتا ہوں۔ آپ جو کہتی ہیں وہ کرتی ہیں' لیکن آپ ہمیں کچھ اور وقت دیتیں تو زیادہ مناسب ہوتا۔"

" دیکھیے بھائی صاحب......! جتنی جلدی ہماری روانگی ہوگی اتنی جلدی آپ کے اکاؤنٹ میں تین کروڑ روپے ٹرانسفر ہو جائیں گے۔ اگر ہماری روانگی میں دیر ہوگی تو پھر رقم کی ادائیگی میں بھی دیر ہوگی۔"

" اچھا میں سوچتا ہوں اور ایک گھنٹے کے اندر آپ کو کال کرتا ہوں۔"

ادھر دونوں ماں بیٹے ایک دوسرے کی طرف جھکے ہوئے کچھ کھسر پھسر کر رہے تھے۔ بیٹے نے باپ کی طرف دیکھ کر پوچھا" ڈیڈ......! وہ کیا کہہ رہی ہیں؟"

" کہنا تو ہمیں ہے۔ جب وہ اتنی بڑی رقم دے رہی ہیں تو اپنی مرضی سے جب چاہیں گی نمرہ کو یہاں سے لے جائیں گی۔"

بیگم آفتاب نے کہا" وہ کیسے من مانی کریں گی؟ ہم نے لڑکی بیچی نہیں ہے۔"

باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ان کی نظریں جھک گئیں۔ فلک آفتاب نے شکست خوردہ لہجے میں کہا" کسی رشتے' کسی معاہدے کے بغیر' بیٹی کو ان کے حوالے کر رہے ہیں اور ان سے اتنی بڑی رقم لے رہے ہیں۔ یہ بات ہم تینوں کے درمیان اس بند کمرے میں ہے۔ بات کمرے سے باہر جائے

کی تو دنیا یہی کہے گی کہ ہم نے لڑکی کو بیچ دیا ہے۔"

بیگم نے کہا "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارے درمیان لین دین کا شریفانہ معاہدہ ہو چکا ہے۔ ہم تحریری معاہدہ اس لیے نہیں کر رہے ہیں کہ شادی سے پہلے بیٹی کو ان کے حوالے کرنے کی بات لکھیں گے تو خود ہی گرفت میں آ جائیں گے۔ پورے خاندان میں تنقید کا نشانہ بنیں گے۔"

وہ ذرا دیر تک چپ رہے پھر بابر نے کہا "ہمیں اتنی رقم یک مشت ملنے کی کوئی اور امید نہیں ہے۔ یہ سمجھیں مقدر ہم پر مہربان ہو گیا ہے۔ اگر ہم نے یہ موقع ہاتھ سے جانے دیا تو کاروبار کو آگے بڑھانے کے لیے اتنی رقم کبھی نہیں ملے گی۔"

بیگم آفتاب نے کہا "بات صرف اتنی سی ہے کہ مسز رانا ہمیں تھوڑا وقت دے دیں۔ اتنی جلدی نمرہ کو لے جانا مناسب نہیں ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "وہ وقت دینے کے لیے تیار ہیں' لیکن ہم جتنی دیر نمرہ کو روانہ کرنے میں کریں گے اتنی ہی دیر سے ہماری پے منٹ ہو گی۔"

بابر نے پوچھا "کیا وہ کل پے منٹ کرنے پر تیار ہیں؟"

"ہاں۔ انہوں نے کہا ہے کل صبح دس بجے ہمارے ساتھ بینک میں جا کر ہماری مطلوبہ رقم ٹرانسفر کر دیں گی۔"

"یہ تو ماننا پڑتا ہے کہ وہ زبان کی پکی ہیں۔ ہم ہی حالات سے مجبور ہو کر گھبرا رہے ہیں۔"

بابر نے کہا "ممی اگر آپ بھی نمرہ کے ساتھ چلی جائیں تو کسی رشتے دار کو' خاص طور پر بھائی جان کو' کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ آپ ابھی مسز رانا سے فون پر کہیں کہ وہ آپ کے جانے کا انتظام بھی کروائیں۔"

فلک آفتاب نے کہا "بے شک ماں بیٹی ساتھ جائیں تو پھر کسی کو اعتراض نہیں ہو گا۔ تعجب ہے اتنی سی بات پہلے ہمارے ذہن میں نہیں آئی تھی۔ بیگم! ابھی مسز رانا سے بات کرو۔"

اس نے موبائل پر مسز رانا کا نمبر ملا کر فون اپنی بیگم کی طرف بڑھا دیا۔ ذرا ہی دیر میں دوسری طرف سے مسز رانا کی آواز سنائی دی "ہیلو۔ میں بول رہی ہوں۔"

"بہن میں مسز آفتاب بول رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جبران کے علاج کی خاطر آپ کو جلد سے جلد جانا ہے لیکن اچانک ہی نمرہ یہاں سے تنہا آپ کے ساتھ گئی تو بڑی باتیں بنائی جائیں گی۔ ہمارے خیال میں اس کا ایک معقول حل یہ ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ جاؤں۔ اس لیے میرے سفر کی تیاری بھی آپ کرا لیں تو اچھا ہے۔"

مسز رانا چہک کر بولیں "نو پرابلم...... یہ بھی ہو جا[ئے گا۔] آپ بھی سفر کی تیاریاں کر لیں۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ بیگم آفتاب نے فون بند کرتے ہو[ئے کہا] "اب کوئی اعتراض نہیں بابر تم نے بہت اچھا مشورہ دیا [ہے۔] میں سینہ تان کر بیٹی کو یہاں سے لے جاؤں گی۔ کوئی ہم [پر انگلی] نہیں اٹھا سکے گا۔ ذیشان بھی اعتراض نہیں کر سکے گا۔"

دروازے پر دستک سنائی دی۔ فلک آفتاب نے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ وہاں ملازم کھڑا ہوا تھا۔ اس نے [کہا "صاحب] جاگ رہے ہیں۔ میں نے ابھی ان کے کمرے میں [ناشتا] پہنچایا ہے۔ آپ نے کہا تھا میں آپ کو اطلاع دوں اس [لیے] آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ فلک آفتاب دروازہ بند کرتے ہو[ئے بولا] "ذیشان جاگ گیا ہے ناشتا کر رہا ہے۔"

بیگم نے کہا "آپ فوراً اس سے بات کریں۔ و[ہ] ناشتا کرتے ہی ڈیوٹی پر چلا جائے گا۔"

"میں اسے فون پر کہتا ہوں کہ جانے سے پہلے مج[ھ سے] بات کر لے۔"

اس نے موبائل پر ذیشان کے نمبر ملائے۔ فون [بند] چل رہا تھا "آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہے۔ آپ تھوڑی دیر بعد رابطہ کریں۔"

وہ فون کو بند کرتے ہوئے بولا "اس کا فون بند ہے"

پھر وہ دوسرے فون پر اس سے رابطہ کی کوشش کر[نے لگا۔]

دوسری طرف فلک ناز ڈرائنگ روم سے گزر رہی تھی۔ اس فون کی ایکسٹینشن رکھی تھی۔ ٹیلی فون پر ایسی آوازیں دیں جیسے کوئی رابطہ کر رہا ہو۔ وہ فوراً ہی ٹیلی فون کے ق[ریب] آئی اور اس نے آہستگی سے ریسیور کو اٹھا کر کان سے [لگایا۔] اسے ذیشان کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا "ڈیڈی ابھی ڈیوٹی پر جانے والا ہوں۔"

فلک آفتاب کی آواز سنائی دی "بیٹے! میں تم سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ جانے سے پہلے میرے [پاس] آؤ۔"

"ابھی دفتر سے فون آیا ہے۔ ایک ایمرجنسی ہے۔ جلدی جانا ہو گا۔ بتائیے کیا بات ہے؟"

"بیٹا......! فون پر کرنے والی باتیں نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے' رات کو واپس آ کر آپ سے مل لوں گا۔"

"تم تو ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہو۔ آتے ہو' کب جاتے ہو پتا ہی نہیں چلتا۔ گھر کے معاملا[ت میں]

بھی تو کبھی دلچسپی لیا کرو۔ ہم نمرہ کو ہائیر اسٹڈیز کے لیے لندن بھیج رہے ہیں۔ اس سلسلے میں تم سے باتیں کرنا چاہتے تھے۔"

"ڈیڈ! پہلے تو ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ اسے لندن تعلیم کے لیے بھیجا جائے گا۔ آپ نے اچانک یہ فیصلہ کیوں کیا ہے؟"

"ابھی وہاں نمرہ کے لیے بڑی سہولتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ داخلہ بھی ہو رہا ہے تو پھر ہم موقع سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں؟"

"ٹھیک ہے۔ ابھی آپ نے فیصلہ کیا ہے۔ فوراً تو نہیں بھیج رہے ہیں نا۔ میں رات کو آ کر بات کروں گا۔"

"بیٹا! وہ کل شام کی فلائٹ سے جا رہی ہے۔"

ذیشان نے شدید حیرانی سے پوچھا "کیا......؟ کل شام کو......؟ اتنی جلدی؟ یہ اتنا اہم فیصلہ اچانک کیوں ہو رہا ہے اور وہ اتنی جلدی کیوں جا رہی ہے؟"

"پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ ہم اسے تنہا نہیں بھیج رہے ہیں۔ تمہاری ماں بھی ساتھ جائیں گی۔"

"کیا وہاں رشتے داروں کے یہاں جا کر رہیں گی؟ جبکہ ہم یہ جانتے ہیں' کوئی کسی کو پوچھتا نہیں ہے۔ ہمارے درمیان صرف دکھاوے کی رشتے داری ہے۔"

"ہم سب جانتے ہیں' مگر تم یہ نہیں جانتے کہ تمہاری ممی کی سہیلی انہیں فون کر کے بلاتی رہتی ہے۔ وہ ان کے لیے سارے انتظامات کر رہی ہے لیکن اخراجات ہم خود برداشت کریں گے۔"

"آپ یہ اخراجات کہاں سے پورے کریں گے؟ ہمیشہ تو یہ ذکر ہوتا ہے کہ کاروبار مندا چل رہا ہے۔ آمدنی سے زیادہ اخراجات بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس پر آپ یہ اخراجات بڑھا رہے ہیں۔"

"بیٹے! میں نے آج تک تم سے کبھی اپنے یا گھر کے اخراجات کے لیے کوئی رقم نہیں مانگی؟ آج تم میرے اخراجات کا حساب کیوں کر رہے ہو؟"

"ڈیڈ! میں آپ کو گھر کے اخراجات کے لیے رقم نہیں دیتا ہوں۔ صرف اس لیے کہ ہم سب عینی کے گھر بیٹھ کر کھا رہے ہیں۔ کھانے پینے' پہننے اوڑھنے' گھومنے پھرنے کے سلسلے میں آپ کا ایک پیسا خرچ نہیں ہوتا ہے۔"

باپ نے کہا "اس طرح تم سمجھ سکتے ہو کہ میں کاروبار سے ہونے والی آمدنی بچا تا رہا ہوں اور اب بیٹی کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ بہت بڑے گھرانے میں اس کا رشتہ ہونے والا ہے۔"

"ڈیڈی! میں جانتا ہوں کاروبار سے اتنی آمدنی نہیں ہوتی کہ آپ نمرہ کو لندن پڑھانے کے لیے بھیج دیں اور اس کے بھاری اخراجات برداشت کریں۔ آپ مجھے صاف صاف بتائیں۔ کیا مسز رانا سے رقم لی جا رہی ہے؟"

"فضول باتیں نہ کرو۔ نمرہ نے سب کے سامنے اپنے سسرال والوں کی کروڑوں کی پیشکش ٹھکرا دی۔ ہماری بیٹی غیرت مند ہے۔ ہم غیرت مند ہیں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم ہم پر کیوں شبہ کر رہے ہو؟"

فون پر تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر ذیشان نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ آپ میرے والد ہیں میں آپ پر شبہ نہیں کرتا لیکن یہ ضرور معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ اچانک اتنی جلدی نمرہ کو لندن کیوں لے جایا جا رہا ہے اور وہ کس طرح کی ہائیر اسٹڈیز وہاں کرے گی۔ اس وقت میں جلدی میں ہوں اس لیے کوئی بحث نہیں کروں گا۔ خدا حافظ!"

رابطہ ختم ہو گیا۔ فلک ناز نے زیر لب مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ کر دل ہی دل میں کہا "میں پہلے ہی سمجھ رہی تھی کہ اس بند کمرے میں کوئی کھچڑی پک رہی ہے' بلکہ پک چکی ہے۔ بھابی جان کسی کام میں دیر نہیں کرتیں۔ اچانک بیٹی کو لے کر لندن جا رہی ہیں۔ آخر بات کیا ہے؟ وہ سوچ رہی تھی "ذیشان نے درست کہا تھا کہ وہ لندن کے اخراجات کیسے پورے کریں گے؟ لیکن باپ نے بیٹے کو کوئی معقول جواب نہیں دیا لیکن میں تو یہ معلوم کر کے رہوں گی کہ وہاں نمرہ کے اخراجات کون پورے کرے گا؟"

☆☆☆

گل خانم کو یقین تھا کہ ذیشان اسے فون کرے گا یا پھر اس کی خیریت معلوم کرنے کے لیے خود ہی چلا آئے گا۔ یہ یقین کچھ زیادہ ہی تھا کہ وہ فون کرنے کی بجائے ادھر کھنچا چلا آئے گا۔

اس نے ایک بار پھر اپنے لباس کو دیکھا۔ وہ کئی بار اسے دیکھ چکی تھی۔ اس پر ہاتھ رکھ چکی تھی۔ یہ وہی لباس تھا جسے وہ پہنا گیا تھا۔

دل کہہ رہا تھا کہ پولیس کا وہ اعلیٰ افسر اس کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ ابھی آئے گا اور ضرور آئے گا۔ اتنے میں موبائل کے بزر کی آواز سنائی دی۔ اس نے فوراً ہی لپک کر موبائل فون اٹھایا۔ اس پر نمودار ہونے والا نمبر یادر خان کے موبائل کا تھا۔ وہ اسے کال کر رہا تھا۔

وہ مایوس ہوئی تھی کیونکہ اس کا دھیان تو ذیشان کی طرف

تھا۔ زندگی میں پہلی بار ذیشان نے اس کی سوچ میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔ وہ پہلی بار یاور خان سے ہٹ کر ایک دوسرے شخص کے بارے میں سوچنے لگی تھی اور بڑی شدت سے سوچنے لگی تھی۔

اس نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو...... میں تم سے فون پر بھی بات کرنا نہیں چاہتی۔"

"ایسا نہ کہو گل جاناں......! اتنی بڑی دنیا میں تمہارے سوا میرا کوئی نہیں ہے۔"

"تمہارے سب ہیں۔ پورا خاندان ہے۔ اپنے علاقے میں واپس چلے جاؤ یا پھر یہاں کسی سے شادی کر لو مگر میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"تم آج پہلی بار پیچھا چھڑانے والی بات کر رہی ہو۔"

"ہاں! میں عاجز آ گئی ہوں۔ پریشان ہو گئی ہوں۔ تم نے میری زندگی عذاب کر دی ہے۔ کل میں شدید بخار کی اور بیماری کی حالت میں تمہارے لیے حوالات سے ایس پی صاحب کے دفتر تک دوڑتی گئی۔ جانتے ہو میرے ساتھ کیا ہوا تھا؟ میں بے ہوش ہو گئی تھی مجھے ہاسپٹل پہنچایا گیا تھا۔"

"میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا۔ تمہارے سیکورٹی گارڈز نے خوامخواہ مجھے حوالات میں پہنچا دیا تھا۔"

"بکواس مت کرو۔ تم نے چاقو سے اس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ کیا وہ تمہیں چھوڑ دیتے؟ تم مجھ سے زیادتیاں کرتے رہتے ہو۔ میں تمہیں معاف کرتی رہتی ہوں۔ کیا دنیا والے بھی تمہیں معاف کر دیں گے؟"

"میری جان! مجھ سے انجانے میں غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ جب سے تم دور ہوئی ہو میں پاگل سا ہو گیا ہوں۔ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ کل حوالات سے نکلتے ہی پھر تمہیں تلاش کرتا رہا۔ تمہارا پتا نہیں چل رہا تھا۔ بار بار تمہاری کوٹھی کے چاروں طرف چکر لگاتا رہا۔"

"تم پھر میری کوٹھی کے پاس آئے تھے؟ ایس پی صاحب نے تمہیں بہت ہی سخت وارننگ دی ہے۔ اس بار تم اگر میرے قریب دیکھے گئے تو پولیس والے تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے، تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"مجھے وہ ایس پی تمہارا کچھ زیادہ ہی دیوانہ لگ رہا ہے۔ وہی تمہیں ہاسپٹل لے گیا تھا اور رات کے وقت گھر واپس لایا تھا۔"

"کیا تمہیں اس لیے برا لگ رہا ہے کہ وہ میرے برے وقت میں کام آ رہا ہے؟"

"جوان عورت کے برے وقت میں برے لوگ ہی کام آتے ہیں۔ اسے تم سے یقیناً کوئی دلچسپی ہو گی تب ہی تمہارے لیے وہ اتنا کچھ کرتا ہے۔ تمہارے کہنے پر اس نے مجھے حوالات سے رہا کرایا۔ اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر تمہیں ہاسپٹل لے گیا۔ وہاں سے ایمبولینس میں ڈال کر تمہیں گھر لے کر آیا اور پھر......اور پھر......"

وہ غصے سے بولا "اس وقت میں انگاروں پر لوٹ رہا ہوں۔ جی چاہتا ہے اسے گولی مار دوں۔ اگر تم سچ نہیں بولو گی تو تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ مجھ سے کیا سچ اگلوانا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ وہ رات دو بجے تک تمہارے ساتھ کیا کر رہا؟"

وہ بھی غصے سے بولی "تم بہت ہی خر دماغ ہو۔ وہ میرے ساتھ کچھ بھی کرے، تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟ کیا رشتہ ہے تمہارے ساتھ؟"

"دیکھو گل جاناں! میں اتنا تو جانتا ہوں کہ تم بے حیا نہیں ہو۔ تم صرف اتنا بتا دو کہ وہ رات دو بجے تک تمہاری کوٹھی کے اندر کیا کرتا رہا؟"

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔ تم میرے سوال کا جواب دو۔ کیا عدت کے ایام گزارنے کے بعد مجھے اپنی شریکِ حیات بنانا چاہو گے؟"

"دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اس کا تو انتظار کر رہا ہوں کہ تم پھر کب میری زندگی میں آؤ گی۔"

"یہ مت بھولو اس کے لیے مجھے حلالہ کے مرحلے سے گزرنا ہو گا۔"

وہ ذرا دیر تک چپ رہا پھر بولا "یہ ضروری تو نہیں۔ گل جاناں......! ہم تم چاہیں تو......"

وہ بات کاٹ کر بولی "بے حیائی اور بے دینی کی باتیں مت کرو۔ ہمیں اپنے اسلامی قانون کے مطابق عمل کرنا ہو گا یہ تمہیں منظور ہے یا نہیں؟"

"تم نماز تک تو پڑھتی نہیں ہو پھر ایسی دین ایمان والی کیوں بن رہی ہو؟ صاف کیوں نہیں کہتیں کہ اس ایس پی پر دل آ گیا ہے۔ اس سے شادی کرنے کے لیے یہ بہانہ مل رہا ہے۔"

"تمہاری بد دماغی کی وجہ سے ہی یہ دن آیا ہے۔ اب مجھے وہی کرنا ہو گا جو دینی احکامات کہتے ہیں۔ تم اپنے طور پر چاہو سمجھو، وہ پولیس افسر ہو یا کوئی بھی ہو، کسی نہ کسی سے تو مجھے شادی کرنا ہی ہو گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ رات دو بجے تک تم......"

"بکواس مت کرو۔ جب تک عدت کے ایام نہیں گزریں گے شادی نہیں ہو سکتی۔ تمہارے جلنے کڑھنے اور شبہ کرنے سے میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ تم سیدھی سی بات بتاؤ کہ جب میں دینی احکامات کے مطابق تمہارے پاس واپس آؤں تو کیا مجھے بیوی کی حیثیت سے قبول کرو گے؟"

وہ ذرا دیر چپ رہا پھر غصے سے بولا "مجھے یہ سوچ کر بھی غصہ آتا ہے کہ تم کسی دوسرے کی تنہائی میں جاؤ گی۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میری مجبوری ہے مجھے تو شادی کرنی ہے۔"

"میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں وہ پولیس افسر تمہارے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ اس کے آگے میں تمہیں پاؤں کی جوتی لگ رہا ہوں لیکن جب یہ جوتی تمہارے اور اس کے سر پر پڑے گی، تب معلوم ہو گا کہ میں کیا ہوں؟"

"تم کیا ہو؟ اب پولیس والوں کے ہتھے چڑھو گے تو پتا چلے گا، کیونکہ میں تمہاری سفارش نہیں کروں گی۔ ایس پی صاحب نے کہہ دیا ہے اس بار تمہیں ٹارچ سیل میں پہنچایا جائے گا۔ وہاں سے تم اپاہج بن کر نکلو گے۔ کسی کو گولی مارنا تو دور کی بات ہے کوئی ہتھیار پکڑنے کے قابل بھی نہیں رہو گے۔ بھیک مانگتے پھرو گے۔"

"تم مجھے پولیس والوں سے پٹواؤ گی؟ اپاہج کرا دو گی؟ بھیک منگا بنا دو گی؟ تمہیں یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آ رہی ہے؟"

"تمہیں طلاق دیتے ہوئے شرم نہیں آئی تھی؟ تم صرف میرے ہی نہیں، میرے نوزائیدہ بچے کے بھی مجرم ہو۔ تمہاری وجہ سے وہ بچہ مارا گیا۔ میں دوبارہ ماں بننا چاہتی ہوں اور میری گود اسی وقت بھرے گی جب میں دوسری شادی کروں۔"

"یہ نہیں ہو گا۔ دوسرے بچے کا باپ بھی میں ہی بنوں گا۔ تم صرف میرے بچوں کی ماں بنو گی۔"

"میرے پاس تمہاری بکواس سننے کا وقت نہیں ہے۔ آئندہ بھی میں تم سے بات نہیں کروں گی۔ اب یہ فون میری گورنس کے پاس رہے گا اور وہ تمہاری آواز سنتے ہی فون بند کر دیا کرے گی۔ میں تمہیں آخری بار سمجھا رہی ہوں۔ عقل سے کام لو۔ پولیس والوں سے دشمنی مول لو گے تو الٹا لٹک جاؤ گے۔ کوئی تمہیں بچانے کے لیے نہیں آئے گا۔ خدا حافظ......"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور گورنس کو بلا کر کہا "یہ فون اپنے پاس رکھو۔ جب بھی یاور خان کی آواز سنائی دے فون بند کر دینا۔ کوئی دوسری کال آئے تو فون مجھے دے دینا۔"

گورنس وہ فون لے کر چلی گئی۔ دس منٹ بعد ہی وہ واپس آئی تو گل خانم نے پوچھا "کس کا فون ہے؟"

"میڈم فون نہیں ہے۔ ایس پی صاحب تشریف لائے ہیں۔ میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔" گل کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ گورنس زیر لب مسکراتے ہوئے بولی "کیا یہاں بھیج دوں؟"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ اسے خود نہیں معلوم تھا کہ وہ زندگی کے کس موڑ پر پہنچی ہوئی ہے۔ ذیشان بیگانہ ہوتے ہوئے بھی اپنا ہے لیکن جو اپنائیت ہے وہ چوری چھپے قائم ہوئی ہے۔ موجودہ حالات ایسے تھے کہ شاید کچھ ایسی ڈھکی چھپی باتیں بھی ہونے لگیں۔ وہ تذبذب میں تھی مگر گورنس کچھ سمجھ گئی۔

گورنس وہاں سے جاتے ہوئے بولی "میں انہیں یہیں بھیج دیتی ہوں۔"

اس سے پہلے کہ گل خانم کچھ کہتی، وہ باہر جا چکی تھی۔ بہت تیز طرار تھی۔ اپنی حرکتوں سے یہ ظاہر کر رہی تھی کہ موجودہ معاملات کو گل خانم سے زیادہ سمجھ رہی ہے۔ وہ فوراً ہی پلٹ کر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنے لگی۔ خود کو دکھانا عورت کی کمزوری ہے۔ وہ جائزہ لینے لگی۔

پچھلی رات والا لباس اس کے بدن پر تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ ذیشان کے آنے سے پہلے لباس تبدیل کر لے گی، کیونکہ وہ لباس ایک اہم واردات کی چغلی کھا رہا تھا۔

اس نے پلٹ کر الماری کی طرف دیکھا۔ دوسرا لباس پہننے کا سوچ رہی تھی کہ دروازے پر دستک سنائی دی اور گورنس نے آ کر کہا "ایس پی صاحب تشریف لائے ہیں۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ذیشان دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ گورنس باہر چلی گئی اور جاتے جاتے دروازے کو بند کر دیا۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ بڑے ہی اضطراب کے عالم میں دوپٹے کے آنچل سے کھیل رہی تھی۔ ذیشان اسے بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت وہ شرمائی ہوئی سی جھینپی ہوئی سی اتنی پرکشش لگ رہی تھی کہ دل کھنچا جا رہا تھا۔

اس نے بڑے پیار سے پوچھا "کیسی ہو؟"

اس نے جھکے ہوئے سر کو ہاں کے انداز میں ہلایا۔ وہ بولا "کل بخار سے زیادہ ذہنی پریشانیوں نے تمہیں توڑ ڈالا تھا۔ تم بہت زیادہ کمزور ہو گئی تھیں۔ اسی لیے بے ہوش ہو گئی تھیں۔"

وہ خاموش رہی۔ اس نے کہا ''میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ بجائے اس کے کہ تم مجھے بیٹھنے کو کہو' میں پوچھ رہا ہوں کیا تم اسی طرح کھڑی رہو گی؟''

''نہیں...... آپ...... آپ بیٹھ جائیں......''

''پہلے تم بیٹھو۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک کرسی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ذیشان بھی ایک کرسی کھسکا کر اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ وہ آپ ہی آپ سمٹنے لگی۔

اس نے پوچھا ''تم نے دوا لی؟''

اس نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''لنچ کیا ہے؟''

وہ دھیمی سی آواز میں بولی ''ابھی نہیں۔''

''سہ پہر کے تین بج رہے ہیں۔ لنچ کا وقت گزر چکا ہے۔ تمہیں وقت پر کھانا پینا چاہیے۔ ورنہ توانائی بحال نہیں ہو سکے گی۔''

''میں کھا لوں گی۔''

''میرے جانے کے بعد کھانا چاہتی ہو تو میں ابھی چلا جاتا ہوں۔''

اس نے ایک دم سے سر اٹھا کر دیکھا پھر فوراً ہی نظریں جھکا لیں اور دھیمی مترنم آواز میں بولی ''میں جانے کو تو نہیں کہہ رہی ہوں۔''

''مگر میں جانے کا اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں نے بھی لنچ نہیں کیا ہے۔ کہیں باہر جا کر کھاؤں گا۔''

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا ''آپ بھوکے ہیں؟ پہلے کہنا چاہیے تھا؟''

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی ''میں ابھی کھانا منگواتی ہوں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا ''تم آرام سے بیٹھو۔ میں تمہاری گورنس سے کہتا ہوں۔''

وہ دروازے کے پاس آیا اور پھر اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا۔ گورنس ایک دم سے اچھل پڑی۔ وہ دروازے سے کان لگائے سن رہی تھی۔ چوری پکڑی گئی تھی۔ ذیشان نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا ''یہ کیا حرکت ہے؟''

وہ جھینپ کر بولی ''سوری سر! میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ ٹھنڈا لیں گے یا گرم؟''

''کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو ہم تمہیں بلا لیں گے۔ فی الحال تو تم جاؤ اور ملازم سے کہو کھانے کے لیے جو کچھ بھی ہے یہاں لے آئے۔''

وہ ''یس سر'' کہتی ہوئی تیزی سے چل دی۔ ذیشان اسے گھور کر جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اس نے اندر آ کر دروازہ بند کر دیا اور اس کی چٹخنی چڑھا دی۔ گل خانم پریشان ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ دروازے کے پردے کھینچتے ہوئے بولا ''تم نے اپنی گورنس کو بہت سر چڑھا رکھا ہے۔ وہ ابھی دروازے سے کان لگائے ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے اسی لیے دروازے کو بند کیا ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟''

وہ ''نہ'' کہہ سکتی تھی۔ نہ ''ہاں'' کہہ سکتی تھی۔ دیکھا جائے تو اسے اعتراض کرنا چاہیے تھا لیکن وہ ذیشان کے دل کی باتیں سننا چاہتی تھی اور سننے کے لیے رازداری ضروری تھی۔

وہ ذرا قریب آ کر بولا ''میں تمہیں ہاسپٹل سے یہاں لایا تھا۔ تم بے ہوشی کی نیند سو رہی تھیں۔ گورنس نے تمہیں بتا دیا ہوگا؟''

وہ دوسری طرف گھوم کر اس کی طرف سے منہ پھیر کر بولی ''آپ نے یہ اچھا نہیں کیا۔''

وہ ذرا قریب ہو کر بولا ''میں نے برا بھی نہیں کیا۔ لباس کیچڑ آلود ہو گیا تھا۔ اس کی غلاظت بدن تک پہنچی ہوئی تھی۔ میں نے تمہیں غلاظت سے پاک کیا تھا۔ کیا برا کیا تھا؟''

''آپ نے اچھا بھی نہیں کیا۔ میں مطلقہ ہوں۔ عدت کے ایام گزار رہی ہوں۔ آپ کو تو میرے قریب بھی نہیں آنا چاہیے' کجا یہ کہ......''

وہ بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا ''گل خانم...... تم مقناطیس ہو۔ دور ہی سے کھینچ لیتی ہو۔ کجا یہ کہ کمزوری اور مدہوشی کے باعث خود ہی میری آغوش میں آ گئی تھیں۔ میں انسان ہوں' فرشتہ نہیں ہوں۔ ہاسپٹل سے لے کر یہاں تک میں اپنے جذبات سے لڑتا رہا' تم سے دور رہنے کی کوششیں کرتا رہا۔ تم یقین کرو یا نہ کرو میں تمہارے قریب آ کر بھی اب تک تم سے دور رہوں۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟''

''میری بات کا یقین کرو۔ میں نے تمہارا لباس تبدیل کرنے سے پہلے لائٹس آف کر دی تھیں۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ میں نے اس تاریکی میں کچھ نہیں دیکھا تھا۔''

گل خانم نے ایک گہری سانس لی جیسے کچھ اطمینان ہو۔ انسان فرشتہ نہیں بن سکتا لیکن ایسے نازک وقت میں شرافت کے دائرے میں رہ کر فرشتوں کو مات کر سکتا ہے۔ گل خانم یہ اعتراض نہیں کر سکتی تھی کہ اسے قریب نہیں آنا چاہیے تھا۔ قریب تو وہ گئی تھی۔ ذیشان اس کے گھر نہیں آیا تھا' وہ اس کے دفتر گئی تھی۔ اسے عدت کے ایام گزارنے تک گھر سے

نہیں جانا چاہیے تھا' لیکن وہ یاور خان کی وجہ سے مجبور ہو کر گھر سے باہر ماری ماری پھرتی رہی تھی۔ ذیشان تو اس کے ساتھ ہمدردی کر رہا تھا۔ اس کے مسائل حل کر رہا تھا۔ اس پر الزام نہیں آ سکتا تھا کہ اس نے گل خانم کی قربت حاصل کی تھی۔

وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ''تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہو رہا ہے۔ تم مجھے کوئی گرا ہوا سستا جذباتی انسان سمجھ رہی ہو؟''

اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا ''یہ بات نہیں ہے۔''

''پھر کیا بات ہے؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی ''وہ...... وہ ہمارے درمیان فاصلہ رہنا چاہیے۔''

''ہوں۔'' وہ ذرا دیر خاموش رہا پھر بولا ''میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ میں تمہیں چاہتا ہوں۔ تم کہو گی تو عدت کے ایام گزرنے تک تمہارے سامنے بھی نہیں آؤں گا لیکن تم مسائل سے دوچار ہو' تمہیں کسی ساتھی کی ضرورت ہے۔ میں دور رہ کر بھی تمہارے کام آتا رہوں گا لیکن......''

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔ گل خانم نے اس کی طرف گھوم کر دیکھا۔ وہ بولا ''میں نے اپنی چاہت کا اظہار کیا ہے۔ تمہارے پاس ابھی بہت وقت ہے۔ سوچ سمجھ کر بعد میں جواب دے دینا۔ کیا حلالہ کے مرحلے سے گزرنے کے لیے مجھ سے شادی کرو گی؟''

اس کے اندر کی چھپی ہوئی بات ذیشان کی زبان پر آ گئی تھی۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکی' لیکن اس کی گہری گہری سانسیں بتا رہی تھیں کہ وہ سامنے والے کو اپنی سانسوں میں اتار رہی ہے۔

اس نے کہا ''جب پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ یاور خان نے تمہیں طلاق دے دی ہے اور اس کی وجہ سے تمہارا...... زائیدہ بچہ بھی مارا گیا ہے۔ تب ہی میں نے تمہیں مشورہ دیا تھا کہ عدت کے ایام گزارنے کے بعد تمہیں دوسری شادی کر لینی چاہیے۔ تب ہی بچے کی کمی پوری ہو سکے گی۔ عورت شادی نہ کرکے گزارہ کر سکتی ہے' لیکن ایک بار بچے سے محروم ہو جائے تو اس بچے کو پھر سے اپنی کوکھ میں لانے کے لیے اندر ہی اندر تڑپتی اور مچلتی رہتی ہے۔ اس کی نامراد ممتا اسے سکون سے رہنے نہیں دیتی۔ کیا میں درست کہہ رہا ہوں؟''

وہ گردن جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ وہ پھر بولا ''اپنے اندر کی ممتا کو نہ مارو۔ تم ایک تعلیم یافتہ عورت ہو اور بھرپور عملی زندگی گزار رہی ہو۔ اس لیے عورت ہونے کے تمام حقوق حاصل کرو۔''

دروازے پر دستک سنائی دی تو اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ گورنس ایک ملازم کے ساتھ کھانا لے کر آئی تھی۔ کھانے کی ٹرالی کمرے میں رکھ کر گورنس باہر جاتے ہوئے بولی۔

''میڈم کھانا گرم ہے اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو فون کے ذریعے حکم دے دیجئے گا۔''

وہ چلی گئی۔ ذیشان نے دوبارہ دروازہ بند کرتے ہوئے کہا ''تمہاری یہ گورنس بڑی پہنچی ہوئی ہے۔''

وہ ٹرالی کو کرسیوں کے پاس لاتے ہوئے بولی ''وہ تیز طرار ہے لیکن میرے لیے مخلص ہے اور ایمان دار بھی ہے۔ اس نے آج تک کسی قسم کی ہیرا پھیری نہیں کی۔ گھر میں قیمتی سامان ہے۔ وہ ان سب چیزوں کی حفاظت کرتی ہے۔ خانساماں اور ملازموں کو بھی اس نے کنٹرول کیا ہوا ہے۔''

وہ اس کے قریب آ کر بولا ''گھریلو زندگی میں دو بندے مشکل سے ملتے ہیں۔ ایک تو ایمان دار ملازم اور دوسرا محبت کرنے والا شوہر۔ ایمان دار ملازمہ تو تمہیں مل گئی' اب ایک محبت کرنے والے کا انتخاب تمہیں کرنا ہے۔''

وہ بات بدلتے ہوئے بولی ''آپ بیٹھیں۔ کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

''کھانے سے پہلے ایک بات کہہ دوں۔ میں نے کل رات بہت قریب ہونے کے باوجود شرم و حیا کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا۔ ہم قریب ہو کر بھی شرافت اور نیک نیتی سے رہ سکتے ہیں۔''

☆☆☆

مسز رانا اور جبران میرا انتظار کر رہے تھے۔ پچھلی رات گیارہ بجے ان سے ملاقات کے بعد میں نے کہا تھا کہ چوبیس گھنٹے بعد پھر ان کے پاس آؤں گا۔

کسی کو اپنی موت کا مقررہ وقت معلوم نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہو جائے تو کتنے ہی کمزور دل کے لوگ وقت سے پہلے ہی ہیبت سے مر جائیں۔ میں نے مسز رانا کو جبران کی موت کا مقررہ وقت بتا دیا تھا۔ تب سے وہ تشویش میں مبتلا تھی۔ ایک ماں بیٹے کے لیے زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتی ہے؟ اپنی جان دے سکتی ہے لیکن اولاد کی جان نہیں بچا سکتی۔

ماں کے برعکس بیٹے نے دعویٰ کیا تھا کہ نمرہ اس کے ساتھ رہے گی تو وہ موت کے وقت کو ٹال دے گا اور میں نے کہا تھا۔ اگر وہ اس مقررہ وقت کو ٹالنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر اسے ایک برس کی مزید زندگی ملے گی لیکن اکتیس دسمبر کی

رات بارہ بجے کا وقت ہر سال مقرر رہے گا۔ اس کی موت نئے اور پرانے سال کے سنگم پر واقع ہوگی۔

مسز رانا نے پریشان ہو کر مجھ سے فون پر رابطہ کیا" بیٹے مقدر تم تو یہاں آنے والے تھے؟"

میں نے کہا" جی ہاں میں ابھی راستے میں ہوں۔ آپ ہی کی طرف آ رہا ہوں۔"

وہ فون بند کرتے ہوئے اپنے بیٹے سے بولی" مقدر آ رہا ہے۔ تم نے تو موت کو مذاق سمجھ لیا ہے۔ بڑے جوش اور جذبے سے کہہ رہے تھے کہ نمرہ ساتھ ہوگی تو موت کا وقت ٹال دو گے۔ یہ یقین کرنے والی بات نہیں ہے پھر بھی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہوتا ہے۔ بس میں تو اللہ سے ہی دعا کرتی ہوں۔ شاید کسی طرح ہونی انہونی ہو جائے۔"

وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بڑے ترنگ میں بولا" زندگی چار دن کی ہوتی ہے۔ ان چار دنوں میں کسی کی محبت مل جائے تو پانچویں دن جینے کی خواہش ہی نہیں رہتی۔ آپ نے میری خاطر واقعی نمرہ کو ساتھ چلنے پر راضی کر لیا ہے۔ آپ جیسی ماں تو دنیا میں کسی کی نہیں ہوگی۔"

"میری تعریفیں نہ کرو۔ لمبی عمر جینے کی دعا کرو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نمرہ کو اتنا چاہتے ہو کیا اپنے بعد اسے بیوہ بنا دو گے؟ اسے صدمات سے دوچار ہونے کے لیے تنہا چھوڑ دو گے؟"

"نہیں ماما......! میں اتنا خود غرض نہیں ہوں مگر مجھے مقدر حیات پر بڑا بھروسا ہے۔ میں اسے دشمن سمجھتا تھا مگر وہ دشمن سے زیادہ دوست ثابت ہو رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں میرا دل کہتا ہے' وہ میرے بچاؤ کا کوئی راستہ نکال لے گا۔"

اتنے میں میں نے کال بیل کا بٹن دبایا۔

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور بولا" مقدر آ گیا بلکہ آج میں یہ کہتا ہوں کہ میرا مقدر آ گیا ہے۔"

وہ تیزی سے دروازے کے پاس آیا اور اسے کھول کر مجھے دیکھتے ہی کہا" تم واقعی وقت کے پابند ہو۔ تھینک یو مسٹر مقدر!"

اس نے بڑی گرم جوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے پکڑ کر اندر لے آیا۔ مسز رانا نے خوش ہو کر کہا" آؤ بیٹے! خدا کے بعد ایک تمہارا ہی سہارا ہے۔ میں اپنے بیٹے کے لیے بہت پریشان ہوں۔"

میں نے کہا" دیکھیے' جو علم نجوم کے ماہر ہوتے ہیں۔ وہ کبھی کسی کو اس کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے جبکہ میں نے تو مقررہ وقت بھی بتا دیا ہے۔ صرف اس لیے کہ میں آپ کے بیٹے کی بہتری اور طویل عمر چاہتا ہوں۔"

"خدا تمہیں لمبی عمر دے۔ آؤ یہاں بیٹھو اور یہ بتاؤ کیا کھاؤ گے؟"

"میں کھا چکا ہوں۔ البتہ چائے کا دور چل سکتا ہے۔"

مسز رانا نے ملازم کو بلا کر چائے کا آرڈر دیا اور ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ یہاں کوئی نہ آئے ہم ضروری باتیں کر رہے ہیں۔

ملازم چلا گیا۔ میں نے جبران سے پوچھا" کیوں بھئی تمہارا دعویٰ اپنی جگہ قائم ہے؟ کیا تم موت کا مقررہ وقت ٹال سکو گے؟"

اس نے مسکرا کر ماں کو دیکھا پھر کہا" میں نے آج تک نہ پڑھا' نہ سنا' نہ دیکھا کہ کسی نے موت کا وقت ٹال دیا ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے۔"

"تو پھر تم نے دعویٰ کیوں کیا تھا؟"

"صرف میں نے اپنی ماما کی ممتا کی وجہ سے ایسا کہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں یہ اصرار کروں کہ نمرہ میرے ساتھ رہے تو میں موت کو ٹال سکتا ہوں۔ تب ہی ماما ایڑی چوٹی کا زور لگا کر نمرہ کو ضرور میرے قریب لے آئیں گی' اور یہی ہوا ہے۔ ماما نے تو کمال کر دیا۔ نمرہ کو اور اس کے والدین سب ہی کو راضی کر لیا ہے' ہم کل شام کی فلائٹ سے لندن جا رہے ہیں۔"

مسز رانا نے مجھ سے کہا" بیٹے! یہ تو پاگل ہے۔ اسے نمرہ کے ساتھ پانچ ماہ کی زندگی بہت لگ رہی ہے لیکن میں ماں ہوں۔ میرے دل سے پوچھو۔ میں اس کی جدائی کا صدمہ کیسے برداشت کروں گی۔"

"ماما! میں دنیا کا پہلا بیٹا نہیں ہوں۔ بہت سی ماؤں کے بیٹے ان کے سامنے مرتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنے وقت پر اس دنیا سے کوچ کرنا پڑتا ہے۔ میں بھی چلا جاؤں گا تو قیامت نہیں آ جائے گی۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ماں کے پاس آیا اور اس کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے بولا" ماما......! آپ جیسی ماں کسی کی نہیں ہوگی۔ آپ مجھے آخری پانچ ماہ کی بھرپور زندگی دے رہی ہیں۔ I LOVE YOU ماما......!"

ماں ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بیٹے نے جھک کر اس کے سر کو سینے سے لگا کر بلک بلک کر کہنے لگی "مقدر......! مجھ سے میری جان لے لو۔ میری ساری دولت اور جائیداد لے لو۔ میرے بچے کو اس منحوس گھڑی سے بچا لو۔"

میں اس ماں کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے شانے پر

ہاتھ رکھ کر بولا" آپ آنسو پونچھ لیں۔ آپ کا بیٹا موت سے بچ سکتا ہے۔ اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے جو ہونی ہے اسے آپ کا بیٹا انہونی بنا سکتا ہے۔"

دونوں نے چونک کر پُر امید نظروں سے مجھے دیکھا۔ وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی" بیٹے......! سچ کہہ رہے ہو؟ مگر یہ کیسے ممکن ہے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا" میں نے مقررہ وقت اسی لیے بتایا ہے کہ وقت سے پہلے تدبیر کی جا سکے اور جو تدبیر کی جائے گی۔ انشاء اللہ اس میں کامیابی ضرور ہوگی۔"

ماں نے میرے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کہا" بیٹے! میں تمہارا منہ موتیوں سے بھر دوں گی۔ میں ساری عمر تمہاری کنیز بن کر رہوں گی۔"

میں نے ان کے ہاتھوں کو گھٹنوں پر سے ہٹاتے ہوئے کہا" پلیز مجھے شرمندہ نہ کریں۔ آپ میری بھی ماں ہیں اور ماں کو بیٹوں کے سامنے نہیں' بیٹوں کو ماں کے سامنے جھکنا چاہیے۔"

پھر میں نے جبران کو دیکھتے ہوئے کہا" میں ایک شرط پر بچاؤ کی تدبیر بتاؤں گا۔"

وہ بولا" میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔"

"بس ایک ہی شرط ہے کہ جب تک نمرہ سے شادی نہ ہو' تب تک تم اس سے محبت تو کرو گے لیکن گنہگار نہیں بنو گے۔"

"یہ تو بہت ہی معمولی سی شرط ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ اپنی ماما کی قسم کھا کر کہتا ہوں' نمرہ کی عزت و آبرو پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

مسز رانا نے کہا" بیٹے! میں اس بات کی ضمانت دیتی ہوں۔ میرا بیٹا زبان کا دھنی ہے۔ جو کہتا ہے وہ ضرور کرتا ہے۔ خدا کے لیے تم بچاؤ کی تدبیر تو بتاؤ؟"

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ٹہلتے ہوئے ان سے ذرا دور ہو گیا' پھر پلٹ کر بولا" جبران......! دسمبر کی اکتیس تاریخ کو تم نمرہ کے ساتھ لندن میں ہو گے۔ یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ مغرب کی طرف سفر کرتے چلو تو ایک ایک گھنٹا کم ہوتا جاتا ہے۔ لندن میں جب رات کے بارہ بجنے والے ہوں گے تو اس وقت نیو یارک میں شام کے چھ بج رہے ہوں گے۔ اس طرح تم وقت سے چھ گھنٹے پیچھے چلے جاؤ گے۔"

وہ ماں بیٹے بڑی توجہ سے میری باتیں سن رہے تھے۔ میں نے کہا" اسی طرح تم مغرب کی طرف سفر کرتے ہوئے جاپان پہنچو گے تو اس وقت تک نئے سال کی پہلی تاریخ ہو چکی ہوگی۔ یعنی جس ملک میں بھی اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجیں گے۔ تم وہاں نہیں ہو گے۔ تم دنیا کا ایک گول چکر کاٹ کر جاپان پہنچو گے۔ تمہاری زندگی کی وہ منحوس رات مغرب کی طرف آگے بڑھتے بڑھتے ایک سو اسی طول البلد تک پہنچ کر ختم ہو جائے گی۔"

میں نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا" اگر میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تو دنیا کا نقشہ سامنے رکھو۔ گرینچ (GREENWICH) ٹائم کے مطابق ایک سو اسی ڈگری طول البلد (LONGITUDE) پر اکتیس دسمبر کی رات گزر جائے گی۔ یوں یہ رات آپ کے بیٹے تک کبھی نہیں پہنچے گی۔"

مسز رانا تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور آگے بڑھ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ خوشی کے مارے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تم کیا ہو مقدر......؟ تم کیا ہو......؟"

میں اک بازی گر ہوں!
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں۔
تمہارا دوست بھی ہوں۔
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں......
اک بازی گر ہوں......!

ذیشان دوپہر تین بجے گل خانم کے پاس یہ سوچ کر آیا تھا کہ ایک آدھ گھنٹا وہاں گزار کر ڈیوٹی پر چلا جائے گا۔ ان دنوں پولیس کی ملازمت اس کے لیے کانٹوں کا بستر بن گئی تھی۔ دردانہ اور شہباز درانی نے اس کے اردگرد ایسا جال بُنا تھا کہ ان دنوں نہ صرف پولیس کا محکمہ بلکہ سی آئی اے والے بھی اس کے خلاف انکوائری کررہے تھے۔

ادھر گل خانم کو یہ فکر تھی کہ آئندہ ان کے تعلقات کس نوعیت کے ہوں گے؟ کیا شادی کی صورت میں وہ ہمیشہ اس کی شریکِ حیات بن کر رہے گی یا کچھ عرصہ بعد طلاق لے کر اپنے پہلے شوہر یاور خان سے رجوع کرلے گی؟

ذیشان نے کہا ''مجھے ایک بہت ہی پیچیدہ مقدمے میں پھنسایا جارہا ہے میں اس سلسلے میں پریشان ہوں اس کے علاوہ کچھ گھریلو الجھنیں بھی ہیں۔ شادی کے مسئلے پر ہم پھر کبھی گفتگو کریں گے۔''

گل خانم نے کہا ''ہماری شادی کا مسئلہ اتنا زیادہ پیچیدہ نہیں ہے۔ مگر معلوم تو ہو الجھن کیا ہے؟''

''دراصل میری شریکِ حیات اسما بانجھ ہے ہماری شادی کو سات برس ہوگئے مگر ہم اولاد سے محروم ہیں۔ میرے والدین چاہتے ہیں کہ میں اولاد کی خاطر دوسری شادی کروں۔''

''آپ کے والدین کی خواہش فطری ہے۔''

ذیشان نے اسے بڑی اپنائیت سے دیکھا پھر کہا ''تم بہت اچھی ہو اور میں تمہیں چاہتا بھی ہوں مگر تم سے یہ بات نہیں چھپاؤں گا کہ میں اپنی بیوی اسما کو کس قدر چاہتا ہوں۔ میں اس سے صرف محبت نہیں بلکہ عشق کرتا ہوں اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا۔''

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی ''میں سمجھ رہی ہوں۔ کوئی بھی بیوی نہیں چاہتی کہ اس پر سوکن آئے۔'' اسے آج ہی آنے والی اُس کال کا خیال آیا جس میں اسما نے ذیشان کی والدہ بن کر اس سے پوچھا تھا کیا تم میری بہو بننا چاہو گی؟ گل خانم کو ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ ذیشان کی والدہ اسے یوں اچانک ہی فون کرے گی اور پہلی ہی بار اسے اپنی بہو بنانے والی بات بھی کرے گی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا مگر اسماء نے کہا تھا کہ آج ہی رات وہ دوبارہ فون کرے گی۔ ساتھ ہی اس نے ذیشان کو اس فون کال کے بارے میں بتانے سے منع کردیا تھا۔ اس لیے اس نے ذیشان کو ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کی والدہ سے گفتگو ہوچکی ہے۔

ذیشان نے گل خانم کو اسما سے اپنی محبت کے بارے میں بتادیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی عورت یہ نہیں چاہتی کہ اس کے سامنے دوسری عورت کے پیار کو ترجیح دی جائے۔ گل خانم کو تو ذیشان کی نئی نئی محبت ملی تھی۔ وہ اس محبت کو پوری طرح سمیٹ لینا چاہتی تھی اور اسے ... کسی کی حصے داری گوارا نہ تھی۔ وہ یہ تو جانتی تھی کہ ذیشان کی ایک بیوی ہے مگر یہ سوچ کر مطمئن تھی کہ وہ خود اسما کے مقابلہ میں ایک نئی دریافت ہے اس لیے اس کا پلڑا بھاری ہوگا۔ مگر اس کی توقع کے برعکس ذیشان اسی کے سامنے اسما کے گن گا رہا تھا اس کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو کس قدر دیوانگی سے چاہتا ہے۔

ذیشان نے کہا ''میں تمہیں ایک راز کی بات بتا جارہا ہوں۔ لیکن جب تک ہماری شادی نہ ہو اس وقت تک راز تمہارے سینے میں دفن رہے۔''

وہ بولی ''آپ مجھ پر اعتماد کررہے ہیں میں آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گی۔''

وہ بولا ''میرے والدین پچھلے کئی برسوں سے یہ تقاضا کررہے ہیں کہ مجھے دوسری شادی کرنی چاہیے مگر میں اپنی اسما پر سوکن نہیں لانا چاہتا تھا چنانچہ میں نے ان کی زبان بند کرنے کے لیے ایک جھوٹی میڈیکل رپورٹ حاصل کی جس کے مطابق میں کبھی باپ نہیں بن سکتا۔''

گل خانم نے بڑی حیرت سے ذیشان کو دیکھا پھر پوچھا ''آپ اپنی بیوی کو اس قدر چاہتے ہیں اور اس کی خاطر اپنے والدین تک سے اتنا بڑا جھوٹ بولتے رہے ہیں۔ وہ آپ کی محبت پر فخر کرتی ہوگی؟''

وہ مسکرا کر بولا ''اسما کا میرے سوا.... اتنی بڑی دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ جب وہ خوشی اور واقعی فخر سے سینہ تان کر چلتی ہے تو مجھے بھی خوشی ہوتی ہے۔ میں اسے دنیا جہان کی خوشیاں دینے کے لیے سب کچھ کرسکتا ہوں۔''

گل خانم اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگی جیسے اس سے بے چینی ہورہی ہو۔ ذیشان اسما کا جس طرح دیوانہ تھا اس کے سامنے اب وہ خود کو غیر اہم سمجھنے لگی تھی۔

پھر اس نے پلٹ کر پوچھا ''جب آپ اس سے اس قدر ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں اور اسے دکھ نہیں پہنچانا چاہتے تو میری طرف کیوں مائل ہورہے ہیں؟''

ذیشان سر کو جھکائے جھکائے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا ''میں نے اور اسما نے سوچا تھا کہ میرا چھوٹا بھائی بابر شادی کرلے گا اور اس کے ہاں اولاد ہوجائے گی تو میرے والدین کی بچوں کی خواہش پوری ہوجائے گی لیکن اب یہ امید بھی ختم ہوگئی۔''

گل خانم نے پوچھا ''کیوں؟ کس طرح؟''

''میری میڈیکل رپورٹ تو جھوٹی تھی لیکن بابر نے بھی ٹیسٹ کروایا اور اس کی میڈیکل رپورٹ بتاتی ہے کہ وہ باپ نہیں بن سکتا۔''

''اوہ...... اب سمجھی آپ کا جھوٹ آگے نہیں چل رہا ہے۔ آپ کا بھائی بابر شادی کے بعد اولاد سے محروم رہے گا لیکن آپ اب بھی اپنی محرومیت دور کرسکتے ہیں اور اپنے جھوٹ کو آگے نہیں بڑھانا چاہتے کیونکہ آپ ہی اپنی آئندہ نسل کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔''

''ہاں میرے لیے یہ معاملہ اس لیے پیچیدہ ہے کہ میں اولاد چاہتا ہوں لیکن اپنی اسما کو بھی دکھ نہیں پہنچانا چاہتا۔ میں نے دوسری شادی کی تو وہ رو رو کر اپنا برا حال کرلے گی اور میں اس کے آنسو دیکھ نہیں سکتا۔''

''اولاد کی خاطر آپ کو اس کے آنسو بھی دیکھنے ہوں گے اس کا دکھ بھی برداشت کرنا ہوگا یا پھر دوسری شادی کے خیال سے باز آنا ہوگا۔''

ذیشان کچھ دیر خاموش سر جھکائے بیٹھا رہا' پھر اس کی طرف دیکھ کر بولا ''میں یہی سوچ رہا تھا کہ یہ مسئلہ کس طرح حل ہوگا لیکن تمہیں دیکھنے اور تم سے ملنے کے بعد یہ آس بندھی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے تعاون سے اپنا اپنا مسئلہ حل کرسکتے ہیں۔''

گل خانم اس کی بات کا مطلب سمجھ رہی تھی پھر بھی انجان بن کر بولی ''وہ کیسے؟''

''تم یاور خان کو بہت چاہتی ہو اور اس سے رجوع کرنا چاہتی ہو اس کے لیے حلالہ ضروری ہے۔ میں اولاد چاہتا ہوں اور میرے لیے دوسری بیوی لازمی ہے۔''

گل خانم نے اپنی دونوں مٹھیاں سختی سے بھینچ لیں۔ پہلی بار اسے احساس ہوا کہ ذیشان صرف اولاد کی خاطر اس کے قریب آرہا ہے۔ وہ بڑے دکھ سے بولی ''میں سمجھ رہی تھی کہ میری شخصیت میں ایسی کشش ہے کہ آپ میری طرف کھنچے چلے آرہے ہیں۔ مگر لگتا ہے میرا یہ خیال غلط تھا۔''

''مجھے غلط نہ سمجھو۔ میرا دل جانتا ہے کہ میں تمہارے اندر کتنی کشش محسوس کرتا ہوں۔ ورنہ دنیا میں بہت سی عورتیں ہیں بہت سی بن بیاہی لڑکیاں ہیں جن سے میں شادی کرسکتا ہوں' بہت سی ایسی غریب لڑکیاں ہیں جو اچھی خاصی رقم لے کر اولاد کی خاطر مجھ سے شادی کے لیے تیار ہوسکتی ہیں۔''

''تو پھر جائیں ان میں سے کسی سے شادی کرلیں۔'' گل خانم نے قدرے ترشی سے کہا۔

''ایسا کرنا ہوتا تو بہت پہلے کرچکا ہوتا۔ خواہ عارضی شادی کے لیے ہی سہی' لیکن میرا دل کبھی کسی کی طرف مائل نہیں ہوا۔ کسی نے مجھے اس طرح اپنی طرف نہیں کھینچا جیسے تم کھینچ رہی ہو۔ تمہارے اندر جو جاذبیت ہے وہ میں نے کسی دوسری عورت میں نہیں دیکھی۔ تم یقین کرو یا نہ کرو میں نے اسما کے بعد زندگی میں پہلی بار تمہارے اندر کشش محسوس کی ہے اور تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔''

اس بات سے گل خانم اندر سے لہرا گئی۔ وہ اپنی بیوی کا دیوانہ سہی لیکن پہلی بار اعتراف کررہا تھا کہ وہ اسما کی طرح اس میں کشش محسوس کررہا ہے اور اسے دل و جان سے چاہنے لگا ہے۔

وہ بولی ''آپ باتیں بنانا خوب جانتے ہیں' سچ کو جھوٹ میں لپیٹ کر بول رہے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ آپ کو میری نہیں اولاد کی ضرورت ہے۔ آپ میری طرف محبت سے نہیں ضرورت سے آرہے ہیں۔''

''گل خانم......! تم اسی بات کو دوسرے پہلو سے دیکھو اور سمجھو میں تمہاری ضرورت پوری کررہا ہوں تم دوبارہ یاور خان سے رجوع کرنا چاہتی ہو۔''

''میں نے کب کہا ہے کہ میں اس سے رجوع کرنا چاہتی ہوں؟''

ذیشان نے اسے حیران ہوکر سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا ''اس کی اور تمہاری دیوانگی بتاتی ہے کہ تم کیا چاہتی ہو اگر ایسا نہیں چاہتیں تو تم طلاق ملنے کے بعد اس سے بار بار فون پر باتیں کیوں کرتی ہو؟ وہ حوالات میں جاتا ہے تو اسے رہائی دلانے کے لیے تڑپ جاتی ہو۔ اس کی سلامتی کے لیے اپنی صحت کی پروا کیے بغیر کبھی تھانے جاتی ہو کبھی میرے پاس آتی ہو۔ تمہاری اس دیوانگی کو دیکھ کر دنیا یہی کہے گی کہ تم اس کے لیے پاگل ہورہی ہو اور اس سے رجوع کرنا چاہتی ہو۔''

اس کا سر جھک گیا۔ وہ تھکے تھکے سے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ ''ایک مطلقہ عورت اور کیا کرسکتی ہے؟ جب وہ بے سہارا ہوجاتی ہے تو اسے ایک سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ عورت اپنے کسی چاہنے والے کے سائے میں رہ کر ہی محفوظ رہ سکتی ہے اور عزت سے زندگی گزار سکتی ہے۔ ایسی بہت سی باتیں ہیں' لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایک شریف عورت ایک مرد کے بعد دوسرے مرد کی تنہائی میں کیوں جائے؟''

ذیشان نے کہا ''ہمارے دین میں جائز طور سے کسی دوسرے کی تنہائی میں جانے کی اجازت ہے۔ طلاق دینے

والے کو یہ سزا ملتی ہے کہ وہ پھر کبھی اپنی اس عورت سے رجوع نہیں کر سکتا اور جسے طلاق ہو جاتی ہے اسے یہ آزادی اور سہولت ہے کہ وہ اپنی پسند سے کسی دوسرے سے شادی کر سکتی ہے اور عزت آبرو سے پھر ایک بار زندگی گزار سکتی ہے۔''

''لیکن حالہ کی پابندی کیوں ہے؟''

''اس لیے کہ عورت دوبارہ وہی غلطی نہ کرے۔''

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا''شادی اور ازدواجی زندگی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ بڑی ذمہ داریوں سے یہ رشتہ نبھانا پڑتا ہے کیونکہ اسی مقدس رشتے سے پیدا ہونے والی نسلیں اپنی اس دنیا کو پہلے سے زیادہ خوب صورت بناتی ہیں۔ تمہیں اس دینی مسئلے میں الجھنا نہیں چاہیے کوئی عالم دین ہی مجھ سے بہتر انداز میں یہ سمجھا سکتا ہے کہ حالہ کے توانین پر عمل کرنے میں مصلحت کیا ہے۔ ہمارے اسلامی توانین میں بڑی باریکیاں ہیں۔ انہیں علمائے دین ہی سمجھ سکتے ہیں اور ہمیں سمجھا سکتے ہیں۔ ہمارا ایمان یہ ہونا چاہیے کہ دین اسلام کا ایک ایک قانون ہماری فلاح و بہبود کے لیے ہے۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی''بے شک ہم عالم فاضل نہیں ہیں۔ ہمیں دینی مسائل پر بحث نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن یہ سوچ کر میں شدت سے توہین محسوس کر رہی ہوں کہ آپ مجھ سے صرف اولاد کی خاطر شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''گل خانم میری بات کو سمجھو۔ میں اپنی اور تمہاری ضرورت کے پیش نظر ایسا کہہ رہا ہوں ورنہ میں تمہیں دل سے چاہنے لگا ہوں۔''

''تو پھر میں ایک بات صاف صاف کہتی ہوں۔ یادر خان کے لیے میری دیوانگی تھی اب نہیں رہی۔ اس کی بددماغی نے جو بدترین حالات پیدا کیے اس سے مجھے عقل آ گئی ہے۔ میں اس کے ساتھ کبھی سکون سے زندگی نہیں گزار سکوں گی۔''

''تم اس کی غلط حرکتوں سے بیزار ہو کر ایسا کہہ رہی ہو۔ کیا اس کی محبت کو دل سے نکال سکو گی؟''

''میں تو اس کی محبت کو دل سے نکال کر پھینک دوں گی۔ جب آپ کو اپناؤں گی تو تن من دھن سے اپناؤں گی۔ پھر میرے سامنے صرف اور صرف آپ اہم ہوں گے۔ آپ یہ نہ دیکھیں کہ میں یادر خان کو کس قدر چاہتی تھی' یہ دیکھیں کہ آپ اسما کو کس قدر چاہتے ہیں پھر بھی مجھے یقین دلا رہے ہیں کہ دل و جان سے مجھے چاہتے ہیں۔ میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گی آپ میری چاہت میں اسما کی محبت کو دل سے نکال سکتے ہیں یا نہیں۔ لہٰذا آپ بھی یہ نہ پوچھیں کہ میں آپ سے شادی کرنے کے بعد یادر خان کو دل سے نکال سکتی ہوں یا نہیں۔ یہ آپ میرے ایمان پر چھوڑ دیں۔''

یہ نئی بات ذیشان کے سامنے آئی کہ وہ یادر خان سے رجوع نہیں کرنا چاہتی۔ ذیشان اگر اولاد کی خاطر اس سے شادی کر لے گا تو وہ اس سے طلاق نہیں لے گی۔

وہ اس کے سامنے ادھر سے ادھر جاتے ہوئے بولی''آپ اسما کو بہت چاہتے ہیں اور اس پر سوکن کو بوجھ بنانا نہیں چاہتے۔ میں آپ سے پوچھتی ہوں کیا شادی کے بعد آپ پر بوجھ بن جاؤں گی؟ اگر ایسا ہے تو پھر آپ کو شادی کا سوچنا بھی نہیں چاہیے۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئی اسے کھول کر بولی''آپ میرے لیے نامحرم ہیں۔ میں بڑے اعتماد سے اب تک آپ کی تنہائی میں تھی۔ آئندہ بھی آپ پر اعتماد کروں گی۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں' میں شادی کے بعد محبت بن کر آؤں گی بوجھ بن کر نہیں۔ آپ جائیں اور اپنے حالات کے مطابق دل سے فیصلہ کریں کہ آئندہ ہم ایک ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ یہ ضرور سوچیں کہ آپ کے لیے کیا بہتر ہے۔ لیکن یہ بھی سوچیں کہ آپ کی بھلائی سے مجھ جیسی چاہنے کرنے والی کو نقصان نہ پہنچے۔''

وہ کھلے ہوئے دروازے سے گزرتے ہوئے بولا''ٹھیک ہے پھر کسی وقت تم سے رابطہ کروں گا۔''

وہ بولی''آپ کے منصفانہ فیصلے تک ہم روبرو کبھی نہیں ملیں گے' صرف فون پر گفتگو ہو گی۔''

اس نے پلٹ کر اسے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے جانے لگا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو گورنس نے کہا''میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔''

اس نے رک کر کہا''ہاں بولو۔''

''یادر خان بہت پریشان کر رہا ہے۔ آپ جب سے یہاں آئے ہیں وہ دس بار فون کر چکا ہے۔ بار بار کہتا ہے گل خانم سے بات کرائی جائے لیکن میڈم نے اپنا فون مجھے دیا ہے اور سختی سے کہہ دیا ہے کہ اس کا فون اٹینڈ نہ کیا جائے...... وہ فون پر دھمکیاں دے رہا تھا۔''

اس نے کہا''ٹھیک ہے میں اس سے نمٹ لوں گا۔''

پھر بیرونی دروازے سے باہر آ کر کار میں بیٹھ کر اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے درخواست دی تھی کہ وہ اس قاتل زبیری سے ملنا چاہتا ہے جسے ہانگ کانگ سے گرفتار کر کے لایا گیا ہے۔ اس درخواست پر آئی جی نے اسے اپنے دفتر میں طلب کیا تھا اور اب وہ اسی طرف جا رہا تھا لیکن گل خانم نے ادھر اپنے طور پر الجھا دیا تھا۔

وہ اولاد پیدا ہونے تک اس کے ساتھ رہے گی اور پھر
بور ہا تھا کہ اولاد کا مسئلہ آسانی سے حل ہو جائے گا۔ گل خانم
شادی ہو گی تو وہ بچہ اس کے حوالے کر کے طلاق لے گی
عدت کے ایام گزارنے کے بعد یادر خان سے رجوع
رلے گی۔

ذیشان نے ابھی کھل کر گل خانم سے یہ بات نہیں کی تھی
ان دونوں کی شادی کن شرائط پر ہو گی' مگر اس سے پہلے ہی
خانم نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ وہ طلاق حاصل کرنے
لیے شادی نہیں کرے گی، اور وہ یادر خان کو صرف اپنی
رگی سے ہی نہیں اپنے دل و دماغ سے بھی نکال چکی ہے۔

اس نے اپنا یہ فیصلہ سنا کر ذیشان کو الجھا دیا تھا اور اب
سوچتا تھا کہ آئندہ گل خانم سے اس کے تعلقات کی
یت کیا ہو گی۔ لیکن اس سے پہلے اسے اپنے دشمنوں سے
نا تھا اور اس کے لیے حاضر دماغ رہنا ضروری تھا۔

زبیری نے اسد عزیزی کے ساتھ ہانگ کانگ جا کر
مت کو قتل کیا تھا اور اسد عزیزی نے لیڈی ڈاکٹر آرزو کو
انے لگا دیا تھا۔ ذیشان یہ نہیں جانتا تھا کہ کس نے کس کو قتل
یا ہے۔ اس کے لیے یہ بات پریشان کن تھی کہ زبیری اس
خاص ماتحتوں میں سے ایک تھا اور اس کا رازدار تھا' لیکن
انک ہی وہ اس کے خلاف ہو گیا اور یہ بیان دے رہا تھا کہ
نے ذیشان ہی کے حکم پر ہانگ کانگ جا کر حشمت کو قتل کیا
ہے۔

وہ اس کے خلاف یہ بیان کیوں دے رہا تھا؟ یہ سوال
پیدہ نہیں تھا جواب صاف طور پر سمجھ میں آ رہا تھا کہ دردانہ اور
ہباز درانی نے اس کے اس ماتحت زبیری کو بھاری رقم سے
یدلیا ہو گا۔

میں نے پیش گوئی کی تھی کہ ذیشان کا ایک وفادار ماتحت
اسے غداری کرے گا اور اسے مصائب میں مبتلا کرے گا
ب ذیشان یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ وفادار کیسے قابلِ
دخت ہو گیا؟ اسے ایسی کیا مجبوری پیش آئی تھی کہ وہ غداری
مجبور ہو گیا تھا؟ یہی معلوم کرنے کے لیے وہ زبیری سے
قات کرنا چاہتا تھا۔

اس نے آئی جی کے سامنے پہنچ کر سیلوٹ کیا۔ اس نے
کہا''آؤ ذیشان! بیٹھو۔''

وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر بولا''سر آپ میرے سروس ریکارڈ
سے واقف ہیں۔ میں دیانتداری سے اپنے فرائض انجام دیتا
رہتا ہوں اور قانون کی بالادستی قائم رکھتا ہوں۔''

''بے شک! لیکن تم کبھی کبھی حد سے آگے بڑھ جاتے ہو اور اگر بعض مجرم قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک کر عدالت سے رہا ہو جاتے ہیں تو تم اپنے طور پر انہیں سزا دیتے ہو۔ ویسے ہمارے ڈپارٹمنٹ کے تمام افسران تم سے خوش ہیں۔''

''سر میں نے پولیس کی وردی پہنتے وقت قسم کھائی تھی کہ ہر حال میں قانون کی بالادستی قائم رکھوں گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن تمہیں زبیری کو ہانگ کانگ نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔''

''سر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے زبیری کو وہاں نہیں بھیجا تھا۔ حشمت نے ایک معافی نامہ لکھ کر مجھے دیا تھا اور میں نے اسے معاف کر دیا تھا پھر میں اس کے خلاف کوئی کارروائی کیوں کرتا؟''

''یہی معافی نامہ تمہارے گلے کا پھندا بن رہا ہے۔ تم نے دردانہ بیگم کے بیٹے جواد ہاشمی سے بھی حوالات سے رہا کرتے وقت یہ لکھوایا تھا کہ اس نے تمہاری بہن کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی اس کے باوجود تم اسے معاف کر رہے ہو اور رہا کر رہے ہو۔ لیکن اس رہائی کے بعد کیا ہوا؟ اسے تمہارے آدمیوں نے اغوا کیا اسے بری طرح ٹارچر کیا' حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ چند برس پہلے بھی چند ایسے مجرم مارے گئے جنہوں نے معافی نامہ لکھ کر تمہیں دیا تھا۔''

''سر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوا کہ معافی نامہ لکھنے والوں کو میں قتل کر دیا کرتا ہوں۔ کیا میرے خلاف کوئی چشم دید گواہ ہے؟''

''اب تک نہیں تھا مگر اب تمہارا خاص ماتحت ہی تمہارے خلاف گواہ بن گیا ہے اور قتل ہونے والے پچھلے تمام مجرموں کے عزیز اور رشتے دار تمہارے خلاف بیان دے چکے ہیں۔ تمہیں بری طرح شکنجے میں کس لیا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم اس شکنجے سے کیسے نکل پاؤ گے؟''

''سر! میں اپنے بچاؤ کی بھرپور کوششیں کر رہا ہوں اسی لیے زبیری سے ملنا چاہتا ہوں۔ آخر معلوم تو ہو کہ وہ میرے خلاف کیوں ہو گیا ہے؟''

''سوری ذیشان! تمہاری درخواست نامنظور ہو گئی ہے۔ تمہیں زبیری سے ملنے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔''

وہ حیرانی سے بولا''کیوں نہیں دی جا رہی ہے؟ وہ میرا ماتحت ہے۔ آخر مجھے معلوم تو ہو کہ اسے مجھ سے کیا شکایت ہے۔ وہ کیوں میرے خلاف بول رہا ہے؟''

''یہ تو تم جانتے ہو زبیری سی آئی اے والوں کی کسٹڈی میں ہے اور تمہارے تمام مخالفین نے مشترکہ طور پر درخواست

دی ہے کہ تمہیں زبیری سے ملنے نہ دیا جائے۔ تم اس کے اعلیٰ افسر ہو، اس پر دباؤ ڈال سکتے ہو اور اسے بیان بدلنے پر مجبور کر سکتے ہو۔ اب تو عدالت میں ہی اس سے تمہارا سامنا ہوگا۔"

"سر میں نہیں مل سکتا لیکن آپ تو اپنے طور پر اس سے مل کر کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔"

"تم کیا سمجھتے ہو میں نے ایسا نہیں کیا ہوگا؟ ہم سب تمہیں بہت چاہتے ہیں تمہیں بچانے کی کوششیں کر رہے ہیں لیکن وہ کمبخت ایک ہی بات پر اڑا ہوا ہے کہ وہ تمہارے حکم پر ہانگ کانگ گیا تھا اور اس نے تمہارے ہی حکم پر حشمت کو قتل کیا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں وہ تو یہ بیان بھی دے چکا ہے کہ اس نے تمہارے ہی حکم سے جواد کو بھی اغوا کیا تھا اور اس پر اتنا تشدد کیا تھا کہ وہ ہاسپٹل پہنچ کر مر گیا۔"

ذیشان پریشان ہو کر سوچنے لگا پھر بولا "میں اس کے بیوی بچوں سے ملنے گیا تھا پتا چلا وہ یہ شہر چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں۔"

"تمہارے دشمن نادان نہیں ہیں۔ انہوں نے اس کے بیوی بچوں کو بھی تم سے دور کر دیا ہے۔"

وہ کچھ دیر تک اپنے اعلیٰ افسر کے سامنے بیٹھا اس کیس کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتا رہا پھر وہاں سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ اس وقت وہ سچ مچ خود کو شکنجے میں محسوس کر رہا تھا۔ بالکل تنہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے بچاؤ کے لیے اسے کیا کچھ کرنا چاہیے۔ اس نے اپنے وکیل کی خدمات حاصل کی تھیں اور وہ اس کا کیس تیار کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے دوستوں سے بھی صلاح مشورے کرتا پھر رہا تھا۔ دردانہ شہباز درانی کے اتنے مضبوط قلعے کے اندر تھی کہ وہ اس کی کمزوریاں معلوم نہیں کر سکتا تھا اور یہ بھی نہیں معلوم کر سکتا تھا کہ اس کے خلاف مزید کیا کیا جا رہا ہے؟

وہ اپنی کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ اب تو یہی حل تھا کہ دردانہ کے مضبوط قلعے کو توڑا جائے۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اپنا موبائل نکال کر نمبر ملائے اور رابطہ ہونے پر بولا "پھوپا بابا! پاکستان واپس آ جاؤ مجھے تمہاری سخت ضرورت ہے۔" اور پھر فون بند کر دیا۔

☆☆☆

پاشا کے زخم تقریباً بھر چکے تھے اور وہ کسی سہارے کے بغیر کوٹھی کے اندر اور باہر گھومتا پھرتا تھا۔ وہاں کی شان و شوکت دیکھ کر وہ حیران رہ جاتا اور سوچتا تھا کہ کیا وہ واقعی اتنے رئیس ماں باپ کا بیٹا ہے؟ اسے کچھ یاد کیوں نہیں آتا۔

کوٹھی کے اندر اور باہر مسلح گارڈز موجود ہوتے تھے اسے دیکھتے ہی ایڑیاں بجا کر سیلیوٹ کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر یقین ہوتا رہتا تھا کہ وہ ایک شہزادے کی طرح پیدا ہوا ہے شہزادے کی طرح زندگی گزار رہا ہے۔

اس نے ایک مسلح گارڈ کے پاس آ کر پوچھا "تم جانتے ہو؟ تمہیں میرا نام معلوم ہے؟"

وہ پہلے تو ہچکچایا پھر بولا "سوری میں نہیں جانتا، مگر اتنا معلوم ہے کہ آپ اسی کوٹھی میں رہتے ہیں۔"

پاشا نے حیرانی سے پوچھا "میں اس گھر کا مالک اور تم میرے بارے میں نہیں جانتے؟"

وہ اور گھبرا گیا۔ ہچکچاتے ہوئے بولا "سر معافی چاہتا ہوں۔ میں بالکل نیا ہوں آج ہی ڈیوٹی پر آیا ہوں۔"

وہ وہاں سے پلٹ کر اپنے بیڈروم میں آیا۔ وہاں تہمینہ اس کے بیڈ پر نیم دراز تھی اسے دیکھ کر انگڑائی لینے لگی۔ اس نے پوچھا "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

وہ مسکرا کر بولی "آپ ہی کا کام کر رہی ہوں۔ آپ کا پورا بیڈروم سیٹ کر دیا ہے۔ ضرورت کی ہر چیز یہاں ہے۔ میں اس لیے انتظار میں تھی کہ شاید آپ کو میری ضرورت پیش آ جائے۔"

وہ خشک لہجے میں بولا "مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔"

وہ بیڈ سے اتر کر اس کے پاس آئی اور بولی "یہ تمہاری کمزور یادداشت نے میری اہمیت بالکل ہی ختم کر دی ورنہ تم تو مجھے دیکھتے ہی للچانے لگتے تھے۔"

"تم مجھے کبھی آپ کہتی ہو کبھی تم کہتی ہو۔ یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ تم یہاں ایک ملازمہ ہو؟"

"میں نہیں بھولتی۔ آپ کی ممی اور ڈیڈی کے سامنے آپ کہتی ہوں لیکن تنہائی میں نہ تم تم ہوتے ہو نہ میں ملازمہ ہوں۔"

پھر وہ اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی "جب سبق بھولتے ہیں تو کتاب کھول کر شروع سے پڑھتے ہیں۔ تم بھی انہیں سب کچھ یاد آتا ہے۔ میں بھی تمہاری کتاب ہوں مجھے کھولو۔ ایک ایک ورق کو الٹ کر دیکھو کچھ نہ کچھ یاد آ رہے گا۔ یہ تو مان ہی لوگے کہ تم نے مجھے خراب کیا ہے؟ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔"

وہ اسے آہستگی سے الگ کرتے ہوئے بولا "اگر میں نے ایسا کیا ہے تو مجھے افسوس ہے۔"

"افسوس نہ کرو۔ میں تم سے کبھی شکایت نہیں کروں گی۔ تمہاری زندگی داشتہ بن کر رہنے پر بھی تیار ہوں مجھے قبول تو کرو۔"

"سوری! جب تک میرا دل تمہاری طرف مائل نہیں ہوتا تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ تم میری ذہنی حالت کو سمجھو۔ کشمکش میں مبتلا رہتا ہوں یہاں ایک شاہانہ زندگی گزار رہا ہوں پھر بھی میرے اندر عجیب سی بے چینی رہتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے سب کچھ پانے کے باوجود میں بہت کچھ کھو رہا ہوں۔"

"تم اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں بھول چکے ہو تو بھولے ہی رہو۔ ہم جو کچھ یاد دلا رہے ہیں بس وہی یاد کرتے رہو۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "جب تک مجھے ماضی کی ایک ایک بات یاد نہیں آ جاتی میں بے چینی میں مبتلا رہوں گا۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میرے پیچھے اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ جس میں سے نکل کر میں اس روشنی میں آیا ہوں۔ آخر اس اندھیرے میں کیا ہے جو دکھائی نہیں دیتا؟"

"اس سوال کا جواب تو ڈاکٹر بھی نہیں دے سکتے۔ وہ تمہارا علاج کر کر کے تھک گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تمہیں پچھلی زندگی کبھی یاد نہیں آئے گی۔"

پھر وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی "تم مجھ سے دور کیوں بھاگتے ہو۔ کیا میرے اندر کوئی کشش نہیں ہے؟"

"تمہارے ان سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ تم پہلے بھی ایسے سوالات کر چکی ہو اور میں کہہ چکا ہوں تم مجھے معاف کر دو۔ اگر میں نے ماضی میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو اس کے لیے شرمندہ ہوں۔ مگر آج میں آخری بار سمجھا رہا ہوں میری تنہائی میں آئندہ کبھی نہ آنا۔" وہ مایوسی سے سر جھکا کر باہر جانے لگی۔ وہ اس کے بیڈروم سے باہر نکلی تو سامنے سے دردانہ شہباز کے ساتھ آ رہی تھی اس نے تہمینہ کو یوں دیکھ کر پوچھا "تہمینہ......! کیا بات ہے اسے کچھ یاد تو نہیں آ رہا ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں میڈم......! وہ تو اپنے آپ کو بھی بھول چکا ہے تو بھلا اسے اور کیا یاد آئے گا۔"

"پھر تمہارا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "میں نے بہت کوشش کی کہ وہ کسی طرح میری طرف مائل ہو جائے لیکن وہ تو کبھی میرا ہاتھ بھی نہیں پکڑتا۔ بس یہی کہتا ہے کہ جب تک اسے پچھلی باتیں یاد نہیں آ جاتیں اس وقت تک وہ یقین نہیں کرے گا کہ پہلے بھی اس کا اور میرا جسمانی رشتہ رہ چکا ہے۔"

شہباز نے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی پچھلی زندگی یاد کرنے کے لیے بے چین ہے؟"

"یس باس!"

دردانہ نے شہباز کو دیکھتے ہوئے کہا "ڈاکٹرز سے کنسلٹ (CONSULT) کرنا چاہیے اور اسے کوئی ایسی دوا دینی چاہیے کہ وہ اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دے۔"

شہباز نے کہا "اس کمبخت کو یہاں ہر طرح کا عیش و آرام مل رہا ہے پھر بھی اپنے بارے میں بے چین رہتا ہے۔" پھر بولا "چلو ابھی تو اس سے ملتے ہیں پھر کسی وقت ڈاکٹر سے بھی بات کر لوں گا۔"

وہ بیڈروم میں آئے۔ پاشا کی پشت ان کی طرف تھی وہ کچھ پڑھ رہا تھا۔

شہباز نے پوچھا "کیوں بیٹے کیا ہو رہا ہے؟"

اس نے چونک کر پلٹ کر دیکھا پھر کہا "اوہ...... ڈیڈ! آپ مجھے بلا لیتے۔"

دردانہ نے خوش ہو کر کہا "خدا کا شکر ہے اب تم جلد ہی اپنے ڈیڈی کے رائٹ ہینڈ بن کر پھر سے کام شروع کر دو گے۔"

شہباز نے کہا "نہیں میں فی الحال اس سے کوئی اہم کام نہیں لوں گا۔ اگر یہ اپنے ماضی کے بارے میں پریشان ہوتا رہا تو کوئی کام صحیح نہیں کر سکے گا۔"

پاشا بولا "آپ درست کہہ رہے ہیں۔ آپ میری یادداشت واپس لانے کے لیے کوششیں کر رہے ہیں لیکن میرا ذہن کام نہیں کر رہا ہے۔ میں موجودہ حالات کو تو سمجھ رہا ہوں لیکن پچھلی باتیں بالکل یاد نہیں آ رہیں۔"

شہباز نے کہا "یہی دیکھو کہ تمہیں رائفل شوٹنگ کی تربیت دی گئی تا کہ تمہیں یاد آئے کہ تم کتنے اچھے نشانہ باز تھے اندھیرے میں آواز کی سمت صحیح نشانہ لیتے تھے۔ لیکن اب بھی اپنے ٹارگٹ پر گولی نہیں چلاتے ہو اس کی وجہ یہی ہے کہ تم اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سوچتے الجھتے رہتے ہو۔"

پھر شہباز پاشا کے شانے کو تھپک کر بولا "کوئی بات نہیں تم اپنے ذہن پر بوجھ نہ ڈالو۔ جب تک پوری طرح تیار نہ ہو تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

دردانہ نے کہا "کم از کم میرا کام تو کر سکتے ہو۔"

پاشا نے پوچھا "آپ.... کا کام......؟ آپ نے مجھے کبھی کوئی کام بتایا ہی نہیں۔"

"تمہاری ڈائری میں عینی کا ذکر بہت ہے، مگر تم تو وہ

سب کچھ بھول چکے تھے۔ میں نے ہی تمہیں یاد دلایا تھا۔''

''ہاں! یاد ہے کہ وہ آپ کی سوتیلی بیٹی ہے میں اس سے محبت کرتا تھا لیکن وہ آپ کی بہو نہیں بننا چاہتی تھی۔''

پھر بولا ''اس ڈائری میں عروج کا بھی ذکر ہے یہ نام پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے میں اس نام کو پہلے کئی بار سن چکا ہوں؟''

دردانہ نے پریشان پریشان نگاہوں سے شہباز کو دیکھا۔ پھر بولی ''عروج ایک بہت ہی مکار لڑکی ہے۔ وہ عینی کی سہیلی ہے اور وہی تمہارے اور میرے خلاف اسے بھڑکاتی رہی ہے۔ میں نے تم سے ایس پی ذیشان کا بھی ذکر کیا تھا۔ وہ عینی کا تایازاد بھائی ہے عروج اور ذیشان یہ نہیں چاہتے تھے کہ تمہاری شادی عینی سے ہو انہوں نے ہی تمہیں عینی سے دور رکھنے کے لیے تشدد کروایا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ تم کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہے ہو۔''

پاشا نے دردانہ کو دونوں بازوؤں میں سمیٹ کر اس کی پیشانی کو چوم لیا اور کہا ''ممی! آپ دل برداشتہ نہ ہوں میں جلد اس دشمنی کا حساب کروں گا۔''

وہ بولی ''تم میرے مشورے کے بغیر کچھ نہیں کرو گے ورنہ وہ تمہیں پھر نقصان پہنچائیں گے۔ ابھی تم صبر کرو میں تمہیں عینی سے ملنے کا طریقہ بھی بتاؤں گی۔ وہ خود تمہیں دیکھ کر پہچان لے گی۔ مگر تم پہلی ملاقات میں یہی ظاہر کرو گے کہ تم اپنی یادداشت کھو چکے ہو۔''

وہ صرف گردن ہلا کر رہ گیا۔ دردانہ پھر بولی ''میں تمہارے لیے اس کے اندر بے چینی اور تڑپ پیدا کرنا چاہتی ہوں۔ اسے یہ چیلنج کر چکی ہوں کہ اسے اپنی بہو بنا کر رہوں گی اور بالآخر وہ تمہاری دلہن بنے گی۔''

دردانہ اور شہباز ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھنے لگے اور پاشا سوچ میں گم ہو گیا کہ ''پتا نہیں یہ عینی کون ہے، کیسی ہے اور میں نے اپنی ڈائری میں کیوں اس کا ذکر کیا ہے...... ہاں مگر اس کا نام میرے ذہن میں اچانک ہی آ جاتا ہے اور آخر یہ عروج کون ہے؟''

☆☆☆

ذیشان اکثر رات کو دیر سے آیا کرتا تھا مگر اس رات وہ آٹھ بجے ہی آ گیا۔ اسما اسے دیکھ کر خوشی سے بولی ''خدا کا شکر ہے۔ آج آپ جلدی آ گئے۔'' پھر وہ اس کے پر تفکر چہرے کو دیکھ کر بولی ''آپ خاموش ہیں لگتا ہے حشمت کے قتل کا معاملہ سنگین ہوتا جا رہا ہے۔''

وہ تھکے ہوئے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولا ''ہاں کوئی مقدمہ معمولی ہو یا سنگین پریشانیاں تو ہوتی ہیں اور پھر کچھ مقدمے ایک دلدل کی طرح ہو جاتے ہیں جن میں بے قصور لوگ بھی میری طرح دھنستے ہی چلے جاتے ہیں۔''

''یہی تو دکھ کی بات ہے کہ جو جرم نہیں کیا وہ آپ کے سر تھوپا جا رہا ہے۔ میں تو ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتی ہوں کہ یہ مصیبتیں ٹل جائیں۔''

وہ اس پر جھک گیا اس کے سر کو اپنے سینے سے لگا کر بولا ''بے شک میں دوا کر رہا ہوں تم دعا کرتی رہو۔ اور اس سے زیادہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

وہ بولی ''میرے دل میں مقدر حیات کا خیال آیا اور بات ذہن میں آئی کہ شاید وہ ہمارے لیے کچھ کر سکیں۔ آپ ان سے بات تو کریں۔''

''یہ مقدر کب آتا ہے کب جاتا ہے کچھ پتا ہی نہیں چلتا آج میں اس سے ضرور بات کروں گا۔''

اسما نے الماری سے ایک لباس نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا ''آپ لباس تبدیل کریں میں نیچے جا کر دیکھتی ہوں مقدر ہے یا نہیں؟''

اسما نیچے ڈرائنگ روم میں پہنچی تو دیکھا اچھی خاصی گہما گہمی تھی۔ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب بیٹھے ہوئے تھے ایک کے کان سے موبائل فون لگا ہوا تھا اور دوسری نے ریسیور کان سے لگا رکھا تھا دونوں ہی کسی نہ کسی سے باتیں کر رہے تھے۔ چلا تمام رشتے داروں کو یہ خوش خبری سنائی جا رہی ہے کہ نمرہ اعلیٰ تعلیم کے لیے کل لندن جانے والی ہے۔

اس وقت فلک ناز اپنے بھائی اور بھاوج سے بھی زیادہ خوش نظر آتی تھی کیونکہ نمرہ کے جانے کے بعد اس کی اپنی بیٹی آسرا کے لیے راستہ صاف ہونے والا تھا۔ اگرچہ اس کے دل میں کھد بدی ہو رہی تھی کہ اچانک یہ لوگ اپنی بیٹی کو لندن کیوں بھیج رہے ہیں، مگر اتنا تو سمجھتی تھی کہ اس کے اس طرح اچانک لندن جانے کے پیچھے کوئی بڑا راز چھپا ہوا ہے۔

اس نے دل میں سوچا بھلے سے کوئی راز چھپا ہو میرے لیے یہی بات اطمینان بخش ہے کہ نمرہ جا رہی ہے۔''

فلک آفتاب نے اسما کو دیکھ کر کہا ''ذیشان سے کہو یہاں آئے میں اس سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

اسما میرے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی ''وہ ابھی یہیں آ رہے ہیں۔''

میں اپنے کمرے میں فون کے ذریعے نمرہ سے باتیں کر رہا تھا۔ اب وہ میرا سامنا کرنے سے کترا رہی تھی۔ کیونکہ مجھے چھوڑ کر دور جا رہی تھی، اگرچہ میں نے ہی اسے یہ مشورہ دیا

تھا۔ لیکن وہ کیسی محبت کرنے والی تھی کہ اپنے محبوب کو چھوڑ کر جا رہی تھی۔ یہی ایک سوال کبھی کبھی اس کے دل میں پیدا ہوتا تھا اور وہ اسی لیے میرے سامنے نہیں آ رہی تھی۔

میں نے پوچھا ''جانے سے پہلے اپنا مکھڑا نہیں دکھاؤ گی؟''

''میں کوئی منہ تو نہیں چھپا رہی ہوں بس سفر کی تیاریوں میں مصروف ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ یہاں کیا چھوڑنا ہے اور کیا لے جانا ہے۔''

''مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو یہی بہت ہے۔ باقی جو دل چاہے یہاں سے لے جاؤ۔''

''کیوں طعنے دے رہے ہو۔ کیا تم ہی نے مجھے جانے کا مشورہ نہیں دیا تھا؟''

''ہاں...... دل پر پتھر رکھ کر مشورہ دیا تھا مجھے کیا معلوم تھا کہ تم پتھر بن کر چل پڑو گی۔''

اسما نے دروازے پر دستک دی میں نے کہا ''کوئی آیا ہے۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔ تم چاہو تو بعد میں مجھ سے بات کر لینا۔''

پھر میں نے فون بند کرتے ہوئے کہا ''اندر آ جائیں۔''

اسما نے دروازے کو ذرا سا کھول کر پوچھا ''کیا مصروف ہو؟''

میں نے فوراً ہی اٹھ کر کہا ''ارے بھابی جان آپ؟ آیئے!''

وہ اندر آ کر بولی ''کیا کر رہے ہو؟''

''میں نمرہ سے بات کر رہا تھا۔''

وہ مسکرا کر بولی ''ایک ہی چھت کے نیچے رہ کر فون پر باتیں ہو رہی تھیں؟''

''ہاں! بے چاری کو ملنے کی فرصت نہیں مل رہی ہے۔ سفر کی تیاریوں میں مصروف ہے۔''

''وہ اچانک جا رہی ہے تمہیں کچھ عجیب سا نہیں لگ رہا؟''

''نہیں مجھے کیوں عجیب سا لگے گا۔ اس کی اپنی مرضی ہے۔''

''نہیں تم نے اس سے محبت کا اظہار کھل کر کیا تھا اور وہ جا رہی ہے تو تمہارے دل کو دکھ پہنچنا چاہیے۔ لیکن تم بالکل نارمل ہو۔''

''بھابھی جان......! زندگی زندہ دلی کا نام ہے...... مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں؟''

''مقدر......! میں نے ایک بات نوٹ کی ہے اور وہ یہ کہ تم کچھ باتیں تو بتا دیتے ہو اور کچھ چھپا لیتے ہو۔''

''میں نے کسی سے کیا چھپایا ہے؟''

''یہی کہ تم نے نمرہ کو اپنی محبت کے بارے میں اور اس کے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں پتا نہیں کیا کچھ بتایا ہو گا۔ لیکن یہ بات اس سے چھپائی تھی کہ وہ اس طرح تم سے بچھڑ جائے گی اور جبران سے شادی کرنے پر راضی ہو جائے گی۔''

''آپ یقین نہیں کریں گی میں نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ میرے اور اس کے درمیان عارضی جدائی ہو گی، اور مگر پھر ہم ضرور ملیں گے، وہ صرف میری دلہن بنے گی۔''

اسما نے حیرانی سے پوچھا ''کیا واقعی اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی اس کی شادی جبران سے نہیں ہو گی؟''

''ہاں! آپ یہ بات اور کسی کو نہ بتائیں۔ چپ چاپ دیکھتی رہیں کہ انسان کا مقدر کیسی کیسی قلابازیاں کھلاتا ہوا اسے واپس اسی مقام پر لے آتا ہے جہاں اسے ہر حال میں پہنچنا ہے۔''

''میں تمہیں بہت چاہتی ہوں اور تم پر اندھا یقین رکھتی ہوں۔ اس وقت بہت پریشان ہو کر تمہارے پاس آئی ہوں۔''

میں اس کی پریشانیوں کو سمجھ رہا تھا انجان بن کر بولا ''پریشان ہوں آپ کے دشمن۔ مجھے بتایئے کیا بات ہے؟''

''تم تو بڑی حد تک جانتے ہو ذیشان کے خلاف الزامات بہت سخت ہیں۔ دشمن بہت شہ زور ہیں میں دیکھ رہی ہوں وہ ان حالات میں بالکل تنہا ہیں۔ کوئی ان کا یار و مددگار نہیں ہے پھر بھی وہ اپنی سی کوششیں کر رہے ہیں اور میں دعائیں مانگتی رہتی ہوں۔''

''اس دنیا میں خوشی ہو یا غم، کوئی چیز دائمی نہیں ہوتی۔ مصیبتیں آتی ہیں تو ہمیشہ نہیں رہتیں۔ انسان اپنی ذہانت سے اپنی کوششوں سے ان مصیبتوں کو ٹال دیتا ہے۔''

''تم نے ان کا ہاتھ دیکھا ہے مجھے سچ سچ بتاؤ آئندہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟''

''لکیریں کہتی ہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے ویسا بھی ہو سکتا ہے یہ انسان کی کوششوں پر ہے کہ وہ کس حد تک کامیاب تدابیر سوچ سکتا ہے اور ان پر عمل کر سکتا ہے۔''

''یہی تو سوچ رہی ہوں کیا ان کی تدبیریں اور کوششیں کامیاب ہوں گی؟''

''ہاں! ہو سکتی ہیں۔ میں نے پیش گوئی کی تھی کہ ان کا

کوئی وفادار ماتحت ان سے غداری کرے گا۔"

"تم نے بالکل درست کہا تھا۔ یہی ہو رہا ہے۔ پتا نہیں کیوں وہ کمبخت تمہارے بھائی جان کا دشمن بن کر ان کے خلاف بیانات دے رہا ہے؟"

میں نے اسما کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا"بھابی جان میں آپ کو بہت چاہتا ہوں اور ایک پیش گوئی کرتا ہوں۔ جس طرح ایک ماتحت کی غداری سے بھائی جان کو نقصان پہنچ رہا ہے اسی طرح ان کا ایک خاص ماتحت اور ہے جو بہت زبردست ہے۔ اس کی وفاداری سے بھائی جان ہارنے والی بازی جیت لیں گے۔"

وہ فوراً اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ میرے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر بولی"میری جان! میرے بچے......! میں کوکھ جلی ہوں میں کبھی ماں نہیں بن سکتی لیکن تمہیں اپنا بیٹا کہتی ہوں۔ بیٹے......! اپنی ماں کے سہاگ کو بچالو مجھے اس وفادار کا نام ابھی بتاؤ جو تمہارے بھائی جان کے کام آئے گا۔"

"میں اس کا نام نہیں جانتا لیکن یہ جانتا ہوں کہ اس کے نام میں تین بار حرف "بی" آتا ہے۔ یہ بھائی جان جانتے ہوں گے کہ ان کا ایسا کون سا ماتحت ہے جس کے نام میں تین بار حرف "بی" آتا ہے۔"

وہ میری پیشانی کو چوم کر بولی"میں ابھی جا کر تمہارے بھائی جان کو بتاتی ہوں۔" پھر وہ تیزی سے باہر چلی گئی۔ ذیشان اسی طرف آنا چاہتا تھا لیکن ڈرائنگ روم میں اس کے باپ نے اسے روک لیا"بیٹے کبھی میرے پاس بھی آکر بیٹھا کرو اور گھر کے معاملات میں بھی دلچسپی لیا کرو۔"

وہ بولا"ڈیڈ! فی الحال تو آپ لوگوں کا ایک ہی اہم معاملہ ہے اور وہ یہ کہ نمرہ کو یہاں سے روانہ کیا جائے۔ اب چونکہ ممی اس کے ساتھ جارہی ہیں اس لیے میں اس سلسلے میں کوئی سوال نہیں کروں گا۔ مجھے جو اعتراض ہے وہ بھی نہیں کروں گا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میرے اعتراض کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔"

بیگم نے کہا"ایسی بات نہ کرو بیٹا! اگر اعتراض معقول ہوگا تو ہم کیوں نہیں مانیں گے؟"

"معقول اعتراض ہے اور وہ یہ کہ نمرہ کو لندن نہیں جانا چاہیے۔"

"کیوں نہیں جانا چاہیے؟ جبکہ میں اس کے ساتھ جارہی ہوں۔"

"ممی! آپ اس کے ساتھ وہاں کتنے عرصے تک رہیں گی؟ دو چار دن یا دو چار ہفتے۔"

"میں اس کی رہائش کے مکمل انتظامات کر کے ہی واپس آؤں گی۔"

"یعنی وہ وہاں تنہا رہے گی؟"

"میں کہہ چکی ہوں وہاں میری ایک عزیز ترین سہیلی ہے جو سگی بہن سے بڑھ کر ہے۔ وہ نمرہ کو بیٹی کی طرح رکھے گی۔"

"ممی! آپ نے مجھے جنم دیا ہے آپ بیٹے سے جھوٹ بول سکتی ہیں لیکن ایک پولیس والے سے سچ نہیں چھپا سکتیں۔"

"میں تم سے کیوں جھوٹ بولوں گی۔ وہ میری بیٹی ہے۔ کیا میں اسے لندن لے جا کر وہاں کہیں پھینک آؤں گی؟"

اس نے گہری نظروں سے پہلے ماں کو پھر اپنے باپ کو دیکھا۔ فلک آفتاب نے صوفے پر ذرا کسمساتے ہوئے پوچھا"یہ تم اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟"

وہ ذرا ٹھہر ٹھہر کر بولا"جب ممی نمرہ کا وہاں انتظام کر دیں گی اور اسے تنہا چھوڑ کر چلی آئیں گی تب میں لندن جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ وہ وہاں کس کے ساتھ رہتی ہے۔ اگر میں نے اسے جبران اور اس کی ماں کے ساتھ دیکھا تو اسے وہیں گولی ماردوں گا۔"

بیگم اور فلک آفتاب دونوں ہی غصے سے تلملا کر کھڑے ہوگئے فلک آفتاب نے کہا"کیا بکواس کررہے ہو۔ تم اسے گولی مارنے والے کون ہوتے ہو؟"

"میں ایک غیرت مند بھائی ہوں۔ اگر میں نے شادی سے پہلے اسے جبران کے ساتھ دیکھ لیا تو میری غیرت گولی کی زبان سے بولے گی۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ وہ تمہاری بہن ہے تو ہماری بیٹی ہے۔ صرف تم ہی غیرت مند نہیں ہو ہم بھی غیرت مند ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہماری بیٹی کو کہاں جانا چاہیے کہاں رہنا چاہیے اور کس طرح اپنے مستقبل کو شاندار بنانا چاہیے۔"

"آپ دینی اور دنیاوی دستور کے مطابق اس کے لیے جو کریں گے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اب بھی وقت ہے آپ اعتراف کرلیں کہ جو کر رہے ہیں وہ دستور کے خلاف ہے۔"

بیگم نے اور فلک آفتاب نے ایک دوسرے کو پریشان ہو کر دیکھا پھر فلک آفتاب نے کہا"دستور کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ماں اپنی بیٹی کے ساتھ جارہی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ تو میں کہہ چکا ہوں ممی وہاں سے واپس آئیں گی تو میں یہاں سے جاؤں گا اس کے بعد جو کچھ ہوگا اسے آپ برداشت نہیں کرسکیں گے۔"

بیگم آفتاب نے کہا"کیوں ہمارے لیے مشکلات پیدا کررہے ہو۔ تم ہمارے بیٹے ہو یا دشمن؟"

اسما تیزی سے چلتی ہوئی وہاں آئی اور ذیشان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی"آپ یہاں آئیں۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بولا"ٹھہر جاؤ۔ یہاں ضروری باتیں ہورہی ہیں۔"

وہ پھر ہاتھ پکڑ کر بولی"میں جو کہنے والی ہوں اس سے زیادہ ضروری بات کوئی نہیں ہوسکتی۔"

"پلیز اسما......! یہاں میری بہن کے مستقبل کا معاملہ ہے۔"

"آپ اس معاملے میں کچھ نہیں کرسکیں گے کیونکہ تین کروڑ میں اس کا سودا ہوچکا ہے۔"

یہ بات سنتے ہی بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کے دماغ میں دھماکا سا ہوا۔ اسی وقت بابر بھی ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے بھی یہ بات سنی تو وہیں ٹھٹھک گیا۔ بیگم آفتاب حلق پھاڑ کر چیختی ہوئی اسما کی طرف بڑھی"ذلیل......! کمینی......! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تو پھر گھر میں آگ لگاتی ہے۔ ہمارے بیٹے کو ہمارے خلاف بھڑکاتی ہے۔"

اسما تیزی سے ذیشان کے پیچھے جا کر کھڑی ہوگئی۔ ذیشان نے آگے بڑھ کر ماں کو روکتے ہوئے کہا"ممی پلیز آرام سے باتیں کریں۔"

فلک آفتاب نے کہا"تم ماں کو تو روک رہے ہو اپنی بیوی کو شرپسندی سے نہیں روک سکتے جو تمہارے سامنے ہی بکواس کررہی ہے۔"

"ڈیڈی......ابھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اسما جھوٹ بول رہی ہے یا سچ۔"

پھر وہ اسما کی طرف پلٹ کر بولا"تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ کسی سے تین کروڑ لے کر نمرہ کو اس کے حوالے کیا جارہا ہے؟"

اسما نے بابر کی طرف دیکھا پھر کہا"بابر تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ کیا تم میرے سچ کی گواہی دو گے؟"

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا"بھابی جان میں ہمیشہ آپ کو بھابی سے زیادہ ماں سمجھتا رہا ہوں لیکن آج آپ میرے ماں باپ کی توہین کررہی ہیں۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ ہمارے یہ بزرگ تین کروڑ لے کر اپنی بیٹی کو کسی کے حوالے کررہے ہیں؟"

اسما نے شدید حیرانی سے بابر کو دیکھا۔ وہ اسے بہت چاہتی تھی۔ دونوں دیور بھابی میں بڑی محبت رہی تھی لیکن اب رفتہ رفتہ اسما کو معلوم ہو رہا تھا کہ بابر اوپر سے کچھ ہے اور اندر سے کچھ......

اسما نے نفرت سے کہا"بابر مجھے کل ہی معلوم ہوگیا تھا کہ تم جو دکھائی دیتے ہو وہ نہیں ہو۔ اب میں صاف صاف کہہ دوں کل تم ماں باپ اور بیٹے سے ایک غلطی ہوگئی۔ کمرے کا دروازہ ضرور بند تھا لیکن کھڑکی کا ایک پٹ کھلا رہ گیا تھا۔ میں باہر کھڑی ہوئی تمام باتیں سن رہی تھی۔"

فلک ناز وہاں سے گزر رہی تھی وہ بھی دروازے پر ہی رک کر اسما کی باتیں سننے لگی۔ بند کمرے میں ماں باپ اور بیٹے کے درمیان جو باتیں ہوئیں اور پھر جس طرح فون کے ذریعے مسز رانا سے گفتگو ہوئی ایک کروڑ کے بجائے تین کروڑ کا مطالبہ اس خاتون سے منوایا گیا ان کے درمیان جو معاملات طے ہوتے رہے اس کی ایک ایک تفصیل اسما بتارہی تھی۔ بابر، فلک آفتاب اور بیگم آفتاب سب ہی کو چپ لگ گئی تھی پھر بیگم آفتاب نے بھڑک کر کہا"یہ جھوٹ بول رہی ہے ہم پر کیچڑ اچھال رہی ہے اور تم خاموش کھڑے سن رہے ہو؟"

بابر نے کہا"بھابی جان! میں نے آپ کا بہت لحاظ کیا ہے۔ آپ یہ آگ لگانے والی بھائی جان کو بھڑکانے والی اور ہمیں آپس میں لڑانے والی باتیں نہ کریں ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

اسما نے کہا آج مجھے یہ اندازہ ہوگیا ہے کہ تم سے برا واقعی کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔ میں آج جو کہہ رہی ہوں کل یہ بات سچ ثابت ہوجائے گی۔"

پھر وہ فلک آفتاب کو دیکھتے ہوئے بولی"آپ نے مسز رانا سے طے کیا ہے کہ آپ ان کے ساتھ کل بینک جائیں گے۔ جہاں وہ آپ کے اکاؤنٹ میں تین کروڑ روپے جمع کرائیں گے۔ لیکن اب وہاں آپ کے ساتھ آپ کے بڑے صاحبزادے بھی موجود رہیں گے۔"

بیگم، فلک آفتاب اور بابر تینوں نے چونک کر اور پریشان ہو کر ذیشان کی طرف دیکھا۔ وہ سر ہلا کر بولا"یس ڈیڈ...... مجھے کل ہی یہ تمام باتیں معلوم ہوچکی تھیں۔ میں انتظار کررہا تھا شاید مجھے سب کچھ بتادیا جائے گا، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلسل جھوٹ بولا جارہا ہے اور مجھے کھلا فریب دیا جارہا ہے۔ آپ سب مجھے بچپن سے جانتے ہیں۔ میں نے یہ کبھی برداشت نہیں کیا کہ کوئی میرا انداق اڑائے اور مجھے بے وقوف بنائے۔ آپ میرے والدین ہیں میں آپ کے خلاف تو کچھ

نہیں کر سکتا' لیکن میں بھی اب ضروری کارروائی کروں گا اور تین کروڑ تو کیا کسی کو تین روپے بھی نہیں لینے دوں گا۔ میں خود چھٹی لے کر لندن جاؤں گا اور وہاں نمرہ کے ساتھ رہوں گا۔"

وہ سب اس کی باتیں سن کر پریشان ہو رہے تھے کیونکہ تین کروڑ کا منصوبہ انہیں خاک میں ملتا دکھائی دے رہا تھا۔

ذیشان نے بابر کی طرف پلٹ کر کہا "اسا اس گھر کی بہو ہے اور وہ اس گھر کی بہتری اور نیک نامی چاہتی ہے اور تم اس سے کہہ رہے تھے کہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تم کیا کرلو گے اس کا۔ بولو......؟" وہ اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا "تم یہ نہ سمجھنا کہ جوان ہو گئے ہو تو میرا ہاتھ تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔ میں نے اگر ایک ہاتھ مارا تو تم زمین میں دھنس جاؤ گے۔" ماں دوڑتی ہوئی آ کر بابر کے سامنے ڈھال بن گئی اور بولی "کوئی تمہاری بیوی کے خلاف بولے تو تم اس کے پیچھے ہی پڑ جاتے ہو۔"

عروج اور عینی باہر سے آ رہی تھیں وہ بھی دروازے پر کھڑی یہ تماشا دیکھنے لگیں۔ فلک آفتاب نے آگے بڑھ کر بابر کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کرتے ہوئے کہا "تم یہاں آؤ میرے پاس۔ یہ تو پولیس افسر بن کر اور زیادہ بد دماغ ہو گیا ہے۔"

عینی نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے بھائی جان......؟ کیا بابر نے کوئی غلطی کی ہے؟"

وہ بولا "صرف بابر ہی نہیں ہمارے یہ بزرگ بھی بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں اور اس غلطی پر پردہ ڈالنے کے لیے طرح طرح کے جھوٹ بول رہے ہیں۔"

عینی اور عروج سوالیہ نظروں سے فلک آفتاب، بیگم آفتاب اور فلک ناز کو دیکھنے لگیں۔ فلک ناز نے فوراً آگے بڑھ کر کہا "مجھے ایسے نہ دیکھو۔ میرا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے۔ میں تو خود حیران ہو رہی تھی کہ اچانک نمرہ کو لندن کیوں بھیجا جا رہا ہے۔ اب پتا چلا کہ اسے لندن بھیجنے کے لیے تین کروڑ روپے ان لوگوں کو ملیں گے۔"

عینی اور عروج حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ بیگم آفتاب نے غصے سے فلک ناز کو دیکھا اور اپنے میاں سے بولی "آپ اپنی بہن کا منہ بند کریں یہ اس وقت بھی ہم پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہیں آئی۔"

عینی نے فلک آفتاب سے پوچھا "بڑے ابو کیا پھوپی جان درست کہہ رہی ہیں؟"

"یہ جھوٹ بول رہی ہے اور یہ ہماری بہو گھر میں بیٹھے بیٹھے آگ لگاتی رہتی ہے اور ہمیں آپس میں لڑانا چاہتی ہے۔"

فلک ناز نے کہا "بھائی جان ایسی بھی کیا ڈھٹائی ہے۔ جب بات کھل ہی گئی ہے تو سچ کو تسلیم کر لیں ورنہ ہم سب ذیشان کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ جو کہہ دیتا ہے وہی کرتا ہے۔ آپ کو تین کروڑ تو کیا تین روپے بھی نہیں ملیں گے۔"

فلک آفتاب نے غصے سے گرج کر کہا "تم ہمارے معاملہ میں نہ بولو۔ ذیشان ہمارا بیٹا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ ہمارے حالات اور مجبوریوں کو سمجھ جائے گا۔ آؤ بیٹا تم میرے ساتھ کمرے میں آؤ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

ذیشان نے کہا "سوری ڈیڈی......! یہ عینی کا گھر ہے اس گھر میں کیا ہوتا رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے یہ عینی کو معلوم ہونا چاہیے۔"

فلک آفتاب نے کہا "ٹھیک ہے عینی تم بھی ہمارے ساتھ کمرے میں آ جاؤ۔"

وہ بولی "یہ تو آپ جانتے ہیں میں تنہا نہیں آؤں گی میرے ساتھ عروج ضرور رہتی ہے۔"

فلک ناز نے زیر لب مسکرا کر فلک آفتاب کو دیکھا اور کہا "پھر راز داری کیا رہے گی بھائی جان......؟ عینی کے ساتھ عروج جائے گی آپ کے ساتھ بھابی جان جائیں گی چونکہ اس معاملے میں بابر شریک ہے اس لیے یہ بھی جائے گا صرف میں یہاں اسا کے ساتھ رہ جاؤں گی۔"

عینی نے کہا "کسی کو کہیں نہیں جانا چاہیے۔ جو بات ہے سب کے سامنے ہونی چاہیے۔"

پھر وہ ذیشان سے بولی "بھائی جان! میں تو عروج کے ساتھ اس کے گھر تھی۔ بڑی امی نے فون پر بتایا کہ نمرہ کل کی فلائٹ سے لندن جا رہی ہے۔ ہمیں یہ سن کر حیرت ہوئی کہ آج صبح تک تو نمرہ کے کہیں جانے کا ذکر نہیں تھا پھر اچانک اسے لندن کیوں بھیجا جا رہا ہے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ صرف وہ لندن نہیں جا رہی ہے بلکہ یہاں ہمارے بزرگوں کو کروڑوں روپے بھی مل رہے ہیں۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

ذیشان نے کہا "میں کیا بتاؤں خود مجھے اندھیرے میں رکھا جا رہا ہے۔ ڈیڈی کو چاہیے کہ جو بات ہے سب کے سامنے بتا دیں۔" اس بات پر سب ہی فلک آفتاب کو دیکھنے لگے۔ فلک آفتاب نے کچھ پریشان ہو کر اپنی بیگم کو اور بابر کو دیکھا پھر کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا "ایک سیدھی سی بات ہے جسے اسا تو ڈرامہ بنا کر پیش کر رہی ہے۔"

ذیشان نے سخت لہجے میں کہا "پلیز ڈیڈی......! اسا کو بیچ میں نہ لائیں۔"

بیگم آفتاب نے کہا "کیوں بیچ میں نہ لائیں؟ یہی تو فساد کی جڑ ہے۔"

عینی نے کہا "پلیز بڑی امی......! آپ خاموش رہیں۔ میں کہہ چکی ہوں۔ یہاں صرف بڑے ابو بولیں گے اور کوئی نہیں بولے گا۔"

فلک آفتاب نے ذیشان کو دیکھا پھر عینی کو دیکھتے ہوئے کہا "بیٹی کوئی ایسی بات نہیں ہے لندن میں تمہاری بڑی امی کی ایک سہیلی ہے۔ اس نے وہاں نمرہ کی رہائش کا انتظام کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں نمرہ ہائیر اسٹڈیز کے لیے لندن جائے لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے جانے پر اعتراض کیوں کیا جا رہا ہے؟ جبکہ تمہاری بڑی امی اس کے ساتھ جا رہی ہیں۔ اور یہ تین کروڑ روپے والی بات محض ہم پر کیچڑ اچھالنے کے لیے ہے ہماری بہو الزام لگا رہی ہے کہ ہم جبران سے یا مسز رانا سے تین کروڑ لے کر اپنی بیٹی کو ان کے حوالے کر رہے ہیں۔ کیا تم یہ بات بھی مان سکتی ہو؟"

عینی نے اسا کی طرف دیکھا "بھابی جان! آپ اتنی بڑی بات کیسے کہہ رہی ہیں؟ اس میں کیا صداقت ہے؟"

اسا نے کہا "ہم سب کو اس چھت کے نیچے پیار محبت سے رہنا چاہیے اور ہر معاملے میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنا چاہیے۔ لیکن جب کوئی اپنی ایک الگ ٹولی بنا لیتا ہے اور بند کمرے میں میٹنگ کرتا ہے تو تجسس پیدا ہوتا ہے۔ یہی تجسس مجھے ان کے بند کمرے کی طرف لے گیا اور پھر میں نے کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر جو باتیں سنیں وہی باتیں میں نے تمہارے بھائی جان کو بتائی ہیں۔"

ذیشان نے کہا "اسا کو مسلسل جھٹلایا جا رہا ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں حقیقت معلوم کروں۔ میرے پاس یہاں سے لندن تک معلومات کے ذرائع ہیں۔ جب بھی ممی ڈیڈی اور بابر کے بینک اکاؤنٹ میں کوئی بڑی رقم جمع ہوگی مجھے فوراً معلوم ہو جائے گا۔ اور اگر نمرہ لندن جا کر ممی کی سہیلی کے بجائے کسی دوسری جگہ رہے گی تو یہ بات بھی مجھ سے چھپی نہیں رہے گی۔ نمرہ کل کی فلائٹ سے جائے گی اور پرسوں تک مجھے ساری معلومات حاصل ہو جائیں گی۔"

فلک آفتاب نے کہا "بیٹے ذیشان! تم ہماری اولاد ہو بیوی کے بہکانے پر کیوں ہم پر شبہ کر رہے ہو۔ کیا یہ ہماری توہین نہیں ہے؟"

"اگر آپ کی بات سچ ثابت ہوئی تو میں آپ سے معافی مانگ لوں گا اور اگر اسا سچائی پر ہے تو مجھے آپ کی توہین پر افسوس نہیں ہوگا۔"

"لیکن اگر یہ جھوٹی ہے تو اسے جھوٹ کی سزا ملنی چاہیے۔"

"آپ اسا کو جھوٹ کی جو سزا دینا چاہیں گے مجھے منظور ہو گی۔" اس پر فلک آفتاب نے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ہم نے مسز رانا سے تین کروڑ روپے نہیں لیے ہیں تو پھر تم اسے طلاق دے دو گے۔"

اسا کے ذہن کو ایک زبردست جھٹکا لگا۔ بیگم آفتاب نے مسکرا کر اپنے خاوند کو دیکھا جیسے میاں کی اس بات پر اس کا دل باغ باغ ہو گیا ہو۔

اسا اور ذیشان نے ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھا پھر ذیشان نے سر ہلا کر کہا "جاؤ...... لے آؤ۔" وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی "جاتی ہوں' بزرگوں کی توہین تو ضرور ہو گی لیکن آپ وعدہ کریں کوئی گستاخی نہیں کریں گے۔"

وہ سخت لہجے میں بولا "تم جاؤ یہاں سے۔"

وہ وہاں سے اوپر کی منزل کی طرف چلی گئی۔ سب اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ وہ کیا لانے گئی ہے۔ ذیشان نے کہا "ممی......! ڈیڈی......! اسا ہمیشہ آپ کی نظروں میں کھٹکتی رہتی ہے اور آج آپ نے اپنے دل کی بات کہہ دی کہ اسے طلاق دے دی جائے۔ آپ اسے بہو سمجھتے تو کبھی اسے ایسی گالی نہ دیتے۔ آپ نے اس کے جھوٹ کی سزا بتا دی۔ ٹھیک ہے جو آپ کہیں گے میں وہ کروں گا لیکن آپ بزرگوں کو......"

بیگم اور فلک آفتاب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے بابر صوفے پر بیٹھا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا عینی نے کہا "بھائی جان! آپ نے بھابی جان سے وعدہ کیا ہے کہ آپ بزرگوں سے گستاخی نہیں کریں گے۔"

"نہیں کروں گا...... لیکن ان کا جھوٹ ثابت ہونے پر اپنی شرط تو منوا سکتا ہوں۔"

"ہاں! بے شک صرف آپ ہی نہیں ہم سب وہ شرط منوائیں گے۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ اگر ان کا جھوٹ ثابت ہو جائے تو نہ نمرہ یہاں سے جائے گی نہ جبران سے اس کا رشتہ ہوگا۔"

فلک ناز نے پریشان ہو کر ذیشان کو دیکھا۔ اگر یہ بات مان لی گئی تو نمرہ کا رشتہ جبران سے نہیں ہوگا اور پھر آسرا کے راستے میں دوبارہ رکاوٹیں کھڑی ہو جائیں گی۔ ابھی وہ کچھ بولنا ہی چاہ رہی تھی کہ نمرہ کی آواز سنائی دی۔ وہ ڈرائنگ روم کے ایک دوسرے اندرونی دروازے پر کھڑی ہوئی تھی "میں

بہت دیر سے آپ لوگوں کی باتیں سن کر حیران ہو رہی ہوں کہ ممی اور ڈیڈی پر تین کروڑ روپے کے لین دین کا الزام کیوں لگایا جا رہا ہے؟ جبکہ میں تو اپنی مرضی سے ممی کے ساتھ لندن جا رہی ہوں۔ بھائی جان......! کیا آپ بھابی جان کی وجہ سے میرے مستقبل کو سنورتے نہیں دیکھنا چاہتے؟"

ذیشان نے ہاتھ اٹھا کر کہا" آؤ یہاں بیٹھو' ذرا صبر کو۔ تمہیں اپنی باتوں کا جواب مل جائے گا۔"

اس وقت خاندان کے تمام افراد اس ڈرائنگ روم میں یکجا ہو گئے تھے۔ صرف میں اور آسرا اپنے اپنے کمروں میں تھے اور ایک دوسرے سے فون کے ذریعے گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے کہا" ہماری کوٹھی آج میدانِ جنگ بنی ہوئی ہے۔ تم وہاں کیوں نہیں گئیں؟"

"یہی سوال میں تم سے کروں تو؟"

"میں تو اس لیے نہیں گیا کہ تنہائی میں تم سے بات کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ کیا تم بھی ایسے ہی موقع کی منتظر تھیں؟"

"جی نہیں' میں تو اپنی اسٹڈی میں مصروف تھی' تم نے ہی مجھے فون کیا ہے۔"

"واہ! کیا انداز بے نیازی ہے میں فون نہ کرتا تو بے چینی میں مبتلا رہتیں اور بار بار اپنے موبائل فون کو دیکھتی رہتیں۔"

"جناب کو بڑی خوش فہمی ہے۔ ویسے مجھے تمہاری حالت پر ترس آرہا ہے۔ ہائے......! نمرہ تمہیں چھوڑ کر جا رہی ہے۔"

"مجھ پر ترس نہ کھاؤ وہ کل کی فلائٹ سے جائے گی اور میں پرسوں کی فلائٹ سے جانے والا ہوں۔"

اسے ایک دم سے چپ لگ گئی جیسے ذہن کو ہلکا سا جھٹکا پہنچا ہو" تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"یہ سچ ہو سکتا ہے' اگر تم مجھے جانے کی اجازت دے دو۔"

"میں تمہیں اجازت دینے والی کون ہوتی ہوں؟"

"بہت کچھ ہوتی ہو۔ اپنے دل میں جھانک کر دیکھو میں ہی میں دکھائی دوں گا۔"

"سچ بتاؤ کیا تم بھی لندن جا رہے ہو؟ تم تو جانتی ہو میرا ایک پاؤں اگر پاکستان میں ہے تو دوسرا لندن میں رہتا ہے۔ دونوں طرف کاروبار پھیلا ہوا ہے۔ دونوں طرف کے معاملات سنبھالنے پڑتے ہیں۔ نمرہ کے پیچھے جاؤں گا تو اس بہانے وہاں کے بہت سے کاروباری معاملات نمٹا کر آؤں گا۔"

وہ چپ رہی کچھ نہ بولی۔ میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا پھر پوچھا" چپ کیوں ہو؟ میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں اجازت دو گی تو جاؤں گا۔ میرے جانے یا نہ جانے کا انحصار تم پر ہے۔"

پھر میں نے سرگوشی میں پوچھا" بولو چلا جاؤں؟ خاموش رہ کر اجازت دے رہی ہو؟"

وہ ذرا دیر چپ رہی پھر دھیمی سی آواز میں بولی" وہ...... مجھ سے اجازت حاصل کرنا ہے تو یہاں آؤ۔ میں فون بند کر رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ ادھر اسما ایک ٹیپ ریکارڈ اٹھائے سیڑھیاں اترتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی اسے سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا۔ عینی نے پوچھا" بھابی جان! یہ کیا ہے؟"

ذیشان نے کہا" کل اسما نے ممی ڈیڈی اور بابر کی باتیں سنی تھیں۔ وہ باتیں جب مجھے معلوم ہوئیں تو میں سمجھ گیا کہ مجھ سے حقیقت چھپائی جا رہی ہے اور اگر میں نمرہ کے لندن جانے پر اعتراض کروں گا تو جھوٹ بول کر مجھے دھوکا دیا جائے گا۔"

پھر اس نے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" ڈیڈی...... آپ نے دولت کمانے کے لیے ساری زندگی ہیرا پھیری کی ہے لیکن آج یہ بھول گئے کہ آپ کا بیٹا پولیس افسر ہے اور آپ مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ مجھے جب اسما نے آپ لوگوں کے منصوبے سے آگاہ کیا تو مجھے بھی یقین نہیں آرہا تھا۔ مگر میں نے حقیقت تک پہنچنے کے لیے آپ کے اور مسز رانا کے فون پر ٹیپ لگوا دیا۔ یہ اسما کی خوش قسمتی تھی کہ آپ لوگوں کی کچھ باتیں ریکارڈ ہو گئیں۔" یہ کہہ کر اس نے ٹیپ ریکارڈ کو آن کر دیا تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر مسز رانا کی آواز سنائی دی" لندن کے لیے تین سیٹیں بک ہو چکی ہیں۔ آپ نمرہ کو رخصت کرنے کی تیاری کریں۔ کل شام پانچ بجے کی فلائٹ ہے۔"

بیگم آفتاب نے آواز سنائی دی" بہن...... آپ نے اتنی جلدی سیٹیں کیوں کرالیں؟ ہم سے پوچھا تو ہوتا۔"

مسز رانا بولیں" میں کیا پوچھتی؟ جبران کے ڈاکٹر بار بار کہہ رہے ہیں کہ اسے جلد سے جلد علاج کے لیے لندن لے جایا جائے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ ہماری بھی مجبوری سمجھیں۔ ابھی ہم نے اپنے بڑے بیٹے سے بھی بات نہیں کی ہے۔"

"تو کرلیں ابھی تو آپ کے پاس ستائیس گھنٹے ہیں۔ آپ کے بڑے بیٹے کو بھلا اپنی بہن کو ہائیر اسٹڈیز کے لیے لندن بھیجنے پر کیا اعتراض ہوگا۔ آپ بھائی صاحب کو فون

دیں۔ مجھے ان سے بھی کچھ بات کرنی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد فلک آفتاب کی آواز سنائی دی انہوں نے مسز رانا کو سلام کیا تھا۔ مسز رانا نے کہا" وعلیکم السلام۔ بھائی صاحب کل کی سیٹیں کنفرم ہو گئی ہیں۔ میں، نمرہ اور جبران کل شام لندن کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ اس سے پہلے آپ کے مطالبات بھی پورے ہو جائیں گے۔ کل صبح دس بجے میں آپ کے ساتھ بینک میں جا کر آپ کی مطلوبہ رقم ٹرانسفر کرا دوں گی۔"

نمرہ نے چونک کر اپنی ممی اور ڈیڈی کو دیکھا اور بولی" یہ کیا بات ہے؟ میں نے تو ان سے ایک پیسا لینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔"

"ذیشان نے ٹیپ ریکارڈ کو بند کرتے ہوئے نمرہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولا۔

"نمرہ! پہلے یہ سن لو اس کے بعد بولو۔"

اس نے پھر دوبارہ ریکارڈ کو آن کیا تو فلک آفتاب کی آواز سنائی دی" میں جانتا ہوں آپ زبان کی دھنی ہیں لیکن ہمیں کچھ اور وقت دیتیں تو زیادہ مناسب ہوتا۔"

مسز رانا کی آواز سنائی دی" دیکھئے بھائی صاحب......! جتنی جلدی ہم جائیں جبران کا علاج شروع ہو جائے گا اور اتنی ہی جلدی آپ کو رقم بھی مل جائے گی ورنہ کام میں تاخیر ہو گی۔"

"اچھا میں ذرا سوچ کر ایک گھنٹے کے اندر آپ کو کال کرتا ہوں۔"

اس کے بعد ٹیپ ریکارڈ خاموش ہو گیا۔ ذیشان نے اسے بند کرتے ہوئے اپنے ماں باپ کو دیکھا۔ نمرہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا" ڈیڈ! یہ میں نے کیا سنا ہے؟ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ مجھے دھوکا دے رہے ہیں؟ میری لاعلمی میں جبران اور اس کی ماں سے تین کروڑ روپے وصول کر رہے تھے؟"

فلک آفتاب نے سر جھکا کر چور نظروں سے اپنی بیگم کو دیکھا بیگم آفتاب صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگی نمرہ نے کہا" ڈیڈ...... آپ نے سر جھکا لیا۔ ممی نے منہ پھیر لیا۔ بھائی جان نے اتنا ٹھوس ثبوت پیش کیا ہے کہ اب آپ لوگوں کے پاس اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے بھی الفاظ نہیں ہیں۔"

بیگم آفتاب نے گھوم کر ذیشان کو دیکھا پھر کہا" ہم کیا اپنی صفائی پیش کریں گے۔ یہ میرا بیٹا نہیں دشمن ہے۔ یہ اپنی بیوی کی ذرا سی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا اس لیے ماں باپ کو بے عزت کر رہا ہے۔"

ذیشان نے کہا" آپ چاہتی ہیں کہ میں ماں باپ کی جھوٹی عزت رکھنے کے لیے اپنی بے قصور بیوی کو سولی پر چڑھا دوں؟"

"نا چڑھاؤ سولی پر اسے۔ گلے کا پھندا بنائے رکھو۔ میں نے ایسا جورو کا غلام آج تک نہیں دیکھا۔"

"ممی! آپ بات بدل رہی ہیں۔ اس وقت جو الزام لگ رہا ہے اس کا جواب دیں۔"

بیگم آفتاب نے نمرہ سے کہا" بیٹی اولاد تو اپنے ماں باپ پر اندھا اعتماد کرتی ہے کیونکہ ماں باپ جو کچھ بھی کرتے ہیں اولاد ہی کی خاطر کرتے ہیں۔ تم ہی سوچو ہم نے کبھی تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف ہونے دی؟ تمہاری کون سی ضروریات پوری نہیں کی ہیں؟ اگر تمہیں جی جان سے چاہنے والے ماں باپ نے تمہاری لاعلمی میں کسی سے کچھ رقم لی بھی ہے تو اس کے پیچھے بھی تمہاری ہی بھلائی چھپی ہوئی ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا" آج سے پانچ برس پہلے جب ہم اس گھر میں نہیں آئے تھے اس وقت مرحوم سکندر حیات زندہ تھے ہم اپنا کاروبار کرتے تھے اپنے مکان میں رہتے تھے' کاروبار میں زیادہ سے زیادہ منافع کی خاطر میں بے ایمانی کرتا تھا۔ مگر یہ سب اپنی اولاد کی خاطر ہی تو کرتا تھا۔ آج اگر تین کروڑ کا محاسبہ کیا جا رہا ہے تو پھر اس کا محاسبہ کرو کہ میں نے تم لوگوں کو پال پوس کر جوان کرنے اور کسی قابل بنانے کے لیے بے ایمانی کیوں کی تھی؟"

نمرہ نے حیرت سے ذیشان ...... کی طرف دیکھا۔ وہ بولا" ڈیڈ......! تب ہم بچے تھے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آپ کاروبار دیانتداری سے کر رہے تھے یا بددیانتی سے۔ لیکن اب تو ہمیں اچھے برے کی تمیز ہے! آپ کو یاد ہوگا کہ جب میں انسپکٹر تھا تب میں نے آپ کی فیکٹری پر چھاپا مارا تھا اور میں نے اس فیکٹری کا تمام مال ضبط کر لیا تھا۔ اور آپ کو وارننگ دی تھی کہ آئندہ آپ اس قسم کا دھندا کریں گے تو میں باپ بیٹے کے رشتے کا لحاظ نہیں کروں گا۔ تب آپ نے مجبور ہو کر بابر کے ساتھ یہ نیا کاروبار شروع کیا ہے۔"

پھر وہ نمرہ کی طرف دیکھ کر بولا" نمرہ اس وقت تم نادان تھیں۔ جب میں نے ان کا محاسبہ کیا تھا۔ آج تم نادان نہیں ہو۔ تم ان سے پوچھنے کا حق رکھتی ہو۔"

نمرہ اپنے ماں باپ سے مخاطب ہو کر بولی" میں نے مسز رانا سے دس کروڑ روپے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ میں آپ لوگوں کے سامنے بچی ہوں لیکن مجھ میں اتنی عقل ہے کہ اگر وہ

رقم لے لیتی تو ہمیشہ کے لیے ان کی نظروں سے گر جاتی اور وہ محترمہ مجھے اپنی معزز بہو نہیں بکاؤ مال سمجھتی رہتیں۔"

اس نے غصے میں ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے۔ سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے اس نے ریسیور کان سے لگایا رابطہ ہونے پر کہا "ہیلو جبران......! میں نمرہ بول رہی ہوں۔"

وہ ادھر سے چہک کر بولا "ہائے نمرہ...... میں ابھی تمہیں ہی یاد کر رہا تھا۔"

"تمہاری ماما کہاں ہیں؟"

"یہیں ہیں۔"

"تم ابھی اپنی ماما کے ساتھ یہاں چلے آؤ۔ میں اپنے گھر میں ہوں۔"

"کوئی ضروری بات ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"میں ساری باتیں یہیں اپنے خاندان والوں کے سامنے بتاؤں گی۔ جتنی جلدی ہو سکے انہیں یہاں لے آؤ۔"

"بس ابھی لے کر آرہا ہوں۔"

پھر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ بیگم آفتاب نے کہا "انہیں یہاں بلانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ممی مجھے اپنی زندگی اپنے طور پر گزارنی ہے اور اب میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ آپ لوگوں کی انگلیاں پکڑ کر چلوں گی تو ٹھوکریں کھاتی رہوں گی۔"

"کیا تم مسز رانا کی انگلی پکڑ کر چلو گی؟" بیگم آفتاب نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

نمرہ نے ناگواری سے کہا "وہ محترمہ یہاں آتو جائیں پھر میں اپنا فیصلہ سناتی ہوں۔"

اسما نے ذیشان سے کہا "تب تک میرا فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ کیا میں اس گھر میں رہوں یا چلی جاؤں؟"

عینی اور عروج اس کے قریب آگئیں۔ عینی نے کہا "نہیں بھابی جان آپ کیوں جائیں گی اس گھر سے؟ آپ کا الزام غلط تو نہیں تھا...... آپ تو میرے گھر میں سچائی اور دیانت داری چاہتی ہیں۔ مجھے آپ پر فخر ہے بھابی جان۔"

اسما نے عینی اور عروج کو دونوں کو بازوؤں میں سمیٹ کر خود سے لپٹا کر روتے ہوئے کہا "میں ابھی بہت بڑی گالی کھا چکی ہوں۔ تمہارے بزرگ ابھی مجھے طلاق دلوانا چاہتے تھے۔ اگر میرا مجازی خدا واقعی میرے مقدر کا خدا نہ ہوتا تو میں کہیں کی نہ رہتی۔"

ذیشان نے کہا "اسما ...... میں تمہیں اسی لیے دل و جان سے چاہتا ہوں کہ تم کسی کا برا نہیں چاہتیں۔"

فلک آفتاب کا سر جھکا ہوا تھا۔ بیگم آفتاب منہ بنا ئے ہوئے بیٹھی تھی۔ بابر اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ وہاں سے جانا چاہتا تھا لیکن ذیشان نے ڈانٹ کر پوچھا "کہاں جا رہے ہو؟"

"کیا مجھے آپ سے پوچھ کر جانا ہوگا؟"

"ہاں! جب تک سب یہاں موجود ہیں تمہیں بھی رہنا ہوگا اور اپنے جرم کا اعتراف کرنا ہوگا۔ تم بہن کو شادی سے پہلے ہی لندن بھیجنے کے لیے ان سے تین کروڑ روپے کا سودا کر رہے تھے۔"

"میں ایسا کچھ نہیں کر رہا تھا اور میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"میرے متعلق مشہور ہے کہ جس کے خلاف ثبوت نہیں ملتا اور جو ہیرا پھیری کے ذریعے سزا سے بچ جاتا ہے میں اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑتا۔ اور اس معاملے میں ایس پی ذیشان اپنے پرائے کی تمیز نہیں کرتا۔"

ماں تڑپ کر بولی "یہ کیا بکواس کر رہے ہو ذیشان!"

"آپ خاموش بیٹھی رہیں۔ اسے اپنے جرم کا اعتراف کرنا ہوگا ورنہ آپ اور ڈیڈی اسے میری سزا سے نہیں بچا سکیں گے۔"

ماں باپ پریشان ہو کر کھڑے ہو گئے باپ نے کہا "بیٹے کیوں بھائی کے دشمن بن رہے ہو۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ یہ ہمارے گھریلو معاملات ہیں تم اسے قانونی گرفت میں کیوں لینا چاہتے ہو؟"

"میں آپ سے بحث نہیں کروں گا مگر آپ اس سے کہیں کہ یہ حقیقت کا اعتراف کرے اور اپنی بھابی سے معافی مانگے ورنہ میں ابھی فون کرتا ہوں میرے آدمی آئیں گے اور اسے پکڑ کر لے جائیں گے۔"

بابر نے غصے سے پوچھا "آپ مجھے کس جرم میں گرفتار کریں گے؟"

"میں جب کسی کا جرم ثابت نہیں کر سکتا تو پھر اپنی عدالت قائم کرتا ہوں۔ اس عدالت کا منصف بھی میں ہوں اور میں ہی سزا سناتا ہوں تم سے جو ہوتا ہے وہ اپنے بچاؤ کے لیے ابھی کر دیکھو۔"

ماں باپ اپنے بڑے بیٹے کے بارے میں اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ ارادے کا پکا ہے اور جو کہہ دیتا ہے وہی کرتا ہے۔ وہ دونوں تیزی سے بابر کے پاس آئے اور بیگم آفتاب نے کہا "بیٹا......! یہ جو کہہ رہے ہیں مان لو بحث نہ کرو کہ تم سے غلطی ہوئی تھی۔"

وہ بولا "ممی......! یہ میرے بڑے بھائی ہیں میں ان سے ہزار بار معافی مانگ سکتا ہوں لیکن بھابی جان سے معافی مانگنا میری توہین ہے۔"

فلک آفتاب نے بابر کے شانے کو تھپک کر کہا "بیٹے بات بڑھاؤ۔ معافی مانگ لو تاکہ گھر کی بات گھر میں ہی رہے۔"

بابر نے بے بسی سے نمرہ، عروج اور عینی کو دیکھا پھر ذیشان کی طرف دیکھ کر رکھائی سے بولا "ٹھیک ہے بھائی جان مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی تھی۔"

پھر وہ اسما کی طرف مڑا "بھابی جان میں......"

اسما نے تقریباً چیختے ہوئے کہا "خبردار...... مجھے بھابی جان نہ کہنا۔ تم نے مجھے ماں کہا تھا لیکن اسی ماں کو جھوٹا کہہ دیا جب میرے لیے طلاق تک کا حکم دیا جا رہا تھا تم خاموش تماشائی بن گئے۔ تم کوئی رشتہ نہیں نبھا سکتے لہٰذا آئندہ کبھی مجھے بھابی نہ کہنا۔ تمہیں مجھ سے معافی مانگنے کی بھی ضرورت نہیں میں نے تمہیں معاف کیا۔"

بابر سر جھکا کر وہاں سے چلا گیا۔ عینی نے فلک آفتاب کو دیکھتے ہوئے کہا "بھابی جان کتنی عظیم ہیں اور آپ گھر کے بزرگ ہو کر بہو کو طلاق دینے کی بات کر رہے تھے۔ خدانخواستہ اگر ان کا سچ ثابت نہ ہوتا تو آپ تو ان کے پیچھے ہی پڑ جاتے اور انہیں گھر سے اور بھائی جان کی زندگی سے نکال کر دم لیتے۔"

ذیشان نے کہا "عینی...... تمہاری بھابی جان کی پوزیشن اب اس گھر میں پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئی ہے اب کوئی انہیں یہاں سے ہلا نہیں سکے گا اور مجھے یقین ہے یہ بڑی فراخدلی سے ان بزرگوں کو بھی معاف کر دیں گی۔"

"بھابی جان کا دل تو دریا ہے یقیناً یہ معاف کر دیں گی لیکن مجھے تو بڑے ابو پر حیرت ہے یہ میرے کیسے سرپرست ہیں جو صرف پیسے سے ہر رشتہ جوڑتے ہیں۔ یہ تو اس گھر کو ہی چھوڑ کر جا رہے تھے۔ اگر یہ پچاس لاکھ کے مقروض نہ ہوتے اور میں وہ رقم معاف نہ کر دیتی تو یہ تو مجھے چھوڑ کر جا چکے ہوتے۔ مجھے اب بھی اس پچاس لاکھ کی کوئی فکر نہیں۔ مگر انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ میری سرپرستی کرنے کے قابل نہیں ہیں کبھی بیٹے اور بہو کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور کبھی اپنی بیٹی نمرہ کو قابلِ فروخت چیز بنا دیتے ہیں۔ کیا ان سے صرف اس لیے باز پرس نہیں ہونا چاہیے کہ یہ ہمارے بزرگ ہیں؟"

ذیشان نے کہا "محاسبہ ہونا تو چاہیے مگر ہمیں بزرگوں سے باز پرس کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

عینی نے کہا "ان حالات میں تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ آج سے بھابی جان اور آپ میرے سرپرست بنیں اور بڑی امی اور بڑے ابو یہاں ہمارے بزرگوں کی حیثیت سے رہیں گے لیکن گھر کے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کریں گے۔ میں بڑی امی سے درخواست کرتی ہوں کہ سیف کی اور اس گھر کی تمام چابیاں بھابی جان کے حوالے کر دیں۔"

ذیشان نے کہا "یہ مناسب فیصلہ ہے ابھی اسما کی جتنی توہین ہو رہی تھی تمہارے فیصلے سے اتنی ہی عزت اسے مل رہی ہے۔"

فلک آفتاب نے اپنی بیگم سے کہا "جاؤ اور تمام چابیاں انہیں دے دو۔"

وہ غصے سے بولی "بس ہماری بہت توہین ہو چکی میں تو اب اس گھر میں نہیں رہوں گی۔" اور پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ ادھر فلک آفتاب سنجیدگی سے سر جھکائے سوچ رہا تھا کہ ہر جگہ سے مات ہو رہی ہے اب نہ وہ تین کروڑ روپے انہیں ملیں گے اور نہ گھر کے اخراجات کے ماہانہ ایک لاکھ روپے اب تو ایک روپیہ بھی ان کے ہاتھ نہیں آئے گا اور وہ ہیرا پھیری سے بھی جو کچھ ہر ماہ بچا لیا کرتے تھے وہ بھی ہاتھ سے گیا۔ اپنے چھوٹے سے کاروبار میں بھلا کیا گزارا ہوگا۔ اس کے ذہن میں یہی آرہا تھا کہ اسی گھر میں رہا جائے۔ کم سے کم روزمرہ اخراجات اور گھر کے کرائے کی رقم تو بچے گی۔ اپنے کاروبار کا منافع صرف جمع کیا جائے تاکہ کسی آڑے وقت کام آسکے۔

ذرا سی دیر میں بیگم آفتاب نے گھر کی تمام چابیاں لا کر میز پر پٹختے ہوئے اپنے شوہر سے پوچھا "اب بھی کیا ہمیں یہیں رہنا چاہیے؟" تو اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"بیگم ہم سے کچھ غلطیاں تو ہوئی ہیں مگر اب ان کا ازالہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ہم یہیں رہ کر عینی پر ثابت کریں کہ ہمیں اس سے اور اس گھر سے کتنی محبت ہے۔"

اسی دوران کال بیل کی آواز سنائی دی۔ نمرہ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ باہر مسز رانا اور جبران کھڑے مسکرا رہے تھے۔ نمرہ کے چہرے پر گہری سنجیدگی دیکھ کر مسز رانا نے پوچھا "بیٹی......! خیر تو ہے؟"

نمرہ نے انہیں آداب کرتے ہوئے کہا "جی ہاں۔ آئیے تشریف لائیں۔"

وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ مسز رانا بڑی جہاں دیدہ خاتون تھی۔ وہ سب کو خاموش اور سنجیدہ دیکھ کر سمجھ

رہی تھی کہ معاملہ کچھ گمبھیر سا ہے۔ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کے چہرے پر بھی مسکراہٹ نہیں تھی اور انہوں نے خوش دلی سے اسے خوش آمدید تک نہیں کہا تھا۔ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے مسز رانا نے پوچھا ''آپ سب اتنے خاموش کیوں ہیں؟ بات کیا ہے؟''

پھر وہ نمرہ کو دیکھ کر بولی ''بیٹی نے ہمیں اچانک بلایا 'خیریت تو ہے؟''

نمرہ نے کہا ''آپ نے پہلے رشتے کی بات کی تھی' ہم نے منظور کیا۔ پھر آپ نے یہاں آکر دس کروڑ کی آفر کی' میں نے سب کے سامنے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا۔''

وہ بولی ''بے شک یہ کہہ کر تم نے میرا دل جیت لیا اور میرے دل میں اپنی اہمیت اور بڑھا دی۔''

نمرہ نے کہا ''لیکن اس کے بعد کیا ہوا کہ آپ نے میری اہمیت بالکل ہی ختم کر دی۔''

وہ چونک کر بولی ''یہ کیا کہہ رہی ہو میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔''

''آپ میری ممی اور ڈیڈی کو تین کروڑ روپے کس حساب میں دے رہی تھیں؟''

مسز رانا نے سر گھما کر بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کو دیکھا۔ وہ دونوں اس سے نظریں چرانے لگے۔ وہ نمرہ سے بولی ''بعض اوقات بچوں سے ہٹ کر بزرگوں کے کچھ اپنے معاملات بھی ہوتے ہیں۔ تم نے رقم لینے سے انکار کیا یہ تمہارا بڑا پن ہے۔ لیکن میں ذاتی طور پر تمہارے والدین کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھی۔ جب تم سے رشتے داری ہونے والی ہے تو پھر تمہارے والدین سے بھی رشتے داری اور اپنائیت ہے۔ میں ان کے کسی کام آنا چاہوں تو تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔''

''آپ کس لیے کام آرہی ہیں۔ کیا انہوں نے آپ سے کہا ہے کہ یہ مفلس اور محتاج ہیں ان کو کاروبار کو سہارا دینے کے لیے تین کروڑ روپے کی ضرورت ہے؟''

''بیٹی! تم کچھ بھی سمجھ لو میں ان کی ضرورت کے وقت کام آنا چاہتی ہوں۔''

''آنٹی! ہم مفلس اور کنگال نہیں ہیں۔ میری کزن عینی ہے۔ میرے دوسرے کزن مقدر حیات ہیں۔ یہ کروڑوں میں کھیلتے ہیں اور ابھی تین کروڑ ممی اور ڈیڈی کو دے سکتے ہیں۔ آپ صاف صاف بتائیں میری ممی اور ڈیڈی نے تین کروڑ کا مطالبہ کیا ہے یا آپ انہیں خیرات دے رہی ہیں؟ دونوں صورتوں میں میری بے عزتی ہے۔ آپ اپنی ہونے والی بہو کو تین کروڑ میں تول کر یہاں سے لے جانا چاہتی ہیں[illegible] منظور نہیں ہے۔''

جبران نے پریشان ہو کر کہا ''یہ تم کیا کہہ رہی[illegible] کیا منظور نہیں ہے؟''

مسز رانا نے اپنے بیٹے سے کہا ''جبران! تم خا[illegible] مجھے بات کرنے دو۔''

وہ ذرا تند لہجے میں بولا ''آپ کو کیا با[illegible] دوں؟ آپ نے تین کروڑ والی بات نمرہ سے کیو[illegible] تھی؟''

''بیٹے! تم میری ممتا کو نہیں سمجھو گے۔ مقدر حیا[illegible] تھا کہ تمہاری شادی پانچ ماہ بعد ہونی چاہیے پھر یہ[illegible] تک نمرہ کا تمہارے ساتھ رہنا بھی بہت ضروری تھ[illegible] اس کے بغیر علاج کے لیے جانا نہیں چاہتے تھے[illegible] کرتی؟ اگر نمرہ سے کہتی کہ اس کے والدین کو تین کر[illegible] دے کر اسے یہاں سے لے جانے کے لیے راضی کر[illegible] تو یہ کبھی راضی نہ ہوتی۔ اگر میں اس کے والدین[illegible] حل نہ کرتی تو یہ مجھ پر مہربان نہ ہوتے اور بیٹی کو[illegible] لے جانے کی اجازت نہ دیتے۔ میں تو دونوں ط[illegible] پھنس رہی تھی۔ میرے سامنے ایک یہی راستہ تھا[illegible] سے یہ بات چھپا لوں۔''

بیٹے نے کہا ''چھپانے کا نتیجہ دیکھ رہی ہیں؟ [illegible] سے دس کروڑ لینا نہیں چاہتی تھی اور آپ نے تین[illegible] لیے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔''

مسز رانا نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا ''نمرہ.... [illegible] لیے میری ممتا کو سمجھو۔ اس کی دیوانگی کو سمجھو۔ یہ تمہا[illegible] اتنا دیوانہ ہے کہ اس نے مجھے بھی پاگل بنا دیا۔ [illegible] سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو گئیں ہیں۔ میں صرف[illegible] بات جانتی ہوں کہ کسی طرح اپنے بیٹے کے لیے[illegible] زیادہ خوشیاں حاصل کر سکوں' اور اس کی خوشیوں کا[illegible] تم ہی ہو۔''

''سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ جب میں جبران[illegible] کا مرکز ہوں تو آپ نے میرے اعتماد کو ٹھیس کیوں[illegible]

''بیٹی! میری بات کو سمجھو۔ دنیا داری نبھانے[illegible] انسان بہت سے کام کرتا ہے۔ اگر مجھے یہ یقین ہوتا[illegible] دنیا کی مخالفت مول لے کر بھی شادی سے پہلے ہمار[illegible] جانے کو تیار ہو جاؤ گی تو میں کبھی ایسی حماقت نہ کرتی[illegible] لیے میری اندھی ممتا کو سمجھو۔''

نمرہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے پہلے جبران[illegible]

[illegible] پھر اپنی ماں کو دیکھا اور بولی ''دونوں طرف مائیں [illegible] دونوں طرف ممتا ہے۔ ایک ماں اپنی تمام دولت اپنی تمام [illegible]اں اور اپنی تمام زندگی ہار کر اپنے بیٹے کے لیے مجھے [illegible] کرنا چاہتی ہے دوسری طرف یہ میری ممی ہیں میرے [illegible] ٹھیس پہنچا کر میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر تین کروڑ [illegible] حاصل کر رہی تھیں۔ ان حالات میں مجھے کیا کرنا [illegible]''

[illegible]ب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ مسز رانا تڑپ [illegible] جگہ سے اٹھی اور نمرہ کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے [illegible] اگر تم نے میرے بیٹے کے ساتھ جانے سے انکار کیا [illegible] تمہارے قدموں میں سر پٹخ کر اپنی جان دے دوں [illegible]''

نمرہ اور عروج نے لپک کر اسے دونوں طرف سے تھام [illegible] اٹھا کر پھر صوفے پر بٹھاتے ہوئے نمرہ نے کہا ''بے [illegible] آپ اپنے بیٹے کے لیے بہت کچھ کر سکتی ہیں اور میں سمجھ [illegible]ہوں کہ آپ نے اندھی ممتا سے مجبور ہو کر ایسا کیا ہے [illegible] آئندہ آپ میری بات مانیں گی تو میں بھی آپ کی بات [illegible]ہوں گی۔''

وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی ''تم جو کہو گی میں وہ [illegible]ں گی۔''

نمرہ وہاں سے چلتی ہوئی جبران کے پاس آئی پھر اس [illegible] اس صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی ''میں جبران کے ساتھ [illegible]ں گی۔''

جبران نے خوشی کے مارے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام [illegible]س نے اپنا ہاتھ نہیں چھڑایا۔ وہ مسز رانا سے مخاطب [illegible] ''آپ میرے والدین کو تین کروڑ تو کیا تین روپے بھی [illegible] دیں گی۔''

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے چونک کر بیٹی کو دیکھا۔ [illegible] انا نے کہا ''میں کہہ چکی ہوں تم جو کہو گی وہ کروں گی۔''

''دوسری بات یہ کہ آئندہ آپ میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں [illegible]یں گی۔''

مسز رانا.... اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ہوئے [illegible] میری توبہ ہے آئندہ مجھ سے ایسی غلطی کبھی نہیں ہوگی۔''

بیگم آفتاب نے بیٹی کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ [illegible] حال تم جو بھی فیصلہ کرو مگر م[illegible] نے طے کر لیا ہے کہ میں [illegible] نہیں جاؤں گی۔''

نمرہ نے کہا ''میں ابھی آنٹی سے یہی کہنے والی تھی کہ آپ [illegible] ٹکٹ کینسل کر دیا جائے۔ آپ تو صرف دوسروں کو بہکانے کے لیے جا رہی تھیں کہ میں آنٹی اور جبران کے ساتھ نہیں آپ کے ساتھ جا رہی ہوں۔ لیکن اب تو بات کھل گئی ہے۔ اب کس بات کا پردہ ہے؟ میں آپ کے بغیر بھی جا سکتی ہوں۔''

فلک آفتاب نے کہا ''تم اتنی خود مختار نہیں ہوئی ہو کہ اپنے کسی بزرگ کے بغیر یہاں سے لندن چلی جاؤ۔''

''میں بالغ ہوں اپنے طور پر اپنی زندگی کا فیصلہ کر سکتی ہوں۔''

ذیشان نے کہا ''نہیں نمرہ ابھی تمہارے باپ اور بھائی زندہ ہیں۔ تم ایسا کوئی قدم اٹھاؤ گی تو سارے خاندان میں بدنامی ہوگی۔''

وہ عاجزی سے بولی ''بھائی جان......! آپ اعتراض کریں گے تو بڑی پرابلم ہو جائے گی۔''

''کیسی پرابلم ہوگی؟''

''میرے جانے کی کئی وجوہات ہیں۔ میرے بغیر جبران کا علاج نہیں ہو سکے گا۔ انہیں الیکٹرک شاک سے نجات دلانی ہے اور یہ صرف میں کر سکتی ہوں دنیا کا کوئی ڈاکٹر نہیں کر سکے گا۔''

ذیشان نے کہا ''وجہ کتنی ہی معقول ہو تم شادی کے بغیر ان کے ساتھ جاؤ گی تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔''

فلک ناز ان کی باتیں سن رہی تھی وہ فوراً بولی ''ذیشان میاں! اگر نمرہ کا جانا اتنا ہی ضروری ہے تو جبران سے اس کا نکاح پڑھا دیں پھر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

وہ بولا ''نکاح پڑھا دیں؟ پھوپی جان! کیا شادی بیاہ بچوں کا کھیل ہے کہ ابھی شادی کر دی جائے ابھی رخصتی ہو جائے؟''

''ایسا ہو سکتا ہے' عینی نے بھی تو چند گھنٹوں میں شادی کا فیصلہ کیا تھا اور اس کا نکاح ہونے والا تھا۔ کام جائز ہو تو کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔''

ذیشان چند لمحوں تک سر جھکائے سوچتا رہا پھر اس نے نمرہ سے پوچھا ''کیا تمہارا جانا واقعی بہت ضروری ہے؟''

''جی بھائی جان! ورنہ میں آپ کے سامنے کبھی ضد نہ کرتی۔''

''تو پھر یہی مناسب ہے کہ پہلے تمہارا نکاح جبران سے ہو اس کے بعد تم یہاں سے جا سکو گی۔''

نمرہ اور مسز رانا نے ایک دوسرے کو پریشان ہو کر دیکھا اور دونوں نے بے اختیار انکار میں سر ہلایا۔ ذیشان نے پوچھا ''کیا بات ہے؟''

''وہ بھائی جان! بات یہ ہے کہ ہماری شادی پانچ ماہ کے بعد ہی ہوسکتی ہے اس سے پہلے نہیں۔''

اس نے تعجب سے پوچھا ''ایسی کیا مجبوری ہے؟''

مسز رانا جلدی سے بولی ''وہ مقدر حیات علم نجوم میں حیرت انگیز مہارت رکھتے ہیں۔ پتا نہیں آپ انہیں مانتے ہیں یا نہیں۔ مگر ہم سب آنکھیں بند کر کے یہ یقین کرنے لگے ہیں کہ ان کی بتائی ہوئی ہر بات سچ ہوتی ہے۔''

اسما نے چونک کر ذیشان کا بازو پکڑتے ہوئے کہا ''میں یہاں مقدر میاں کی بات کرنے آئی تھی۔ بہت ضروری بات ہے لیکن یہاں ان مسائل میں الجھ کر رہ گئی۔ پلیز آپ ایک طرف آئیں میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

وہ بولا ''اسما! ذرا صبر کرو ہم مقدر میاں کی ہی بات کررہے ہیں۔''

پھر اس نے نمرہ سے پوچھا ''کیا مقدر میاں نے کہا ہے کہ تمہیں پانچ ماہ سے پہلے شادی نہیں کرنی چاہیے؟''

نمرہ... اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی ''اور یہ بھی کہا ہے کہ میں شادی کے بغیر جبران کے ساتھ ایک طویل عرصے تک رہوں گی۔''

وہ ناگواری سے بولا ''یہ کیا بکواس ہے۔ میں ایسی بے ہودہ پیش گوئی کو تسلیم نہیں کروں گا۔''

اسما نے اس کے بازو کو جھنجوڑتے ہوئے کہا ''آپ میری بات تو سن لیں۔ میں کتنی دیر سے ان کی ایک پیش گوئی آپ کو بتانا چاہتی ہوں لیکن آپ ہیں کہ سننا ہی نہیں چاہتے چلیں ادھر آئیں۔'' وہ اسے کھینچتی ہوئی ایک طرف لے گئی اور سب سے دور ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں پہنچ کر دھیمی آواز میں بولی ''مقدر میاں نے آپ کے بچاؤ کا راستہ بتایا ہے۔''

وہ حیرانی سے بولا ''کیا کہہ رہی ہو؟''

''آپ کو یاد ہوگا انہوں نے پیش گوئی کی تھی کہ آپ اپنے ایک وفادار ماتحت کی غداری کے باعث مصیبتوں میں مبتلا ہوں گے اور یہی ہو رہا ہے۔ آپ کی جھوٹی میڈیکل رپورٹ نے تمام رشتے داروں کو یقین دلا دیا تھا کہ آپ باپ نہیں بن سکتے لیکن اس نے ہاتھ کی لکیر دیکھتے ہی بتا دیا تھا کہ آپ باپ بن سکتے ہیں اور یہ حقیقت آپ سب سے چھپا رہے ہیں۔''

وہ قائل ہو کر سر ہلاتے ہوئے بولا ''ہاں یہ بات تو ہے اب اس نے کیا کہا ہے؟''

''اس نے کہا ہے جس طرح ایک وفادار ماتحت کی غداری کے باعث آپ مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہ طرح ایک وفادار ماتحت کے ذریعے آپ دشمنوں پ آجائیں گے اور آپ پر لگے تمام الزامات ختم ہ گے۔''

ذیشان کو یکلخت یوں محسوس ہوا جیسے سر پر سے ب اتر گیا ہے اس نے خوش ہو کر پوچھا ''مقدر میاں نے او ہے؟''

''میں نے پوچھا تھا اس ہمدرد ماتحت کا نام کیا ہے نے اس کا پورا نام تو نہیں بتایا تھا ہاں اتنا کہ اس کے تین بار حرف ''بی'' آتا ہے۔''

ذیشان نے سوچنے کے انداز میں زیر لب کہا ''حرف بی......؟''

پھر ایک دم سے چونک کر کہا ''اوہ گاڈ...... بچھو بابا

اسما تیزی سے سر ہلاتے ہوئے بولی ''ہاں اس تو تین بی آرہا ہے...... کیا یہ آپ کا کوئی ماتحت ہے؟''

''آہستہ بولو کوئی نہیں جانتا کہ وہ خطرناک ب تابعدار ہے۔''

گھر کے تمام افراد ان کی طرف دیکھ رہے تھے او ہو رہے تھے کہ وہ میاں بیوی دور جا کر ایک دوسرے باتیں کررہے ہیں۔ اسما نے کہا ''آپ نمرہ کے مس سے جلد نمٹا میں اور مقدر سے ابھی ملاقات کریں۔ کمرے میں ہے۔''

وہ ان تمام افراد کی طرف پلٹ کر آنا چاہتا تھا پھر اسے روک کر کہا ''ایک بات اور سن لیں۔ مقدر بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے جب اس نے کہہ دیا ہے کہ نم ماہ بعد شادی کرنا چاہیے تو پانچ ماہ بعد ہی شادی ہو جب اس نے کہہ دیا کہ وہ شادی کے بغیر جبران کے عرصے تک رہے گی تو پھر وہ ضرور رہے گی۔ آپ خوا کرلیں۔ میرا مشورہ مانیں صرف اپنے دشمنوں پر توجہ د

اس نے قائل ہو کر سر ہلایا اور سب کے درمیان اور مسز رانا کو دیکھا اور کہا ''میں مقدر میاں سے ۔ ہوں اگر اس کا وہی مشورہ ہوا جو تم کہہ رہی ہو تو اعتراض نہیں کروں گا۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے جانے لگا۔ نمرہ اور مسز رانا ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا جبران نے بھی مسکراتے ہ ہاتھ نمرہ کی طرف بڑھایا۔ نمرہ نے اپنا ہاتھ اس کے دے دیا۔ وہ دل کی گہرائیوں سے اس بات پر یقین ر کہ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے لیکن میری بات اٹل

میں نہ ماننے والوں کو بھی سر جھکانے پر مجبور کردیتا ہوں۔

اسما نے دستک دی۔ میں نے دروازہ کھول کر دیکھا ون میاں بیوی کھڑے ہوئے تھے میں نے دروازے کو ی طرح کھولتے ہوئے کہا ''اندر آئیے۔''

ذیشان نے اندر آتے ہی میرے دونوں شانوں کو ہولی سے تھام کر مجھے جھنجوڑتے ہوئے کہا ''تمہاری بھابی ن کہہ رہی ہیں تم نے بہت بڑی خوشخبری سنائی ہے، اس رح تم میرے سر سے پہاڑ اتار رہے ہو۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''میں تو کچھ نہیں کررہا ہوں رتا ہے وہ ہاتھ کی لکیریں کریں گی۔''

''لکیریں جو کریں گی سو کریں گی تم تو غضب کررہے مجھے تو حیران کردیا ہے۔ کیا میرے ہاتھ کی لکیروں نے ہیں بچھو بابا کا نام بھی بتا دیا ہے؟''

میں نے انجان بن کر پوچھا ''کون بچھو بابا؟''

''انجان نہ بنو اس نام میں تین بار حرف بی آتا ہے۔''

میں نے کہا ''اوہ اب سمجھا۔ آپ یقین کریں میں اس کا نام نہیں جانتا۔ لکیریں بس یہی بتا رہی تھیں کہ آپ کے ماتحت کا نام تین بار حرف بی سے ہوگا۔''

''یہی تو شدید حیرت کی بات ہے۔ آج ہی میں نے فون چھو بابا سے کہا ہے کہ وہ فوراً پاکستان آجائے مجھے اس کی سخت رورت ہے۔ میرے اس راز دار ماتحت کے بارے میں کوئی نہیں جانتا لیکن تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہی شخص میری مدد رسکتا ہے۔ مقدر میاں میں حیران ہوں کہ تم کیا ہو؟''

''سب ہی حیران ہوتے ہیں کوئی یقین نہیں کرتا کہ ہاتھ لکیریں مجھے اتنی گہری باتیں بتا دیتی ہیں۔ اب میں کیا روں؟ سوچتا ہوں آئندہ اپنے آپ کو قابو میں رکھوں گا اور باتیں بتانے سے پرہیز کروں گا۔''

اسما نے کہا ''خدا کے لیے ہمارے ساتھ ایسا نہ کرنا۔ جو سچ ہے ہمارے سامنے اگل دینا۔''

''یہی تو بات ہے۔ میں پورا سچ نہیں اگلتا۔ آدھا زبان پر ہوں آدھا پیٹ میں رکھ لیتا ہوں۔''

''لیکن تم ہمارے ساتھ ایسا نہیں کرو گے۔''

''میں مجبور ہوں۔ کاتب تقدیر نے ہم سب کے مقدر جو لکھا ہے اسے پورا ہونا چاہیے۔ میں آدھا سچ اس لیے بتا دیتا ہوں کہ اپنی قسمت کا حال سننے والا چوکنا ہو جائے اپنے بچاؤ کے لیے کوششیں کرے اور تقدیر کا لکھا بدلنے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کرے۔ اپنی ذہانت سے کام لے محنت کرے جس طرح بھائی جان محنت کررہے ہیں۔ ذہانت سے کام لے رہے ہیں میں نے تو اب کہا ہے کہ کسی بچھو بابا سے مدد لینی چاہیے لیکن میرے کہنے سے پہلے ہی بھائی جان نے سمجھ لیا تھا کہ بچھو بابا ان کے کام آسکتا ہے۔ میں ایسے انسانوں کی مدد ضرور کرتا ہوں جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔''

ذیشان نے کہا ''میں اپنے موجودہ کیس کے سلسلے میں کچھ اور باتیں کروں گا، پہلے یہ بتاؤں تم نے نمرہ سے کیا کہا ہے؟''

''میں نے کچھ نہیں کہا اس کے اور جبران کے ہاتھ کی لکیروں نے کہا ہے۔ پانچ ماہ سے پہلے ان کی شادی نہیں ہونی چاہیے اور شادی سے پہلے انہیں ایک ساتھ زندگی گزارنی چاہیے۔''

''مقدر میاں ذرا سوچو کیا یہ شرمناک بات نہیں ہے؟''

''میں نے ان کی لکیریں پڑھی ہیں اور یہ یقین سے کہتا ہوں کہ وہ ایک دوسرے کے قریب رہ کر بھی حیا کے تقاضے پورے کریں گے۔ نمرہ آپ کا اور اپنے والدین کا سر جھکنے نہیں دے گی۔''

''لیکن ہم رشتے داروں سے کیا کہیں گے؟ وہ تو طرح طرح کی باتیں بناتے رہیں گے۔''

''کوئی بات نہیں بنائے گا۔ یہ بہانہ معقول ہے کہ وہ ہائیر اسٹڈیز کے لیے لندن جارہی ہے اور اس کی ممی اس کے ساتھ ہیں۔''

''ممی کتنے عرصے تک ساتھ رہیں گی، وہ پھر واپس آجائیں گی۔''

''انہیں آنے دیں۔ کیا لڑکیاں دوسرے ممالک میں اکیلی رہ کر تعلیم حاصل نہیں کرتی ہیں؟ اسے جانے دیں۔ آپ مقدر کی بات مان لیں۔''

دونوں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا وہ جلدی سے بولا۔ ''میرا مطلب ہے اس کے مقدر میں جو لکھا ہے وہ مان لیں۔ نہیں مانیں گے تب بھی وہی ہوگا جو اس کے مقدر میں لکھا ہے آپ اسے روکنے کی اپنی سی کوشش کرلیں لیکن ہونی ہو کر رہے گی۔''

''کیا تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں اسے روک نہیں پاؤں گا؟''

''ہاں...... آپ اسے روکنے کی کوششوں میں اس کی طرف دھیان دیتے رہیں گے تو اپنے دشمنوں سے غافل ہو جائیں گے یوں آپ کو بہت بڑا نقصان ہوگا۔ وہ بچھو بابا آپ کی توجہ کے بغیر کچھ نہیں کر پائے گا۔''

اسما نے تڑپ کر ذیشان کے قریب آ کر کہا ''آپ صرف اپنے معاملات سے نمٹتے رہیں۔ نمرہ یہاں سے جیسے بھی جارہی ہے جانے دیں۔ خدا کے لیے اس کے معاملات

میں مداخلت نہ کریں۔"

میں نے کہا "نہیں کرنا چاہیے جب میں کہہ رہا ہوں کہ نمرہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، آپ کی عزت اور غیرت پر کوئی آنچ نہیں آئے گی تو پھر آپ کو مجھ پر بھروسا کرنا چاہیے۔"

ذیشان نے ایک گہری سانس لے کر مجھے دیکھا پھر کہا "پتا نہیں تم کیا چیز ہو۔ میں اپنے مزاج اور اصولوں کے خلاف کسی کی بات نہیں مانتا' لیکن تم اپنی بات منوا رہے ہو۔ ٹھیک ہے جو کہتے ہو وہ ہی کروں گا۔ مجھ پر جو مقدمہ چل رہا ہے اس کی بات کرو۔"

"آپ اپنی ذہانت اور تجربات سے جتنی جدوجہد کر سکتے ہیں اور دشمن کے خلاف جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کریں انشاءاللہ کامیابی ہوگی۔"

"مجھے کچھ تو اشارہ دو کچھ تو بتاؤ کہ مجھے مقدمے کے کس پہلو پر زیادہ توجہ دینی چاہیے؟"

"جرائم کی دنیا میں آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہیں۔ جرم کی کمزوریوں کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔ آپ کے ہاتھ کی لکیر نے مجھے بتایا تھا کہ آپ دشمن کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس پر غالب آجائیں گے۔ اب میں یہ نہیں جانتا کہ اس کی کمزوری کیا ہے اور آپ کس طرح اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔"

اسما نے کہا "مقدر میاں تم بڑی اچھی باتیں بتا رہے ہو لیکن اس کے ساتھ الجھا بھی دیتے ہو۔ کچھ بتاؤ تو سہی یہ دشمنوں کی کمزوریوں سے کس طرح کھیل سکتے ہیں؟"

"بھابی جان! میں ابھی کچھ نہیں بتا سکتا۔ آپ یقین کریں بھائی جان مجھ سے زیادہ جانتے ہیں آپ ان پر بھروسا کریں۔ کامیابی حاصل کرنے میں ذرا دیر ہوگی، پھانسی کا پھندا گردن کے قریب آجائے گا لیکن اچانک ہی وہ پھندا گلے کا ہار بن جائے گا۔"

اسما پریشان ہو کر کچھ کہنا چاہتی تھی ذیشان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "نہیں اسما مقدر سے کچھ نہ کہو۔ میں اس کی بات سمجھ گیا ہوں۔ واقعی مجرموں کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں اور ان کی کمزوریوں تک پہنچنا بھی جانتا ہوں۔ اب میں دردانہ اور شہباز درانی کے سلسلے میں کچھ کروں گا۔"

پھر اس نے میرے گال پر ہلکی سی چپت مارتے ہوئے کہا "مقدر مجھے تو ایسا لگتا ہے تم واقعی میرا مقدر بن کر یہاں آئے ہو! I LOVE YOU۔"

اسما نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "آئی لو یو ٹو۔"

میں نے اسما کے سامنے سر جھکایا' اس نے میری پیشانی چوم لی۔ ذیشان نے سر پر چپت مارتے ہوئے کہا "ہماری محبتیں تمہارے لیے ہیں۔"

پھر وہ میاں بیوی ڈرائنگ روم میں آگئے سب نے سوالیہ نظروں سے دیکھا ذیشان نے کہا "ممی......! آپ کے ساتھ لندن جائیں گی۔"

نمرہ' مسز رانا اور جبران نے خوش ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ بیگم آفتاب نے ناگواری سے پوچھا "بند کمرے میں اپنی بیوی کے ساتھ کیا کھچڑی پکا کر آرہے ہو؟"

"میں نے آپ کی بیٹی اور اپنی بہن کے لیے کھچڑی پکائی ہے۔ اب آپ اعتراض نہ کریں۔"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں سفر کرنے کے قابل نہیں ہوں۔"

نمرہ نے کہا "ممی! آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ خوا مخواہ کیوں بہانہ کر رہی ہیں؟"

ذیشان نے کہا "اس لیے کہ تم نے جو اپنی ماں کا کام بگاڑ دیا۔ آنٹی کو تین کروڑ کی ادائیگی سے روک دیا۔"

بیگم آفتاب نے چیخ کر کہا "فضول باتیں نہ کرو۔ میں روپے پیسے کی لالچی نہیں ہوں۔"

"ممی آپ میری بات کا برا نہ مانیں۔ آپ بالکل ٹھیک ہیں اور ابھی تھوڑی دیر پہلے تک آپ جانے کو تیار بھی تھیں۔ اب کوئی بہانہ نہ کریں۔"

فلک آفتاب نے کہا "بیٹے! اگر تمہاری ممی نمرہ کے ساتھ گئیں بھی تو زیادہ سے زیادہ کتنے عرصے تک رہیں گی؟ وہاں نمرہ کو تنہا چھوڑنا ہی پڑے گا۔"

"کوئی بات نہیں ڈیڈ! یہ نمرہ کے ساتھ کل چلی جائیں اور ایک ہفتے بعد واپس آجائیں۔ یہاں یہی کہا جائے گا کہ نمرہ کی رہائش کا انتظام ایک ہاسٹل میں ہو گیا ہے وہ وہاں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ پھر کوئی ہم پر انگلی نہیں اٹھائے گا۔"

فلک آفتاب، عینی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "میاں کے کہنے پر میں راضی ہو گیا ہوں تم کیا کہتی ہو؟"

"آپ کو تو میں ہمیشہ باپ کی جگہ مانتی آئی ہوں۔ جو کہیں گے اس گھر میں وہی ہوگا۔"

پھر وہ بیگم آفتاب سے بولی "بڑی امی! آپ پہلے جانے کے لیے راضی تھیں۔ میں آپ سے التجا کرتی ہوں انکار نہ کریں۔ نمرہ کے ساتھ کل چلی جائیں۔"

بیگم آفتاب نے اپنے میاں کو دیکھا' میاں صاحب نے کہا "عینی کہہ رہی ہے تو تمہیں بات مان لینا چاہیے۔ ایسا کر کے ہی آپس کی رنجشیں دور کی جا سکتی ہیں۔"

بیگم آفتاب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر جانے لگی فلک آفتاب نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے نمرہ سے کہا "تم سفر کی تیاری کرو میں تمہاری ممی کو منا لوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ بھی چلا گیا۔ نمرہ نے ذیشان سے کہا "تھینک یو بھائی جان!"

وہ بولا "میرا نہیں مقدر میاں کا شکریہ ادا کرو۔ وہی تمہیں ہاتھ کی لکیروں پر چلا رہا ہے۔"

وہ مسکرا رہی تھی ایک دم سے سنجیدہ ہو گئی اور میرے متعلق سوچنے لگی "عجیب شخص ہے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے میرا مزاج بدل دیا' میری سوچ بدل دی میرا راستہ بدل دیا ہے۔ پتا نہیں یہ آئندہ بھی مجھے کہاں سے کہاں پہنچاتا رہے گا؟"

☆☆☆

میں نے ہولے سے دستک دی یہ رازدارانہ دستک آسرا کے لیے جانی پہچانی تھی' اس نے دروازہ کھول دیا اور مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ میں بھی جواباً مسکراتا ہوا اندر آیا وہ دروازہ بند کرتے ہوئے بولی "تم نے دو گھنٹے پہلے آنے کو کہا تھا اور اب آرہے ہو؟"

"میں نے سوچا ڈرائنگ روم سے بھیڑ چھٹ جائے سب اپنے اپنے کمروں میں چلے جائیں تب آؤں۔"

"کیا میٹنگ ختم ہو چکی ہے؟"

"ہاں...... بڑی امی اور بڑے ابو کا پول کھل چکا ہے۔ جبران پھر بھی تین کروڑ روپے حاصل کرنے کے لیے اپنی ممی اور ڈیڈی کا ساتھ دے رہا تھا۔"

"یہ ہمارے بزرگ کتنی بڑی غلطی کر رہے تھے؟ جہاں نمرہ کو بیاہنا ہے وہاں سے بھیک لے رہے تھے؟"

"انہیں غلطی کی سزا مل رہی ہے۔ وہ اپنی بزرگانہ قدر و قیمت کھو چکے ہیں۔ اپنے ہی بچوں کے سامنے شرمندہ ہو رہے ہیں۔"

"انہیں تو اس سے بھی بڑی سزا ملنی چاہیے۔"

"ہم جتنے بھی بڑے ہو جائیں ان کے سامنے بچے ہی رہیں گے۔ یہ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اپنے بزرگوں کو سزا دیں۔ اتنا ہی کافی ہے کہ ان کا جھوٹ کھل گیا اور وہ شرمندہ ہو گئے۔"

"کیا نمرہ کے جانے کا فیصلہ ہو چکا ہے؟"

"ہاں وہ کل جا رہی ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی "ہائے...... ابھی تو محبت نے آنکھ کھولی تھی اور وہ تم سے آنکھ مچولی کھیلنے لیے جا رہی ہے۔ اب تمہارا کیا بنے گا مقدر؟"

میں نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا "اس کے جانے سے دنیا تاریک ہو رہی ہے میرا سر چکرا رہا ہے مجھے سہارا چاہیے۔ میں سہارا لینے کے لیے ہی یہاں آیا ہوں۔"

یہ کہتے کہتے میں اس کی طرف یوں گرنے لگا جیسے واقعی سر چکر رہا ہو۔ اس نے بے اختیار دونوں بانہیں پھیلا کر مجھے تھام لیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں میری شرارت کو سمجھ گئی۔ اس نے خود کو چھڑانا چاہا لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ میں کمبل بن چکا تھا۔

"اے...... چھوڑو مجھے......"

"ارے واہ! پہلے تم نے پکڑا تھا پہلے تم چھوڑو۔"

وہ خود کو چھڑانے کی کوششیں کرنے لگی میں نے کہا "ایک بچوں کی کہانی سناتا ہوں' جو بڑوں کے لیے ہے۔ دو دوست دریا کے کنارے جا رہے تھے۔ انہیں قریب ہی پانی میں کمبل تیرتا ہوا دکھائی دیا۔ ایک دوست نے کہا' یار مفت کا کمبل ہے میں ابھی لے کر آتا ہوں یہ کہہ کر اس نے چھلانگ لگا دی۔ جب وہ اس کمبل کے قریب پہنچا تو پتا چلا وہ ایک ریچھ ہے۔ قریب پہنچتے ہی ریچھ اس سے لپٹ گیا وہ خود کو اس سے چھڑانے کی کوششیں کرنے لگا کنارے کھڑے ہوئے دوست نے پوچھا یار کمبل کیوں نہیں لا رہا ہے؟"

اس نے کہا "یہ کمبل مجھ سے لپٹ گیا ہے میں نہ تیر سکوں گا نہ اسے لا سکوں گا نہ خود آسکوں گا۔"

دوست نے کہا "تیرا صحیح سلامت کنارے پر آنا ضروری ہے کمبل کو چھوڑ دے اور چلا آ۔"

اس نے بے بسی سے کہا "میں تو کمبل کو چھوڑ رہا ہوں لیکن کمبل مجھے نہیں چھوڑ رہا ہے۔"

آسرا نے گھور کر مجھے دیکھا پھر پوچھا "اس کہانی کی اس وقت کیا تک ہے؟"

"اس واقعے کے بعد ہی یہ روایت رائج ہو گئی کہ میں تو کمبل کو چھوڑ رہا ہوں لیکن کمبل مجھے نہیں چھوڑ رہا ہے۔ یہی تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔ تم خود ہی کمبل کی طرف آئی تھیں اب یہ تمہیں کیسے چھوڑے گا؟"

وہ کسمسانے لگی "بس سن لی تمہاری کہانی اب چھوڑو۔"

"ریچھ انسانی زبان نہیں سمجھتا۔"

اس نے اپنا منہ میرے بازوؤں میں چھپا لیا تھا۔ اس کی اجلی گردن عین نگاہوں کے سامنے تھی۔ وہ صاف محسوس کر رہی تھی کہ میری سانسوں کی گرمی وہاں اترتی آرہی ہے اور اب اتر چکی ہے اور سلگتے ہوئے انگارے کی طرح وہاں چپک گئی ہے۔

وہ اردو، پنجابی اور انگریزی زبانیں جانتی تھی۔ تینوں زبانیں بھول گئی۔ صرف اس کی خاموش ادائیں بول رہی تھیں۔ تنہائی میں سب سے زیادہ خاموشی بولتی ہے اور جب محبوبانہ اداؤں سے بولتی ہے تو دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ میں خود کو بھول رہا تھا۔ وہ تو میری پیش گوئی کو بھی بھول رہی تھی۔

اس کے ہاتھ میں اب بھی وہ لکیر تھی، جو چھپی چھپی سی دھمکی دے رہی تھی کہ وہ کبھی شادی کے مرحلے تک نہیں پہنچ پائے گی، کبھی سہاگن نہیں بن سکے گی۔

میں نے محسوس کیا وہ میرے بازوؤں میں منہ چھپائے چپکے چپکے رو رہی ہے۔ وہ ان جذباتی لمحات میں بھی میری پیش گوئی کو نہیں بھولی تھی۔ اس کا دل رو رو کر کہہ رہا تھا۔ میں اسے ٹوٹ کر چاہنے والا محبوب تو بن سکتا ہوں، لیکن مجازی خدا نہیں بن سکوں گا۔ وہ میرے قریب آ کر بھی دور رہے گی۔ میرے ساتھ ازدواجی زندگی کبھی نہیں گزار سکے گی۔

میں نے بڑی ہمدردی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ میں اس کی قسمت نہیں بدل سکتا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ ہاتھ کی لکیریں بدلتی رہتی ہیں، ہوسکتا ہے شادی کے مرحلے تک پہنچتے پہنچتے کوئی ایسی تبدیلی آ جائے جو اس کی زندگی میں آئندہ ازدواجی زندگی کا اضافہ کر دے یا پھر مجھے کوئی ایسا اشارہ ملے کہ میں اس کے کام آسکوں۔

پہلے مجھے اشارہ ملا تھا اسی لیے میں جبران کے کام آیا تھا۔ میں نے اسے موت سے بچنے کا ایک راستہ دکھایا تھا مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ بچ ہی جائے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے کا وقت اس کا پیچھا کرتے کرتے اسے آدبوچے اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ اس منحوس گھڑی کو ٹال دے اور مزید ایک برس کی زندگی حاصل کر لے۔ پتا نہیں اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

آدھی رات ہونے کو تھی، کوٹھی کے اندر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے۔ میرے اور آسرا کے علاوہ اسما اپنے کمرے میں جاگ رہی تھی۔ موجودہ مسائل نے ذیشان کو تھکا دیا تھا پھر بھی میری یہ پیش گوئی اسے حوصلہ دے رہی تھی کہ اس کے بچنے کے امکانات ہیں اور وہ اپنی ذہانت سے دشمنوں پر غالب آ جائے گا۔

میری باتوں نے اسے اس قدر مطمئن کیا تھا کہ وہ بستر پر آنے کے تھوڑی دیر بعد ہی سو گیا تھا۔ اسما اس کے پاس لیٹی ہوئی اسے دیکھتی رہی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ گہری نیند میں ہے تو وہ آہستگی سے بیڈ پر سے اتر کر موبائل فون کے پاس آئی اور اسے اٹھا کر دبے قدموں چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ اس نے ایک بار گل خانم سے ذیشان کی ماں بن کر فون پر رابطہ کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ آج رات کسی وقت پھر اس سے فون پر بات کرے گی۔

رات دس بجے تک گھر میں کچھ ایسے ہنگامے برپا رہے تھے کہ اسے گل خانم سے رابطہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بہرحال سارے مسائل حل ہو گئے تھے۔ نمرہ دوسرے دن جانے والی تھی۔ مسز رانا اور جبران مطمئن ہو کر چلے گئے تھے۔ فلک ناز بیگم آفتاب اور فلک آفتاب بھی اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ اس وقت ڈرائنگ روم میں سناٹا تھا۔ وہ وہاں پہنچ کر ایک صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گئی اور موبائل پر گل خانم کے نمبر ملانے لگی۔

رابطہ ہو گیا۔ گل خانم کی آواز سنائی دی "ہیلو! میں بول رہی ہوں۔"

اسما نے ذرا بھاری آواز میں کہا "میں ہوں مسز رانا آفتاب، ذیشان کی والدہ۔ میں نے کہا تھا آج رات کسی وقت فون کروں گی لیکن مصروفیات کے باعث دیر ہو گئی۔ کیا تم سو گئی تھیں؟"

"جی نہیں...... میں آپ کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔"

اسما نے کہا "تم اپنے بارے میں ذرا تفصیل سے بتاؤ میں نہیں جانتی تم کون ہو؟ کیسی ہو؟ میرا بیٹا تمہیں پسند کر رہا ہے۔ اس لیے اتنا تو سمجھ گئی ہوں کہ تم حسین اور پرکشش ہو میں تمہاری آواز اور لہجہ سن کر بھی اندازہ کر سکتی ہوں کہ تم ایک صاف ستھرے مزاج والی خاتون ہو۔"

"بہت بہت شکریہ کہ آپ مجھے دیکھے بغیر اتنی تعریفیں کر رہی ہیں۔"

"میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میرا اندازہ کس حد تک درست ہے۔ کیا مجھ سے ملنا چاہو گی؟"

"مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہو گی۔"

"اگر میں تمہارے گھر آنا چاہوں تو؟"

"آپ جب چاہیں آ جائیں میں بے چینی سے آپ کا انتظار کروں گی۔"

"میں تو کل ہی آ سکتی ہوں لیکن مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ابھی تمہارے اور ذیشان کے درمیان کہاں تک بات بڑھی ہے؟"

دوسری طرف تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہ بولی "بات ابھی اسی حد تک ہے کہ وہ مجھے پسند کرنے لگے ہیں۔"

"اور تم......؟"

"میں کچھ الجھن میں ہوں۔"

"کیسی الجھن......؟"

"وہ اپنی وائف (WIFE) اسما کو بہت زیادہ چاہتے ہیں۔"

اسما کا دل مسرتوں سے بھر گیا اس نے خوش ہو کر پوچھا "کیا وہ اسما کا ذکر کرتا ہے؟"

"جی ہاں، جیسی تعریفیں وہ کرتے ہیں، جتنی دیوانگی سے وہ اسما کو چاہتے ہیں اتنا تو شاید ہی کوئی شوہر اپنی بیوی کو چاہتا ہو گا۔"

خوشی کے مارے اسما کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ دھڑکتے ہوئے سینے پر رکھ لیا اگر اس وقت ذیشان موجود ہوتا تو وہ خوشی سے جھوم کر اس کی آغوش میں جا گرتی۔ وہ اوپری دل سے بولی "ذیشان کو ایک عورت کے سامنے دوسری عورت کی تعریفیں نہیں کرنی چاہیں خوامخواہ حسد اور جلن پیدا ہوتی ہے۔"

وہ جلدی سے بولی "نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے ذیشان کی صاف گوئی اور صاف دلی نے متاثر کیا ہے۔ وہ دوسروں کی طرح نہیں ہیں جو بیوی کی برائیاں کر کے دوسری عورتوں کے دلوں میں جگہ بناتے ہیں۔ انہوں نے مجھے شادی کے لیے پروپوز کیا ہے لیکن اس سے پہلے اسما کی برتری جتا چکے ہیں۔ وہ مجھ سے شادی تو کرنا چاہتے ہیں لیکن......"

اسماء نے آگے کچھ سننے کے لیے انتظار کیا پھر پوچھا "چپ کیوں ہو گئیں؟ کیا بات ہے؟"

گل خانم نے کہا "وہ یہ نہیں چاہتے کہ اسما پر سوکن لائیں اور اس کا دل دکھائیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو ذیشان نے تمہیں شادی کے لیے پروپوز کیوں کیا؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "وہ...... وہ مجھ سے عارضی شادی کرنا چاہتے ہیں، صرف اولاد کی خاطر......"

"ہاں ہم سب اولاد کے لیے پریشان ہیں۔ اسما ماں نہیں بن سکتی۔ میں نے کتنی ہی بار ذیشان سے کہا وہ دوسری شادی کر لے لیکن وہ راضی ہی نہیں ہوتا تھا۔ جب مجھے تمہارے بارے میں معلوم ہوا تو میرا دل خوش ہو گیا کہ شاید وہ تمہیں میری بہو بنانا چاہے گا۔"

"وہ مجھے چاہتے ہیں، میری عزت کرتے ہیں، جب وہ میری طرف مائل نہیں تھے تب میں نے کہا تھا کہ حلالہ کے مرحلے سے گزرنے کے بعد اپنے سابقہ شوہر سے رجوع کروں گی۔ اب ذیشان یہی کہتے ہیں کہ مجھ سے شادی کریں گے مجھ سے اولاد ہو تو میں وہ اولاد انہیں دے کر ان سے طلاق حاصل کروں اور اپنے سابقہ شوہر سے رجوع کروں۔"

"جب تم سابقہ شوہر سے رجوع کرنا چاہتی ہو تو پھر ذیشان کا یہ فیصلہ مناسب ہی ہے۔"

"نہیں...... میں پہلے بھی حلالہ کے مرحلے سے گزرنا نہیں چاہتی تھی۔ مجھے یہ سوچ کر ہی شرم آتی تھی کہ ایک کے بعد دوسرا مرد تنہائی میں آئے لیکن آپ کے بیٹے نے رفتہ رفتہ مجھے متاثر کیا ہے ادھر سابقہ شوہر نے مایوس کیا ہے۔ میں اب اس کی طرف واپس جانا نہیں چاہتی اور دوسری شادی کے بعد طلاق لینا نہیں چاہتی۔"

وہ ذرا چپ ہوئی پھر بولی "یہ تو مجھ پر سراسر ظلم ہو گا۔ ایک بار میں شوہر کو ہار گئی پھر اپنے بچے سے محروم ہو گئی۔ دوسری بار بھی میں اپنے بچے سے محروم ہو جاؤں اور دوسرے شوہر کو بھی ہار جاؤں۔ آپ ہی بتائیں میں کیا ہوں؟ عورت یا ایک مشین، جو شوہروں کے پاس جا کر بچہ پیدا کرتی ہے اس کے بعد اسے طلاق دے دی جاتی ہے یا اسے ریجیکٹ کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ پھر کسی اور کی طرف چلی جائے؟"

اس کے لہجے میں کتنے ہی دکھ چھپے ہوئے تھے۔ اسما عورت تھی اس کا دکھ سمجھ رہی تھی۔ پہلے تو اسے یہ سن کر اچھا لگا تھا کہ ذیشان اس پر سوکن نہیں لانا چاہتا ہے۔ گل خانم سے عارضی شادی کرنا چاہتا ہے صرف ایک بچے کے لیے۔ محبت کرنے والے شوہر کا یہ فیصلہ ایک محبوب بیوی کے لیے بہت ہی دانش مندانہ تھا لیکن گل خانم کے لیے منصفانہ نہیں تھا۔

اسما کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سامنے بیٹھی اپنا دکھڑا رو رہی ہے۔ وہ سر جھکا کر بولی "بے شک یہ تم پر سراسر ظلم ہو گا۔ میں پوتے پوتی کے لیے ایک بہو لانا چاہتی تھی۔ لیکن میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ ذیشان اپنی بیوی کا اتنا دیوانہ ہے کہ میری گود میں پوتی یا پوتا دینے کے بعد دوسری بہو کو چھوڑ دینا چاہے گا۔"

"میں بھی اپنے یاور خان کی دیوانی تھی لیکن اس کے بدترین رویے نے میرا دل توڑ دیا اور میں آپ کے بیٹے کی طرف مائل ہو گئی۔ میرا سابقہ شوہر بہت ہی بددماغ ہے، غصے میں اندھا ہو جاتا ہے اور اسی اندھے پن میں اس نے مجھے طلاق دینے کی حماقت کی۔"

"تم حسین ہو، جوان ہو، تمہیں اور کوئی محبت کرنے والا مل سکتا ہے۔"

"میں کبھی کسی کی طرف مائل نہیں ہوتی' پتا نہیں ذیشان پر کیسے دل آ گیا؟ شاید اس لیے کہ انہوں نے بار بار مجھ سے ہمدردی کی میرے برے وقت میں کام آتے رہے۔ میں نے ان کے اندر محبت بھی دیکھی ہے اور انسانیت بھی۔"

"ذیشان جیسے اور بھی محبت کرنے والے اور انسانیت کا بھرم رکھنے والے ہیں۔"

"ہوں گے...... لیکن اب میں کسی پر بھروسا نہیں کر سکتی۔ میرا دل کسی پر نہیں آئے گا۔"

"کیا تم اپنے سابقہ شوہر سے نفرت کرتی ہو؟"

"نہیں...... اس کی ظالمانہ حرکتوں نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میں اس سے بیزار ہو گئی ہوں۔ لیکن یہ اچھی طرح جانتی ہوں اس کے جیسا محبت کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔ وہ آج بھی میرا دیوانہ ہے۔"

"تو پھر میرا مشورہ ہے تمہیں اس کی طرف لوٹنا چاہیے۔ اگر دیوانگی کی حد تک چاہنے والا شوہر بھی ظلم کرتا ہے تو اس سے نفرت نہیں ہوتی۔ صرف ذرا سی بیزاری ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے لیے محبت اور بڑھتی جاتی ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "آپ ٹھیک کہتی ہیں میں کبھی کبھی اپنے اندر اسے بڑی شدت سے محسوس کرتی ہوں۔ اس کی محبتیں یاد آتی ہیں لیکن دو باتیں اس کی طرف جانے سے روکتی ہیں۔"

وہ ذرا چپ ہوئی اسما نے کہا "ہاں بولو میں سن رہی ہوں۔"

وہ بولی "میں بار بار شوہر بدلنا نہیں چاہتی۔ پہلے تو یاور خان کے سوا کسی کو تنہائی میں آنے کی اجازت دینا نہیں چاہتی تھی۔ اب اگر مجبوری کی حالت میں ایسا کرنا پڑے تو میری کوشش یہی ہو گی کہ جو دوسرا شوہر آئے وہ مجھے نہ چھوڑے۔ بار بار مرد بدلنے والی بات ایسی ہے کہ مجھے توہین کا احساس ہوتا ہے۔"

"درست کہتی ہو۔ میں عورت ہوں' تمہاری بات اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ دوسری بات یا دوسری رکاوٹ کیا ہے؟"

"یاور خان بہت ہی غیرت مند ہے وہ کبھی برداشت نہیں کرے گا کہ میری دوسری شادی ہو اور میری تنہائی میں کوئی دوسرا شخص آئے۔ اگر کسی مجبوری سے وہ یہ برداشت کر بھی لے تو یہ بات ناقابل برداشت ہو گی کہ کسی دوسرے کا بچہ میری کوکھ میں پرورش پائے میں اسے جنم دوں پھر اسے اس دوسرے شوہر کے حوالے کر کے اس کے پاس واپس آ جاؤں۔"

"تمہارے ساتھ بڑے پیچیدہ مسائل ہیں۔ تم ان سب سے نمٹ کر اپنی منزل تک کیسے پہنچ پاؤ گی؟"

"ابھی تو میرے سامنے کوئی منزل ہی نہیں ہے میں تو تاریکی میں بھٹک رہی ہوں۔"

"یاور خان تمہاری واپسی کے لیے تڑپ رہا ہو گا وہ تمہاری ہر بات مانے گا اسے کسی طرح راضی کرو کہ تمہیں حلالہ کے مرحلے سے گزرنا ہی ہو گا۔ وہ اس بات کو برداشت کرے جب وہ اس بات پر راضی ہو جائے تو تم کسی سے شادی کرو اور پھر اس سے طلاق لے کر یاور خان کے پاس واپس چلی جاؤ۔"

"اس میں بھی ایک قباحت ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ کوئی دوسرا مجھ سے شادی کرنے کے بعد طلاق دے دے گا؟ میں ایک مشہور گانے والی ہوں۔ میرے پاس خاصی دولت ہے۔ میں جوان بھی ہوں اور خوب صورت بھی۔ پھر کوئی مجھ سے شادی کرنے کے بعد مجھے کیوں چھوڑے گا؟"

اسما نے قائل ہو کر کہا "واقعی تم پیچ در پیچ معاملات میں الجھی ہوئی ہو۔ مجھے تم سے صرف ہمدردی ہی نہیں' محبت بھی ہے۔ یہ ہماری دوسری بار گفتگو ہو رہی ہے لیکن ایسا لگتا ہے میں تمہیں بہت قریب سے جانتی ہوں اور تمہارے دکھ کو اپنے دل میں محسوس کرنے لگی ہوں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ بہت اچھی خاتون ہیں۔ آپ کی ان باتوں سے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں تنہا نہیں ہوں۔ اس بھری دنیا میں مجھ سے ہمدردی کرنے والی محبت کرنے والی ایک اور ہستی ہے۔ اور وہ آپ ہیں۔"

"تم خود کو تنہا نہ سمجھو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ابھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تمہارے مسائل کو کس طرح حل کیا جائے مگر کوئی بات ناممکن نہیں ہوتی۔ انشاء اللہ ہم دونوں مل کر سوچیں گے تو کسی اچھے نتیجے پر پہنچ ہی جائیں گے کیا اب میں فون بند کر دوں؟"

"جی ہاں' بہت رات ہو چکی ہے اب آپ کو سونا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے میں کل کسی وقت فون کروں گی' شب بخیر ...... خدا حافظ۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ یہ مقدر کا کمال ہے وہ کسی کو بھی نفرت کی لکیر سے ہٹا کر محبت کی لکیر پر چلا دیتا ہے۔ دو سوکنیں کبھی ایک دوسرے سے محبت کر ہی نہیں سکتیں ان کی تقدیر میں نفرتیں لکھی ہوتی ہیں۔ لیکن اسما اور گل خانم اپنے اپنے ہاتھ کی

لکیر پر بھٹکتی ہوئی اس لکیر پر آ رہی تھیں جہاں دو سوکنوں کو ایک دوسرے سے محبت کرنی تھی۔

☆☆☆

عینی اور عروج کے لیے دو کام رہ گئے تھے ایک تو یہ کہ دن رات پاشا کو یاد کرتی رہیں اور دوسرا یہ کہ مختلف ذرائع سے اسے تلاش کرتی رہیں انہوں نے ذیشان کے ذریعے تمام تھانوں میں اس کی تصویریں بھیج دی تھیں۔ اس کی ٹیکسی کا نمبر اور گھر کا پتا بھی ہر جگہ لکھوا دیا تھا پھر اپنے تمام رشتے داروں سے اور دوسرے ملنے جلنے والوں سے پاشا کا ذکر کیا کرتی تھیں، اس کا حلیہ بتایا کرتی تھیں اور ان سے درخواست کرتی تھیں کہ ایسا کوئی شخص دکھائی دے تو عینی یا عروج کے نمبر پر فوراً اطلاع دیں۔

اتنا کچھ کرنے کے باوجود کہیں سے اس کی کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ جیسے جیسے دن گزرتے جاتے تھے وہ مایوس ہوتی جاتی تھیں۔ اگر میری پیش گوئی کا سہارا نہ ہوتا تو وہ پاشا کو رو دھو کر بیٹھ جاتیں۔

عروج ڈیوٹی پر جاتی تھی۔ جانے سے پہلے یا ڈیوٹی سے واپسی پر ایک آدھ گھنٹے کے لیے ماں باپ کے پاس جاتی تھی۔ پھر عینی کے پاس واپس آ کر اس کے ساتھ رات گزارتی تھی۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آئندہ ساری زندگی ایک ساتھ ایک چھت کے نیچے گزاریں گی۔ اس طرح ایک ساتھ رہ کر ایک دوسرے کی دلجوئی کرتے رہنے سے پاشا کی جدائی کا صدمہ کم ہوتا رہتا تھا۔

دوسرے دن عروج اپنی ڈیوٹی پر جانے کے لیے گھر سے نکلی تو عینی بھی اس کے ساتھ ہو گئی۔ اس نے کہا "میں تمہارے ساتھ ہاسپٹل جاؤں گی وہاں تمہارے کوارٹر میں سارا دن گزاروں گی۔ شام کو ڈیوٹی سے واپسی پر ہم شاپنگ کے لیے جائیں گے۔"

وہ باہر آ کر عروج کے ساتھ اس کی کار میں بیٹھ گئی۔ وہ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتی ہوئی بولی "پہلے ممی اور ڈیڈی سے مل لوں کیونکہ واپسی پر تم شاپنگ کرنا چاہتی ہو اس لیے شام کو تو وقت ملے گا نہیں۔"

عینی ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی ساری دنیا دھندلی دھندلی سی دکھائی دے رہی تھی اس نے کہا "عروج! میں محسوس کرتی ہوں کہ تمہارے ممی اور ڈیڈی اپنے گھر میں میرا وجود پسند نہیں کرتے ہیں۔"

عروج نے تائید میں سر ہلا کر کہا "میں جانتی ہوں نادان نہیں ہوں۔ ممی اور ڈیڈی کے دماغوں میں یہ بات نقش ہو گئی ہے کہ تمہاری وجہ سے ہی ان کے بیٹے پر مصیبتیں آئی تھیں۔ تم نے اس کے خلاف شکایتیں کی تھیں اور تمہارے بھائی جان اس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ وہ منہ چھپاتا پھرتا رہا تھا۔ پھر ہمارے آپس کے اختلافات سے دردانہ نے فائدہ اٹھایا۔ اب بھائی جان کہتے ہیں کہ دردانہ نے حشمت کو قتل کرایا تھا ادھر دردانہ نے بھائی جان کے خلاف مقدمہ دائر کیا ہے۔ صرف حشمت کے قتل کا ہی الزام نہیں دے رہی ہے بلکہ انہیں اپنے بیٹے جواد کا قاتل بھی کہہ رہی ہے۔"

عروج نے اپنی کوٹھی کے احاطے میں کار روکی اور وہ دونوں اندر آئیں۔ جوان بیٹے کی موت کے باعث اس کوٹھی میں سوگواری چھائی رہتی تھی۔

عروج کے ممی اور ڈیڈی ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چند رشتے دار تعزیت کے لیے آئے ہوئے تھے اور رسمی طور پر مقتول جشمت کی خوبیاں بیان کر رہے تھے اور اظہار افسوس کر رہے تھے۔ عروج اور عینی نے ان سب کو سلام کیا اور ایک طرف بیٹھ گئیں۔ ایک خاتون نے پوچھا "بیٹی عروج! تم یہاں اپنے گھر میں کیوں نہیں رہتی ہو؟ جوان بیٹا نہیں رہا ماں باپ تنہا ہو گئے ہیں تمہیں یہاں رہنا چاہیے۔"

عروج نے کہا "آپ تو جانتی ہیں عینی کی نظر دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ میں ماہرین سے اس کا علاج کرا رہی ہوں اور اسے دن رات اٹینڈ کرتی رہتی ہوں اس لیے میرا اس کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔"

ایک بوڑھی خاتون نے کہا "کسی مریضہ کے ساتھ دن رات رہنا ضروری نہیں ہوتا۔ تمہارا فرض ہے کہ ایسے وقت میں ماں باپ کے ساتھ رہو اور ان کی خدمت کرتی رہو۔"

"کسی بھی گھر میں ماں باپ کے ساتھ رہنے والے بچے دن رات ان کی خدمت نہیں کرتے بلکہ وہ اپنی خدمت ماں باپ سے کراتے ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے عروج، یہ تو تم خوامخواہ بحث کر رہی ہو۔"

"یہ بحث نہیں ہے زندہ مثال آپ کے سامنے ہے۔ یہ آپ کی صاحبزادی ہیں اور یہ آپ کی پوتی ہیں۔ صاحبزادی شوہر کا گھر چھوڑ کر آپ کے پاس پڑی رہتی ہیں اور یہ پوتی کیا آپ لوگوں کی خدمت کرتی ہے؟ صبح کالج کے لیے جاتی ہے تو شام کو پانچ چھ بجے واپس آتی ہے۔ رات کو پاپ میوزک سنتی ہے ٹی وی کے پروگرام دیکھتی ہے' پھر سو جاتی ہے۔ صبح اٹھ کر پھر وہی روٹین شروع ہو جاتی ہے۔"

بوڑھی خاتون کی پوتی نے ناگواری سے کہا "کیا آپ

ہمیں دیکھنے آتی ہیں کہ ہم اپنے گھر میں کیا کرتی رہتی ہیں؟''

''کسی کے گھر میں دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ رشتے داروں کے ذریعے ایک دوسرے کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی رہتی ہیں۔''

عروج کی ممی بیگم شاہ نے کہا''خالہ جان! آپ بحث نہ کریں اتنی بڑی دنیا میں اس کے لیے عینی سب کچھ ہے ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔''

عروج نے پوچھا''ممی! کیا میری اور عینی کی برائی کرنا بہت ضروری ہے؟''

''اے بیٹی! میں کیا برائی کروں گی، ابھی یہ خالہ جان مجھ سے ایسی باتیں کر رہی تھیں کہ میں حیران رہ گئی۔ دردانہ بیگم عینی کے اور ہمارے رشتے داروں میں یہ بات پھیلاتی جارہی ہے کہ تم دونوں پاشا جانی کی دیوانی ہو اور اسی سے شادی کرنے کا ارادہ ہے۔''

بوڑھی خاتون نے کہا''دردانہ نے فون پر مجھ سے یہ بات کہی تھی۔ میں نے اس کان سے سنی اس کان سے نکال دی۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آیا کہ عروج ایسی بے حیا ہوسکتی ہے۔''

عروج نے چیخ کر کہا''اس میں بے حیائی کی کیا بات ہے؟ کیا دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں نہیں آتیں؟ آپ نے اپنی صاحبزادی کی شادی ایک شادی شدہ شخص سے کی تھی یعنی بیٹی کو اس پر سوکن بنا کر بھیجا تھا۔ کیا یہ دو عورتیں ایک مرد کے ساتھ رہ کر بے حیائی کا مظاہرہ کر رہی ہیں؟''

بوڑھی خاتون ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہوگئی.....اور بولی''تم تو الٹا جوتا مارنے لگتی ہو۔ ہم نے جان بوجھ کر اپنی بیٹی کی شادی کسی بیوی والے سے نہیں کرائی تھی۔ بعد میں بھید کھلا کہ اس کی ایک شادی پہلے سے ہوچکی تھی۔''

عروج نے کہا''وجہ کچھ بھی ہو، آخر دو عورتیں ایک ساتھ رہتی ہیں نا۔ کیا ہمارے اسلام میں ایک مرد کو ایک سے زیادہ شادی کرنے اور ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں ہے؟ اگر ہے تو آپ اسے بے حیائی کیوں کہہ رہی ہیں؟''

''تم خواہ مخواہ لیڈی ڈاکٹر بن گئیں تمہیں تو وکیل بننا چاہیے تھا۔ اپنے بزرگوں سے بھی بے تکی بحث کرتی رہتی ہو۔ چلو شائستہ خالدہ اٹھو ہمیں تو یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

عروج کی ماں نے آگے بڑھ کر بزرگ خاتون کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا''خالہ جان.....! آپ اس سرپھری کی باتوں کا برا مان کر ہم سے منہ پھیر کر جارہی ہیں، یہ تو اپنی ہوتے ہوئے بھی اپنی نہیں ہے۔ اپنوں سے عداوتیں مول لیتی رہتی ہے اور غیروں کو گلے لگاتی رہتی ہے۔''

عروج نے کہا''آپ کا اشارہ میں سمجھ رہی ہوں۔ آپ کی ساری تان عینی پر آکر ٹوٹتی ہے۔''

عینی نے کہا''عروج! میں پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ تمہارے ممی اور ڈیڈی کو میرا یہاں آنا پسند نہیں ہے۔ میں یہاں آئندہ کبھی نہیں آؤں گی۔ میں باہر جا کر کار میں تمہارا انتظار کرتی ہوں۔''

وہ جانا چاہتی تھی مگر عروج نے ہاتھ پکڑ کر کہا''رک جاؤ.....!''

پھر اس نے اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے کہا''ممی آپ بیٹے کو تو ہمیشہ کے لیے کھو چکی ہیں اب مجھ پر اور عینی پر بے جا تنقید کرکے بیٹی کو بھی کھو رہی ہیں۔ آپ اور ڈیڈی اچھی طرح جانتے ہیں عینی یہاں نہیں آئے گی تو میں بھی یہاں کبھی قدم نہیں رکھوں گی۔ ہمارا خون کا رشتہ ہے اس لیے کبھی فون کے ذریعے خیریت پوچھ لیا کروں گی۔ خدا حافظ۔''

یہ کہہ کر وہ عینی کے ساتھ چلتی ہوئی باہر آکر اپنی کار میں بیٹھ گئی۔ اسی وقت فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے فون پر نمبر پڑھے پھر بٹن دبا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا''ہیلو.....میں ڈاکٹر عروج بول رہی ہوں۔''

دوسری طرف سے کہا گیا''مس عروج! میں ڈاکٹر انور حسین بھٹی بول رہا ہوں۔ تم نے کسی سلامت پاشا کی ٹیکسی کا نمبر اور اس کے گھر کا پتا مجھے بتایا تھا۔ وہ سلامت پاشا زخمی ہوکر یہاں ہاسپٹل آیا ہے۔ ہم اسے ٹریٹمنٹ دے رہے ہیں فوراً چلی آؤ۔''

عروج نے چونک کر خوش ہوکر عینی کو دیکھا پھر پوچھا''کیا وہ سلامت پاشا ہے؟ کیا اس نے اپنا نام بتایا ہے؟ کیا وہ میرے بارے میں کچھ پوچھ رہا تھا؟''

''وہ بے ہوش پڑا ہے ہم اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرچکے ہیں ہوش میں آئے گا تو اس سے کچھ پوچھا جائے گا۔''

''میں ابھی پہنچ رہی ہوں۔''

اس نے فون بند کیا فوراً ہی کار اسٹارٹ کرکے اسے آگے بڑھاتے ہوئے احاطے کے گیٹ سے باہر آئی پھر تیز رفتاری سے ڈرائیو کرنے لگی۔ عینی خوش ہورہی تھی اور پریشان بھی ہورہی تھی پاشا جانی مل گیا تھا لیکن زخمی حالت میں تھا بے ہوش تھا اس نے عروج سے پوچھا''تمہارے اس ڈاکٹر نے پاشا جانی کو کیسے پہچانا؟''

وہ آندھی طوفان کی رفتار سے گاڑی چلاتی جارہی تھی اس

نے کہا''میں نے اسے پاشا کی ٹیکسی کا نمبر بتایا تھا اور اسی ٹیکسی کا حادثہ ہوا ہے۔''

''یہ ضروری تو نہیں اس نمبر کی ٹیکسی جو چلا رہا ہو وہ پاشا ہی ہو اور پاشا ہی کو حادثہ پیش آیا ہو؟''

عروج اس پہلو پر غور کرنے لگی پھر اس نے کہا''میں نمبر بتا رہی ہوں اس پر رابطہ کرو۔''

عینی نے موبائل اٹھا کر نمبر پنچ کرتے ہوئے پوچھا''یہ کس کا نمبر ہے؟''

''اسی ڈاکٹر کا جس نے ابھی مجھے اطلاع دی ہے۔''

وہ نمبر پنچ کرنے کے بعد اسے کان سے لگا کر سننے لگی پھر بولی''ٹیپ چل رہا ہے فون بند ہے۔''

عروج نے دوسرا نمبر بتایا عینی نے اسے پنچ کرکے فون کان سے لگایا تھوڑی دیر بعد کسی کی آواز سنائی دی تو عینی نے کہا''لیڈی ڈاکٹر عروج سے بات کریں۔''

عروج نے اس سے فون لے کر کان سے لگایا ایک ہاتھ سے ڈرائیو کرتی ہوئی بولی''کیا کسی ٹیکسی ڈرائیور کو حادثہ پیش آیا ہے، اسے ہاسپٹل لایا گیا ہے؟''

دوسری طرف سے کہا گیا''میں ابھی ڈیوٹی پر آیا ہوں تھوڑی دیر انتظار کرو تو میں ابھی معلوم کرکے بتاتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے مجھے کال بیک کرو۔''

اس نے فون بند کیا پھر عینی سے کہا''اب ہم ہاسپٹل پہنچ رہے ہیں۔ پتا نہیں یہ پاشا کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اگر وہ ٹیکسی چلا رہا تھا اور اسی کو حادثہ پیش آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہیں گم نہیں ہوا ہے ہم سے چھپ کر رہتا ہے۔ عینی! تم خود ہی سوچو جب وہ اس شہر میں ہی ٹیکسی چلا رہا ہے اور یہیں زندگی گزار رہا ہے تو پھر ہم سے ملنے کیوں نہیں آتا؟''

''اس کی کوئی مجبوری ہوگی۔''

''ایسی بھی کیا مجبوری ہوسکتی ہے۔ وہ فون پر تو بات کرسکتا تھا؟''

وہ ڈرائیو کرتی ہوئی ہاسپٹل کے احاطے میں داخل ہوگئی''چلو ابھی معلوم ہوجائے گا۔''

اس نے ایک جگہ کار روکی اور وہ دونوں اتر کر وہاں سے چلتی ہوئی ہاسپٹل کے اندر آئیں۔ ایمرجنسی وارڈ میں وہ ڈاکٹر موجود تھا جسے دوسری بار فون کیا تھا۔ اس نے عروج کو دیکھتے ہی کہا''میں نے ابھی آکر معلوم کیا ہے اس ٹیکسی ڈرائیور کا نام سلامت پاشا ہے۔ اس کی مرہم پٹی ہوچکی ہے اور وہ جنرل وارڈ کے بیڈ نمبر نائن پر ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔''

وہ اس کے ساتھ تیزی سے چلتی ہوئی ہاسپٹل کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی جنرل وارڈ میں پہنچیں۔ وہاں بیڈ نمبر نائن پر ایک جوان شخص پڑا ہوا تھا اس کے چہرے اور جسم کے مختلف حصوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

اسے دیکھ کر مایوسی ہوئی۔ وہ پاشا جانی نہیں تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے پڑا تھا۔ عروج نے ڈاکٹر سے پوچھا''کیا اس نے اپنا نام سلامت پاشا بتایا ہے؟''

''نہیں۔ جب اسے یہاں لایا گیا تو یہ بے ہوش تھا شاید اب ہوش میں ہے سو رہا ہے یا آنکھیں بند کیے پڑا ہے''

عروج نے پوچھا''کس ڈاکٹر نے اسے اٹینڈ کیا تھا؟''

''ڈاکٹر صدیق اکبر نے اس کی مرہم پٹی کی ہے۔''

وہ دونوں ڈاکٹر صدیق اکبر کے کمرے میں پہنچیں وہاں ڈاکٹر کے پاس ایک پولیس انسپکٹر بیٹھا ہوا تھا۔ عروج نے پوچھا''کیا اس ٹیکسی ڈرائیور نے اپنا نام سلامت پاشا بتایا ہے؟''

ڈاکٹر نے انکار میں سر ہلا کر کہا''نہیں وہ تو بے ہوش پڑا تھا ابھی ہوش میں آئے گا تو اس سے بیان لیا جائے گا۔''

پولیس انسپکٹر نے کہا''ہم نے اس کا نام یہاں سلامت پاشا لکھوایا ہے کیونکہ ڈرائیونگ لائسنس اور گاڑی کے دوسرے کاغذات میں یہی نام لکھا ہوا ہے۔''

''لیکن وہ سلامت پاشا نہیں ہے۔ میں ابھی اسے جنرل وارڈ میں دیکھ کر آرہی ہوں۔''

ڈاکٹر نے انسپکٹر سے کہا''یہ لیڈی ڈاکٹر عروج ہیں اور سلامت پاشا کو اچھی طرح پہچانتی ہیں۔''

پولیس انسپکٹر نے ڈرائیونگ لائسنس نکالتے ہوئے کہا''آپ درست کہہ رہی ہیں اس ڈرائیونگ لائسنس پر سلامت پاشا کی جو تصویر ہے وہ اس زخمی سے مختلف ہے۔ وہ ہوش میں آئے گا تو ہم اس کا بیان لیں گے تب معلوم ہوگا کہ وہ سلامت پاشا کا ڈرائیونگ لائسنس کیوں استعمال کر رہا ہے۔''

عروج نے کہا''میں اپنے کمرے میں ہوں۔ وہ ہوش میں آئے تو مجھے بلا لیا جائے۔ میں بھی اس کا بیان سنوں گی۔''

وہ عینی کے ساتھ اپنے دفتر میں آگئی۔ دونوں پریشان تھیں۔ عروج نے اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا''یہ تو اطمینان ہوا کہ پاشا کو کوئی حادثہ پیش نہیں آیا ہے۔ خدا کرے وہ جہاں بھی ہو خیریت سے ہو۔''

عینی نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا''میرا دل کہتا ہے اس زخمی کے ذریعے پاشا کا کوئی سراغ ضرور ملے گا۔''

''ہاں' یہ پاشا کے نام سے اسی کی ٹیکسی چلا رہا ہے۔''

''پاشا نے ہمیں فون پر اطلاع دی تھی کہ جب وہ ٹیکسی

چلا رہا تھا تو اس پر فائرنگ ہوئی تھی اور وہ اپنی جان بچا کر کہیں چلا گیا تھا ہو سکتا ہے اپنی یہ ٹیکسی اس نے اپنے کسی دوست کو دے دی ہو اور یہ زخمی اس کا دوست بھی ہو سکتا ہے۔"

ایک گھنٹے بعد انہیں اطلاع ملی کہ مریض ہوش میں آ گیا ہے اور اس کا بیان لیا جا رہا ہے۔ وہ دونوں اس وارڈ میں پہنچیں۔ انسپکٹر مریض کے قریب بیٹھا ہوا تھا اس کا نام اور پتا پوچھ رہا تھا۔ قریب بیٹھا ہوا ایک سپاہی اس کا بیان لکھتا جا رہا تھا۔ اس زخمی نے ایک بہت بڑے پولیس افسر کا نام بتاتے ہوئے کہا "میں اس افسر کا سالا ہوں بے روزگار تھا انہوں نے مجھے یہ ٹیکسی چلانے کو دی ہے۔"

پولیس انسپکٹر نے فوراً ہی اس اعلیٰ افسر سے فون کے ذریعے رابطہ کیا پھر اس سے کہا "سر! میں انسپکٹر جبار خان بول رہا ہوں میرے علاقے میں ایک ٹیکسی ڈرائیور بشیر احمد ٹیکسی کے ایک حادثے میں بری طرح زخمی ہوا ہے اس وقت ہاسپٹل میں ہے وہ خود کو آپ کا سالا کہہ رہا ہے۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "وہ درست کہہ رہا ہے اس کے خلاف کوئی ایکشن نہ لینا۔"

"آل رائٹ سر' میں سمجھ گیا۔ صرف خانہ پری کے لیے اس کا بیان لے رہا ہوں۔"

اس نے فون بند کرنے کے بعد کہا "تم حادثے کے وقت نشے میں تھے۔ تمہارے خلاف سخت کارروائی کی جا سکتی تھی لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔"

عروج نے کہا "ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سلامت پاشا کی ٹیکسی اس کے پاس کیسے آئی۔ اگر یہ اسے جانتا ہے تو ہمیں اس کا پتا ٹھکانا بتائے۔"

وہ بولا "میں کسی سلامت پاشا کو نہیں جانتا۔"

عروج نے کہا "تو پھر اس کی ٹیکسی تمہارے پاس کیسے آئی؟ اس ٹیکسی میں تمام کاغذات سلامت پاشا کے نام سے ہیں، تم انہیں استعمال کر رہے تھے۔ میں ابھی فون پر ہونے والی بات سے اتنا تو سمجھ گئی ہوں تمہارے خلاف کارروائی نہیں ہو گی لیکن مجھ سے سچ نہ کہا گیا تو میں اس بات کو آگے بڑھاؤں گی۔ اگر بات بڑھانا نہیں چاہتے تو میرے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دو۔"

انسپکٹر نے کہا "سوال جواب کے لیے اور انکوائری کے لیے ہم موجود ہیں آپ اس معاملے میں مداخلت نہ کریں۔"

عینی نے کہا "ہماری مداخلت بہت ضروری ہے۔ سلامت پاشا ہمارا رشتے دار ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں معلوم کرنا ہے ورنہ میں ابھی ایس پی ذیشان کو فون کرتی ہوں، بتاتی ہے وہ میرے بھائی جان ہیں۔"

انسپکٹر نے پریشان ہو کر عروج کو اور عینی کو دیکھا پھر اس زخمی سے کہا "انہیں بتاؤ کہ تم پاشا کو کیسے جانتے ہو؟"

"میں کہہ چکا ہوں اسے نہیں جانتا۔"

"پھر یہ ٹیکسی تمہارے پاس کیسے آئی؟"

"آج سے تقریباً بیس دن پہلے یہ ٹیکسی ایک سڑک کے کنارے جل رہی تھی۔ شعلے لپک رہے تھے میں نے اور میرے ساتھیوں نے آگ بجھائی۔ پتا نہیں کس کی ٹیکسی تھی۔ لوگوں میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی اس گاڑی کے قریب کوئی نہیں آ رہا تھا میں اسے وہاں سے ایک گیراج میں لے گیا پھر اپنے بہنوئی کو اطلاع دی کہ ایک ٹیکسی سڑک کے کنارے جلتی ہوئی پائی گئی ہے میں آگ بجھا کر لایا ہوں گاڑی کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا ہے۔ میں اس گاڑی کو اپنے نام کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے عروج اور عینی کی طرف دیکھا پھر کہا "میرے بہنوئی نے وہاں کے تھانیدار سے کہا کہ اس گاڑی کے کاغذات چیک کیے جائیں اور رپورٹ درج کر لی جائے کہ یہ ایک لاوارث ٹیکسی ہے اس کا مالک جب آئے گا تو اسے اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس وقت تک یہ گاڑی میرے سالے کو استعمال کرنے دی جائے۔ تب سے یہ گاڑی میرے پاس ہے۔ میرے پاس ڈرائیونگ لائسنس نہیں ہے اور پھر میں ایک اعلیٰ افسر کا سالا ہوں بھلا مجھ سے کون پوچھ سکتا ہے۔ کوئی ٹریفک پولیس والا مجھے روکتا ہے تو میں اپنے بہنوئی کا نام لے لیتا ہوں تو وہ مجھے سلام کر کے جانے دیتا ہے۔"

پولیس انسپکٹر نے عروج سے کہا "اس ٹیکسی کا مالک سلامت پاشا پتا نہیں کہاں ہے؟ اس نے کبھی آ کر ٹیکسی کی گمشدگی کی رپورٹ بھی درج نہیں کرائی۔"

عینی نے کہا "اب ہم درج کرائیں گے اور یہ ٹیکسی ہمارے پاس رہے گی۔"

انسپکٹر نے کہا "وہ ٹیکسی بری طرح تباہ ہو گئی ہے آپ کے کسی کام کی نہیں رہی ہے۔"

"وہ ہمارے کام کی ہو یا نہ ہو وہ ہمارے سلامت پاشا کی ہے اسے ہم رکھیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے فون کے ذریعے ذیشان سے رابطہ کیا اور اسے تمام حالات بتائے۔ ذیشان نے کہا "فون اس انسپکٹر کو دو۔"

انسپکٹر نے فون کے ذریعے بات کی پھر ذیشان کا نام سنتے ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا "یس سر! حکم سر؟"

ذیشان نے کہا "اس گاڑی کی رپورٹ درج کرو اور

ے میری کسٹڈی میں دے دو۔ میں اس اعلیٰ افسر سے بات کر لوں گا۔"

"آل رائٹ سر!"

اس نے فون عینی کی طرف بڑھا دیا عینی نے اسے کان ے لگا کر سنا پھر کہا "شکریہ بھائی جان! پاشا نہیں ہے لیکن اس کی کوئی چیز تو ہمارے پاس رہے گی۔ آپ اس کے ذریعے اس کا سراغ لگا سکتے ہیں۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو میں معلوم کروں گا کہ اس ٹیکسی کو کس نے آگ لگانے کی کوشش کی تھی اور اس وقت پاشا کہاں گم ہو گیا تھا؟"

ذیشان نے اسے تسلی دی اس نے پھر ایک بار شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا اور بڑے دکھ سے عروج کو دیکھا۔ وہ بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کا دکھ بڑھتا جا رہا تھا۔ پاشا ان کے قریب آتے آتے پھر دور چلا گیا تھا۔

☆☆☆

میں نے دروازے پر دستک دی نمرہ نے دروازے کو کھول کر مجھے دیکھا پھر سر جھکا لیا۔ میں نے مسکرا کہا "میں کل سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں لیکن تم مجھ سے کترا رہی ہو۔ دو گھنٹے بعد ہی تمہیں جانا ہے مگر لگتا ہے تم مجھ سے نظریں چرا کر جانا چاہتی ہو۔"

"مجھے پتا ہے ہمیں ایئرپورٹ تک تم ہی لے کر جاؤ گے۔ میں نے سوچا اسی وقت ملاقات ہو جائے گی اور اسی وقت بات ہو جائے گی۔"

"کار میں تمہارے ممی ڈیڈی ہوں گے، ایئرپورٹ پر نیا جہاں کے لوگ رہیں گے، پھر باتیں کہاں ہو سکیں گی؟"

"میرا خیال ہے اب ایسی کوئی بات نہیں رہ گئی ہے جو تنہائی میں کی جا سکے؟"

"درست کہہ رہی ہو۔ تم تو دیکھتے ہی دیکھتے پرائی ہو چکی ہو۔"

"تو تم نے ہی مجھے پرائی بنا دیا ہے۔"

"کوئی کسی کو کچھ نہیں بناتا۔ حالات اسے کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ بائی داوے، تنہائی میں کہنے والی ایک بات رہ گئی ہے یہ بات میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں پھر ایک بار کہنا چاہتا ہوں۔"

اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا میں نے کہا "ہمارے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے لیے پیدا ہوئے ہیں تم میری دلہن بنو گی لیکن اس وقت تک ہمارے درمیان بہت سی الجھنیں ہیں۔ بہت سی رکاوٹیں ہیں اور ایک عارضی جدائی ہے۔"

"ہاں۔ یہ تم پہلے بھی کہہ چکے ہو۔"

"میں نے یہ بھی کہا ہے کہ تم ارادے کی کمزور ہو۔ حالات تمہیں جدھر لے جاتے ہیں۔ ادھر چلی جاتی ہو' جس طرح موجودہ حالات تمہیں جبران کی طرف لے جا رہے ہیں اور تم جا رہی ہو' لیکن پھر بدلتے ہوئے حالات تمہیں میری طرف ہی لائیں گے تو تم چلی آؤ گی۔ ہماوے درمیان جدائی کے دوران تم خود کو میری امانت بنا کر رکھنا اس امانت میں خیانت نہیں ہونا چاہیے۔"

اس نے سر کو جھکا لیا۔ بیگم آفتاب کی آواز سنائی دے رہی تھی "نمرہ کہاں ہو؟ اب چلو بھی دیر ہو رہی ہے۔"

اس نے کمرے میں ایک طرف رکھے ہوئے ہینڈ بیگ کو اٹھایا پھر میرے سامنے سے گزرتے ہوئے جانے لگی میں نے ہینڈ بیگ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا "چلو۔"

کوٹھی کے باہر دو کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کار میری تھی اور دوسری فلک آفتاب کی۔ اس کار کی پچھلی سیٹ پر بیگم اور فلک آفتاب بیٹھے ہوئے تھے میری کار کی پچھلی سیٹ پر فلک ناز آ کر بیٹھ گئی تھیں اور آسرا سے کہہ رہی تھیں کہ وہ سامنے میرے برابر والی سیٹ پر بیٹھ جائے۔ نمرہ میرے ساتھ کوٹھی سے باہر آئی تو آسرا اسے دیکھ کر رک گئی۔ اسما نے نمرہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا "میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ فون پر مجھ سے اور اپنے بھائی جان سے رابطہ رکھنا۔"

اس نے کہا "میں دور جا رہی ہوں' لیکن دل سے دور نہیں جا رہی ہوں۔ بھائی جان کو میرا سلام ضرور کہہ دیں۔"

پھر وہ میری کار کی طرف آئی تو آسرا نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا "تم یہاں بیٹھو۔"

نمرہ نے مجھے اور آسرا کو دیکھا پھر آسرا سے کہا "نہیں تمہیں یہاں بیٹھنا چاہیے۔"

آسرا نے کہا "رخصت ہونے والوں کو آگے بٹھایا جاتا ہے۔"

"یہ کوئی رسم ہے نہ رواج ہے۔ تم ضد نہ کرو بیٹھ جاؤ۔"

فلک ناز نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر کہا "تم دونوں بحث کرتی رہ جاؤ گی مقدر میاں تم ہی فیصلہ کرو کسے تمہارے ساتھ بیٹھنا چاہیے؟"

میں نے کہا "پھوپی جان! آپ مجھے امتحان میں ڈال رہی ہیں، فیصلہ ان دونوں کو کرنا چاہیے۔"

نمرہ نے کہا "یہ کوئی امتحان میں پڑنے والی بات نہیں ہے فیصلہ تم کرو۔"

میں نے ایک نظر اسے دیکھا پھر آسرا کو دیکھا اس کے بعد کہا ''میرا فیصلہ یہ ہے کہ تم دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھو آسرا ڈرائیو کرلے گی میں پھوپی جان کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤں گا۔''

فلک آفتاب کی کار پیچھے کھڑی ہوئی تھی بابر نے کہا ''بھئی کار آگے بڑھاؤ دیر ہو رہی ہے۔''

نمرہ اچانک میری طرف سے منہ پھیر کر تیزی سے چلتی ہوئی اپنی ممی اور ڈیڈی کے پاس گئی پھر اس کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی آسرا نے مجھے دیکھا پھر کہا ''وہ ناراض ہو کر گئی ہے اسے بلالو۔''

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا ''نہیں...... اس نے خود ہی اس کار میں جا کر بیٹھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ چلو تم میرے ساتھ بیٹھو......!''

وہ اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی میں نے اسٹیرنگ سیٹ سنبھالی فلک ناز خوش ہو رہی تھی۔ میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ مسز رانا اور جبران ہم سے پہلے ایئرپورٹ پہنچے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ کیا۔ مسز رانا بہت خوش تھی۔ مجھے ایک طرف لے جا کر بولی ''بیٹے......! تم نے میری ساتھ اور میرے بیٹے کے ساتھ جو نیکی کی ہے اسے زندگی بھر یاد رکھوں گی۔ تمہاری کوششوں کے نتیجے میں ہی نمرہ ہمارے ساتھ جارہی ہے۔''

میں نے کہا ''میں تو ہاتھ کی لکیروں پر چلتا ہوں لکیریں کہہ رہی تھیں کہ نمرہ آپ لوگوں کے ساتھ جائے گی بس اس کے لیے ذرا کوششیں کرنی تھیں جو میں نے کیں اور کامیاب ہوگیا۔''

نمرہ ایک طرف کھڑی جبران سے مسکرا کر باتیں کر رہی تھی اور کبھی کبھی چور نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ بابر اپنے ممی اور ڈیڈی کے ساتھ بیٹھا بڑی آہستگی سے کہہ رہا تھا۔ ''ممی آپ جارہی ہیں مجھے بہت ہی برا لگ رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہم شکنجے میں آگئے ہیں اور جبراً آپ کو یہاں سے لے جایا جارہا ہے۔''

بیگم آفتاب نے نمرہ اور مسز رانا کی طرف ناگواری سے دیکھا پھر کہا ''کیا کیا جائے بیٹا! ہماری تو قسمت ہی خراب ہے۔ ہم نے بڑی رازداری سے لین دین کی بات کی تھی لیکن وہ آگ لگانے والی بہو جب تک گھر میں رہے گی ہمیں کبھی پنپنے نہیں دے گی۔ وہ یہی چاہے گی کہ ہم عینی کے گھر میں بیٹھ کر لقمے توڑتے رہیں۔''

فلک آفتاب نے کہا ''ایک دم سے تین کروڑ ہاتھوں سے نکل گئے۔ اتنا بڑا نقصان میں کیسے برداشت کر رہا ہوں، ... ہی جانتا ہوں۔''

بابر نے کہا ''بھائی جان نے حکم دیا کہ آپ کو جانا چا... اور آپ راضی ہوگئیں۔''

فلک آفتاب نے کہا ''بیٹے تم بھی وہاں سے اٹھ کر گئے تھے تمہیں کیا معلوم عینی نے کہا تھا تمہاری ماں کو ہر... میں جانا چاہیے۔ اب تم ہی بتاؤ ہم اس کی چھت کے... رہتے ہیں اس کا کھاتے ہیں اس کا دیا پہنتے ہیں پھر اس کی با... کیسے نہ مانتے؟''

بیگم آفتاب نے کہا ''اب تو وہ سلسلہ بھی نہیں ر... ہمارے ہاتھ سے وہ ماہانہ ایک لاکھ روپے نکل چکے ہیں۔ ا... گھر کے اخراجات بھی ہم سے چھین لیے گئے ہیں۔ اب ا... یہ گھر سنبھالے گی۔''

فلک آفتاب نے کہا ''ذیشان نے اسے ... چڑھا رکھا ہے۔ پتا نہیں کب سے وہ منصوبے بنا رہی تھی ا... کامیاب ہوگئی اور گھر کی چابیاں آخر اس نے ہم سے چ... لیں۔''

بیگم آفتاب نے اپنے میاں سے کہا ''ذرا مسز را... دیکھیں کتنی خوش ہے مقدر میاں کے ساتھ چہک رہی ہے۔ ... لیے دیے بغیر ہی ہماری بیٹی کو لے جارہی ہے۔''

ادھر مسز رانا نے زیر لب مسکراتے ہوئے مجھ ... کہا ''تمہاری یہ بڑی امی مجھے کھا جانے والی نظروں سے د... رہی ہیں۔''

میں نے کہا ''وہ اپنے منصوبوں میں ناکام رہی ہیں... تین کروڑ کی رقم معمولی نہیں ہوتی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان... ہاتھوں سے نکل گئی۔ صدمہ تو ضرور ہوگا۔ پھر یہ کہ انہیں یہا... سے جانے پر بھی مجبور کیا جارہا ہے۔''

''میں کون سا انہیں راضی خوشی لے جارہی ہوں خوا... ...کباب میں ہڈی بنی رہیں گی۔''

''یہ کباب میں ہڈی تب بنیں گی جب آپ کے سا... یہاں سے جائیں گی۔''

مسز رانا نے چونک کر مجھے دیکھا پھر حیران ہو کر پوچھا ''کیا کہہ رہے ہو؟''

''یہی کہ یہ آپ کے ساتھ نہیں جائیں گی، صرف نم... جائے گی۔''

وہ شدید حیرانی سے بولی ''یہ کیا کہہ رہے ہو بیٹے! ا... اپنے پورے سازوسامان کے ساتھ یہاں آئی ہیں اور اب... ہمارے ساتھ اندر جا کر بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے وا...

...ہیں۔''

میں نے کہا ''ابھی فلائٹ میں دو گھنٹے ہیں آپ اندر ...انے میں جلدی نہ کریں پھر یہ میری بڑی امی جاتے جاتے ...ل جائیں گی۔''

''مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔ کیا یہ خود ہی فیصلہ بدل دیں ...ی؟''

''نہیں...... مقدر فیصلہ بدلے گا۔''

''یعنی تم انہیں جانے سے روک لوگے؟''

''بھئی میں ان کے مقدر کی بات کر رہا ہوں۔ میرا تو ...رف نام مقدر ہے۔ میرے علم نجوم نے بہت پہلے ہی بتادیا ...ا کہ ان کی قسمت میں ابھی سفر نہیں لکھا ہے تو پھر یہ سفر کیسے ...ریں گی؟''

''تو پھر تم نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟''

''کیسے بتاتا۔ میں خود حیران ہوں کہ یہ بالکل تیار ہو کر ...ئرپورٹ تک چلی آئی ہیں اور ابھی تک ان کے سامنے نہ کوئی ...اوٹ پیدا ہوئی ہے اور نہ ہی سفر کا ارادہ تبدیل کیا ہے۔ کیا ...ھ کی لکیریں غلط کہہ رہی ہیں؟ یہی بات ابھی میں سمجھنا اور ...یکھنا چاہتا ہوں۔ آپ بھی دیکھیں کیا ہوتا ہے۔''

نمرہ اس وقت ایک طرف کھڑی جبران سے باتیں ...رہی تھی لیکن اندر سے پریشان ہو رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ...ڈنگ کارڈ حاصل کرنے کے لیے جلد سے جلد اندر چلی ...ئے اس طرح وہ میری نظروں سے اوجھل ہوجائے گی اور ...ر ایک طویل عرصے تک ہمارا سامنا نہیں ہوگا اور اس کے بعد ...جانے کون کدھر جائے گا، کس کی قسمت کیا گل کھلائے گی؟

جبران نے کہا ''تم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی ''نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں ...ہے بس پہلی بار یہاں سے بہت دور جارہی ہوں۔ پھر ڈیڈی ...ہاں تنہا رہ جائیں گے بس اسی بات کی پریشانی ہے۔''

وہ بولا ''تمہارے ڈیڈی اور بابر بھائی شاید مجھ سے ...راض ہیں؟''

''نہیں...... وہ بھلا ناراض کیوں ہوں گے؟''

''پتا نہیں میں نے ان دونوں کو سلام کیا تھا بابر بھائی نے ...خشک لہجے میں جواب دیا مگر تمہارے ڈیڈی نے منہ پھیر لیا۔''

''تم مائنڈ نہ کرو۔ مجھے ان کے رویے پر شرمندگی ہے۔''

آسرا اور فلک ناز ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ فلک ناز نے ...ہا ''ان سب نے الگ الگ ٹولی بنالی ہے ایک دوسرے ...سے دور رہ کر جانے کیا کیا باتیں کر رہے ہیں؟''

''ممی آپ کو دوسروں کی اتنی فکر کیوں رہتی ہے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟''

''میں کیوں فکر کروں گی؟ میں تو بہت خوش ہوں کہ نمرہ یہاں سے جارہی ہے۔ میرے دل کی مرادیں پوری ہونے والی ہیں۔''

''ممی......! آنکھ کھلتے ہی خوابوں کے محل چکنا چور ہوجایا کرتے ہیں۔''

''تم کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''آپ اپنے بھتیجے مقدر حیات کی پیش گوئی بھول جاتی ہیں کہ میری شادی نہیں ہوسکے گی۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ مقدر نے یہ بھی کہا تھا کہ تمہارے ہاتھ پر شادی کی لکیر بن سکتی ہے اور تم دلہن بن سکتی ہو۔ تمہارا مقدر کس وقت کیا تماشے دکھائے گا یہ ابھی کوئی نہیں جانتا۔''

ادھر مسز رانا نے مجھ سے کہا ''بیٹے......! تم نے تو میرے اندر تجسس پیدا کردیا ہے۔ میں یہ دیکھنے کے لیے بے چین ہوں کہ کس طرح نمرہ کی ممی سفر کا ارادہ بدلتی ہیں؟''

''میں بھی بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں کہ کیا ہونے والا ہے؟''

مسز رانا نے مجھے گھور کر کہا ''مقدر میاں! تم بہت گہرے ہو۔ بہت کچھ جانتے ہو مگر مصلحتاً بہت سی باتیں چھپاتے رہتے ہو۔''

''آپ مجھ پر شبہ کیوں کر رہی ہیں؟''

''کیوں نہ شبہ کروں؟ تم مستقبل کی اتنی گہری باتیں جانتے ہو کہ تم نے میرے بیٹے کی موت کا مقررہ وقت تک بتادیا پھر کیا یہ نہیں جانتے ہوگے کہ بیگم آفتاب یہاں سے کیوں واپس چلی جائیں گی؟''

بیگم آفتاب اپنے میاں اور بیٹے کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اچانک اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے مسز رانا سے کہا ''وہ دیکھیں وہ اب اٹھ گئی ہیں۔ اب وہ جانے والی ہیں۔''

مسز رانا نے سوالیہ نظروں سے بیگم آفتاب کی طرف دیکھا۔ وہ وہاں سے لیڈیز ٹوائلٹ کی طرف جارہی تھی۔ وہ بولی ''یہ تو ٹوائلٹ کی طرف جارہی ہیں؟''

میں نے کہا ''کیا ایسا نہیں ہوتا کہ بعض اوقات آدمی جاتا کہیں ہے اور پہنچتا کہیں ہے؟''

وہ بڑے اضطراب کے عالم میں حیرت سے بیگم آفتاب کو دیکھ رہی تھی مجھ سے بولی ''کیا میں ان کے پیچھے جاؤں؟''

''نہیں، پلیز آپ یہیں چپ چاپ تماشا دیکھتی رہیں۔''

بیگم آفتاب ٹوائلٹ کے اندر آگئی ذہاں ایک عورت

آئینے کے سامنے کھڑی اپنا میک اپ درست کر رہی تھی۔ اس نے بیگم آفتاب کو دیکھا پھر لپ اسٹک کو پرس میں رکھتی ہوئی وہاں سے باہر نکل گئی۔ ٹوائلٹ ویران ہو گیا۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا بلکہ کوئی نہیں تھی۔ وہ آگے بڑھتی ہوئی ایک ٹوائلٹ کے دروازے پر آئی اور اسے کھول کر اندر پہنچی تو دروازے کے پیچھے کوئی عورت چھپی ہوئی تھی۔ اس نے فوراً ہی دروازے کو بند کر دیا اور ایک ریوالور نکال کر اس کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا "خبردار کوئی آواز نہ نکالنا۔"

بیگم آفتاب خوف سے لرزتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔ وہ عورت سر سے پاؤں تک سیاہ برقعے میں تھی۔ اس نے آہستگی سے پوچھا "یہاں ٹوائلٹ میں کتنی عورتیں ہیں؟"

وہ خوف سے بول نہیں پا رہی تھی اس نے ڈانٹ کر کہا "میری بات کا جواب دو یہاں کتنی عورتیں ہیں؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "ایک عورت تھی وہ بھی باہر چلی گئی ہے۔"

"تمہارے ساتھ کتنے لوگ ہیں؟"

"میں لندن جانے والی ہوں میرے گھر کے لوگ مجھے سی آف کرنے آئے ہیں۔"

"یہ بتاؤ زندگی چاہتی ہو یا موت؟"

اس نے ریوالور کی نال بیگم آفتاب کی پیشانی سے لگا دی۔ وہ تھر تھر کانپتے ہوئے بولی "تم مجھے کیوں مارنا چاہتی ہو، مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"اگر تم زندگی چاہتی ہو تو میرے اشاروں پر چلو جیسا میں کہوں ویسا ہی کرو۔"

اس نے جلدی جلدی ہاں کے انداز میں سر ہلایا "وہ عورت اپنا برقعہ اتارتے ہوئے بولی۔ اسے فوراً پہن لو۔" اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر یہاں سے نکلو تاکہ تمہارے رشتے دار تمہیں نہ دیکھ سکیں۔ میں تمہارے پیچھے پیچھے رہوں گی۔ اگر تم نے ذرا بھی چالاکی دکھائی اور اپنے کسی رشتے دار کو مخاطب کرنا چاہا یا کوئی اور اشارہ کیا تو میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

اس نے اپنا سیاہ برقعہ اتار کر اس کی طرف بڑھایا وہ اسے لیتے ہوئے بولی "تم مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہو؟"

وہ غرا کر بولی "خبردار کوئی سوال نہ کرو اور دیر نہ کرو۔ فوراً اسے پہنو ورنہ......"

اس نے پھر ریوالور کی نال اس کی پیشانی سے لگائی وہ جلدی جلدی برقعہ پہننے لگی۔ ایک چھوٹی سی اٹیچی اس کے قدموں کے پاس رکھی ہوئی تھی۔ اس نے اسے اٹھا کر بیگم آفتاب کو دیتے ہوئے کہا "اسے پکڑو اور میرے آگے آگے چلتی رہو۔ پھر ایک بار سمجھاتی ہوں۔ اگر تم نے کوئی چالاکی دکھائی تو حرام موت مرو گی۔ پولیس میرے پیچھے ہے اگر پکڑی جاؤں گی تو مجھے تو مرنا ہی ہے مگر میں تمہیں مار کر ہی مروں گی۔ اگر میں ان کی نظروں میں نہ آئی تو پھر تم بھی زندہ سلامت اپنے رشتے داروں میں واپس جا سکو گی۔ کم آن ہری اپ......"

بیگم آفتاب سیاہ برقعہ پہن چکی تھی، چہرے پر نقاب پڑا تھا اس اجنبی عورت نے چھوٹے سے اٹیچی کیس کو اس کے ہاتھوں میں تھما دیا اور وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ٹوائلٹ سے باہر آئی۔ دور ایک جگہ فلک آفتاب اپنے بیٹے بابر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ آسرا اپنی ماں فلک ناز کے ساتھ تھی۔ نمرہ جبران سے باتیں کر رہی تھی اور مسز رانا میرے ساتھ کھڑی ہوئی بار بار ٹوائلٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہاں سے ایک برقعہ پوش عورت باہر آئی اس کے پیچھے ایک بہت ہی اسمارٹ نوجوان عورت تھی۔ اس نے جینز اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پرس تھا۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس پرس میں ریوالور رکھا ہوا ہے اور اس کا رخ بیگم آفتاب کی طرف ہے۔ اس ریوالور والی نے دھیمی آواز میں کہا "کار پارکنگ کی طرف چلو۔"

ادھر جانے کے لیے بیگم آفتاب اپنے میاں اور اپنے بیٹے کے قریب سے گزرتی ہوئی جانے لگی دل میں دعائیں مانگ رہی تھی کہ ان میں سے اسے کوئی دیکھ لے اور پہچان لے۔ شوہر اور بیٹے دونوں نے اسے دیکھا پھر ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ برقعہ پہن کر جانے والی کوئی غیر نہیں ان کی اپنی ہے۔

وہ دونوں آگے پیچھے چلتی ہوئی باہر کھڑی ہوئی ایک کار کے قریب پہنچیں۔ کار کا پچھلا دروازہ کھل گیا۔ پچھلی سیٹ پر ایک شخص ریوالور لئے بیٹھا تھا۔ اس سے کہا گیا "فوراً بیٹھو دیر نہ کرو۔"

بیگم آفتاب کو ان کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی دروازہ بند ہو گیا ریوالور والی نے پرس کے اندر سے ریوالور نکال کر اس شخص کو دیتے ہوئے کہا "اسے رکھو۔ اس اٹیچی میں پورا مال ہے فوراً یہاں سے جاؤ۔ میں پولیس کی نظروں میں آ کر گرفتاری پیش کروں گی۔ کل عدالت سے میری ضمانت حاصل کرا لینا۔"

اس شخص نے کہا "فکر نہ کرو میری جان! ہم تمہیں زیادہ دیر تک پریشان نہیں ہونے دیں گے۔ صرف ایک ہی رات کی بات ہے۔ ہم تمہیں نکال لے جائیں گے۔"

وہ کار اسٹارٹ ہو کر وہاں سے جانے لگی۔ بیگم آفتاب ...ی ہوئی بیٹھی تھی اور اپنوں سے دور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ کسی ...خبر نہیں تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور وہ کہاں سے ...ہاں چلی جا رہی ہے؟

مسز رانا بار بار ٹوائلٹ کے دروازے کی طرف دیکھ رہی ...اس نے تقریباً پندرہ منٹ تک انتظار کیا پھر کہا "وہ محترمہ تو ...جا کر بیٹھ ہی گئی ہیں۔"

...میں نے کہا "انہیں آنا ہوگا تو آ جائیں گی آپ کیوں اس ...بے چین ہو رہی ہیں؟"

"تم نے میرے اندر بے چینی پیدا کر دی ہے۔ جب وہ ...نے میاں کے پاس سے اٹھ کر جانے لگیں تو تم نے کہا تھا اب ...جا رہی ہیں اور تم نے یہ بھی کہا تھا کہ کوئی جاتا کہیں ہے اور ...جاتا کہیں ہے؟"

"میں تو ایک عام سی حقیقت بیان کر رہا تھا۔ اکثر لوگوں ...کے ساتھ یہی ہوتا ہے۔ وہ راستہ چلتے چلتے بھٹک جاتے ...ہیں۔"

وہ بولی "مجھ سے اب انتظار نہیں ہوگا۔ میں ٹوائلٹ میں ...جا کر دیکھتی ہوں۔"

میں نے کہا "پلیز آپ نہ جائیں۔ ذرا سنیئے اناؤنسمنٹ ...ہو رہی ہے آپ کا جہاز روانگی کے لیے تیار ہے۔ نمرہ اور ...جبران سے کہیں کہ وہ اندر چلیں۔"

اس نے پوچھا "اور بیگم آفتاب؟"

"وہ آپ کے پیچھے آ جائیں گی۔ اگر نہیں آئیں گی تو کیا ...آپ اپنی روانگی ملتوی کر دیں گی؟"

"نہیں...... مگر تمہارے گھر والے کہہ رہے تھے کہ نمرہ کو ...ممی کے ساتھ جانا چاہیے۔"

"اگر وہ ساتھ نہیں جائیں گی تو کیا نمرہ کو آپ یہاں ...چھوڑ جائیں گی؟"

اس نے انکار میں سر ہلا دیا اور آگے بڑھ کر نمرہ اور ...جبران کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اناؤنسمنٹ ہو رہی ہے ہمیں ...اندر چلنا چاہیے۔"

اس نے بلند آواز سے کہا تاکہ فلک آفتاب اور بابر بھی ...سن لیں فلک آفتاب نے اپنے بیٹے سے پوچھا "یہ تمہاری ممی ...اب تک واپس کیوں نہیں آئیں؟"

بابر نے ٹوائلٹ کی طرف دیکھا پھر نمرہ سے کہا "تم ...جا کر دیکھو وہ اتنی دیر کیوں کر رہی ہیں؟"

نمرہ ادھر جانا چاہتی تھی مسز رانا نے ہاتھ اٹھا کر کہا "بیٹی تم

رک جاؤ جبران کے ساتھ اندر جا کر بورڈنگ کارڈ حاصل کرو میں جا کر دیکھتی ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ٹوائلٹ کے اندر گئی پھر تھوڑی دیر بعد واپس آ کر حیرانی سے بولی "مسز آفتاب اندر نہیں ہیں۔"

فلک آفتاب نے حیرانی سے کہا "ابھی تو وہ ہمارے سامنے ٹوائلٹ میں گئی تھیں وہاں سے وہ کہاں جا سکتی ہیں؟"

بابر نے آگے بڑھ کر پوچھا "آپ نے اچھی طرح دیکھا ہے؟"

"ہاں' میں نے ایک ایک ٹوائلٹ کا دروازہ کھول کر دیکھا ہے اندر کوئی نہیں ہے۔ باہر تین عورتیں ہیں جو منہ دھونے میں مصروف ہیں۔"

فلک آفتاب نے آگے بڑھ کر کہا "پلیز آپ پھر ایک بار جائیں اور اچھی طرح دیکھیں۔"

پھر اس نے پلٹ کر فلک ناز سے کہا "ناز تم بھی ذرا جا کر دیکھو۔"

بابر نے کہا "ٹوائلٹ کا ایک ہی دروازہ ہے۔ ممی اگر کہیں جائیں گے تو اسی دروازے سے نکل کر جائیں گی اور ہم دیکھ رہے ہیں وہ باہر نہیں آئی تھیں۔"

مسز رانا' فلک ناز اور آسرا تینوں ہی لیڈیز ٹوائلٹ کے اندر گئیں' اسے ہر جگہ تلاش کیا۔ وہ وہاں ہوتی تو نظر آتی۔ وہ تینوں پریشان ہو کر باہر آئیں۔ فلک ناز نے کہا "بھابی جان یہاں نہیں ہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ یہاں سے کہاں جائیں گی؟"

وہ سب ادھر ادھر دور تک نظریں دوڑانے لگے خیال تھا شاید وہ کسی اسٹال کی طرف گئی ہو۔ بابر نے کہا "میں ٹوائلٹ کے دروازے کی طرف برابر دیکھتا رہا تھا۔ میں نے انہیں باہر نکلتے نہیں دیکھا۔"

"تمہاری نظر چوک گئی ہوگی وہ ٹوائلٹ کے اندر سے غائب تو نہیں ہو سکتیں۔ یقیناً باہر نکل کر کہیں گئی ہیں۔"

فلک ناز' آسرا' بابر اور فلک آفتاب سب ہی دور دور تک اسٹالوں کی طرف جا کر دیکھنے لگے۔ مسز رانا مجھے شدید حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا "آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟"

وہ سر ہلا کر بولی "بیٹے......! تم بہت خطرناک ہو۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟"

"تم جو کہہ دیتے ہو وہ بات پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے۔ مسز آفتاب ٹوائلٹ کے اندر جا رہی تھیں تو تم نے صاف لفظوں میں کہا تھا بعض اوقات کوئی جاتا کہیں ہے اور پہنچتا کہیں ہے۔ مسز آفتاب میری آنکھوں کے سامنے ٹوائلٹ کے اندر گئی تھیں پھر باہر نہیں آئیں وہ کہیں دوسری جگہ پہنچ گئی ہیں کہاں پہنچی ہیں خدا کے لیے مجھے بتاؤ وہ زندہ سلامت ہیں ناں؟"

"بے شک ان کے ہاتھوں میں زندگی کی لکیر تھی۔ جہاں کہیں بھی ہوں گی زندہ سلامت ہوں گی۔"

"میں یقین سے کہتی ہوں تم اچھی طرح جانتے ہو وہ اس وقت کہاں ہیں؟"

"آنٹی! آپ مجھے بہت غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں نجومی ہوں جادوگر نہیں ہوں۔ اس وقت آپ کے لیے یہ بہتر ہے کہ آپ مسز آفتاب کے معاملے میں پریشان نہ ہوں۔ موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اندر جا کر بورڈنگ کارڈ حاصل کریں۔ نمرہ اور جبران کو لے کر یہاں سے چلی جائیں ورنہ آپ دیکھ رہی ہیں حالات کو بدلتے دیر نہیں لگتی ایسا نہ ہو کہ حالات آپ کے خلاف ہو جائیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "نہیں...... نہیں میں ابھی نہیں جا رہی ہوں۔"

فلک آفتاب اور بابر وغیرہ واپس آ رہے تھے مسز رانا نے پوچھا "کیا ہوا؟ وہ نہیں ملیں؟"

بابر نے کہا "ہم حیران ہیں وہ اچانک کہاں چلی گئیں۔"

"وہ جہاں بھی گئی ہیں واپس آئیں گی انہیں جن کے ساتھ یہاں سے جانا ہے میں اندر جا رہی ہوں وہ آئیں تو انہیں بھی بھیج دیں۔"

وہ وہاں سے جانے لگی۔ جانے والوں کو کوئی روک سکتا تھا اور جو جاتے جاتے رک گئی تھی اسے بھی کوئی تلاش کر سکتا تھا۔ انہیں ہاتھ کی لکیروں نے ادھر ادھر کر دیا تھا گم ہو گئی تھی۔ بن بیاہی بیٹی سسرال جا رہی تھی۔ میں تقدیر کی بساط پر ایسی ہی چالیں چلتا ہوں کیونکہ......

میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہمسفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
اور تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں

شہباز درانی کی محل نما کوٹھی میں ایک ایسا کمرا تھا جسے اس نے پرائیویٹ چیمبر بنایا ہوا تھا۔ وہاں ایسی ایسی خفیہ دستاویزات تھیں جنہیں دیکھنے سے اور پڑھنے سے پتا چلتا تھا کہ وہ اس جگہ بیٹھ کر امریکا سے پاکستان تک بڑے بڑے سیاسی گیم کھیلتا رہتا ہے۔ یہ دستاویزات تحریری بھی تھیں اور آڈیو ویڈیو کیسٹس کی شکل میں بھی۔ وہ ان کے ذریعے بڑے بڑے سیاسی رہنماؤں کو بلیک میل کرتا رہتا تھا۔ اس وقت وہ اپنے اسی پرائیویٹ چیمبر میں بیٹھا ہوا تھا۔

اس وقت وہ کوئی بڑا سیاسی گیم نہیں کھیل رہا تھا۔ اس کی مصروفیت ذاتی نوعیت کی تھی۔ میں پچھلے دنوں اس کی کوٹھی میں ایک مہمان کی حیثیت سے گیا تھا۔ وہاں میں نے اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھی تھیں اور اس کی موت کا ایک مقررہ وقت بتایا تھا جس پر اس نے یقین نہیں کیا تھا۔ میں نے کہا تھا' اس موت سے صرف میں ہی اسے بچا سکتا ہوں ورنہ وہ مارا جائے گا۔

اس نے اپنے بچاؤ کی تدبیریں کی تھیں۔ سیکورٹی کا انتظام نہایت سخت رہتا تھا۔ اس وقت وہ اور بھی زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ اپنی حفاظت اور سلامتی کے لیے جس سیکورٹی افسر پر تکیہ کر رہا ہے' وہ ہی اس کی جان لینے کی کوشش کرے گا۔

شہباز درانی جیسے شہ زور لوگ بہت ہی مغرور اور خودسر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے مقابلے میں کسی دوسرے کو برداشت ہی نہیں کرتے' اسے ٹھکانے لگا دینا چاہتے ہیں۔ شہباز درانی نے پہلی بار دل ہی دل میں اعتراف کیا تھا کہ میں اس سے زیادہ شہ زور ہوں۔

اس نے فیصلہ کیا کہ وہ مجھے اپنے زیر اثر لائے گا یا مجھے ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا۔ میں اس کے وہ تمام خفیہ راز جانتا تھا جن کے بل بوتے پر وہ وسیع ذرائع اور لامحدود اختیارات کا مالک بنا ہوا تھا اور وہ مجھ جیسے رازداں کو کیسے زندہ چھوڑ سکتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ میں نے اس کے سیکورٹی افسر سے اس کی جان بچائی تھی۔ اسے تو میرا احسان مند ہونا چاہیے تھا لیکن اس کے برعکس وہ سوچ رہا تھا کہ میں بہت خطرناک ہوں۔ جب سے میں نے اس کی موت کی نشاندہی کی اور پھر اس کی جان بچائی' وہ اندر ہی اندر مجھ سے بری طرح خوف زدہ تھا۔ اس نے بظاہر وعدہ کیا تھا کہ وہ سیکورٹی افسر سے انتقام نہیں لے گا لیکن بعد میں اس نے میری اور اس کی موت کا پروانہ جاری کر دیا۔

اس کا دستِ راست اسد عزیزی موت کا فرشتہ تھا۔ جس کے پیچھے پڑ جاتا تھا' اسے قبر تک پہنچا کر ہی دم لیتا تھا۔ اس نے شہباز درانی کے لیے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے تھے۔

وہ سیکورٹی افسر جس نے شہباز پر قاتلانہ حملہ کیا تھا' اسے موت کے گھاٹ اتارنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ وہ ڈیوٹی سے اپنے گھر جا رہا تھا۔ شہباز درانی نے اسے اس کی تنخواہ دس ہزار روپے دی تھی۔ وہ اپنی بیوی اور بچوں کے لیے بہت سی چیزیں خرید کر لے جا رہا تھا لیکن اپنے پیارے پیارے بچوں تک نہ پہنچ سکا' راستے میں ہی اسے گولی مار دی گئی۔

اسد عزیزی نے فون پر شہباز درانی کو بتایا "سر! میں نے اس سیکورٹی افسر کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔"

شہباز درانی نے کہا "وہ تو ایک چیونٹی کی طرح تھا' میں نے صرف چیونٹی کو ہی نہیں' ہاتھی کو بھی مارنے کا حکم دیا تھا۔"

"سر......! آپ جانتے ہیں' مقدر حیات کتنا زبردست ہاتھی ہے' اسے گھیرنے میں ذرا وقت لگ رہا ہے؟"

"پرابلم کیا ہے؟"

"میں اس کے معمولات کا مطالعہ کر رہا ہوں کہ وہ کب کہاں جاتا ہے اور کہاں کتنا وقت گزارتا ہے۔ میں ذاتی طور پر اس کی نگرانی کر رہا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ آخر کیا بلا ہے۔"

"اس کے بارے میں نہ سمجھنے والی بات کیا ہے؟"

"اب میں کیا بتاؤں' میں نے دیکھا کہ وہ اپنے ہیڈ آفس میں گیا ہے۔ جب میرا ایک خاص آدمی ہیڈ آفس میں گیا تو پتا چلا کہ وہ وہاں نہیں ہے۔"

"وہ کسی دوسرے دروازے سے باہر چلا گیا ہوگا۔"

"میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ ایک بار اس کا تعاقب کیا' وہ کوٹھی کے احاطے سے باہر نکل کر کار ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔ ٹریفک کے ہجوم میں کبھی کبھی اس کی کار نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھی۔ جب وہ کار بینک کے پاس پہنچی تو میں نے حیرانی سے دیکھا کہ اس کار میں وہ موجود نہیں تھا' کوئی دوسرا شخص کار سے اتر کر بینک کے اندر جا رہا تھا۔"

"جب وہ کار نظروں سے اوجھل ہوئی تھی' تب ہی وہ کہیں اتر کر چلا گیا ہوگا؟"

"اس صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اسے ہمارے تعاقب کا علم ہو جاتا ہے اور وہ ہمیں جل دے جاتا ہے۔"

"ہوں......! میں شروع سے کہتا آ رہا ہوں کہ وہ شخص نجومی نہیں ہے' کوئی پُراسرار علم جانتا ہے اور اس غیر معمولی علم کے ذریعے معلوم کر لیتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے' میں اس شخص کی اصلیت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بہتر ہوگا کہ

اسے فوراً قتل نہ کیا جائے۔ کسی طرح اسے اغوا کر کے ایسی جگہ قید کیا جائے جہاں سے وہ کبھی فرار نہ ہو سکے۔ وہاں ہم اس سے اس کی اصلیت اگلوا سکیں گے۔"

"مسئلہ یہ ہے کہ وہ کبھی ایک جگہ زیادہ دیر تک دکھائی نہیں دیتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے ابھی تھا' ابھی کہیں گم ہو گیا ہے۔ ایسے میں نہ اسے کہیں سے گولی ماری جا سکتی ہے' نہ ہی اغوا کیا جا سکتا ہے۔ مگر آپ فکر نہ کریں، میں کوئی نہ کوئی ترکیب نکالتا ہوں جس کے ذریعے اسے قابو میں کیا جا سکے۔"

"کچھ بھی کرو' جلد سے جلد اسے زیر کر کے مجبور اور بے بس بنا دو۔ پھر میں اس سے نمٹ لوں گا؟"

"آل رائٹ سر! میں چند گھنٹوں میں خوشخبری سناؤں گا۔"

اسد عزیزی نے رابطہ ختم کر دیا۔ فی الوقت اس کے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ ہمارے کوٹھی کے ملازموں کو زیادہ سے زیادہ بھاری رقم دے کر اپنا آلۂ کار بنائے گا اور ان سے حسبِ ضرورت کام لیتا رہے گا۔ اسی طرح میرے آفس اور مل کے خاص افراد کو بھی بھاری رقم دے کر خرید لے گا اور ان کے ذریعے بھی وہ میرے خلاف بہت کچھ کر سکے گا۔

میں نے فون کے ذریعے شہباز درانی کو مخاطب کیا۔

"ہیلو...... شہباز! تم بہت ہی احسان فراموش ہو۔"

وہ ناگواری سے بولا "کون ہو تم......؟"

"وہی ہوں' جس نے تمہیں موت سے بچا کر نئی زندگی دی ہے اور تم ہو کہ میرے پیچھے موت کو لگا رہے ہو؟"

"ہوں...... تم مقدر حیات ہو...... کیوں فون کیا ہے؟"

"یہ بتانے کے لیے کہ جو میرے پیچھے پڑتا ہے' موت اس کے پیچھے پڑ جاتی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر بعد تم اسد عزیزی کے بارے میں بری خبر سننے والے ہو۔"

وہ ایک دم سے پریشان ہو کر بولا "کیسی بری خبر؟ اسے کیا ہونے والا ہے؟"

"وہ بھی تمہاری طرح موت کے قریب سے گزرنے والا ہے۔"

"تم...... تم' جھوٹ بول رہے ہو۔ خوامخواہ دھمکی دے رہے ہو۔"

"جب میں نے تمہاری موت کی پیش گوئی کی تھی تب بھی تم نے یہی کہا تھا۔ یقین نہیں کرو گے تو پچھتاؤ گے۔"

"نہیں...... وہ میرا دایاں بازو ہے' اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ تم اس کے خلاف کیا کر رہے ہو؟"

"میں کیا کروں گا؟ جو کرنا ہے وہ اس کا مقدر کرے گا۔ ابھی دس منٹ کے بعد اس کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے اس کے بعد تم اس سے ایک آدھ مہینے تک کوئی کام نہیں لے سکو گے۔ وِش یو بیڈ لک۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ وہ فون پر چیختا رہا "مقدر...... ہیلو...... ہیلو......!"

اس نے کریڈل پر انگلی رکھی پھر اسد عزیزی کے نمبر پنچ کیے' دوسری طرف بیل بجنے لگی۔ وہ بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی "یس سر! میں بول رہا ہوں۔"

"کہاں مر گئے تھے' فون اٹینڈ کرنے میں اتنی دیر کیوں کر دی؟"

"سوری سر! میں یہاں ٹریفک کے ہجوم میں گھرا ہوں۔ آپ گاڑیوں کا شور سن رہے ہوں گے' ایسی جگہ فون پر باتیں کرتا رہا تو کوئی حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے۔"

"میں نے یہی کہنے کے لیے فون کیا ہے۔ تمہارے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے یا ایسا کچھ ہو سکتا ہے جس سے تمہیں زبردست نقصان پہنچے۔ تم موت سے بھی دوچار ہو سکتے ہو۔"

"سر! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں' اتنے شور میں آپ کی باتیں پوری طرح سنائی نہیں دے رہی ہیں۔ پلیز آپ انتظار کریں میں تھوڑی دیر میں کال بیک کروں گا۔"

وہ ذرا چیخ کر بولا "نہیں...... ابھی فون بند نہ کرو۔ مقدر حیات نے تمہارے بارے میں پیش گوئی کی ہے کہ کوئی خطرہ پیش آنے والا ہے تم فوراً یہاں واپس آ جاؤ۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ میں نے کہا تھا کہ دس منٹ بعد وہ کوئی بری خبر سننے والا ہے۔ پانچ منٹ گزر گئے تھے اور صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ دوسری طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اسد عزیزی ٹریفک کے ہجوم میں بری طرح پھنسا ہوا ہے' ایسے میں ڈرائیو کرتے ہوئے کوئی موبائل فون اٹینڈ نہیں کر سکتا اس لیے اس کے دستِ راست نے مجبوراً فون بند کیا ہے۔

اسد عزیزی اسٹیئرنگ سیٹ پر تھا۔ پچھلی سیٹ پر اس کے دو گن مین بیٹھے ہوئے تھے۔ آگے پیچھے' دائیں بائیں گاڑیاں ہی گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے موبائل فون ایک گن مین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "باس کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں بتاؤ کہ ہم یہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس ہجوم سے نکلتے ہی میں ان سے رابطہ کروں گا۔ اگر کوئی ضروری بات ہے تو وہ تمہیں بتا دیں۔"

وہ آگے جا کر دوسری سڑک پر مڑنا چاہتا تھا' جہاں ٹریفک کا ہجوم زیادہ نہیں تھا۔ گن مین شہباز درانی کو صورتِ حال بتا رہا تھا' وہ اس سے کہہ رہا تھا "اب ہم چوراہے پر پہنچ گئے ہیں۔ وہاں سے دوسری سڑک پر مڑ جائیں تو پھر اسد عزیزی صاحب آپ سے بات کر سکیں گے۔"

شہباز درانی نے کہا "فون بند کرو اور اس سے کہو' فوراً یہاں واپس چلا آئے۔ مجھے ایک ایک منٹ کی رپورٹ دو کہ تم اب کہاں ہو اور کن حالات سے گزر رہے ہو؟"

اسد عزیزی نے کار کو دوسری طرف موڑ لیا تھا۔ اس موڑ سے آگے ایک اور موڑ تھا۔ وہ تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا جب اس موڑ پر پہنچا تو اچانک ہی ایک تیز رفتار ٹرک سامنے آ گیا' ادھر وہ بھی تیز رفتاری سے کار چلا رہا تھا۔ چنانچہ دونوں کا سنبھلنا اور ایک دوسرے سے کترانا ممکن نہیں تھا۔ کار کا اسٹیئرنگ گھماتے گھماتے ایک زبردست تصادم ہوا' ایسا لگا جیسے قیامت آ گئی ہے۔ وہ اسٹیئرنگ سے ٹکرایا' آپ ہی آپ سیٹ پر سے اچھلا' ونڈ اسکرین کے شیشے چکنا چور ہو کر اس کی طرف اڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ اس کے چہرے اور جسموں میں گھپ رہے تھے۔ وہ آدھا کار کے اندر اور آدھا ونڈ اسکرین کے ٹوٹے ہوئے شیشوں کے باہر پہنچ کر تھم گیا تھا۔ ہر چیز تھم گئی تھی۔ زندگی بھی جیسے آگے بڑھنے سے انکار کر رہی تھی۔ وہ ہوش و حواس سے بے گانہ ہو چکا تھا۔

دوسری طرف شہباز درانی اپنے پرائیویٹ چیمبر میں بیٹھا فون کے ذریعے اس بھیانک تصادم کی آوازیں سن رہا تھا۔ اسے اسد عزیزی اور دونوں گن مینوں کی چیخیں سنائی دی تھیں اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ فون پر انہیں مخاطب کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ میرے دیے ہوئے دس منٹ پورے ہو چکے تھے۔

اس نے فون کے ذریعے اپنے دوسرے ماتحت کا نمبر ملا کر اسے حکم دیا "تم کچھ اور لوگوں کو لے کر مختلف گاڑیوں میں مختلف شاہراہوں کی طرف جاؤ۔ کسی چوراہے پر اسد عزیزی ایک حادثے سے دوچار ہوا ہے' فوراً وہاں تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ مجھ سے موبائل پر رابطہ رکھو اور ایک ایک پل کی رپورٹ دیتے رہو۔"

پھر وہ فون بند کر کے اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ میری ایک ایک بات اس کے دماغ میں گونج رہی تھی۔ میں اس کے حواس پر مسلط ہو رہا تھا۔ وہ زیرِ لب بڑبڑا رہا تھا "یہ...... یہ مقدر حیات نجومی نہیں ہے' کوئی عجیب ہے۔ جانے کہاں سے یہ بلا مجھ پر نازل ہو گئی ہے؟"

پھر اسے یاد آیا کہ میں دردانہ کے ذریعے اس کی زندگی میں آیا تھا۔ اگر دردانہ اس کے ساتھ نہ ہوتی تو شاید میں کبھی اس کے پاس سے بھی نہ گزرتا۔ اگر دردانہ کی جگہ کوئی دوسری ہستی ہوتی تو وہ اسی وقت اسے گولی مار دیتا لیکن وہ اس کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ وہ برسوں سے اسے دیوانہ وار چاہتا رہا تھا اور اب بھی اس کے لیے اپنا بہت کچھ قربان کر سکتا تھا مگر اسی دردانہ کی وجہ سے سی آئی اے کے اعلیٰ عہدے دار اس سے ناراض ہو گئے تھے اور انہوں نے تاکید کی تھی کہ آئندہ اسے کسی کے بھی ذاتی معاملات میں دلچسپی لے کر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے اور یہ وارننگ آگے چل کر اس کی طاقت' دولت' شہرت' عزت اور وسیع اختیارات کی تباہی کا سبب بھی بن سکتی تھی۔

فون اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔ اسے اطلاع مل رہی تھی کہ اسد عزیزی سر سے پاؤں تک بری طرح زخمی ہو گیا ہے۔ اسے بے ہوشی کی حالت میں اسپتال پہنچایا گیا ہے۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

شہباز نے کہا "ڈاکٹروں سے کہو' اسے فوراً اٹینڈ کریں۔ میں بھی ابھی آ رہا ہوں۔"

وہ فون پر باتیں کرتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہاں دردانہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا "کیا بات ہے' پریشان نظر آ رہے ہو؟"

وہ اسے اسد عزیزی کے بارے میں مختصر طور پر بتاتا جا رہا تھا اور فون کے ذریعے مختلف ڈاکٹروں کو مخاطب کر کے کہتا جا رہا تھا "وہ میرا خاص آدمی ہے' پوری توجہ سے اٹینڈ کرو' اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرو۔ میں ابھی آ رہا ہوں" اس نے فون بند کیا' دردانہ نے کہا "میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

وہ دونوں کوٹھی کے باہر آئے اور کار میں بیٹھ کر وہاں سے جانے لگے۔ شہباز درانی کار ڈرائیو کرتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ "یہ مقدر حیات بہت ہی خطرناک شخص ہے۔ مجھے ہر حال میں اس پر قابو پانا ہو گا اور اس کی اصلیت معلوم کرنی ہو گی۔"

دردانہ نے کہا "میں نے تم سے کہا تھا اسے میٹھی چھری سے ذبح کرو' دوستی کرو۔ دوست بن کر اسے آسانی سے زیر کر سکو گے۔"

"تم نہیں سمجھو گی' یہ ایسا دشمن ہے جو دوستی اور محبت کے فریب میں نہیں آئے گا۔ تمہاری اور اس کی رشتے داری نے میرے لیے مصیبت پیدا کر دی ہے۔ نہ وہ تم سے ملنے یہاں آتا اور نہ بات اتنی بڑھتی۔"

''اس کا مطلب ہے کہ میں تمہارے لیے مصیبت بنتی جارہی ہوں؟''

''فضول باتیں نہ کرو۔ یہ تو میں جھنجلا کر کہہ گیا ہوں کہ وہ مصیبت بن گیا ہے۔ مقدر حیات سے ٹکرانے کے بعد ایسا لگ رہا ہے جیسے میں آج تک چوہے مارتا رہا تھا۔ اب پہلی بار شیر کا شکار کھیل رہا ہوں۔ تم دیکھتی رہو' میں اس شیر کو بھیگی بلی بنا کر رہوں گا۔''

''اگر میں بھی اسے ٹریپ کروں تو؟''

''تم کیا کرنا چاہتی ہو؟''

''تم دشمن بن کر اس سے نمٹ رہے ہو' میں اس کی دوست بن جاتی ہوں۔ آخر اس کے باپ کی بیوی رہ چکی ہوں۔ اس کی رشتے دار ہوں پھر سے اس کے دل میں جگہ بنا سکتی ہوں۔''

''نہیں...... میں نہیں چاہتا آئندہ تم اس کے قریب بھی جاؤ۔''

''میں اس خاندان سے اکھاڑی گئی ہوں۔ پھر سے اپنی جڑیں مضبوط کرنا چاہتی ہوں۔ ایک ایک سے گن کر بدلے لینا چاہتی ہوں۔''

''تم مقدر حیات سے دور رہ کر بھی ایسا کرسکتی ہو اور ایسا کرنے کے لیے پاشا ایک بڑا اور مضبوط مہرہ ثابت ہوسکتا ہے۔ تم اس کے ذریعے عینی کو نچاؤ گی تو پورا خاندان ناچنے لگے گا۔''

فون کا بزر سنائی دیا۔ شہباز درانی نے کار کی رفتار دھیمی کی پھر موبائل کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگا کر بولا ''ہیلو...... کون؟''

دوسری طرف سے ایک ماتحت کی آواز سنائی دی ''سر......! میں ارشد کمال بول رہا ہوں۔ پہلے تو میں نے اسد عزیزی صاحب سے رابطہ کرنا چاہا لیکن ان سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ ضروری انفارمیشن دینی تھی اس لیے آپ کو مخاطب کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں' وہ انفارمیشن کیا ہے؟''

''ثمینہ چوہدری وہ اہم ڈاکومینٹس حاصل کر کے یہاں آچکی ہے لیکن پولیس والوں کی نظروں میں مشکوک ہوگئی ہے۔''

''پولیس والوں کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ اہم ڈاکومینٹس چرا کر لائی ہے؟''

''جس سیف سے وہ ڈاکومینٹس چرا رہی تھی وہاں دو کروڑ کے ہیرے بھی رکھے ہوئے تھے۔ اس نے وہ ہیرے بھی چرالیے۔ جان محمد گبول نے چوری کی رپورٹ درج کرائی ہے اور اپنے وسیع ذرائع استعمال کر رہا ہے۔ اس نے اسلام آباد سے یہاں تک پولیس والوں کو اس کے پیچھے لگا دیا ہے۔''

شہباز درانی نے ناگواری سے کہا ''شٹ...... عورت بنا بنایا کام بگاڑ رہی ہے' صرف لالچ کی وجہ سے...... تم کسی طرح اس سے وہ ڈاکومینٹس حاصل کرو۔''

''سر......! میں انہیں حاصل کر چکا ہوں لیکن یہ سارے کاغذات آپ تک پہنچانے میں دیر لگے گی۔''

''دیر کیوں ہوگی؟''

''سر! ثمینہ چوہدری نے ایک اور مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ اس نے پولیس والوں کو چکر دینے کے لیے ایک خاتون یرغمال بنا کر اپنی اٹیچی اس کے حوالے کی اور اسے گن پوائنٹ پر لا کر ہماری کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا ہے اور یہ کہہ کر چلی ہے کہ وہ چھپتی چھپاتی پولیس والوں کو دھوکا دے کر میرے مکان میں آکر اپنے ہیرے وصول کرلے گی۔''

''پھر تو پولیس والے اس کا پیچھا کرتے ہوئے تمہارے مکان تک آسکتے ہیں؟''

''اسی لیے میں سیدھا آپ کے پاس نہیں آرہا۔ کچھ دیر کہیں چھپا رہوں گا' جب یقین ہوگیا کہ پولیس والے ثمینہ کے پیچھے نہیں ہیں اور وہ انہیں ڈاج دینے میں کامیاب ہوگئی ہے' تب میں اسے اپنے پاس بلا کر اور اس کے ہیرے اسے واپس کر کے تمام ڈاکومینٹس آپ کے پاس لے آؤں گا۔''

''ہوں...... تم ڈاکومینٹس اور ہیرے لے کر یہاں آؤ لیکن اس سے پہلے اس کا کام تمام کر دو۔ میں نہیں چاہتا ایسی لالچی عورت آئندہ میرا کوئی کام کرے۔ اگر وہ گرفتار ہوگئی تو ہمارے لیے مصیبت بن جائے گی۔''

''سر! ہم کوشش کریں گے کہ جیسے ہی وہ میرے پاس آئے' ہم آپ کے حکم کی تعمیل کر دیں۔ مگر سر! ایک اور پرابلم ہے۔ ثمینہ چوہدری جس عورت کو یرغمال بنا کر ہمارے پاس لائی ہے وہ ایس پی زیشان کی ماں ہے۔''

شہباز درانی نے حیرانی سے تقریباً چیختے ہوئے پوچھا ''کیا...... کیا ایس پی زیشان کی ماں کو یرغمال بنا لیا ہے؟''

اس کے پاس بیٹھی ہوئی دردانہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر پوچھا ''کیا کہہ رہے ہو؟ زیشان کی ممی کو کیا ہوا ہے؟''

اس نے فون پر کہا ''میرا انتظار کرو۔ میں ابھی تمہیں فون کروں گا۔''

اس نے فون بند کیا' کار کو سڑک کے کنارے روکا۔

اسے بتانے لگا کہ ایک بہت بڑے سیاست داں کو بلیک میل کرنے کے لیے اس کے اہم ڈاکومینٹس چرائے گئے ہیں۔ چرانے والی ثمینہ چوہدری نے وہاں سے دو کروڑ کے ہیرے بھی چرالیے ہیں اور اس نے پولیس والوں کو چکمہ دینے کے لیے ایک عورت کو یرغمال بنا کر ہمارے آدمیوں کے پاس پہنچایا ہے۔ عورت ایس پی زیشان کی ماں ہے۔''

دردانہ نے حیرانی سے کہا ''وہ تو لندن جانے والی تھی؟''

''ہاں' اسے ائرپورٹ سے ہی اغوا کر کے لایا گیا ہے۔''

''تعجب ہے' اسے ائرپورٹ سے کس طرح اغوا کیا گیا ہوگا؟''

''کسی بھی طرح کیا ہوگا۔ یہ ثمینہ چوہدری غلطیوں پر غلطیاں کر رہی ہے۔ پہلے تو اس نے دو کروڑ کے ہیرے چرا کر پولیس کو اپنے پیچھے لگالیا اور پھر اپنے ہیروں اور ہمارے ڈاکومینٹس کو بچانے کے لیے زیشان کی ماں کو یرغمال بنا کر لے آئی ہے۔ اب تو ثمینہ کے ساتھ ساتھ زیشان کی ماں کو بھی ٹھکانے لگانا ہوگا۔''

''ذرا ٹھہرو۔ وہ میرا شکار ہے' مجھے سوچنے دو۔''

وہ بولا ''سوچنا کیا ہے' اگر اس کی ماں کو زندہ چھوڑ دیا گیا تو وہ واپس جا کر میرے اس آدمی ارشد کمال کے خلاف رپورٹ درج کراسکتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے کسی آدمی پر آنچ آئے۔''

''تم دوسرے پہلو سے سوچو' میں زیشان کے خلاف مقدمہ دائر کر چکی ہوں' اس کے خلاف ثبوتوں اور گواہوں کو اکٹھا کر رہی ہوں' اس طرح ایک اور ثبوت اس کے خلاف مل سکتا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''بیگم آفتاب بہت لالچی عورت ہے۔ اسے وہ دو کروڑ کے ہیرے گھر لے جانے دو جب پولیس والے عینی کی کوٹھی سے وہ ہیرے برآمد کریں گے تو یہ الزام لگایا جاسکتا ہے کہ زیشان نے اپنی ایک آلۂ کار عورت کے ذریعے وہ ہیرے چرائے تھے مگر اس وقت تک وہ عورت ثمینہ چوہدری حقیقت بیان کرنے کے لیے زندہ ہی نہیں رہے گی۔''

وہ مسکرا کر بولا ''آئیڈیا زبردست ہے لیکن مجھے ذرا سوچنے دو۔''

وہ کار اسٹارٹ کرتا ہوا بولا ''تم اس چکر میں زیشان کی ماں کو نہ پھنساؤ۔ وہ بہت چالاک افسر ہے۔ کسی نہ کسی طرح خود کو اور اپنی ماں کو چوری کے الزام سے بچالے گا۔ وہ ہیرے جان محمد گبول کے ہیں' اس نے ثمینہ چوہدری پر چوری کا الزام لگایا ہے' اب وہ ہیرے کس طرح بیگم آفتاب کے پاس چلے آئے' اس کی ایک رام کہانی بن جائے گی اور زیشان اپنی ماں کو بے گناہ ثابت کر دے گا۔''

''میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔ میں تو بس ان ہیروں کے ذریعے بیگم آفتاب کے لالچی پن سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں۔''

''ضرور فائدہ اٹھاؤ تم بیگم آفتاب کو بڑی خاموشی سے اور بڑی رازداری سے ٹریپ کرسکو گی۔ میری طرح سیاست اور جرائم کے میدان میں نہ آؤ گھریلو محاذ پر عینی اور زیشان کے خلاف جنگ کرتی رہو۔''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی ''بات سمجھ میں آرہی ہے۔ اگر میں بیگم آفتاب کو ٹریپ کرتی رہوں تو وہ میرے زیر اثر رہے گی اور میں اس خاندان کی اور بہت سی کمزوریوں تک پہنچ سکوں گی۔''

کچھ دیر بعد شہباز درانی نے فون پر ارشد کمال کے نمبر ملائے اور رابطہ ہونے پر کہا ''تم بیگم آفتاب کو تھوڑا بہت نقصان پہنچا کر وہ دو کروڑ کے ہیرے اس کے حوالے کر دو۔ لیکن یہ سب کچھ بڑے ہی ڈرامائی انداز میں کرنا ہوگا۔'' اور پھر چند ہدایات دے کر فون بند کر دیا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں اسپتال پہنچ گئے۔ یہاں پتا چلا کہ اسد عزیزی آپریشن تھیٹر میں ہے اور اس کے چہرے اور جسم کے دوسرے حصوں سے شیشے کے ٹکڑے نکالے جا رہے ہیں۔ اس کا ایک گھٹنا ٹوٹ گیا ہے اور پسلیوں کی ایک ہڈی بھی ٹوٹ گئی ہے۔ ایک ڈاکٹر نے آپریشن تھیٹر سے باہر آکر اسے تسلی دی کہ اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑا جا رہا ہے۔ وہ بچ تو جائے گا لیکن ایک ڈیڑھ ماہ تک چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے گا۔''

اس وقت اسے میری باتیں یاد آئیں۔ میں نے فون پر کہا تھا کہ اس کا دست راست اسد عزیزی آئندہ ایک آدھ ماہ تک کسی کام کے قابل نہیں رہے گا۔

وہ غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچنے اور زیر لب مجھے گالیاں دینے لگا۔ اکثر شکست خوردہ اور جھنجلائے ہوئے لوگ اپنے مقدر کو کوستے اور گالیاں دیتے رہتے ہیں۔

☆☆☆

ثمینہ چوہدری نے بیگم آفتاب کو گن پوائنٹ پر ٹوائلٹ سے نکال کر ایک کار کی پچھلی سیٹ پر پہنچا دیا تھا۔ اس کار میں تین افراد تھے' ایک پچھلی سیٹ پر بندوق لیے بیٹھا تھا۔ دوسرا اگلی سیٹ پر تھا اور تیسرا ایک ڈرائیور تھا۔ ثمینہ نے پچھلی سیٹ پر

بندوق والے سے کہا ''تم اسے لے کر اپنے مکان پر جاؤ۔ میں پولیس والوں کو چکر دے کر وہاں آ رہی ہوں اور اگر گرفتار ہوگئی تو کل کورٹ سے میری ضمانت کرا لینا۔''

ارشد کمال نے اسے یقین دلایا تھا کہ اسے صرف ایک رات حوالات میں رہنا ہوگا اور اگلے دن وہ اسے وہاں سے چھڑا لائے گا۔

پھر ثمینہ چوہدری وہاں سے کہیں چلی گئی اور کار آگے چل پڑی۔ بیگم آفتاب پریشان اور سہمی ہوئی تھی۔ بار بار کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی کہ شاید کوئی اسے پہچان کر اس کی جان بچا لے لیکن کار ائرپورٹ سے دور ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ ائرپورٹ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اس نے گن مین کو دیکھتے ہوئے پوچھا ''مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ مجھ سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟''

وہ ڈانٹ کر بولا ''خاموش بیٹھی رہو۔''

''میں تو چپ رہوں گی لیکن تم سب مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ تمہیں شاید معلوم نہیں' میں ایس پی ذیشان کی ماں ہوں۔ اسے خبر ہوگی تو تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

ارشد کمال نے چونک کر اسے دیکھا پھر بے یقینی سے پوچھا ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا واقعی ایس پی ذیشان تمہارا بیٹا ہے؟''

بیگم آفتاب نے اپنا شناختی کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''اسے پڑھو' میرے شوہر کا نام فلک آفتاب ہے۔ اگر تم ایس پی ذیشان کے باپ کا نام نہیں جانتے ہو تو کسی سے بھی فون کر کے معلوم کر لو۔''

وہ پریشان ہو کر کبھی شناختی کارڈ کو کبھی بیگم آفتاب کو دیکھنے لگا۔ اس نے اپنے موبائل کے ذریعے اسد عزیزی سے رابطہ کرنا چاہا تو پتا چلا اس کا فون بند ہے۔ شہباز درانی تک اہم معلومات کی فراہمی ضروری تھی۔ تمام کارکن اسد عزیزی کے ذریعے ہی شہباز درانی سے رابطہ کرتے تھے۔ براہِ راست رابطہ کرنے کی اجازت نہیں تھی لیکن اس نے مجبور ہو کر اس سے رابطہ کیا اور اسے حالات بتائے۔

شہباز درانی نے تمام باتیں سننے کے بعد اسے حکم دیا تھا کہ بیگم آفتاب کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس کے احکامات کے مطابق وہ شہر کے ایک مضافاتی علاقے میں آ گیا اور ایک مکان کے سامنے پہنچ کر گاڑی روک دی۔ بیگم آفتاب کو کار سے اتار کر اس مکان کے اندر پہنچایا گیا۔ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ اس کی یہ دھمکی کام نہیں آئی تھی کہ وہ ایس پی ذیشان کی ماں ہے۔ ارشد کمال نے اسے ایک کرسی پر بٹھا کر رسیوں سے باندھ دیا تھا اور باقی دو ساتھی گاڑی لے کر کہیں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو ان کے پاس ایک ٹیپ ریکارڈر اور ویڈیو کیمرا تھا' اسی وقت ثمینہ چوہدری نے فون کے ذریعے رابطہ کیا۔ ارشد کمال نے پوچھا ''خیریت سے تو ہو؟''

''تھینکس گاڈ! میں بالکل محفوظ ہوں۔ میں پولیس سے بچ کر نکل گئی ہوں اور اب تمہاری طرف آ رہی ہوں۔''

''تم ضرور آؤ لیکن پولیس والوں کو اپنے پیچھے لگا کر مت لے آنا۔''

''میں اتنی احمق نہیں ہوں' اس وقت میرے لیے سب سے اہم وہ ہیرے ہیں۔ بس میں آدھے گھنٹے کے اندر پہنچ رہی ہوں۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ ارشد کمال نے فون بند کر کے ایک کرسی کھینچ کر بیگم آفتاب کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا ''تم جو اٹیچی اٹھا کر لائی ہو' اس میں دو کروڑ روپے کے ہیرے ہیں۔ کیا یقین کر سکتی ہو؟''

اس نے حیرانی سے یہ بات سنی۔ ارشد کمال نے اٹیچی کھول کر اس میں سے ایک خوبصورت سا چرمی بٹوا نکالا اور اسے کھول کر اس میں سے کچھ ہیرے نکال کر اسے دکھائے۔

وہ بولا ''یہ دولت تمہاری ہو سکتی ہے۔''

بیگم آفتاب نے چونک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا وہ پھر بولا ''جو عورت تمہیں گن پوائنٹ پر ہمارے پاس لائی تھی' وہ یہ ہیرے لینے آ رہی ہے۔ اس اٹیچی میں کچھ ضروری کاغذات ہیں' ہمیں صرف ان کی ضرورت ہے' ہیروں کی نہیں۔ اب تم بتاؤ' کیا یہ دو کروڑ کے ہیرے حاصل کرنا چاہو گی؟''

اس نے بے اختیار اثبات میں سر ہلایا' اس نے کہا ''اتنی دولت آسانی سے ہاتھ نہیں آتی۔ اس کے لیے تمہیں کچھ کرنا ہوگا۔''

اس نے پوچھا ''مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''وہ ثمینہ چوہدری ابھی آئے گی اور یہ ہیرے لے جانا چاہے گی' ہم نہیں چاہتے کہ وہ انہیں حاصل کرے۔''

یہ کہہ کر اس نے ایک ریوالور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''اسے اپنے پاس رکھو' جب ثمینہ اسے لینے آئے تو اسے گولی مار دینا۔''

وہ سہم کر بولی ''نہیں' میں کسی کو قتل نہیں کر سکتی۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ اسے کس طرح چلایا جاتا ہے؟''

''اگر قتل نہیں کرنا چاہتیں تو نہ سہی' تم صرف اسے ریوالور دکھا کر دھمکی دو' باقی کام ہم کر لیں گے۔''

اس نے سہم کر پوچھا ''کیا کر لو گے؟ اسے قتل کرو گے؟ کیمرا یہ ٹیپ ریکارڈر یہ سب کیا ہے؟ کیا مجھے قتل کے الزام میں پھانسنا چاہتے ہو؟''

''یہ تو تمہیں کرنا ہوگا ورنہ ہم تمہیں مار ڈالیں گے۔''

وہ پریشان ہو کر کبھی ہیروں کو کبھی ٹیپ ریکارڈر اور کیمرے وغیرہ کو دیکھنے لگی۔ وہ بولا ''ہم چاہتے ہیں تمہاری یہ کمزوری ہمارے ہاتھ میں رہے تاکہ جب تم یہاں سے زندہ سلامت واپس جاؤ تو اپنے ایس پی بیٹے کو ہمارے بارے میں کچھ نہ بتاؤ۔ جب تک تم ہمارے بارے میں اپنی زبان بند رکھو گی' اس وقت تک ہم تمہاری یہ کمزوری کسی کے سامنے نہیں آنے دیں گے۔''

وہ التجا آمیز لہجے میں بولی ''مجھ سے کوئی ایسا کام نہ کراؤ۔ چپ چاپ یہاں سے جانے دو۔ میں اپنے بیٹے کی اور اپنے شوہر کی قسم کھا کر کہتی ہوں' تمہارے خلاف کوئی بیان نہیں دوں گی۔''

''لوگ تو جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ ہم تم پر کیسے اعتماد کریں۔ کیوں نہ تمہاری کوئی کمزوری اپنے ہاتھ میں رکھیں تاکہ تم ہمارے خلاف کچھ نہ کر سکو۔''

وہ رونی صورت بنا کر بولی ''یہ تو خوامخواہ قتل کے جرم میں پھنسنے والی بات ہوگی۔''

''ہاں' یہی بات ہوگی لیکن تم زندہ سلامت رہو گی۔ ہم سے دشمنی نہیں کرو گی تو ہم بھی تم سے دشمنی نہیں کریں گے۔''

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ وہ ... خوامخواہ کے الزام میں خود کو ملوث کرے لیکن وہاں سے رہائی کی کوئی دوسری صورت بھی نہیں تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ''ثمینہ یہاں پہنچنے ہی والی ہے۔ جلدی فیصلہ کرو ...... اگر تم نے ہمارے مشورے پر عمل نہ کیا تو ہم ثمینہ کے ساتھ تمہیں بھی گولی مار دیں گے۔''

پھر ارشد کمال نے اسے رسیوں سے آزاد کر دیا۔ اس کے سامنے ریوالور رکھتے ہوئے بولا ''یہ خالی ریوالور ہے۔ اس سے تم صرف ثمینہ کو دھمکی دو گی۔ تمہارے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو ہمارے کہنے پر عمل کرو اور اپنی جان بچا کر یہاں سے دو کروڑ کے ہیرے لے جاؤ یا پھر ثمینہ کی طرح حرام موت مر جاؤ۔ فیصلہ کرنے کے لیے تمہارے پاس صرف چند منٹ رہ گئے ہیں۔''

وہ فیصلہ کیا کرتی؟ سب سے اہم تو زندگی ہوتی ہے۔ وہ زندہ رہنا چاہتی تھی اور شان و شوکت سے زندہ رہنے کے لیے دولت بہت ضروری ہوتی ہے لہٰذا وہ دو کروڑ کے ہیرے بھی چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

ارشد کمال نے کہا ''ریوالور ابھی چھپا کر رکھو۔ جب وہ آئے اور اس تھیلی میں سے ہیرے نکال کر دیکھے' تب ہی تم ریوالور نکال کر اسے مار ڈالنے کی دھمکی دینا۔ وہ عورت بہت چالباز ہے تمہیں بہلانے پھسلانے کی کوشش کرے گی تو تم صرف ایک ہی بات کہو گی کہ ہیرے اس نے تمہارے حوالے نہ کیے تو تم اسے گولی مار دو گی۔''

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا ''یاد رکھو' اتنی دولت پانے کے لیے تمہیں تھوڑی سی تو محنت کرنی ہوگی۔''

وہ ابھی فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ ایک ساتھی نے آ کر اطلاع دی ''ثمینہ آ گئی ہے۔ کار سے اتر رہی ہے۔''

ارشد کمال نے کہا ''تم ٹیپ ریکارڈر سنبھالو اور تم کیمرا......''

پھر اس نے پلٹ کر بیگم آفتاب سے کہا ''بس ایک ذرا سی دلیری کی ضرورت ہے اور یہ تو تم جانتی ہو کہ تمہیں قتل نہیں کرنا ہے اس لیے نہ بزدلی دکھاؤ گی نہ ثمینہ سے خوف زدہ ہوگی۔''

دروازے پر دستک ہوئی۔ جس ساتھی نے کیمرا اٹھا رکھا تھا' اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ وہ اندر آ کر ان سب کو دیکھتے ہوئے بولی ''یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیمرا اور ٹیپ ریکارڈر کیوں ہے؟''

''باس کا آرڈر ہے کہ جب تم یہاں سے ہیرے لے کر جاؤ تو یہ بات ریکارڈ کر لی جائے تاکہ ہیروں کی چوری کا الزام ہم پر نہ آئے۔''

''لیکن اس کی ضرورت کیا ہے جبکہ میں باس کی وفادار ہوں؟''

''دیکھو' بحث نہ کرو۔ تم نے ان کے لیے اہم دستاویزات حاصل کیں۔ اس کا معاوضہ تمہیں مل چکا ہے۔ اب یہ ہیرے حاصل کرنا چاہتی ہو تو اس کے لیے وہی کرنا ہوگا جو باس کا آرڈر ہے۔''

وہ بولی ''ٹھیک ہے' باس از باس۔ لیکن تم اس عورت کو یہاں تک کیوں لے آئے ہو' اسے راستے میں کہیں پھینک سکتے تھے۔''

''ہاں' یہ بھی باس کا حکم ہے کیونکہ یہ کوئی معمولی عورت نہیں ہے۔ تم نے انجانے میں ایس پی ذیشان کی والدہ کو اغوا کیا ہے۔''

ثمینہ نے چونک کر بیگم آفتاب کو دیکھا پھر کہا "اوہ گاڈ! مجھ سے کتنی بڑی غلطی ہوگئی؟"

"باس کوئی ایسی غلطی معاف نہیں کرتے' جو ہم سب کے لیے مصیبت بن جائے لیکن تمہاری وفاداریوں کے پیش نظر صرف یہ حکم دیا ہے کہ تمہاری یہ ویڈیو فلم بنالی جائے۔"

ارشد کمال نے ہیروں والی تھیلی ایک میز پر رکھتے ہوئے کہا "اب یہاں سے شوٹنگ شروع ہوگی۔" یہ کہہ کر وہ کیمرے کے پیچھے چلا گیا پھر بولا "تم وہ ہیرے نکال کر دیکھو پھر انہیں واپس تھیلی میں ڈال کر یہاں سے نکل جاؤ۔"

ثمینہ چوہدری نے اس کی ہدایت کے مطابق عمل کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر تھیلی کو میز پر سے اٹھایا۔ کیمرا اور ٹیپ ریکارڈر آن ہو چکے تھے۔ وہ تمام ہیرے تھیلی سے نکال کر انہیں میز پر ڈال کر دیکھتی رہی اور جب وہ انہیں اٹھا کر تھیلی میں ڈال رہی تھی تو ارشد کمال نے بیگم آفتاب کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھ کر کیمرے کی زد میں آگئی اور ثمینہ کی طرف ریوالور کرتے ہوئے بولی "ان ہیروں کو یہیں رہنے دو' یہ ہیرے میرے ہیں۔"

ثمینہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر بولی "تمہارے پاس ریوالور کہاں سے آگیا؟"

بیگم آفتاب نے کہا "کوئی سوال نہ کرو ورنہ گولی چلادوں گی۔ ہیرے مجھے دیتی ہو یا نہیں؟"

ثمینہ چوہدری نے بڑی پھرتی سے گھوم کر اپنے لباس سے ایک پستول نکالا لیکن اس سے پہلے کہ وہ گولی چلاتی' کیمرے کے پیچھے کھڑے ہوئے ارشد کمال نے اسے گولی ماردی۔

لیکن بیگم آفتاب کیمرے کی زد میں تھی۔ ریوالور کا رخ ثمینہ کی طرف تھا۔ اسے گولی لگی اور خون کا فوارہ سینے سے نکلا تو ایسا لگا جیسے بیگم آفتاب نے اسے گولی ماری ہے۔

ثمینہ کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر گر پڑا تھا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے فرش پر گر پڑی۔ بیگم آفتاب بری طرح خوف زدہ ہوگئی تھی۔ اس نے زندگی میں پہلے کبھی کسی کو قتل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ارشد کمال نے کیمرا مین سے کہا "کٹ......!"

کیمرا رک گیا۔ وہ بیگم آفتاب سے بولا "تم نے اسے قتل نہیں کیا ہے پھر کیوں اتنی خوف زدہ ہو؟ کیوں اس طرح کانپ رہی ہو؟ خود پر قابو پاؤ۔ بس ایک ذرا سی شوٹنگ اور رہ گئی ہے۔"

وہ پریشان ہوکر بولی "مجھے اور کیا کرنا ہوگا؟"

"کچھ نہیں' یہ ہیرے جو میز پر بکھرے پڑے ہیں انہیں اٹھا کر تھیلی میں رکھو اور یہ تھیلی لے کر دروازہ کھول کر باہر کا جاؤ۔"

اس نے ریوالور پھینک دیا' ارشد کمال نے غصے سے "یہ کیا کررہی ہو ریوالور اٹھاؤ۔ یہ تمہارے ہاتھ میں رہے گا۔"

وہ ریوالور اٹھا کر میز کے پاس آئی تو کیمرا آن ہوگیا میز پر بکھرے ہوئے ہیرے جگمگانے لگے۔ وہ انہیں سمیٹ کر تھیلی میں ڈالنے لگی۔ ایسے وقت ذرا دہشت سے ثمینہ چوہدری کی لاش کو بھی دیکھ رہی تھی۔ پھر تمام ہیرے سمیٹنے کے بعد وہ ثمینہ کی لاش سے بچتی ہوئی دروازے کے پاس آئی اور اسے کھول کر باہر چلی گئی۔

ارشد کمال نے کہا "کٹ......"

کیمرا آف کردیا گیا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ ارشد کمال نے ہاتھ اٹھا کر پوچھا "تم کیا چیز ہو؟ پھر کیوں آئی ہو؟ چلو...... بھاگو یہاں سے' تمہیں رہائی مل چکی ہے۔"

وہ فوراً ہی پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی دروازے سے باہر گئی اور پھر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

ائرپورٹ پر سب ہی پریشان تھے۔ آسرا' فلک ناز' بابر اور فلک آفتاب سب ہی دور دور تک بیگم آفتاب کو تلاش کررہے تھے اور ہر طرف جا کر دیکھ چکے تھے۔

میں بھی بظاہر پریشانی ظاہر کررہا تھا۔ جہاں آسرا جارہی تھی۔ وہاں میں بھی اس کے ساتھ ساتھ جارہا تھا۔ آخر وہ تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ مجھے گھور کر دیکھتے ہوئے بولی "تم سب جانتے تھے' تمہیں سب معلوم ہے۔"

میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا "تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں نے ہی بڑی امی کو غائب کیا ہے؟"

"اب تم باتیں بناؤ گے اور ہم سے حقیقت چھپاؤ گے۔ کم از کم مجھے تو بتادو۔ میں تمہاری اپنی ہوں' کیا تمہاری راز دار نہیں بن سکتی؟"

میں نے انجان بن کر پوچھا "تم کس راز کی بات کررہی ہو؟ یہ کسی حد تک سچ ہے کہ میں آئندہ ہونے والی باتوں کو بڑی حد تک سمجھ لیتا ہوں لیکن سب کچھ نہیں جان پاتا۔"

وہ پھر مجھے گھورتے ہوئے بولی "کیا تم یہ نہیں جانتے تھے کہ ایک ماں اپنی بیٹی کے ساتھ نہیں جاسکے گی' جانے سے پہلے ہی بچھڑ جائے گی؟"

"ہاں...... مجھے اس بات کا اندازہ تھا مگر یقین نہیں تھا اس لیے تمہیں نہیں بتایا۔"

"تم پھر باتیں بنا رہے ہو۔"

"کیا مشکل ہے؟ آسرا! تم میری جان ہو۔ میں تم سے کچھ نہیں چھپاتا ہوں۔"

"کچھ نہیں چھپاتے ہو تو پھر بتاؤ' اس وقت ممانی جان کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟"

"دیکھو! یہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ پورے گھر میں سب ہی نے اپنے اپنے ہاتھ مجھے دکھائے ہیں لیکن بڑی امی بابر اور بڑے ابو نے اپنے ہاتھ نہیں دکھائے' پتا نہیں کیوں؟ وہ اپنے ہاتھ کی لکیریں مجھ سے چھپا رہے ہیں؟ جو میرے علم نجوم کو نہیں مانتے' میں ان کا ہاتھ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

"تم اتنی لمبی باتیں نہ کرو۔ صرف یہ بتاؤ کہ ممانی جان کہاں ہیں؟"

میں نے الجھ کر ادھر ادھر دیکھا پھر سمجھانے کے انداز میں اس سے کہا "دیکھو! میری باتوں کو سمجھو۔ اگر میں نے ایک بار بھی ان کا ہاتھ دیکھا ہوتا تو ابھی یہاں کھڑے کھڑے بتادیتا کہ وہ کہاں ہیں۔ کس حال میں ہیں۔ کیا دنیا کا کوئی نجومی ہاتھ کی لکیریں دیکھے بغیر کسی کا ماضی' حال یا مستقبل بتا سکتا ہے؟"

لگتا تھا وہ میری باتوں سے قائل ہوگئی۔ جہاز کی روانگی کے لیے آخری بار اناؤنسمنٹ ہورہی تھی۔ ٹھیک بیس منٹ بعد وہ طیارہ وہاں سے فلائی کرنے والا تھا۔ فلک آفتاب نے میرے پاس آکر کہا "مقدر میاں! کیا' کیا جائے؟ جہاز روانہ ہونے والا ہے۔ نمرہ ان کے ساتھ چلی گئی ہے۔ تمہاری بڑی امی کو بھی جانا تھا۔ ایسے وقت تمہارا علم ہی کام آسکتا ہے۔ کچھ بتاؤ' آخر وہ کہاں گم ہوگئی ہیں؟"

میں اور آسرا اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے تھے۔ آسرا نے کہا "یہ کیسے بتا سکتے ہیں؟ آپ نے اور ممانی جان نے آج تک انہیں اپنا ہاتھ نہیں دکھایا ہے۔ اگر یہ ان کا ہاتھ دیکھ لیتے تو پہلے ہی بتادیتے کہ ان کے لیے یہ سفر مناسب رہے گا یا نہیں؟"

فلک آفتاب نے فون کے ذریعے ذیشان کو مخاطب کیا پھر کہا "بیٹے! غضب ہوگیا۔ تمہاری ممی کہیں گم ہوگئی ہیں۔"

اس نے پوچھا "گم ہونے سے کیا مراد ہے ڈیڈ......؟ کیا انہیں کڈنیپ کیا گیا ہے؟"

"ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ ہمارے سامنے ٹوائلٹ میں گئی تھیں لیکن وہاں سے باہر نہیں آئیں۔ اندر جا کر دیکھا گیا تو وہ وہاں موجود نہیں تھیں۔ بابر کہہ رہا ہے کہ وہ مسلسل ٹوائلٹ کے دروازے کی طرف دیکھتا رہا تھا مگر اس نے وہاں سے اپنی ممی کو نکلتے نہیں دیکھا۔ کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے؟ وہ باہر نہیں آئیں اور ٹوائلٹ کے اندر سے ہی کہیں غائب ہوگئیں؟"

"ڈیڈ! یہ یقین کرنے والی بات ہی نہیں ہے کہ وہ ٹوائلٹ کے اندر سے کہیں غائب ہوگئی ہیں۔ یقیناً وہ باہر نکلی ہوں گی۔ کسی نے انہیں دیکھا نہیں ہوگا۔ اس سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ انہیں کڈنیپ کیا گیا ہے۔ آپ فوراً ائرپورٹ کے پولیس افسر سے ملاقات کریں' میں ابھی انہیں فون کررہا ہوں۔"

بابر اور فلک آفتاب ائرپورٹ کے پولیس افسر سے ملنے چلے گئے۔ ذیشان بھی فون کے ذریعے اس افسر کو اپنی والدہ کی گمشدگی کے بارے میں بتانے لگا۔

ادھر لندن جانے والا جہاز روانہ ہوگیا۔ جانے والے چلے گئے' رہنے والے رہ گئے۔

پولیس والے کیا کرسکتے تھے؟ رشتے داروں نے ائرپورٹ کے باہر اسے ڈھونڈا۔ پولیس والوں نے اندرونی حصوں میں تلاش کیا۔ وہ کہیں ہوتی تو دکھائی دیتی۔ آخر اس پولیس افسر نے بھی کہہ دیا کہ خاتون کو اغوا کیا گیا ہے۔

بیگم آفتاب کے گم ہونے کے بعد تقریباً تین گھنٹوں تک سب ہی اسے تلاش کرتے رہے تھے۔ اب وہ بری طرح مایوس ہوچکے تھے۔ وہاں بیٹھ کر دن رات اس کی واپسی کا انتظار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ فلک ناز نے کہا "ہمیں گھر چلنا چاہیے۔"

بابر نے اپنے باپ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "یس ڈیڈ! ہم سب نے انہیں تلاش کرنے کے لیے اپنی سی کوششیں کرلیں' اب تو صرف دعا ہی رہ گئی ہے۔"

میں نے دوسرے تمام افراد کے ہاتھوں کو دیکھ کر ایسے ایسے اہم انکشافات کیے تھے۔ ایسے چھپے ہوئے راز بتائے تھے کہ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب اندر سے سہم گئے تھے اور وہ مجھ سے دور دور رہتے تھے۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ چوبیس گھنٹے اپنے ہاتھوں پر دستانے پہنے رہتے تاکہ ان کے ہاتھوں کی لکیریں مجھے دور سے بھی نظر نہ آسکیں۔ فلک ناز نے کہا۔ "مقدر میاں! تم نے اپنی بڑی امی کا ہاتھ نہیں دیکھا تھا تو کوئی بات نہیں' کیا بھائی جان کا ہاتھ دیکھ کر بتا سکتے ہو کہ بھابی جان آئندہ ان کی زندگی میں واپس آئیں گی یا نہیں؟"

فلک آفتاب نے چونک کر اپنی بہن کو دیکھا۔ پھر ناگواری سے کہا "یہ تم کیا ہاتھ کی لکیروں کے پیچھے پڑگئی ہو؟ میں نہ تو ان باتوں کو مانتا ہوں اور نہ ہی اپنا ہاتھ کسی کو دکھاؤں گا۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ ضرور واپس آئیں گی۔ ان

کے ساتھ کوئی مجبوری ہے اسی لیے فون بھی نہیں کر رہی ہیں۔"

اتنے میں اس کے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ اس نے جیب سے اسے نکال کر دیکھا' نمبر پڑھا' بابر نے پوچھا "کس کا فون ہے؟"

"پتا نہیں' کوئی انجانا سا نمبر ہے۔" وہ فون کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو! میں فلک آفتاب بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے اپنی بیگم کی آواز سنتے ہی وہ خوشی سے اچھل پڑا پھر بولا "بیگم! تم کہاں ہو؟ ہم سب تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پریشان ہو گئے ہیں۔"

سب ہی چونک کر آفتاب کے قریب آ گئے۔ دوسری طرف سے بیگم آفتاب کہہ رہی تھی "آپ میرے لیے پریشان نہ ہوں۔ میں خیریت سے ہوں۔ ایک پی سی او سے بول رہی ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد گھر پہنچ جاؤں گی۔"

"لیکن تم یہاں سے کیوں چلی گئیں؟"

"اب میں کیا بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ بہت لمبی کہانی ہے۔ فون پر نہیں بتا سکتی۔ آپ گھر چلے آئیں۔"

"ہم ابھی آ رہے ہیں۔"

اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا "بابر! چلو' گھر چلیں ...... تمہاری ممی وہیں پہنچنے والی ہیں۔"

وہ سب پارکنگ ایریا کی طرف جانے لگے۔ بابر نے پوچھا "ڈیڈی! انہوں نے کچھ بتایا کہ وہ یہاں سے کیسے چلی گئیں؟"

"کچھ نہیں بتایا۔ گھر جا کر ہی تفصیل معلوم ہوگی۔"

وہ سب پارکنگ ایریا میں آئے۔ آسرا میرے ساتھ تھی۔ فلک ناز نے بیٹی سے کہا "میں بھائی جان کی کار میں جا رہی ہوں۔ تم مقدر میاں کے ساتھ جاؤ۔"

وہ فلک آفتاب اور بابر کے ساتھ ان کی کار میں بیٹھ گئی اور اپنی بیٹی کو میرے ساتھ تنہا رہنے کے لیے چھوڑ دیا۔

میں نے اپنی کار اسٹارٹ کی اور اسے آگے بڑھاتے ہوئے کہا "بڑی امی پہلے ہی لندن جانے سے انکار کر رہی تھیں۔ عینی اور ذیشان بھائی نے مجبور کیا تو جانے کے لیے راضی ہو گئیں لیکن دیکھو' کتنی چالاکی سے یہاں آ کر کہیں گم ہونے کا ڈراما کیا ہے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی "ہاں۔ بڑی امی کی چالاکی اب سمجھ میں آ رہی ہے۔ انہیں مسز رانا سے مطلوبہ رقم نہیں ملی اس لیے وہ ایسی چالاکی دکھا رہی ہیں۔ توبہ ہے' یہاں اتنی دیر تک ہم سب پریشان ہوتے رہے۔"

وہ ذرا دیر کچھ سوچتی رہی پھر بولی "لیکن گھر واپس جا کر عینی اور ذیشان بھائی کو کیا جواب دیں گی؟ انہیں کیا کہیں گی' واپس کیوں آ گئی ہیں؟"

میں نے کہا "اب یہ تو گھر جا کر ہی معلوم ہوگا۔"

میں نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ کو سنبھالا۔ دوسرے ہاتھ سے موبائل نکال کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ اس نے پوچھا "کس کو فون کر رہے ہو؟"

"ہماری ممی دردانہ بیگم اور ان کے عاشق بامراد شہباز درانی نے مجھے اپنے ہاتھ دکھائے تھے۔ اب میں انہیں اپنا ہاتھ دکھا رہا ہوں۔"

"اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"وہ مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اس لیے میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ان کے ہاتھ کی لکیریں آگے کیا کہتی ہیں؟"

میں نے فون کو کان سے لگایا۔ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی شہباز درانی کی آواز سنائی دی "ہوں ...... تو تم بول رہے ہو؟"

"ہاں۔ میں ایک جگہ مصروف ہو گیا تھا اس لیے پوچھنا بھول گیا کہ میرے بتائے ہوئے دس منٹ کے بعد کیا ہوا؟ کیا تم نے کوئی بری خبر سنی؟"

وہ ذرا چپ رہا۔ غصے سے دانت پیستا رہا۔ پھر بڑے ہی سرد لہجے میں بولا "میں تمہیں سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ آخر تم کیا ہو؟ ویسے یہ کہہ دوں کہ میری زندگی میں ایک بہت ہی خطرناک جادوگر آیا تھا۔ وہ اپنی شعبدے بازی سے مجھے زیر کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے چٹکی بجا کر اسے خاک میں ملا دیا تھا۔"

میں مسکرا کر بولا "تمہاری کیا بات ہے درانی! سپر پاور کی دم سے لٹکے رہتے ہو۔ بڑے بڑوں کو خاک میں ملا دیتے ہو' اور جس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے' اس پر بندر کی طرح خوخیاتے رہتے ہو۔"

"آج تک میرے بارے میں کسی نے ایسی باتیں کرنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ میں آنکھیں ملانے والوں کی آنکھیں نکال لیتا ہوں۔ تم پہلے آدمی ہو جو میری پہنچ سے دور ہو لیکن زیادہ دیر تک دور نہیں رہ سکو گے' مجھے جلد ہی تمہاری اصلیت معلوم ہو جائے گی۔"

"چلو اچھی بات ہے۔ اس طرح تمہاری معلومات میں اضافہ ہوگا۔ اس سے پہلے میں تمہارے بارے میں ایک پیش گوئی اور کر دوں ...... اور وہ یہ کہ میری اور تمہاری موت کا ایک ہی دن اور ایک وقت مقرر ہے۔ ہم دونوں آگے پیچھے نہیں' ایک ساتھ ہی مریں گے۔"

آسرا نے پریشان ہو کر مجھے دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میں نے مسکرا کر آنکھ ماری تو وہ چپ ہو گئی۔ درانی ...ی اس پیش گوئی سے پریشان ہو گیا تھا۔ پریشانی کی تو بات ...ا۔ وہ مجھے مارنا چاہتا تھا۔ اب تک اسے یہ معلوم نہ تھا کہ ... اور وہ ایک ہی وقت ایک ساتھ مریں گے۔

میں نے اس وقت وضاحت سے اسے یہ نہیں بتایا کہ ... وہ ہوں جو تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں اور تمہارے ساتھ مرتا ہوں۔ میری تمام پچھلی پیش گوئیوں نے اسے دہلا دیا ...۔ اسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ میں جو کہہ دیتا ہوں وہ بات پتھر ... لکیر بن جاتی ہے۔

وہ میری پیش گوئی پر بڑی توجہ سے غور کر رہا تھا۔ یہ بات ... اس کے ذہن میں آ رہی تھی کہ شاید میں نے اپنے بچاؤ کی ... طرح جھوٹی پیش گوئی کی ہے تاکہ وہ مجھے قتل کروانے سے باز ... جائے۔ اس نے جھنجلا کر کہا۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو؟"

"ٹھیک ہے۔ مجھے جھوٹا سمجھ کر جو کرنا چاہتے ہو وہ کرو۔ میری پچھلی پیش گوئیوں کو بھول جاتے ہو اس لیے میں پھر ... پیش گوئی کر رہا ہوں۔ اور وہ یہ کہ تم ابھی تھوڑی دیر کے ... پھر ایک بری خبر سننے والے ہو۔"

وہ آرام سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ ایک دم سے سیدھا ... ہو کر بیٹھ گیا۔ اب تو واقعی میری پیش گوئی اسے دہلا دیتی تھی۔ ... گرجتے ہوئے بولا "تم بکواس کرتے ہو۔"

"سانچ کو کیا آنچ۔ ابھی کچھ دیر کے بعد ہی معلوم ہو جائے گا۔ وش یو بیڈ لک۔"

یہ کہتے ہی میں نے فون بند کر دیا۔ آسرا نے مسکرا کر کہا۔ "تم بہت زبردست ہو۔ تمہاری پیش گوئی کسی کی بھی نیندیں اڑا سکتی ہے۔ اس بے چارے کا سکون برباد ہو چکا ہوگا۔"

"تم اسے بے چارہ کہہ رہی ہو۔ وہ آج کے چند ... غولوں میں سے ایک فرعون ہے۔ وہ ایسا ناقابلِ شکست ہے کہ صرف مقدر ہی اس کا ناک میں دم کر سکتا ہے۔"

"اس طرح سے دیکھا جائے تو ناقابلِ شکست وہ نہیں بلکہ تم ہو۔"

"ہاں ...... اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم دیا ہے کہ میں ہتھیار سے نہیں لڑتا۔ پیش گوئی کے حربوں سے دماغی جھٹکے پہنچاتا رہتا ہوں۔ میں اوپری حملہ نہیں کرتا بلکہ دشمنوں کو اندر سے ذہنی مریض بنا دیتا ہوں۔ اس کی بھی شامت آ گئی ہے۔ وہ آئندہ مینٹل اسپتال جائے گا یا مجھ سے منہ چھپا کر بھاگتا پھرے گا۔"

شہباز درانی کی یہی پریشانی تھی کہ اگر اس پر ہتھیار دوں سے حملہ ہوتا تو وہ اس حملے کو روک سکتا تھا اور جوابی کارروائی بھی کر سکتا تھا۔ اگر ذہانت سے اسے نقصان پہنچایا جاتا تو وہ اس نقصان سے بھی بچ سکتا تھا لیکن پیش گوئی کے حملے کو روکنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ جو ہونے والا ہوتا ہے وہ تو ہو کر ہی رہتا ہے اور اب تو ایک نئی بات اس کے سامنے آئی تھی کہ میرے ساتھ وہ بھی مرے گا۔ زندگی میں ہم بہت دور دور ہیں۔ دریا کے دو کنارے ہیں لیکن موت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ جب بھی مریں گے' ایک ساتھ ہی مریں گے۔

میں کار ڈرائیو کرتا ہوا مضافاتی علاقے کی طرف جا رہا تھا۔ آسرا نے پوچھا "یہ تم گھر کے بجائے کہاں جا رہے ہو؟"

"ایک ضروری کام ہے۔ اسے نمٹا لوں' پھر ہم گھر کی طرف چلیں گے۔"

اس نے میرے بازو پر چٹکی بھر لی پھر پوچھا۔ "اے ...... ارادہ کیا ہے؟"

"نیک ارادہ ہے۔"

"اوں ...... اندھیری رات ہے۔ میں اکیلی لڑکی ہوں اور تم شہر کا راستہ چھوڑ کر ویرانے کی طرف جا رہے ہو اور نیک نیتی کا دعویٰ کر رہے ہو۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "میرے ساتھ جو لڑکی ہے' اسے کسی ویرانے میں لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے ساری دنیا والوں کے سامنے بازوؤں میں بھر کر پیار کر سکتا ہوں۔"

"اچھا جی! بڑی خوش فہمی ہے۔ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔ میری مرضی کے خلاف تم مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔"

میں نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر کہا "لڑکیوں کی ایک نفسیات بتاؤں؟"

"اچھا ...... تو آپ ماہرِ نفسیات بھی ہیں؟"

"لڑکیوں کی یہ عادت ہے کہ جب وہ دیکھتی ہیں کہ انہیں کوئی چھیڑتا نہیں ہے تو وہ چیلنج کرتی ہیں کہ ہمیں تو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ اس طرح وہ درپردہ اس کی مردانگی کو للکارتی ہیں اور پھر وہ اپنی مردانگی کا بھرم رکھنے کے لیے حملہ کرتا ہے تو ایک طرف دل کی مراد پوری ہوتی ہے تو دوسری طرف دکھاوے کے لیے ہائے ہائے کرتی ہیں اور سارا الزام مرد پر دھر دیتی ہیں۔"

وہ چڑ کر بولی "اور مرد تو جیسے بڑا معصوم ہوتا ہے۔ تم نجومی ہی رہو' ماہرِ نفسیات نہ بنو۔"

میں نے کار کی ہیڈ لائٹس بجھا دیں۔ تاریکی میں ڈرائیو کرنے لگا۔ اس نے پوچھا ''لائٹس کیوں آف کر دیں؟''

''میں نے سنا ہے کہ اندھیرے میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے اس لیے یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم رہتی ہو یا ساتھ چھوڑ دیتی ہو۔''

''ارادہ کیا ہے؟ اصل بات کیوں نہیں بتاتے؟''

''یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک مکان ہے۔ میں وہاں جا رہا ہوں۔ کار کے دروازے اندر سے لاک رہیں گے۔ تم خاموشی سے بیٹھی رہو گی۔ میں ابھی واپس آ جاؤں گا۔''

وہ پریشان ہو کر بولی ''تم اس تاریکی اور ویرانے میں مجھے تنہا چھوڑ کر جا رہے ہو؟''

''تمہیں میری پیش گوئی پر بھروسا ہے ناں؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں بولا ''تو پھر بھروسا کرو۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔''

اتنے میں میری مطلوبہ جگہ آ گئی تھی۔ میں نے کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے کہا ''کوئی مرد آئے تو اسے چیلنج نہ کرنا' میں شریف آدمی ہوں اس لیے بغیر ہاتھ لگائے جا رہا ہوں۔''

یہ کہتے ہی میں نے دروازہ بند کیا اور اسے لاک کر کے اس مکان کی طرف چل دیا۔ وہاں ثمینہ چوہدری کی لاش پڑی ہوئی تھی جو ارشد کمال اور اس کے ساتھیوں کے لیے ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ اسے ٹھکانے لگانا بھی ضروری تھا۔

میں دبے قدموں چلتا ہوا وہاں پہنچا۔ وہ مکان ارشد کے نام پر تھا۔ اگر وہاں ثمینہ کی لاش ملتی تو پولیس اسے گرفتار کر لیتی۔ وہ گڑھا کھودنے کے بعد لاش کو اٹھا کر وہاں سے لے گئے اور گڑھے میں پھینک کر اس پر مٹی ڈال رہے تھے۔

میں دوسرے دروازے سے مکان کے اندر آیا تو وہاں وہ اٹیچی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں وہ ویڈیو اور آڈیو کیسٹ رکھے ہوئے تھے جن میں بیگم آفتاب کو قیمتی ہیروں کی خاطر ثمینہ چوہدری کو قتل کرنے کا منظر اور آوازیں موجود تھیں۔

میں نے ان دونوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ وہاں اہم تحریری دستاویزات بھی تھیں۔ جو ایک بہت بڑے سیاسی رہنما جان محمد گبول سے تعلق رکھتی تھیں۔ میں نے ان تمام کاغذات کو فولڈ کر کے لباس کے اندر رکھا اور وہاں سے چلا آیا۔

مقدر کسی سے کچھ لے جاتا ہے تو کسی کے پاس کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ میں وہ دستاویزات اس لیے لے آیا تھا کہ شہباز درانی کو ایک سیاسی معاملے میں ناکام ہونا تھا۔ ویڈیو اور آڈیو کیسٹ کو اس لیے چھوڑ آیا تھا کہ آگے چل' آفتاب کو دردانہ کے زیر اثر رہنا تھا۔ مقدر کی اُ ہیرا پھیری سے کسی کی تقدیر بنتی ہے اور کسی کی بگڑ جاتی ہے۔

یہ بیگم آفتاب کی بہ ظاہر خوش قسمتی تھی کہ دو کروڑ کے ہیرے اس کے ہاتھ آ گئے تھے۔ یہ رقم فلک آفتاب بابر کے ڈوبتے ہوئے کاروبار کو نئی زندگی دے سکتی تھی ساتھ ہی یہ بدقسمتی تھی کہ وہ سب دردانہ کے شکنجے میں آ والے تھے۔

بیگم آفتاب کی بازیابی کی خبر سنتے ہی ذیشان گھر آ تھا۔ ڈرائنگ روم میں گھر کے تمام افراد جمع تھے۔ ذیشان پوچھا ''آپ ائرپورٹ سے اچانک کہاں چلی گئی تھیں؟''

''میں خود کہیں نہیں گئی تھی۔ مجھے جبراً لے جایا گیا ٹوائلٹ کے اندر ایک برقع پوش عورت نے گن پوائنٹ برقع مجھے پہنا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب میں ٹوائلٹ باہر آئی تو بابر نے مجھے دیکھ کر بھی نہیں پہچانا اور نہ کسی اور مجھے دیکھا۔ اور وہ عورت مجھے گن پوائنٹ پر ایک کار تک گئی۔''

''وہ آپ کو وہاں کیوں لے گئے تھے؟''

''میں نے کہا تو ہے کہ اس نے ایک اٹیچی میرے ہاتھ میں تھما دی تھی۔''

''ممی! آپ نے یہ بات تو نہیں بتائی تھی۔ پوری تف بتائیں۔ آپ نے یہ تو دیکھا ہوگا کہ اس اٹیچی میں کیا تھا؟''

ماں نے اپنے پولیس افسر بیٹے کو دیکھا۔ ایک لمحے کو پھر جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔ ''میں کیا جانوں' اس میں تھا؟ انہوں نے مجھے اٹیچی کھول کر نہیں دکھایا تھا۔ شاید اس میں کوئی ایسی چیز ہوگی جسے وہ چھپا کر لے جا رہے تھے پولیس کی نظروں سے بچنے کے لیے انہوں نے مجھے استعمال کیا۔''

ذیشان نے پوچھا ''وہ آپ کو کہاں لے گئے تھے؟''

اس نے پھر بیٹے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ نے پوچھا۔ ''یہ آپ جواب دینے سے پہلے رک کیوں رہی ہیں؟ کیا سوچتی ہیں' کیا آپ کی یادداشت کمزور ہو گئی ہے؟''

وہ اس مکان کے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتی جہاں قتل کی واردات ہو چکی تھی اور اسے بھی اس قتل میں ملوث کیا گیا تھا۔

وہ بولی ''یادداشت تو کمزور نہیں ہوئی ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ وہ کون سا علاقہ تھا جہاں انہوں نے مجھے کار۔۔۔ ڈالا تھا۔''

''کیا آپ نے انہیں بتایا تھا کہ آپ ایک پولیس افسر کی ماں ہیں؟''

''ہاں...... بڑے فخر سے بتایا تھا۔ تب ہی تو وہ خوف زدہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے فوراً گاڑی روک کر مجھے رہا کر دیا تھا۔''

اس نے ماں کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا ''ممی! آپ کی یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی ہے کہ ان کو معلوم ہوا کہ آپ میری والدہ ہیں اور انہوں نے آپ کو زندہ سلامت چھوڑ دیا۔ کیا وہ احمق تھے؟ انہوں نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ آپ گھر پہنچ کر ان کی نشاندہی کریں گی تو ان کے لیے مصیبت بن جاؤں گا؟''

وہ جھوٹ بول کر ذرا گڑبڑا گئی تھی لیکن اسے جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔ اس لیے فوراً ہی بات بنائی۔ ''شاید انہیں اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ میں نشاندہی کر سکوں گی۔ کیونکہ انہوں نے ایسے ماسک پہن رکھے تھے جو اکثر بچے پہن کر گھومتے رہتے ہیں۔''

ذیشان نے پریشان ہو کر سوچا پھر کہا ''اس عورت نے تو ماسک نہیں پہن رکھا تھا جو آپ کو گن پوائنٹ پر کار تک لے گئی تھی۔''

وہ پھر ذرا گھبرائی لیکن دوسرے ہی لمحے سنبھل کر بولی ''میں اس کا حلیہ کیا بتاؤں؟ آنکھیں تو دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ سیاہ چشمہ پہنے ہوئے تھی۔ ناک ایسی تھی جیسے طوطے کی چونچ ہوتی ہے۔ دانت اتنے بڑے تھے کہ دونوں ہونٹ بند نہیں ہوتے تھے۔ کھلے رہتے تھے' چہرے کی رنگت سیاہی مائل تھی۔''

ذیشان اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا' پھر بولا ''میں نے ایسی بدنما عورت اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔ یہ آپ کن لوگوں کے درمیان پھنس گئی تھیں؟''

''وہ بہت چالاک تھے۔ اپنے چہرے کسی نہ کسی طریقے سے چھپائے ہوئے تھے۔ انہیں میری طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا اسی لیے تو مجھے رہا کر دیا۔''

پھر وہ اپنی پیشانی پر ایک ہاتھ رکھتے ہوئے بولی ''میں بہت تھک گئی ہوں۔ اب ذرا آرام کروں گی۔''

وہ وہاں سے جانے کے لیے اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ فلک آفتاب بھی اٹھ کر جانے لگا۔ ذیشان نے کہا ''ممی! یہ اچھا نہیں ہوا۔''

وہ پلٹ کر بولی ''کیا اچھا نہیں ہوا؟''

''یہی کہ آپ نمرہ کے ساتھ نہ جا سکیں۔ وہ تنہا اپنی ہونے والی ساس کے ساتھ گئی ہے۔''

''میں نے تو ان دو بدمعاشوں سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ مجھے اغوا کر کے لے جائیں اور میری بیٹی سے جدا کر دیں۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ مجبور ہو گئی تھیں لیکن اب آپ کسی دوسری فلائٹ سے جا سکتی ہیں۔''

وہ انکار کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولی ''مجھے معاف کرو بیٹا! میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس نے مجھے دہشت زدہ کر دیا ہے۔ میں اب تک اندر سے سہمی ہوئی ہوں۔ سفر کے قابل نہیں ہوں۔ تمہیں بہن کی اتنی فکر ہے تو خود ہی چلے جاؤ۔''

وہ ٹکا سا جواب دے کر اپنے میاں کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔ فلک ناز اور بابر بھی وہاں سے اٹھ کر جانے لگے۔ ذیشان سوچتی ہوئی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسما بولی ''آپ کی ممی جا چکی ہیں۔ اب وہاں کیا دیکھ رہے ہیں؟''

اس نے چونک کر اسما کو دیکھا پھر کہا ''ممی نے مجھے پیدا کیا ہے' ساری زندگی وہ مجھے نادان بچہ سمجھتی رہیں گی۔ انہوں نے اس عورت کا جو حلیہ بتایا ہے' ایسی عجوبہ ہستی کو تلاش کرنا مشکل نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس کا کوئی وجود ہو۔''

''یعنی آپ کو یقین نہیں ہے کہ ممی نے درست حلیہ بتایا ہے؟''

وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا ''یہ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔ کیا تمہاری عقل یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ ائرپورٹ جیسے بھرے پرے مقام میں کوئی چہرے پر ماسک پہن کر آئے اور وہ بھی ایک نہیں' تین تین افراد' جو بچوں والا ماسک پہنے ہوئے تھے۔ ائرپورٹ ایسی جگہ ہے جہاں پولیس اور جاسوس چوکنے رہتے ہیں۔ کیا انہوں نے ایسے ماسک والوں کو نہیں دیکھا ہوگا؟''

''آپ کی ممی ان کے بارے میں اٹک اٹک کر یوں بول رہی تھیں جیسے بہانے بنانے والے بولتے ہیں۔''

''مجھے تو یوں لگتا ہے کہ وہ اپنی مطلوبہ رقم نہ ملنے پر نمرہ کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھیں۔ اس لیے وہ اس طرح اغوا کیے جانے کی کہانی گھڑ رہی ہیں۔''

''آپ کی ممی بھی خوب تماشے کرتی ہیں۔ آخر انہوں نے نمرہ کے ساتھ نہ جانے کی ضد پوری کر ہی لی۔''

حقیقت کچھ اور تھی۔ اور وہ کچھ اور سمجھ رہے تھے۔ ذیشان بہت ہی ذہین پولیس افسر تھا۔ مجرموں کو ان کی آنکھوں سے چہرے سے اور ان کی باتوں سے پہچان لیا کرتا تھا لیکن وہ ایک بیٹا بھی تھا شاید اس لیے ماں کو نہ پہچان سکا۔

☆☆☆

شہباز درانی بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ دردانہ ایک صوفے پر بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اور مجھے گالیاں دے رہی تھی۔ کیونکہ وہ میری وجہ سے ہی پریشان تھا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا پھر بولا "اب تو مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ وہ زبردست کالا جادو جاننے والا ایک شیطان ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ایک آدمی جو بولے وہی ہو جائے۔"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے شہباز؟" تم ایک پریکٹیکل آدمی ہو' پہلے تو کبھی روحانی اور شیطانی عمل کو نہیں مانتے تھے۔"

"میں اب بھی ان چیزوں کو نہیں مانتا ہوں لیکن کچھ پراسرار علوم ایسے ہوتے ہیں جو عارضی طور پر بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس کم بخت نے کہا ہے کہ ابھی تھوڑی دیر بعد مجھے کوئی بری خبر ملے گی۔ یا میں کوئی بڑا نقصان اٹھاؤں گا۔ پتا نہیں کیا ہونے والا ہے؟"

ایک ملازم نے آ کر کہا "سر! ارشد کمال آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

وہ بولا "اسے آنے دو۔"

ملازم باہر چلا گیا۔ دردانہ نے کہا "اس نے بیگم آفتاب کی آڈیو اور ویڈیو کیسٹس تیار کی ہیں۔ وہی دینے آیا ہوگا۔"

"ہاں۔ کچھ بہت اہم کاغذات بھی لایا ہوگا۔"

اتنے میں ارشد کمال دروازہ کھول کر اندر آیا اور اس نے شہباز کو فوجی انداز میں سیلوٹ کیا۔ اس نے پوچھا "تم نے آنے میں اتنی دیر کیوں کر دی؟"

"سر! ثمینہ چوہدری کی لاش کو ٹھکانے لگانے میں ذرا دیر ہو گئی۔"

اس نے سینٹر ٹیبل کے پاس آ کر اس پر اٹیچی رکھا پھر اسے کھولتے ہوئے کہا "آپ نے جو حکم دیا تھا۔ اس کی تعمیل ہوئی ہے۔ میں نے ذیشان کی ماں کے خلاف ویڈیو فلم تیار کی ہے اور اس کی آڈیو کیسٹ بھی ہے۔"

اس نے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ نکال کر شہباز کی طرف بڑھا دیں' وہ بولا "اپنی میڈم کو دو۔"

دردانہ نے خوش ہو کر وہ دونوں کیسٹس لے لیے پھر کہا۔ "میں ابھی جا کر دیکھوں گی۔"

شہباز نے کہا "میں بھی دیکھوں گا۔ پہلے یہ کاغذات لے لوں۔"

ارشد کمال اٹیچی میں سامان کے اندر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ پریشان لگ رہا تھا۔ شہباز نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

"سر! میں نے اس میں کاغذات بھی رکھے تھے۔ وہ کہیں نظر نہیں آ رہے۔"

وہ اچھل کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا "کیا؟ جب اٹیچی میں رکھے گئے تھے تو پھر کہاں جا سکتے ہیں؟"

"یہی بات تو سمجھ میں نہیں آ رہی۔ وہ اٹیچی کے اندر تھے۔ میں نے خود اپنے ہاتھ سے رکھے تھے۔ میں نے اسے چھونے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ میں نے کاغذات اس میں رکھنے کے بعد اسے کھولا بھی نہیں تھا۔ کہاں گئے وہ؟"

شہباز درانی نے اچانک ایک الٹا ہاتھ اسے رسید کیا۔ وہ لڑکھڑا گیا پھر شہباز نے ریوالور نکال کر کہا۔ "خبردار دوسری بات نہ کرنا۔ وہ کاغذات کہیں سے بھی نکال کر سامنے رکھو ورنہ یہاں سے تیری لاش جائے گی۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا "سر! مجھے تھوڑی سی مہلت دیں۔ ذرا سوچنے سمجھنے دیں کہ آخر وہ یہاں سے کہاں گئے۔"

ٹھائیں سے گولی چلی اور اس کے ایک گھٹنے کو توڑتی ہوئی گزر گئی۔ "کتے! مجھ سے مہلت مانگتا ہے؟ تجھے بتایا گیا تھا کہ وہ کاغذات کتنے اہم ہیں۔ ابھی تو تو اس قابل ہے کہ لنگڑا کر واپس جا سکتا ہے۔ جو سچ ہے اسے فوراً اگل دے۔ کیا جان محمد گبول نے تجھے خرید لیا ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "نہیں نہیں سر! میں مر سکتا ہوں لیکن بک نہیں سکتا۔ آپ سے کبھی غداری نہیں کر سکتا۔"

"ثمینہ چوہدری بھی یہی دعوے کرتی تھی۔ وہ وفادار تھی۔ دو برس تک جان محمد کی داشتہ بن کر رہی اور ٹریپ کرتی رہی۔ پھر اس کی زندگی کے اہم راز چرا کر لے آئی۔ بس اس سے ایک غلطی ہوئی کہ وہ لانچ میں آ کر وہ ہیرے چرا کر نہ لاتی تو پولیس اس کے پیچھے نہ پڑتی۔ بے شک میری وفادار تھی لیکن اپنی غلطی کی وجہ سے ماری گئی۔ تو بھی میرا وفادار ہے لیکن میں اتنی بڑی غلطی معاف نہیں کروں گا۔ بول..... بتا! کہاں ہیں وہ کاغذات؟"

وہ تکلیف سے کراہ رہا تھا لیکن پھر بھی بولا "میرے دو ماتحت تھے' وہ باہر کھڑے ہیں۔ ان سے بھی پوچھیں۔ شاید وہ کچھ بتا سکیں۔"

شہباز نے کہا "جاؤ..... ان سے پوچھو....."

اس کے گھٹنے کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ فرش پر پڑا تھا۔ ایک پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں تھا۔ گھسٹتا ہوا باہر جانے لگا۔ کوٹھی کے احاطے میں اس کے ساتھی ایک جگہ کھڑے ایک مسلح گارڈ سے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے حیرانی سے اسے فرش پر گھسٹتے ہوئے دیکھا۔

وہ فوراً ہی اس کی طرف بڑھے لیکن گارڈ نے کہا "رک جاؤ۔ آگے جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

وہ تکلیف کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ ان کی طرف ایک ہاتھ اٹھا کر بولا "میں نے اٹیچی میں وہ کاغذات رکھے تھے اب وہ وہاں نہیں ہیں۔ تم میں سے کسی نے وہ کاغذات لیے ہیں؟"

ایک نے کہا "میں نے تو نہیں لیے' کیا وہ کاغذات اٹیچی میں نہیں ہیں؟"

وہ تکلیف سے کراہ کر بولا "نہیں ہیں..... اگر وہ کاغذات نہ ملے تو میں بے موت مارا جاؤں گا۔ میری حالت دیکھو۔ وہ کاغذات کہیں سے بھی لاؤ' مجھے سزائے موت سے بچاؤ۔"

اس کے دوسرے ساتھی نے کہا "وہ کاغذات ہمارے پاس نہیں ہیں۔ ہم نے تو اس اٹیچی کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔"

اس نے پھر کراہتے ہوئے کہا "تو پھر وہ کاغذات بند اٹیچی اور بند کمرے سے کہاں چلے گئے؟"

ایک نے کہا "اب ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ اس اٹیچی کو تو تم ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتے تھے۔"

شہباز درانی کوٹھی کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا تھا۔ اس نے موبائل فون کا بزر سن کر اسے آن کرتے ہوئے کان سے لگایا۔ میں نے کہا' ہیلو..... کیا میری پیش گوئی پوری ہو گئی؟"

وہ غصے سے گرج کر بولا "تو تم نے وہ کاغذات چرائے ہیں؟"

میں نے انجان بن کر پوچھا "تم کن کاغذات کی بات کر رہے ہو؟"

"انجان نہ بنو۔ تم نے ابھی پیش گوئی کی تھی کہ مجھے بری خبر ملنے والی ہے' مجھے کوئی بڑا نقصان پہنچنے والا ہے۔ اور تم نے ہی نقصان پہنچایا ہے۔"

"یوں گرجنے اور برسنے سے تمہارے کاغذات کبھی تمہیں واپس نہیں ملیں گے کیونکہ وہ تمہارے کسی آدمی کے پاس نہیں ہیں۔ بلکہ وہ کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہیں۔"

"تم جانتے ہو..... سب جانتے ہو۔ میں تم سے نمٹ لوں گا" وہ غصے سے چیخا اور فون بند کر دیا پھر وہ ارشد کمال کی طرف پلٹا اور بولا "کم بخت! وہ بتا چکا ہے کہ وہ کاغذات میرے کسی آدمی کے پاس نہیں ہیں۔ اور یہ سب تمہاری غفلت اور بے پروائی سے ہوا ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے اسے گولی مار دی۔ اس کے دونوں ساتھی خوف سے تھر تھر کانپنے لگے۔ اور سمجھے کہ اب ان کی باری ہے لیکن شہباز نے کہا "اس کی لاش ٹھکانے لگا دو۔ اگر پولیس کی نظر میں آ گئے تو تم دونوں کا بھی یہی انجام ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے کوٹھی کے اندر آ گیا۔ دردانہ وہاں صوفے کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے پوچھا "کیا ہوا..... کاغذات ملے؟"

"نہیں..... میں نے کاغذات کھونے پر اس کتے کو جہنم میں پہنچا دیا ہے۔"

دردانہ نے پریشانی سے اسے دیکھا پھر قریب آ کر بولی۔ "میری ایک بات مانو..... آئندہ مقدر حیات کا فون اٹینڈ نہ کرو۔ وہ جب بھی فون کرتا ہے' کسی نئے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔"

وہ بے چینی سے ٹہلتے ہوئے بولا "دشمن سے کترانا گویا اس سے خوف زدہ ہونا ہے۔ اور میں اسے ایسا کوئی تاثر دینا نہیں چاہتا۔"

پھر وہ اس کے قریب آ کر بولا "پہلے میں نے بھی سوچا تھا کہ اس کا فون اٹینڈ نہیں کرنا چاہیے پھر یہ خیال آیا کہ وہ بے شک ٹینشن میں مبتلا کرتا ہے لیکن ساتھ ہی آنے والی مصیبت سے آگاہ بھی کر دیتا ہے۔"

وہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا' پھر بولا "اس نے پہلی بار اسد عزیزی کے بارے میں کہا تھا کہ دس منٹ کے بعد اس کے ساتھ کچھ ہونے والا ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "میں یہ نہ سمجھ سکا کہ اسد کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ فوری طور پر یہی خیال آیا کہ شاید مقدر خود اس پر حملہ کر کے اسے زخمی کرنے والا ہے۔"

وہ بولی "تم نے اپنے طور پر کوشش کی کہ اسد عزیزی محفوظ رہے لیکن بعد میں پتا چلا کہ مقدر حیات نے براہ راست کچھ نہیں کیا اور اسد حادثے سے دوچار ہو گیا۔"

"اس نے دوسری بار آدھے گھنٹے پہلے جو پیش گوئی کی تھی' اس کے مطابق اس نے مجھے ایک بہت بڑے سیاسی معاملے میں نقصان پہنچایا ہے۔ اگر وہ کاغذات نہ ملے تو میں جان محمد گبول کو کبھی بلیک میل نہیں کر سکوں گا اور نہ ہی اسے اپنے زیر اثر لا کر اپنی مرضی کے مطابق سیاسی کھیل کھیل سکوں گا۔"

وہ دردانہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا "میں نے مقدر کے خلاف جو ٹھوس پلاننگ کی ہے' اس سلسلے میں مجھے چند متعلقہ افراد سے رابطہ کرنا پڑے گا۔ اس لیے میں اپنے پرائیوٹ چیمبر میں جا رہا ہوں' تم مائنڈ تو نہیں کرو گی؟"

وہ مسکرا کر بولی "ہرگز نہیں۔ تم اپنا کام کرو' میں بھی بیڈروم میں جا کر بیگم آفتاب کی یہ ویڈیو فلم دیکھوں گی۔"

یوں یہ دونوں ایک چھت کے نیچے عارضی طور پر بچھڑ گئے۔ وہ پرائیویٹ چیمبر کی طرف چلا گیا اور وہ اپنے بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب اپنے بیڈ روم میں تھے۔ انہوں نے کھڑکی اور دروازے اندر سے بند کر دیے تھے۔ پردے برابر کر دیے تھے تاکہ پچھلی بار کی طرح اسما کہیں چھپ کر ان کی باتیں نہ سن سکے۔

وہ دونوں بیڈ پر ایک دوسرے سے لگ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ بیگم آفتاب ہلکی آواز میں اپنے اغوا کی تفصیل بتا رہی تھی۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ بیگم نے اغوا ہونے کا فائدہ اٹھایا ہے اور دو کروڑ کے ہیرے ساتھ لائی ہے تو وہ خوشی سے اچھل پڑا "بیگم! تم نے تو کمال ہی کر دیا۔ مجھے یقین نہیں ہو رہا۔ کہاں ہیں وہ ہیرے؟"

بیگم نے اٹھ کر الماری کی طرف جاتے ہوئے کہا "میں نے یہاں آتے ہی انہیں اپنے سیف میں چھپا دیا ہے۔ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ کوئی انہیں ہم سے چھین کر نہ لے جائے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ یہ بات اس کمرے سے باہر نہیں جائے گی۔"

بیگم نے سیف سے وہ تھیلی نکالی اور اسے لا کر بیڈ کی چادر پر الٹ دیا۔ بے شمار چھوٹے چھوٹے ہیرے نکل کر بیڈ پر پھیل گئے۔ ان کی روشنی سے دونوں کی آنکھیں چکاچوند ہو رہی تھیں اور وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔

آفتاب کبھی ہیروں کو اور کبھی اپنی بیگم کو دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی شریکِ حیات نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اگرچہ اس کارنامے کے پیچھے یہ پریشانی بھی تھی کہ اس کی شریک حیات کی ویڈیو فلم تیار کر لی گئی ہے اور وہ مجرم کسی وقت بھی انہیں بلیک میل کر سکتے تھے لیکن اس وقت تو وہ ہیروں کی چکاچوند کے آگے دوسری تمام باتیں بھول رہے تھے۔

بیگم نے اپنے میاں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا "ہم کوشش کے باوجود مسز رانا سے رقم حاصل نہیں کر سکے لیکن اب لگتا ہے' مقدر ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔ میں یہ دو کروڑ ہارنا نہیں چاہتی۔ میرا بیٹا کاروبار کے سلسلے میں بہت پریشان رہتا ہے پھر آخر ہم کب تک عینی کے ٹکڑوں پر پڑے رہیں گے۔ ہمیں اپنے کاروبار کو چمکانا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ہم اس دو کروڑ کے دس کروڑ بنائیں گے اور ہم باپ بیٹا مل کر اس کاروبار کو وسعت دیں گے۔"

"پہلے بیٹے کو اس معاملے میں رازدار تو بنائیں۔"

"میں ابھی اس کو فون کر کے بلاتا ہوں۔"

"آپ گھر کا فون استعمال نہ کریں۔ اس کا کنکشن سارے کمروں سے ہے۔ کہیں کوئی سن نہ لے۔"

"تو میں جا کر اسے بلا لاتا ہوں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوا تو بیگم نے جلدی جلدی ان ہیروں کو تھیلی میں لے کر تھیلی کو مسہری کے میٹرس کے نیچے چھپا دیا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا اور کوریڈور سے گزر کر ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ اس وقت رات کے دس بجے تھے۔ فلک ناز اپنے بیٹے عدنان کے ساتھ ڈائننگ روم کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے پوچھا "بھائی جان! آپ کھانا نہیں کھائیں گے؟"

"نہیں۔ مجھے ابھی بھوک نہیں لگ رہی ہے۔"

"کیا بھابی جان بھی نہیں کھائیں گی؟"

"ان کے سر میں درد ہے۔ وہ آنکھیں بند کیے پڑی ہیں۔"

بابر کھانے کے لیے ڈائننگ روم کی طرف جا رہا تھا۔ آفتاب نے کہا "بیٹے! ذرا میرے کمرے میں آؤ' تم سے باتیں کرنی ہیں۔"

وہ پلٹ کر باپ کی طرف آنے لگا۔ اسما زینے سے اتر رہی تھی۔ فلک آفتاب نے ایک نظر اسما پر ڈالی پھر فلک کو دیکھ کر سوچا "یہ دونوں کم بخت پکی جاسوسہ ہیں۔ اگر بابر کو ابھی اپنے کمرے میں لے گیا تو ان کے دل میں کھد بد ہونے لگے گی اور یہ چھپ کر کچھ سننے کی کوشش کریں گی۔"

بابر بولا "ڈیڈ! کیا بات ہے؟"

"وہ کچھ کاروبار کے سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہوں میرے ساتھ آؤ۔"

وہ بیٹے کا بازو تھام کر باہر کی طرف جانے لگا' وہ جانتا تھا کہ اپنے کمرے کی طرف گیا تو اسما اور فلک ناز کی نظریں اسی طرف لگی رہیں گی اور وہ کسی نہ کسی طرح ان کے کمرے میں ہونے والی باتوں کو سننے کی کوشش کریں گی۔

وہ دونوں باپ بیٹا ڈرائنگ روم سے باہر چلے گئے۔ اسما اور فلک ناز نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ فلک ناز نے کہا "کوئی بات ہے ضرور۔"

اسما بولی "جی ہاں...... کاروباری باتیں کرنے باہر گئے ہیں۔ اب اتنی بڑی کوٹھی ان کے لیے چھوٹی پڑ گئی ہے۔"

"بھائی جان چالاک بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہیں چالاکی آتی نہیں ہے۔ اپنی باتوں اور حرکتوں سے تجسس میں مبتلا کر دیتے ہیں۔"

"پھوپی جان! آپ کا کیا خیال ہے۔ ان کے درمیان کیا کھچڑی پک رہی ہوگی؟"

"مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ بھابی جان اور مسز رانا کے درمیان پھر بڑی رازداری سے کوئی سمجھوتا ہوا ہے۔"

"کچھ لیے دیے بغیر مسز رانا کی مراد پوری ہو رہی تھی۔ وہ نمرہ کو اپنے ساتھ لے جا رہی تھیں پھر بھلا وہ مزید سمجھوتا کیوں کریں گی؟"

فلک ناز نے کہا "میری عقل تو کہتی ہے کہ مسز رانا نمرہ کو تنہا ہی یہاں سے لے جانا چاہتی تھیں اور بھابی جان کو کباب میں ہڈی سمجھ رہی تھیں۔ اس لیے در پردہ لین دین کی بات کی ہوگی پھر ان کا مطالبہ بھی پورا کر دیا ہوگا۔"

اسما بولی "آپ کی باتیں دل کو لگ رہی ہیں۔ سچ پوچھیں تو مجھے اور ذیشان کو ان کے اغوا والی کہانی کا بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"میں تو وہیں ائرپورٹ پر تھی۔ جب بھابی جان ٹوائلٹ کی طرف گئی تھیں تو میرے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی چالاکی دکھانے والی ہیں۔ وہ سب کے سامنے ٹوائلٹ کے اندر گئیں۔ پھر پتا نہیں کب باہر نکل کر کہیں غائب ہو گئیں؟ ہم سب انہیں گھنٹوں تلاش کرتے رہے اور پریشان ہوتے رہے۔"

وہ دونوں سوچتی ہوئی نظروں سے ڈرائنگ روم کے اس بیرونی دروازے کی طرف دیکھنے لگیں جہاں سے وہ دونوں باپ بیٹے باہر گئے تھے۔ اور اب تک واپس نہیں آئے تھے۔

عدنان نے کہا "اماں...... مما! ڈائننگ روم میں چلیں' مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

وہ اسما سے بولی "بھابی جان عینی اور ذیشان کے مجبور کرنے پر لندن جا رہی تھیں لیکن ائرپورٹ جاتے ہی کیسے پینترا بدل دی۔ کیسی چالاکی دکھائی ہے؟ اب عینی اور ذیشان ان کے واپس آنے پر اعتراض بھی نہیں کر رہے اور نہ کریں گے۔ انہیں کبھی اندر کی بات معلوم نہیں ہوگی۔"

یہ کہہ کر فلک ناز اپنے بیٹے کے ساتھ ڈائننگ روم کی طرف چلی گئی۔ اسما نے سر گھما کر بیرونی دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر وہ بھی کچن کی طرف چلی گئی۔ وہ باپ بیٹے باہر لان میں کھڑے ہوئے تھے۔ وہاں نیم تاریکی تھی۔ وہ بہت ہی دھیمی آواز میں بول رہے تھے۔

بابر نے کہا "اس میں شبہ نہیں کہ مقدر ہم پر مہربان ہے مگر کچھ گڑبڑ کا اندیشہ بھی ہے۔ یہ ہیرے ممی کے گلے کا پھندا بھی بن سکتے ہیں۔"

"ہاں بیٹے! یہی ایک فکر اور پریشانی ہے۔ ان مجرموں نے تمہاری ماں کو مجبور کر دیا تھا اور ان کی رہائی کے لیے یہی شرط رکھی تھی کہ وہ کسی ثمینہ چوہدری پر گولی چلاتے ہوئے ان کی ویڈیو فلم تیار کریں۔ اس کے بعد انہیں نہ صرف رہا کر دیا بلکہ انہیں وہ ہیرے بھی دے دیے جن کی مالیت دو کروڑ کے قریب ہے۔"

"یہی بات تو سمجھ نہیں آتی ڈیڈی! کہ انہوں نے اتنے قیمتی ہیرے ممی کے حوالے کیوں کیے؟ آپ نے ہیروں کو اچھی طرح دیکھا ہے' وہ نقلی تو نہیں ہیں؟"

"بیٹے! مجھے ہیرے جواہرات کی پرکھ ہے۔ میں دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ بہت قیمتی ہیں۔ ہو سکتا ہے' ہمیں دو کروڑ سے زیادہ مل جائیں۔"

"ڈیڈ! وہ مجرم تھے' حاتم طائی کی اولاد نہیں تھے۔ کوئی دس روپے کسی کو مفت میں نہیں دیتا اور انہوں نے ممی کو اتنے قیمتی ہیرے دے دیے۔ کیا یہ بات آپ کے حلق سے اتر رہی ہے؟"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ وہ ہیرے یا تو نقلی ہیں یا کوئی ہم سے دشمنی کر رہا ہے۔ ممی کو قتل کے بہت بڑے الزام میں پھانس رہا ہے اور اتنے قیمتی ہیروں کی چوری کا الزام بھی لگا رہا ہے۔"

پھر وہ ذرا سوچ کر بولا "یہ بات پلے نہیں پڑ رہی ہے کہ وہ ممی کے خلاف آڈیو اور ویڈیو ثبوت حاصل کرنے کے بعد انہیں ہیروں سے محروم رکھتے۔ اتنی قیمتی چیز ان کے حوالے کیوں کی؟"

"یہ باتیں واقعی سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ تمہاری ممی اپنے خلاف یہ ثبوت فراہم کر چکی ہیں کہ انہوں نے اتنے قیمتی ہیرے چرائے ہیں اور ایک عورت کا قتل بھی کیا ہے لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو وہ انہیں گولی مار دیتے۔ انہوں نے یہ سب کچھ اپنی جان بچانے کے لیے کیا ہے۔ اب ہمیں پیش آنے والے حالات سے نمٹنا ہوگا۔"

بابر نے چونک کر کہا "ڈیڈ! ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔ وہ ہیرے ممی کے حوالے اس لیے کیے گئے ہیں کہ یہاں اچانک پولیس چھاپا مارے اور وہ ہیرے برآمد ہوں۔ پکا ثبوت مل جائے کہ واقعی ممی نے ان ہیروں کی خاطر اس عورت کو قتل کیا ہے۔"

باپ نے پریشان ہو کر کہا "واقعی۔ میں نے تو اس پہلو پر غور نہیں کیا۔ یہ ہیرے گھر میں رہے تو ہمارے لیے مصیبت بن سکتے ہیں۔"

وہ باپ کا ہاتھ پکڑ کر بولا ”فوراً ممی کے پاس چلیں۔ ان ہیروں کو یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کرنا ہوگا۔“

وہ دونوں وہاں سے چلتے ہوئے کوٹھی کے اندر آئے۔ ڈرائنگ روم میں نہ اسما تھی اور نہ ہی فلک ناز۔ وہ دونوں مطمئن ہوکر تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے کوریڈور میں پہنچے۔ وہاں بیگم آفتاب دروازہ کھولے انتظار کررہی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی بولی ”اتنی دیر کہاں لگادی؟“

وہ دونوں اندر آگئے اور دروازہ بند کرلیا۔ پھر فلک آفتاب نے کہا ”میں بابر کو تمام حالات بتارہا تھا۔ اب یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ انہوں نے اتنے قیمتی ہیرے تمہارے حوالے کیوں کیے۔“

وہ بولی ”کیوں کیے ہیں؟“

”وہ چاہتے ہیں کہ پولیس کسی بھی وقت یہاں چھاپا مار کر ہیرے برآمد کرلے اور تمہارے خلاف ٹھوس ثبوت مل جائیں کہ تم نے ان ہیروں کی خاطر ایک عورت کا قتل کیا ہے۔“

وہ ایک دم سے گھبرا کر بولی ”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا یہاں پولیس کا چھاپا پڑ سکتا ہے؟“

”کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ ہمیں ابھی ان ہیروں کو یہاں سے لے کر کسی محفوظ جگہ پر چھپانا ہوگا۔“

”آپ کہاں لے جائیں گے؟ کہاں چھپائیں گے؟“

”ہاں...... یہ تو سوچنا ہوگا۔ ہم انہیں کسی ایسی ویسی جگہ تو چھپا نہیں سکتے۔ ایسی کوئی محفوظ جگہ ہو جہاں ہم تینوں کے سوا کوئی نہ پہنچ سکے۔“

وہ تینوں سوچنے لگے کہ انہیں کہاں چھپایا جائے؟ آخر یہ دو کروڑ کا خزانہ تھا۔ کسی پر بھی بھروسا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بابر اپنے آفس یا فیکٹری میں بھی نہیں چھپا سکتا تھا۔ پولیس والے وہاں جا کر بھی تلاشی لے سکتے تھے۔

اسی وقت موبائل کا بزر سنائی دیا۔ فلک آفتاب نے فون نکال کر نمبر پڑھا اور کہا ”یہ دردانہ کا نمبر ہے۔“

بیگم آفتاب نے کہا ”لعنت بھیجیں اس پر۔ فون آن نہ کریں۔ پتا نہیں وہ کیوں اتنی رات کو فون کررہی ہے؟“

فلک آفتاب نے فون کا رابطہ کاٹ دیا پھر کہا ”یہ عورت بہت ہی ڈھیٹ ہے۔ پیچھے ہی پڑی رہتی ہے۔“

فون کا بزر پھر سنائی دیا وہ نمبر پڑھتے ہوئے بولا ”وہی دردانہ ہے۔ پتا نہیں بار بار فون کیوں کررہی ہے؟ سنیں تو کیا کہتی ہے؟“

اس نے فون آن کرکے کان سے لگایا ”ہیلو۔ میں بول رہا ہوں فلک آفتاب!“

”آفتاب بھائی! میں دردانہ بول رہی ہوں۔ ذرا [illegible] جان سے بات کرادیں۔“

”ان سے کیا بات کرنا ہے؟ وہ سو رہی ہیں۔“

”آپ ان کے کان میں میری ایک بات کہہ دیں [illegible] ایسا لگے گا جیسے صور اسرافیل پھونکی گئی ہے۔ وہ فوراً ہی [illegible] جائیں گی۔“

وہ ناگواری سے بولا ”تمہاری ان باتوں کا مطلب [illegible] ہے؟ تم کہنا کیا چاہتی ہو؟“

”آپ ان سے صرف یہ کہہ دیں کہ اغوا کے بعد جو وہ لے کر آئی ہیں اس کی ویڈیو فلم میں نے ہی تیار کر[illegible] ہے۔“

وہ ایک دم سے گھبرا کر بولا ”کیا......؟“

وہ طنزیہ انداز میں بولی ”کیوں؟ گھبرا گئے [illegible] صاحب! اب تو ضرور آپ ان کو فون دیں گے۔“

وہ فون پر ہاتھ رکھ کر بیگم سے بولا ”دردانہ یہ جانتی [illegible] تمہاری ویڈیو فلم تیار کی گئی ہے۔ لو اس سے بات کرو۔“

بیگم نے فون لے کر کان سے لگا کر کہا ”ہیلو۔ میں [illegible] رہی ہوں۔“

”ہائے بھابی جان! آپ تو غیر بنتی رہتی ہیں۔ [illegible] محبت اور اپنائیت دیکھیں کہ میں نے کروڑوں کے ہیر[illegible] آپ کے حوالے کردیے۔“

وہ پریشان ہوکر بولی ”یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“

”جو آپ کے ساتھ ہوچکا ہے وہی کہہ رہی ہوں۔ [illegible] آپ کچھ بھی کہیں آپ کی وہ ویڈیو اور آڈیو کیسٹس میر[illegible] پاس ہیں۔“

اس نے پریشان ہوکر اپنے میاں اور بیٹے کو دیکھا۔ [illegible] سے وہ کہہ رہی تھی۔ ”اگر کل آپ مجھ سے ملاقات کریں تو اس کیسٹ کی ایک کاپی آپ کے حوالے کردوں گی۔ [illegible] دیکھ کر آپ کی آنکھوں کے سامنے چودہ طبق روشن ہوجا[illegible] گے۔“

اس نے پوچھا ”اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ نے مجھے اغوا کروایا تھا؟“

”یہ نہ پوچھو۔ جو ہوا اسے مقدر کا کھیل سمجھو۔ جب [illegible] شوہر یعنی عینی کا باپ زندہ تھا تب آپ مجھے بڑی محبت [illegible] بھابی جان کہا کرتی تھیں۔ میں آپ سے پھر وہی پہلے [illegible] رشتہ قائم کرنا چاہتی ہوں۔ اگر میں آپ سے محبت اور [illegible] کی بھیک مانگتی تو آپ کبھی نہ دیتیں۔ لیکن اب جن زنجیر[illegible]

[illegible] جکڑ گئی ہیں اس کے بعد تو آپ میرے ساتھ گہرے [illegible]وں میں جکڑ جائیں گی۔“

اس نے پریشان ہوکر پوچھا ”آپ کہنا کیا چاہ رہی [illegible]؟ کیا کرنا چاہتی ہیں؟“

”فکر نہ کریں۔ میں آپ کو کبھی نقصان نہیں پہنچاؤں [illegible]۔ فائدہ ہی پہنچاؤں گی جس کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے وہ [illegible]ے آپ کے حوالے کردیے ہیں اور میں انہیں واپس نہیں [illegible]ں گی۔“

”ایک طرف تو یہ مہربانی کررہی ہیں اور دوسری طرف [illegible] قتل کے الزام میں پھنسانا چاہتی ہیں؟“

”اگر میں پھنسانا چاہتی تو اب تک قانون کی ہتھکڑیاں [illegible]پ کے ہاتھوں میں پڑچکی ہوتیں۔“

”تو پھر آپ نے میری وہ فلم کیوں تیار کروائی ہے؟“

”صرف آپ کی ایک کمزوری اپنے ہاتھوں میں رکھنے [illegible] لیے تاکہ آپ مجھ سے محبت کا رشتہ استوار کریں مجھ سے [illegible]ت نہ کریں۔ مجھے کبھی دشمن نہ سمجھیں اور میری مہربانیوں [illegible]ے فائدہ اٹھاتی رہیں۔“

”آخر ان باتوں کا مطلب کیا ہے؟“

”ابھی نہیں کل میرے گھر آئیں دوپہر کا کھانا میرے [illegible]تھ کھائیں۔ اپنے میاں کو بھی ساتھ لائیں۔ اس وقت کھل [illegible]ر باتیں ہوں گی۔“

”ذرا ایک منٹ میں اپنے میاں سے بات کرتی [illegible]ں۔“

پھر اس نے فون پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ”وہ ہمیں کل لنچ [illegible] بلا رہی ہے۔ وہاں میری ویڈیو [illegible]ں کاپی بھی دے گی اور [illegible]کچھ باتیں بھی کرنا چاہ رہی ہے۔“

آفتاب بولا ”اس سے کہو ہمارے ساتھ ہمارا بیٹا بابر بھی [illegible]ئے گا۔ اس سے اس کا ایڈریس بھی پوچھو۔“

وہ فون پر بولی ”ٹھیک ہے۔ کل میں لنچ پر اپنے میاں اور [illegible]پنے چھوٹے بیٹے بابر کے ساتھ آؤں گی۔“

”آپ اگر سمجھتی ہیں کہ آپ کا بیٹا بابر بھی آپ کے راز [illegible]ے واقف ہونے کے بعد یہ باتیں ذیشان سے پوشیدہ رکھے [illegible]گا تو پھر آپ اسے ساتھ لاسکتی ہیں۔ میرا پتا نوٹ کرلیں میں [illegible]کل ٹھیک دو بجے آپ کا انتظار کروں گی۔“

اس نے اپنا پتا نوٹ کروایا اور رابطہ ختم کردیا۔ بیگم فون [illegible]بند کرکے اپنے شوہر اور بیٹے کو دردانہ سے ہونے والی باتیں تفصیل سے بتانے لگی۔ بابر نے تمام باتیں سننے کے بعد اپنے [illegible]پ کو دیکھا۔ پھر کہا ”ڈیڈ! دردانہ کی چال سمجھ میں آرہی ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ بھائی جان کے خلاف ایک زبردست مقدمے کی تیاری کررہی ہے۔ ان کے خلاف بے شمار ثبوت اور گواہوں کی فوج بھی تیار کرچکی ہے۔ اب شاید ہمیں بھی ان کے ہی خلاف استعمال کرنا چاہ رہی ہے۔“

فلک آفتاب نے کہا ”اوہ گاڈ! اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔“

بیگم نے پریشان ہوکر بیٹے اور شوہر کو دیکھا۔ پھر کہا ”یا خدا! یہ تو بہت ہی خطرناک عورت ہے۔ پتا نہیں ایک ماں کو بیٹے کے خلاف کس طرح استعمال کرنا چاہتی ہے؟“

”ممی آپ کی بہت بڑی کمزوری اس کے ہاتھ آچکی ہے۔ اب تو وہ جو چاہے گی آپ سے منوائے گی اور آپ کو ماننا پڑے گا۔“

آفتاب نے کہا ”یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ شاید وہ ماں کو بیٹے کے خلاف جھوٹی گواہی دینے کے لیے عدالت میں بلائے۔“

”کوئی زبردستی ہے؟ میں اپنے بیٹے کے خلاف کبھی گواہی نہیں دوں گی۔“

”ممی! تو پھر آپ کا وہ کیسٹ عدالت میں پہنچا دیا جائے گا۔ کیا آپ عمر قید یا سزائے موت تک پہنچنا چاہتی ہیں؟“

وہ پریشان ہوکر چیخ پڑی ”میں کیا کروں؟ کیا اپنا سر پھوڑ لوں؟“

آفتاب نے کہا ”آواز دھیمی رکھو۔ ورنہ وہ تمہاری بہو دوڑی چلی آئے گی۔“

وہ روہانسی ہوکر بولی ”یہ ہیرے تو میرے لیے کانٹے بن گئے ہیں۔ میرے دل و دماغ میں چبھ رہے ہیں۔ میں دردانہ سے ملنے نہیں جاؤں گی۔“

”آپ نہیں جائیں گی تو وہ یہاں ملنے چلی آئے گی یا پھر کسی کے ذریعے وہ کیسٹ یہاں بھیج دے گی۔ کیا آپ چاہتی ہیں کہ وہ کیسٹ یہاں کسی کے ہاتھ لگ جائے؟“

”کیا تم یہ پسند کروگے کہ ایک ماں اپنے بیٹے کے خلاف گواہی دے اور اسے عدالت میں سزا دلوائے؟“

”وہ آپ کے بیٹے اور میرے بھائی ہیں مگر صرف نام کے ہیں جب ہم پر برا وقت آتا ہے تو ہمارے لیے برے بن جاتے ہیں۔ کبھی ہمارا ساتھ نہیں دیتے۔ آپ کی بہو کے سامنے آپ کو کمتر بنا کر رکھتے ہیں۔ یاد ہے انہوں نے ہماری فیکٹری پر چھاپا مار کر دو نمبر کا سارا مال ضبط کرلیا تھا۔ ہمیں پچیس لاکھ کا نقصان پہنچایا تھا اور یہ کہہ کر ہمارے خلاف رپورٹ درج نہیں کی تھی کہ آخری وارننگ دے رہے ہیں کہ آئندہ ہم

ایسا کوئی دھندا نہ کریں۔"

ماں نے کہا" کیا یہ اس کا اپنا پن نہیں ہے کہ اس نے تم باپ بیٹے کو عدالت سے سزا نہیں دلوائی؟"

"کون سا احسان کیا تھا؟ آخر پچیس لاکھ روپے کا نقصان بھی تو پہنچایا تھا۔ وہ اب بھی ہمارے سر پر مسلط رہتے ہیں۔ ہم ان کی وجہ سے دو نمبر کی پروڈکٹ مارکیٹ میں نہیں لا سکتے ہیں۔ مسلسل نقصان اٹھا رہے ہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا" یہ درست کہہ رہا ہے۔ تم ممتا کی ماری ہو۔ اس کے خلاف کچھ نہیں سوچو گی لیکن اب تمہیں سوچنا ہوگا۔ وہ کر کیا رہا ہے؟ نہ ہمیں اولاد دے رہا ہے اور نہ ہی منافع کمانے دے رہا ہے۔ وہ ہمیں اتنا غیر اہم سمجھتا ہے کہ اسما کو ہم پر مسلط کیے رکھتا ہے اور اس کے سامنے تو وہ ہماری جائز بات بھی نہیں سنتا۔"

"اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں عدالت میں جا کر اس کی دشمن بن جاؤں۔"

"تو کیا اپنے آپ سے دشمنی کرو گی؟ وردانہ کی باتوں سے انکار کرو گی اور بے قصور ہو کر ایک قتل کا الزام اپنے سر لو گی؟"

بابر نے کہا" آپ ذرا سی عقل سے سوچیں۔ ایک تو دو کروڑ کے ہیرے ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ آپ مفت میں سزا پائیں گی۔"

وہ ذرا دیر سوچنے کے بعد بولی" بیٹے! ایک اور بات میری عقل میں آ رہی ہے۔"

دونوں باپ بیٹے نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا' وہ بولی" اگر ہم ذیشان کو ساری باتیں بتا دیں تو وہ جان پر کھیل کر اپنی ماں کو اس جھوٹے الزام سے بچا لے گا۔"

آفتاب نے کہا" اس کا باپ بھی تمہیں ایسے الزام سے نہیں بچا سکے گا۔ وردانہ نے تمہیں بہت ہی مضبوط شکنجے میں کس رکھا ہے۔"

"ممی! آپ کی عقل کام نہیں کر رہی ہے۔ آپ یہ نہیں سوچ رہی ہیں کہ ایک بار تین کروڑ ہمارے ہاتھ میں آتے آتے چلے گئے۔ اب آپ بھائی جان کو راز دار بنا کر یہ دو کروڑ بھی گنوانا چاہتی ہیں۔ وہ تو بڑے ایماندار بنتے ہیں۔ یہ کہہ کر تمام ہیرے لے جائیں گے کہ یہ سب پولیس کی تحویل میں رہیں گے اور پولیس کی تحویل میں جانے والے مال کا بٹوارہ کس طرح سے ہوتا ہے' یہ آپ نہیں جانتیں۔"

اس نے باپ سے کہا" پلیز ڈیڈ! آپ ہی ممی کو سمجھائیں۔ اگر اس معاملے میں انہوں نے بھائی جان کو راز دار بنایا اور ہیرے ان کے حوالے کیے گئے تو میں آپ لوگوں کو چھوڑ کر کہیں دور چلا جاؤں گا اور پھر کبھی نہیں دکھاؤں گا۔"

ماں نے غصے سے کہا" کیوں فضول دھمکیاں دے رہے ہو؟"

"یہ دھمکی نہیں ہے۔ آپ نہیں جانتیں کہ مشکلات سے گزرتے ہوئے کاروبار کو سنبھال رہا ہوں۔ اسے سنبھالنے کے لیے ایک بڑی رقم مل رہی ہے تو آپ بھی ڈبونا چاہ رہی ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا ممی تو میں سچ کہہ آپ اپنے اس بیٹے سے محروم ہو جائیں گی۔"

وہ پریشان ہو کر بیٹے کا منہ تکنے لگی۔ بے چاری سے ہی شکنجے میں پھنس چکی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بو جا رہا ہوں۔ آپ فیصلہ کریں کہ دونوں بیٹوں میں زیادہ عزیز ہے۔ جاتے جاتے ایک بات کہہ دوں گواہی سے بھائی جان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ و والے ہیں۔ بڑی ہیرا پھیری جانتے ہیں۔ اپنے بچاؤ نکال ہی لیں گے لیکن ان ہیروں کو ان کے حوالے کر اپنے اس بیٹے کو ہمیشہ کے لیے کھو دیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ آفتاب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند پلٹ کر کہا" تم وردانہ کے شکنجے میں آ کر بری طرح ہو۔ تمہارا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ ایک بات اچھی ذہن نشین کر لو کہ ذیشان بھی ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔ بھی تو تمہیں قتل کے الزام سے نہیں بچا سکے گا۔ وردانہ ویڈیو کیسٹ تیار کی ہے' اس کے بعد بھی وہ کیا کر رہی ہے نہیں جان سکتیں۔ یہ ہیرے جہاں سے چرائے گئے جنہوں نے ان کی چوری کی رپورٹ درج کروائی ہوگی سب کو تمہارے خلاف گواہوں کے طور پر پیش کرے گی مکار عورت کی مکاری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم اسے بنا کر ہی جھوٹے الزام سے بچ سکتی ہو اور دو کروڑ رو حاصل کر سکتی ہو۔"

وہ بے بسی سے بولی" لیکن میں کیسے اپنے بیٹے کے خلاف گواہی دے سکتی ہوں؟"

"اور تم کس دل سے اپنے بیٹے بابر کی جدائی برداشت کرو گی؟ وہ ہمیں چھوڑ کر کہیں چلا جائے گا۔ خود کو تباہ کرے گا۔ تو کیا تم اس کی جدائی اور تباہی برداشت کر لو گی؟"

"آپ صرف اپنے بیٹے کی حمایت میں بول رہے ہیں میرے بیٹے کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ کیا اس لیے نظر

ہیں کہ وہ آپ کا خون نہیں ہے؟"

چند لمحوں کے لیے دونوں کو چپ لگ گئی۔ وہ خاموشی سے ایک دوسرے کو تکنے لگے پھر فلک آفتاب نے بڑے ٹھہرے انداز میں کہا" میں آج تک یہ بات زبان پر نہیں لایا۔ پہلی رات تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری پہلی شادی اور اولاد کا ذکر کبھی کسی سے نہیں کروں گا۔ آج یہ بات تمہاری زبان پر آئی ہے۔"

وہ ذرا دیر خاموش رہا پھر بولا" کیا اس وجہ سے کہ میں سلامتی کے لیے اور اپنے بیٹے بابر کی بہتری کے لیے نظر انداز کر رہا ہوں؟ نظر انداز کرنے کا مطلب یہ تو نہیں میں اسے سوتیلا سمجھ کر اس سے دشمنی کر رہا ہوں۔"

"تو پھر کیوں یہ چاہ رہے ہیں کہ میں اس کے خلاف میں گواہی دوں؟"

"کون کم بخت ایسا چاہتا ہے؟ اور ہم کیا جانیں کہ وردانہ کیا چاہے گی؟ میں صرف ایک بات جانتا ہوں کہ تم نے نہیں کیا ہے۔ تم پر یہ الزام نہیں آنا چاہیے۔ تمہیں سزا نہیں چاہیے اور سزا سے بچنے کے لیے ہم وردانہ کی ہر جائز بات کو ماننے پر مجبور ہوں گے۔"

بیگم نے پریشانی اور بے بسی سے پوچھا" اور ذیشان......؟"

"میں کہہ چکا ہوں کہ وہ پولیس والا ہے۔ بہت ترکیبیں جانتا ہے' تمہاری جھوٹی گواہی کے باوجود وہ بچ نکلے گا۔"

"یہ تو سوچیں کہ وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے گا۔"

"کرنے دو۔ وقتی طور پر نفرت کرے گا' بعد میں ہم سمجھا لیں گے۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ آفتاب نے اس کے بائیں ہاتھ کو تھام کر اس کی ہتھیلی کو پھیلایا پھر اس پر ہاتھ پھیر کر کہا" ہم نے مقدر حیات سے اپنا اپنا ہاتھ چھپایا ہے۔ صرف اس لیے کہ تمہارے ماضی پر پردہ پڑا رہے۔ دیکھا جائے تو چھپانا ضروری نہیں تھا۔ کتنی ہی عورتیں بیوہ ہونے کے بعد دوسری شادی کرتی ہیں لیکن تمہارے والدین تمہارے پہلے میاں سے نفرت کرتے تھے اور تم بھی یہ نہیں چاہتی تھیں کہ دو شوہروں والی کہلاؤ۔ اس لیے سب نے مل کر تمہارے پہلے شوہر کے نام و نشان پر خاک ڈال دی اور میں نے ذیشان کو باپ کے طور پر اپنا نام دے دیا۔"

وہ ہاتھ چھڑا کر بولی" آپ احسان نہ جتائیں۔ میرے ڈیڈی نے بھی آپ کو کاروبار کے لیے پچاس لاکھ روپے دیے تھے۔ آپ نے احسان مند ہو کر مجھ سے شادی کی تھی۔ آج سے ستائیس برس پہلے پچاس لاکھ بہت ہوتے تھے۔ آپ نے اتنی بڑی رقم کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔"

"بھئی! اب تم لڑنے نہ بیٹھو۔ یہ ذکر تم نے ہی چھیڑا تھا۔ اب بات سے بات نکلتی ہی چلی جائے گی۔ یہ بحث ختم کرو' جو راز ہے وہ راز ہی رہے گا۔ کسی کو معلوم نہیں ہوگا۔"

انہوں نے اپنا اپنا ہاتھ مجھ سے چھپایا تھا۔ گویا مقدر سے مقدر کی بات کو چھپایا تھا۔ اور جو کچھ وہ چھپا رہے تھے۔ میں تو اس سے آگے بھی بہت کچھ جانتا تھا۔ وہ راز بھی کھلنے والا تھا جسے فلک آفتاب اپنی بیگم سے بھی چھپاتا آ رہا تھا۔ پردہ داری کچھ تھی۔ بیرونِ پردہ کچھ اور تھا۔

☆☆☆

کسی گم شدہ چیز کو ڈھونڈ نکالنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کو پھر سے پانے کے لیے جلتے سورج کے نیچے ننگی زمین پر چلنا پڑتا ہے۔ پاؤں میں چھالے پڑ جاتے ہیں۔ عینی اور عروج کے پاؤں میں تو نہیں' البتہ دل میں چھالے پڑ رہے تھے۔

وہ ہر رات اس امید پر سوتی تھیں کہ دوسرے روز وہ ضرور آئے گا لیکن وہ دوسرا دن دوسری رات کی تاریکی میں ڈوب جاتا تھا۔ سچ ہے کہ دنیا امید پر قائم ہے۔ وہ بھی امید پر ہی زندہ تھیں۔

ایک بار وردانہ نے انہیں چیلنج کیا تھا کہ وہ عینی کو اپنی بہو بنا کر رہے گی۔ وہ لاکھ انکار کرے پھر بھی وردانہ کی لائی ہوئی بارات کے دولہا کو دیکھے گی تو فوراً اسے قبول کر لے گی۔

اس مکار عورت کی اس بات سے یہ اندازہ ہوا تھا کہ شاید وہ پاشا تک پہنچ چکی ہے۔ شاید اس نے اسے اپنے زیر اثر رکھا ہے یا پتا نہیں کیا چکر چلا رہی ہے کہ اسے بارات کا دولہا بنا کر لانے کا دعویٰ کر رہی تھی۔

عروج نے کہا" اس نے ابھی تک دعویٰ پورا نہیں کیا ہے۔ ویسے اس عورت سے کچھ بعید نہیں ہے' وہ کچھ بھی کر گزرے گی۔"

عینی نے کہا" لعنت بھیجو اس پر...... یہ دیکھو کہ ہم اس کی دیوانگی میں کیسے کیسے فریب کھا رہی ہیں؟ ایک بار ایک شاہراہ پر ایک ٹیکسی ڈرائیور کو پاشا سمجھ لیا تھا۔ دوسری بار ایک اسپتال میں زخمی ٹیکسی ڈرائیور کو پاشا سمجھ کر دھوکا کھایا۔ پتا نہیں...... ہم کب تک اس کے سائے کے پیچھے دوڑیں گے؟"

ان کی زندگی میں پاشا کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اس کی یادیں تھیں' اس کی باتیں تھیں یا پھر اس کی واپسی اور سلامتی کے لیے دعائیں ہی دعائیں تھیں۔

وہ دونوں ایک شاپنگ سینٹر میں خریداری میں مصروف

تھیں۔ وہاں سے وہ دونوں خریداری کے بعد دکان سے باہر آئیں۔ چند قدم آگے جا کر عروج اس کا ہاتھ پکڑ کر رک گئی۔
عینی نے پوچھا "کیا ہوا؟"
"وہ...... میں لپ اسٹک کا پنک شیڈ خریدنا بھول گئی۔ تم یہاں رکو میں ابھی آتی ہوں۔"
وہ پلٹ کر اس دکان کی طرف واپس گئی۔ عینی دوسری دکان کے سامنے کھڑی اس کا انتظار کرنے لگی۔ ایسے میں بہار کا ایک خوبصورت جھونکا اس کی سماعت کو چھو کر گزر گیا۔ وہ ایک دم سے چونک گئی۔
وہ پاشا کی آواز تھی۔ اس کے دل کو دھڑکا رہی تھی۔ خواب کی تعبیر جگا رہی تھی۔ اس نے گھوم کر دکان کی طرف دیکھا۔ وہاں مختلف کاؤنٹرز پر کئی عورتیں اور مرد خریداری میں مصروف تھے۔ ان ہی میں سے کوئی پاشا بھی ہو سکتا تھا۔
وہ تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی دکان کے اندر آئی۔ اسے پھر پاشا کی آواز سنائی دی۔ "تہمینہ! میں بور ہو رہا ہوں' تم مجھے کہاں لیے لیے پھر رہی ہو؟"
عینی اس آواز کی طرف کھنچی جا رہی تھی۔ جب اس سے چند فٹ کا فاصلہ رہ گیا تو دل اور تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ پاشا ہی تھا۔ اگرچہ دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا لیکن وہ کیا کرے وہ تو پہلی ملاقات سے اب تک دھندلے پاشا کو ہی دیکھتی آئی تھی۔
وہ وہاں سے جاتے ہوئے تہمینہ سے کہہ رہا تھا "اب چلو بھی یہاں سے۔"
وہ تیزی سے چلتا ہوا دکان سے باہر جا رہا تھا۔ عینی نے آواز دی "پاشا...... پاشا!" ایسے وقت میں ایک سیلز مین کسی گاہک کو گانے کا کیسٹ تیز آواز میں سنا رہا تھا۔ گانے کی آواز میں عینی کی آواز گم ہو گئی۔ اس نے پھر اونچی آواز میں پکارا "پاشا...... رک جاؤ۔ رک جاؤ...... پاشا! میری طرف دیکھو...... میں عینی ہوں...... پاشا!...... پاشا!...... پاشا!"
اس کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہو رہی تھی۔ سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں' یہ مقدر کا کھیل تھا۔ اس وقت کیسٹ ریکارڈر کے شور نے سننے والے کو بہرہ بنا دیا تھا۔
عینی کا دل اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ ایک تو وہ پہلے ہی نیم اندھی تھی۔ اس پر اندھا دھند آگے بڑھنے لگی تو ادھر ادھر رکھے ہوئے بڑے بڑے ریکارڈر اور ٹی وی سیٹس سے ٹکرا گئی۔ ایک دھماکا سا ہوا اور وہ نیچے گری۔ اس پر دو ٹی وی سیٹ آ گرے۔ ایک بھاری سیٹ اس کے سر پر گرا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا

چھا گیا۔ وہ ایک دم سے ساکت ہو گئی۔
پھر اسے پتا نہ چلا کہ کتنی دیر وہ بے ہوش رہی۔ وہ
ہولے کراہ رہی تھی۔ محسوس کر رہی تھی کہ آرام دہ بڑ
ہوئی ہے۔ اسے اپنے قریب سے عروج کی آواز
"عینی...... ! میری جان! تو خیریت سے تو ہے؟ میں
پاس ہوں...... مجھے دیکھ۔"
اس نے آنکھیں کھول کر کمزور سی آواز میں کہ
رات ہو چکی ہے؟"
"نہیں عینی! ابھی تو دن ہے۔"
"تو پھر اندھیرا کیوں ہے؟ تو نظر کیوں نہیں
ہے؟"
عروج نے چونک کر اسے دیکھا "کیا کہہ رہی ہے
وہ گہری تاریکی میں ڈوب چکی تھی' دونوں ہاتھ
ٹٹول کر چیختی ہوئی بولی "عروج! آئی ہیو لاسٹ
سائٹ......"
عروج صدمے کے مارے اس سے لپٹ گئی۔ چیخ
ڈاکٹر کو آواز دینے لگی۔ ڈاکٹر ایک نرس کے ساتھ تیز
چلتا ہوا آیا "عروج! کیا بات ہے؟"
"سر! یہ بینائی کھو چکی ہے' اسے دکھائی نہیں د
ہے۔"
ڈاکٹر قریب آ کر اس کا معائنہ کرنے لگا۔ کئی مہینوں
اس کی کمزور بینائی دھمکیاں دے رہی تھی۔ آج وہ دھوکا
ہو گئی تھی۔ اس کے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔
عروج پاس ہی کھڑی اسے تھپک رہی تھی۔ اسے
دے رہی تھی "میری جان! میں نے تجھ سے کہا تھا کہ ای
یہ وقت آئے گا اور جب یہ وقت آئے گا' تو تجھے حو
کام لینا ہو گا۔"
ڈاکٹر نے کہا "آئی بینک والے انہیں ترجیح د
جن کی بینائی چلی جاتی ہے۔ اب تمہیں جلد ہی آنکھوں
مل جائے گا۔ ہم سب آئی بینک والوں سے اپیل
گے۔"
یہ بات درست ثابت ہو گئی کہ محبت اندھی ہوتی
اپنے محبوب کے پیچھے دوڑتے دوڑتے اندھی ہو چکی تھی
اس کے پیچھے دوڑتی' نہ گرتی' نہ ہی سر پر چوٹ لگتی اور
آنکھوں کی رہی سہی بینائی جاتی۔ مگر یہ تو ہونا ہی تھا۔ لوح
پر جو لکھا ہوا تھا۔
اس کے سر پر اور بدن کے کئی حصوں پر چوٹ لگی تھی
پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ انجکشن اور دواؤں کے ذریعے

کچھ افاقہ ہوا تھا۔ آنکھوں کے ماہر ڈاکٹر نے اس کے
ئیں تجویز کی تھیں اور ہدایت کی تھی کہ وہ آنکھیں بند
چپ چاپ پڑی رہے۔
ں نے ڈاکٹر کے جانے کے بعد کہا "اب تو میرا
بند کرنا یا کھولنا برابر ہی ہے۔ بند آنکھوں کے پیچھے بھی
اور کھلی آنکھوں کے سامنے بھی اندھیرا۔"
روج نے اسے تھپک کر کہا "یہ اندھیرا ہمیشہ نہیں رہے
شاء اللہ جلد ہی تجھے آنکھیں مل جائیں گی۔ تیری یہ
ہمیشہ نہیں رہے گی۔"
"اس تاریکی میں دو چہرے پہلے سے زیادہ روشن ہو گئے
یک چہرہ تیرا ہے اور دوسرا پاشا کا۔ میں اسے صاف طور
رہی ہوں' وہ میرے سامنے مسکرا رہا ہے۔"
"تجھے شاپنگ سینٹر میں کیا ہوا تھا؟ اس دکان میں کیوں
ان چیزوں سے ٹکرانے گئی؟"
"میں جان بوجھ کر نہیں ٹکرائی تھی' محبت واقعی اندھا
تی ہے۔ میں پاشا کے پیچھے دوڑتی جا رہی تھی۔ مجھے اپنے
دائیں بائیں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔"
"پاشا کے پیچھے......؟"
"ہاں' وہ اسی دکان میں موجود تھا اور کسی تہمینہ نامی عورت
سے کہہ رہا تھا۔"
"عینی! تو پاگل ہو گئی ہے۔ تو نے اسے اس دکان میں
اسے دیکھ لیا تھا؟ تجھے تو ہر چہرہ دھندلا نظر آتا ہے۔ تجھے
کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیے تھا۔"
"تو بھول رہی ہے' میں پاشا کو پہلی ملاقات سے دھندلا
دیکھتی آ رہی ہوں۔ وہی دھندلا چہرہ میرے دل و دماغ
میں نقش ہے۔ وہ جب بھی سامنے آئے گا' میں اسے
پہچاننے میں غلطی نہیں کروں گی۔"
"تو اس سے پہلے غلطی کر چکی ہے۔ ایک روز تو نے
شاہراہ سے گزرتے ہوئے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو پاشا سمجھ لیا
میں بھی تیرے کہنے پر اس کے پیچھے دوڑتی چلی گئی تھی۔
کیا ہوا؟ یہی کہ تیرے ساتھ میں بھی سائے کے پیچھے
بھاگ رہی تھی۔"
"عروج! میری بات کا یقین کر۔ اس وقت میں نے
اس کو صرف دیکھا ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس کی آواز بھی سنی تھی۔
اس کی آواز تو دل کی دھڑکنوں میں بسی ہوئی ہے۔ کیا میں
اس سے بھی دھوکا کھاؤں گی؟"
اس نے سوچتے ہوئے عینی کو دیکھا پھر کہا "اب میں کیا
کہوں؟ جب تو نے اس کی آواز سنی ہے تو پھر وہ پاشا ہی ہو گا۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ تو نے اسے دیکھا لیکن اس نے تجھے کیوں نہیں دیکھا؟"
"میں نے تو اسے آوازیں بھی دی تھیں لیکن وہ ٹی وی اور ٹیپ ریکارڈر کی دکان تھی' اونچی آواز میں ایک گیت گونج رہا تھا۔ اسی شور کی وجہ سے اس نے میری آواز نہیں سنی اس لیے میں اس کے پیچھے بھاگی تھی۔"
دروازے پر دستک ہوئی۔ عروج نے اسے کھولا تو وہاں ذیشان کھڑا ہوا تھا۔ اندر آتے ہوئے بولا "عروج! تم نے بہت بری خبر سنائی ہے۔ میں تو سنتے ہی ڈیوٹی چھوڑ کر آیا ہوں۔"
پھر وہ عینی کے قریب آ کر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ اس کے ایک ہاتھ کو تھام کر اسے چومتے ہوئے بولا "عینی! میری بہن! خود کو تنہا نہ سمجھنا۔ عروج ہے' میں ہوں' تمہاری بھابی جان ہیں۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔"
عینی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا "آپ ہمیشہ میرے اچھے برے وقت میں ساتھ رہتے ہیں۔ عروج نے خاندان کے تمام افراد کو میرے بارے میں خبر دی ہے لیکن سب سے پہلے آپ ہی آئے ہیں۔"
اسما کی آواز سنائی دی "اور میں بھی بھاگی چلی آئی ہوں۔"
وہ دروازے پر کھڑی ہانپ رہی تھی پھر عینی کے پاس آ کر بولی "یا خدا! یہ تمہارے ساتھ ہو کیا رہا ہے؟"
وہ بولی "بھابی جان! بجھتا ہوا چراغ کب تک روشن رہتا؟ آخر اسے تو بجھنا ہی تھا۔"
وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی "مایوسی کی باتیں نہ کرو' اللہ نے چاہا تو تم جلد ہی دیکھنے لگو گی۔"
ذیشان بولا "بے شک۔ ہم آئی بینک والوں کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ اس ادارے کو مالی امداد کی پیش کش کریں گے تو وہ بھی جلد سے جلد تمہارے لیے آنکھوں کا عطیہ دے دیں گے۔"
اسما اور ذیشان اسے پیار کر رہے تھے۔ تسلیاں دے رہے تھے۔ اتنے میں موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ عروج نے نمبر پڑھ کر ذیشان سے کہا "دردانہ بیگم کال کر رہی ہے۔"
وہ بولا "سنو...... وہ کیا کہہ رہی ہے' آواز کا والیوم بڑھا دو۔"
عروج نے فون کی آواز کو اس کی آخری حد تک اونچا کیا پھر بٹن دبا کر کہا "ہیلو...... میں عروج بول رہی ہوں۔"
دردانہ نے کہا "مجھے یہ سن کر افسوس ہو رہا ہے کہ تمہاری

سہیلی اندھی ہو گئی ہے۔"

عروج ذیشان کے قریب آ گئی تھی۔ دونوں فون سے کان لگا کر سن رہے تھے۔ عروج بولی "آپ کو کیسے پتا چلا کہ عینی کو ایسی ٹریجڈی پیش آئی ہے؟"

"میں تو یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ پاشا کے پیچھے اندھا دھند بھاگ رہی تھی لیکن افسوس' حادثے سے دوچار ہو گئی۔ بے چاری ہونے والی بہو پر ترس آ رہا ہے۔"

"آپ فضول باتیں کر رہی ہیں۔ نہ آپ کا کوئی بیٹا رہا ہے اور نہ ہی یہ کبھی آپ کی بہو بنے گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "میرا بیٹا تو ہے جس کے یہ خواب دیکھتی ہے اور جس کے خیالوں میں یہ گم رہتی ہے۔ آج اس کے ہی پیچھے بھاگتے بھاگتے اندھی ہو گئی۔ اس سے کہنا وہ پھر اس کے سامنے آئے گا اور پھر گم ہو جائے گا۔ میں ان دونوں کے درمیان یہ آنکھ مچولی کا کھیل کچھ عرصے جاری رکھوں گی' جب وہ مجبور ہو کر میری بہو بننے پر راضی ہو جائے گی تو آنکھ مچولی ختم ہو جائے گی۔"

"آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ اس نے آپ کے کسی بیٹے کو نہیں بلکہ پاشا کو دیکھا تھا۔"

اس کا قہقہہ سنائی دیا "ہا...... ہا...... ہا' پاشا؟ ہاہاہا...... جو اس کا محبوب اور میرا بیٹا ہے اور جو میرا بیٹا ہے وہ اس کا محبوب ہے۔ آج نہیں تو کل ساس اور بہو کا رشتہ تو ہونا ہی ہے۔"

دردانہ نے رابطہ ختم کر دیا۔ عروج نے اسے آواز بھی دی "ہیلو...... ہیلو۔"

اس نے اپنے فون کی طرف دیکھا پھر ناگواری سے اسے بند کر دیا۔ ذیشان نے پوچھا "یہ کیا بکواس کر رہی تھی؟"

عروج نے کہا "بھائی جان! ایسا لگتا ہے کہ پاشا یا تو اس کی قید میں ہے یا اس کے زیر اثر ہے۔ اس نے ایک بار پہلے بھی میرے سامنے عینی کو چیلنج کیا تھا کہ اسے بہو بنا کر لے جائے گی۔"

ذیشان نے کہا "لیکن اس کا بیٹا تو مر چکا ہے۔"

"جی ہاں! اس نے یہ نہیں بتایا کہ کس طرح بہو بنائے گی۔ بس اتنا کہا کہ جب وہ بارات لے کر آئے گی تو اس دولہا کو دیکھتے ہی عینی فوراً نکاح قبول کر لے گی۔"

اسما بولی "اس کی بات سے یہی تاثر ملتا ہے کہ وہ پاشا کو بارات کا دولہا بنا کر لائے گی۔"

"اور ابھی وہ فون پر کہہ رہی تھی کہ عینی کا جو محبوب ہے۔ وہ اس کا بیٹا ہے اور جو اس کا بیٹا ہے' وہ عینی کا محبوب ہے' اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اس نے پاشا کو کہیں زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔"

عینی نے کہا "نہیں عروج! اسے اگر زنجیروں میں کر رکھا جاتا تو آج وہ شاپنگ سینٹر میں دکھائی نہیں دیتا۔"

ذیشان نے حیرانی سے پوچھا "کیا تم نے پاشا کو دیکھا تھا؟"

عینی نے اثبات میں سر ہلایا۔ عروج بولی "بھائی جان! یہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ اس نے پاشا کو وہاں دیکھا مجھے یقین نہیں آ رہا تھا لیکن اب دردانہ بیگم کی باتیں یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس نے پاشا کو وہاں دیکھا ہو گا۔"

اسما نے کہا "یہ عورت آپ سے تو دشمنی کر رہی ہے پھر عینی کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے؟"

ذیشان نے کہا "وہ اپنے بیٹے جواد سے عینی کو منسوب کرنا چاہتی تھی۔ اس کی باتوں سے ایسا لگتا ہے کہ پاشا اس کے قبضے میں ہے اور وہ اسے ایک مہرے کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ عینی پاشا کی محبت میں مجبور ہو کر اس سے شادی کرے گی اس لیے وہ پاشا سے آنکھ مچولی کھلوا رہی ہے۔ اسے اس کے پیچھے لگا کے اسے تڑپا رہی ہے آخر میں یہ ظاہر کرے گی کہ اس نے پاشا کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے عینی کو منظور ہو گا کہ وہ اسے بہو بنا کر لے جائے۔"

☆☆☆

فلک ناز بھی اپنے بیٹے عدنان کے ساتھ اسپتال آ گئی۔ وہاں آنے سے پہلے اس نے اپنی آنکھوں میں ایک ایک گلیسرین کا ٹپکا لیا تھا' جس کے نتیجے میں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ روتی ہوئی آ کر عینی سے لپٹ گئی "ہائے میری بچی کو یہ کیا ہو گیا؟"

عینی نے کہا "پھوپی جان! ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ انشاء اللہ میں جلد پھر سے دیکھنے لگوں گی۔"

ذیشان نے پوچھا "ممی ڈیڈی نہیں آئے؟"

وہ بولی "بیٹے! ان کے بارے میں تو نہ پوچھو۔ وہ رازداری سے کیا کرتے پھر رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ وہ بابر کے ساتھ ایک بجے جانے والے تھے۔ میں اس سے پہلے ہی اپنی کار لے کر نکل گئی لیکن دور جا کر ان کا انتظار کرتی رہی۔ جب وہ اپنی کار میں بیٹھ کر جانے لگے تو میں نے ان کا تعاقب کیا۔"

اسما نے کہا "پھوپی جان! آپ تو جاسوسہ بن گئیں۔"

"کیوں نہ بنوں' آخر ایس پی ذیشان کی پھوپی ہوں۔ پتا ہے وہ تینوں کہاں گئے ہیں؟"

سب ہی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے' وہ بولی "وہ بہت ہی عالی شان کوٹھی کے اندر گئے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد وہاں سے گزرتے ہوئے میں نے نیم پلیٹ دیکھی تو اس پر شہباز درانی لکھا ہوا تھا۔"

ذیشان نے چونک کر اپنی پھوپی کو دیکھا پھر اسما کی طرف دیکھا' وہ بولی "اور یہ تو ہم سب ہی جانتے ہیں کہ دردانہ اسی شہباز درانی کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ یہ ہیں آپ کے والدین...... جو عورت آپ کے گلے میں پھندا ڈالنا چاہتی ہے وہ اس کے تلوے چاٹنے گئے ہیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو' کسی بات کی تصدیق کیے بغیر کسی کے خلاف بولنا نہیں چاہیے۔"

اس نے فلک ناز سے پوچھا "پھوپی جان' آپ نے اچھی طرح دیکھا تھا' اس نیم پلیٹ پر شہباز درانی کا ہی نام تھا؟"

"بیٹے! میری نظریں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ اس عمر میں بھی مجھے عینک کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کوٹھی ڈیفنس میں ہے اور اس کا نمبر تھرٹی زیرو سکس ہے۔"

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ سوچنے لگا پھر اس نے موبائل پر نمبر پنچ کیا۔ اسے کان سے لگا کر رابطہ کا انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف فلک آفتاب اپنے بیٹے اور بیگم کے ساتھ دردانہ کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں فون کی گھنٹی بولی۔

دردانہ نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا "ہیلو...... کون؟"

ذیشان نے آواز بدل کر کہا "میں آئی اسپیشلسٹ باری بول رہا ہوں۔ مسٹر فلک آفتاب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ بولی "جسٹ اے منٹ۔"

اس نے ریسیور کو آفتاب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کا فون ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر فون کی طرف آ کر بولا "میرا فون ہے؟ یہاں کس نے فون کیا ہے؟"

دردانہ نے کہا "کوئی آئی اسپیشلسٹ ڈاکٹر باری ہیں۔"

اس نے ریسیور لے کر بے دلی سے کہا "تعجب ہے' ڈاکٹر مجھے فون کیوں کرے گا؟"

بیگم آفتاب نے کہا "سمجھا کریں' عینی اندھی ہو گئی ہے۔ اسی سلسلے میں آپ سے کچھ کہنا چاہ رہا ہو گا۔"

وہ ریسیور لے کر اس کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "لیکن اس ڈاکٹر کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں دردانہ بیگم کی کوٹھی میں بیٹھا ہوا ہوں؟"

بیگم نے کہا "آپ سوال پر سوال کر رہے ہیں۔ فون پر بات کریں۔ اس سے سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

وہ پریشان ہو کر ریسیور کو دیکھنے لگا۔ دردانہ نے پوچھا۔ "کیا آپ نے کسی کو بتایا تھا کہ یہاں آ رہے ہیں؟"

بیگم آفتاب نے کہا "ہم نے تو اپنے سائے کو بھی نہیں بتایا تھا۔"

"میری بہن ہماری ٹوہ میں ہی رہتی ہے۔ ہم تو اسے بھی جھانسا دے کر آئے ہیں۔"

بابر نے کہا "مجھے تو بھائی جان کی طرف سے اندیشہ رہتا ہے۔ انہیں جھانسا نہیں دیا جا سکتا۔"

دردانہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی "میری تو مت ماری گئی ہے۔ مجھے سی ایل آئی پر نمبر پڑھ لینا چاہیے تھا۔"

پھر اس نے جھک کر نمبر پڑھا تو چونک کر سیدھی ہو گئی۔ ایک ذرا تشویش سے بولی "یہ تو ذیشان کا نمبر ہے۔"

بیگم آفتاب' فلک آفتاب اور بابر کے اندر دھماکے سے ہونے لگے۔ وہ شدید حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ بیگم نے پریشان ہو کر کہا "اسے کیسے معلوم ہوا کہ ہم یہاں ہیں؟"

بابر نے کہا "میں نے پہلے ہی کہا تھا' ہمیں بھائی جان کی طرف سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔"

سب کے ذہن میں ایک ہی سوال تھا۔ "اب کیا ہو گا؟"

"آپ سوچ کیا رہے ہیں؟ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ فون تو اٹینڈ کریں۔"

فلک آفتاب باپ تھا' ان لمحات میں بیٹے سے سہما ہوا تھا۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے ریسیور کو دیکھا پھر اسے کان سے لگا کر ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہے...... ہے...... ہیلو!"

دوسری طرف سے ایک دھماکے کی توقع تھی لیکن فوراً ہی کچھ سنائی نہیں دیا۔ وہ اٹکتے ہوئے بولا "ہیلو بیٹے...... ذیشان! میں تمہیں فون کرنے ہی والا تھا۔ میرا مطلب ہے ہمیں عینی کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔ ہم ابھی اسپتال جانے ہی والے ہیں' تم کہاں ہو...... لو بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ تم ضرور ہماری عینی کے پاس ہو گے...... ہیلو تم سن رہے ہو نا؟"

وہ جواب کا انتظار کرنے لگا پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا "وہ خاموش ہے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "یہ اس کے بچپن کی عادت ہے۔ غصے میں چپ رہتا ہے۔ پہلے سنتا رہتا ہے' پھر بولتا ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر فون کی طرف آتے ہوئے بولی۔ ''ریسیور مجھے دیں۔ میں اپنے بیٹے سے بات کروں گی۔''

فلک آفتاب نے ریسیور بیگم کی طرف بڑھا دیا' وہ اسے کان سے لگا کر ممتا بھرے لہجے میں بولی ''ہیلو ذیشان بیٹے! میں تمہاری ممی بول رہی ہوں۔''

پھر وہ بولتے ہی چونک گئی۔ میاں کو گھورتے ہوئے بولی۔ ''آپ بھی حد کرتے ہیں۔ لائن کٹنے کی ٹون آرہی ہے اور آپ ہیں کہ بولے جارہے ہیں۔''

بابر نے کہا ''لائن کٹی نہیں ہے' بھائی جان نے خود کاٹی ہے۔ انہیں صرف یہ تصدیق کرنی تھی کہ ہم یہاں ہیں اور وہ یہ تصدیق کر چکے ہیں۔''

بیگم نے ریسیور رکھ دیا۔ دردانہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''آپ کا بیٹا بھی کیا خوب ہے۔ ماں باپ کی جاسوسی کرتا ہے۔''

فلک آفتاب نے بیگم کو دیکھ کر ناگواری سے کہا ''یہ تو ماں باپ کو کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے۔ میں اسے صاف صاف کہہ دوں گا کہ وہ ماں باپ کے ساتھ تو پولیس افسری نہ دکھائے۔ ہم کیا کرتے ہیں، کہاں جاتے ہیں؟ وہ ہماری ٹوہ میں کیوں رہتا ہے؟''

دردانہ نے کہا ''میں اس کی بدترین دشمن ہوں۔ آپ کی اور ہماری دوستی ہوگی تو وہ آپ کا بھی دشمن بن جائے گا اور ماں باپ کے رشتے کا بھی لحاظ نہیں کرے گا۔''

بیگم آفتاب نے دردانہ کے پاس بیٹھتے ہوئے عاجزی سے کہا ''کوئی ایسا راستہ اختیار کرو کہ میرے بیٹے سے بھی دوستی ہو جائے۔''

''یہ نہیں ہوسکتا۔ اس نے میرے جوان بیٹے کو قتل کروایا ہے۔ خون کا بدلہ خون ہوتا ہے۔ میرے بیٹے کا خون پانی نہیں تھا۔ میں خارش زدہ کتے سے دوستی کرلوں گی لیکن اس سے کبھی نہیں کروں گی۔''

بیگم آفتاب نے مایوس ہوکر پہلے بیٹے پھر میاں کو دیکھا۔ وہ دردانہ کے شکنجے میں بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔ اسے سمجھوتا کرنے پر آمادہ نہیں کرسکتی تھی۔ فلک آفتاب نے کہا ''دردانہ! تم ہم سے دوستی کر رہی ہو مگر دشمنی کی طرح...... تم نے بیگم کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال رکھا ہے۔''

''میری دوستی کا انداز بھی دیکھیں کہ دو کروڑ کے ہیرے دے رہی ہوں۔ مجھے صرف ذیشان سے دشمنی ہے۔ آپ لوگوں سے محبت بھی ہے، ہمدردی بھی ہے اور دوستی بھی کرنا چاہتی ہوں اسی لیے یہ انداز اختیار کر رہی ہوں۔ ورنہ آپ کی بیگم کے خلاف ویڈیو فلم تیار کرنے کے بعد وہ تمام ہیرے ...سے چھین لیے جاتے۔ یہ خالی ہاتھ واپس آتیں تو آپ ہم ...بگاڑ لیتے؟ اس وقت بھی یہ میرے شکنجے میں ہوتیں۔''

پھر وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر پاؤں پر پا... رکھ کر بڑے غرور سے بولی ''آپ کا وہ افسر بیٹا بھی اپنی ما... میرے شکنجے سے نہیں بچا سکے گا۔ یقین نہ ہو تو آپ اسے راز دار بنالیں۔ اس کے سامنے میرے خلاف زہر اگلیں۔ دیکھیں کہ وہ کیا کرتا ہے اور میں کیا کرتی ہوں؟''

بابر نے کہا ''اگر بھائی جان کو راز دار بنانا ہوتا تو یہاں کیوں آتے؟''

''میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اسے راز دار کیوں ...بنایا گیا ہے۔ اسے اگر معلوم ہوتا کہ دو کروڑ کے ہیرے لا... گئے ہیں تو وہ تمام ہیرے پولیس کسٹڈی میں لے لیتا۔ ...لوگوں کو ایک آنہ بھی نہ ملتا۔''

فلک آفتاب نے کہا ''لیکن بات صرف ہیروں کی نہ... ہے۔ ہمیں ذیشان سے ہمیشہ شکایت ہی رہی ہے۔ وہ کبھی ... ساتھ نہیں دیتا۔ پھر بھی کیا' کیا جائے ہمارا خون ہے' اس ... لیے نرم گوشہ رکھنا ہی پڑتا ہے۔''

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دردانہ کے قریب ایک صو... پر بیٹھتے ہوئے بولا ''میں تم سے عمر میں بڑا ہوں' تم ہمیشہ میر... عزت کرتی رہی ہو۔ میں تمہیں ایک بزرگ ہوکر عاجزی ... کہتا ہوں۔ ذیشان سے دوستی بے شک نہ کرو لیکن سمجھوتے ... کوئی راستہ نکال لو۔ کوئی ذرا سی گنجائش پیدا کرلو۔''

''آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کا بدلہ نہ لوں؟''

''تم بدلہ ضرور لو لیکن کوئی دوسرا راستہ اختیار کرلو۔ قا... سے قصاص لیا جاتا ہے۔ تم جان کے بدلے جان نہ لو۔ ا... کے بدلے ہمیں اپنا غلام بنالو۔''

''وہ تو میں بنا چکی ہوں۔ آئندہ مسز آفتاب میر... اشاروں پر چلا کریں گی۔ میرے کسی حکم سے انکار نہیں کر... گی۔ ہمیشہ میری تابعدار بن کر رہیں گی۔''

بیگم آفتاب کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔ ... دوپٹے میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔ دردانہ نے اسے سوچتی ہو... نظروں سے دیکھا پھر اس کے قریب ہوکر اس کے شانے ... ہاتھ رکھ کر کہا ''مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ میں آپ کی خاط... سمجھوتے کا کوئی راستہ نکال سکتی ہوں۔''

بیگم نے فوراً ہی اس کی طرف گھوم کر اپنے دونوں ہات... اس کے گھٹنوں پر رکھ دیے۔ پھر کہا ''میں ساری زندگی تمہار... کنیز بن کر رہوں گی۔ تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ تم ...

...وہ کروں گی۔''

...لک آفتاب نے پوچھا ''تم اپنے بیٹے کا خون معاف ...؟''

...وہاں کے انداز... میں سر ہلا کر بولی ''کرسکتی ہوں...... ...بھی طرح جانتے ہیں کہ میرا بیٹا جواد جب زندہ تھا تو میں ...پی بہو بنانا چاہتی تھی۔ آج بھی میری یہی خواہش ہے' ...ے بہو بنا کر اس کے سر پر مسلط رہنا چاہتی ہوں۔''

...آفتاب نے پوچھا ''آپ اسے بہو کیسے بنائیں گی؟ ...تو کوئی بیٹا نہیں ہے۔''

''میرا ایک بیٹا ہے۔ سگا نہیں ہے تو سوتیلا بھی نہیں ہے ...لے پالک بھی نہیں ہے۔ میرا اس سے زبان کا رشتہ ہے۔ ...ے بیٹے کی خالی جگہ پُر کر رہا ہے اور میں بہو کی خالی جگہ ...چاہتی ہوں۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''بات کچھ سمجھ میں آرہی ہے' آپ ...نی کو بہو بنا کر اپنے زیر اثر رکھنے کے لیے کسی کو بیٹا بنالیا ...''

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی ''جی ہاں۔ بالکل یہی بات ...یہ تو میں جانتی ہوں کہ آپ سب اس سلسلے میں میرا ...دیں گے۔ بات اسی اڑیل گھوڑے کی ہے۔ وہ قابو میں ...آئے گا۔ میرے منصوبے کو خاک میں ملانا چاہے گا۔ ...اسے سمجھائیں کہ مجھ سے سمجھوتا کرلے۔ میں اپنا مقدمہ ...لے لوں گی۔ ساری دشمنی بھول جاؤں گی۔ پھر ہم آپس ...چھے رشتے دار بن کر رہ سکتے ہیں۔''

''یہ تو اچھی بات ہے کہ ہم پھر سے ایک دوسرے کے ...دار بن کر رہیں۔ ہم ذیشان کو اس سلسلے میں سمجھانے کی ...ش کریں گے لیکن تم تو جانتی ہو کہ عینی کتنی خودسر ہے۔ وہ بالغ ...ہے۔ خود مختار ہے' صرف اپنی مرضی سے شادی کرے ...''

دردانہ نے بڑے فخر سے کہا ''آپ عینی کی فکر نہ کریں۔ ...ان کی فکر کریں کہ اسے کس طرح سمجھائیں گی۔ اگر وہ ...ی ہوگیا تو سمجھ لیں کہ مقدمہ بازی اور دشمنی ختم۔ میں آپ ...ویڈیو فلم بھی واپس کردوں گی اور آپ کو کبھی بلیک میل نہیں ...وں گی۔''

بیگم اور فلک آفتاب نے خوش ہوکر ایک دوسرے کو ...ھا۔ بابر نے کہا ''ایسی بات ہے تو ہم بھائی جان کو راضی ...نے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''میں اسے سمجھاؤں گی کہ تم سے ...ی مہنگی پڑے گی اس لیے اسے سمجھوتا کرنا چاہیے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''تم کہتی ہو کہ ہم عینی کی فکر نہ کریں۔ یعنی تم اسے راضی کرلو...گی' ہم صرف ذیشان کو راضی کریں؟''

''بے شک۔ میں یہی چاہتی ہوں۔ ذیشان راضی ہو جائے گا تو پھر عینی کو بہو بنانے میں رکاوٹ نہیں رہے گی۔''

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ عینی کو کس طرح راضی کریں گی؟ وہ تو اس ٹیکسی ڈرائیور پاشا جانی کی دیوانی ہے۔''

دردانہ نے مسکرا کر کہا ''میں کچی بازی نہیں کھیلتی۔ عینی پاشا کو پسند کرتی ہے۔ اسی سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ میں پاشا کو ہی اس کا دولہا بنا کر لاؤں گی۔''

''کیا......؟'' سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ فاتحانہ انداز میں مٹھی باندھ کر بولی ''پاشا میری مٹھی میں ہے۔ میری قید میں ہے۔ یہ بات صرف آپ تینوں کے درمیان ہے۔ کسی چوتھے کو علم نہ ہو۔ میں مناسب وقت پر ظاہر کروں گی کہ پاشا میرے زیر اثر رہنے لگا ہے۔ اور وہ میرا بیٹا بن کر رہے گا۔ اسی طرح عینی تمام عمر... بہو بن کر میرے قدموں میں پڑی رہے گی۔''

فلک آفتاب نے خوش ہوکر کہا ''پاشا کو آپ نے اپنا قیدی بنا کر رکھا ہے۔ پھر تو عینی اس سے شادی ضرور کرے گی اور آپ کی بہو بننے پر مجبور ہو جائے گی۔ اس طرح ہماری بات بھی بن جائے گی اور ہم پہلے سے زیادہ متحد ہو کر رہیں گے۔''

بیگم آفتاب نے پورے یقین سے کہا ''یوں سمجھو دردانہ کہ عینی تمہاری بہو بن چکی ہے۔''

دردانہ نے کہا ''آپ بھی یہ سمجھ لیں کہ ذیشان سے میری دشمنی ختم ہوچکی ہے۔ ہم دوبارہ آپس میں رشتے دار بن کر رہیں گے۔''

وہ تینوں مطمئن ہوگئے۔ بابر کو یہ اطمینان ہوگیا کہ اب دو کروڑ روپے حاصل ہو جائیں گے اور اس کی خبر ذیشان کو بھی نہیں ہوگی۔ فلک آفتاب کو اطمینان تھا کہ اس کی شریک حیات کو آئندہ بلیک میل نہیں کیا جائے گا۔ دردانہ محبت سے رشتے دار بن کر رہے گی اور بیگم آفتاب کو اطمینان تھا کہ اس کا بڑا بیٹا ذیشان' اس کا لخت جگر' آئندہ دردانہ کی دشمنی سے محفوظ رہے گا۔

بابر نے کہا ''دردانہ آنٹی! ہیروں کے سلسلے میں ایک الجھن سی ہے۔''

دردانہ نے پوچھا ''کیسی الجھن...... ؟''

''ان ہیروں کی چوری کی رپورٹ درج کروائی گئی ہے۔ ہم انہیں جہاں فروخت کرنے جائیں گے وہاں یہ اندیشہ رہے گا کہ سی آئی اے والے وہاں پہنچ جائیں گے۔''

فلک آفتاب نے بھی اثبات میں سر ہلا کر کہا ''ہاں۔ ذیشان بھی ہماری ٹوہ میں لگا رہتا ہے۔ اس کی نظروں سے بچ کر ان ہیروں کو فروخت کرنا آسان نہیں ہوگا۔''

وردانہ نے کہا ''آپ درست کہتے ہیں۔ چوری کے مال کو فروخت کرتے وقت بڑی دشواری پیش آتی ہیں۔ میں آپ کے لیے کچھ کرتی ہوں۔''

اس نے موبائل کے ذریعے شہباز درانی سے رابطہ کیا۔ وہ اپنے پرائیویٹ چیمبر میں تھا' اس نے کہا ''تم بہت مصروف ہو اور میں مداخلت کر رہی ہوں۔''

''کوئی بات نہیں میری جان! تم میرے ہر معاملے میں مداخلت کر سکتی ہو۔ بولو' کیا بات ہے؟''

''ہم نے جو ہیرے بیگم آفتاب کے حوالے کیے تھے' انہیں میں رکھنا چاہتی ہوں اور اس کے بدلے نقد دو کروڑ دینا چاہتی ہوں۔''

''نو پرابلم! میں ابھی کیشئر کو فون کرتا ہوں۔ وہ پندرہ منٹ کے اندر تمہارے سامنے دو کروڑ رکھ دے گا۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''واہ...... آئی لو یو!''

اس نے کہا ''آئی لو یو ٹو......''

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ فون بند کر کے بولی ''ابھی پندرہ منٹ کے اندر یہاں دو کروڑ روپے آ جائیں گے۔ آپ آج شام تک وہ ہیرے میرے پاس پہنچا دیں۔''

وہ تینوں خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ آفتاب نے وردانہ سے کہا ''تم ہم پر اتنا بھروسا کر رہی ہو کہ ہم نے ابھی ہیرے بھی نہیں دیئے اور ان کی پوری قیمت تم دے رہی ہو۔''

''میں یہ اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ مجھے دھوکا نہیں دیں گے۔ آپ لوگوں کی دکھتی ہوئی رگیں میری ایک چٹکی میں ہیں۔''

بیگم آفتاب کا سر جھک گیا۔ وہ تینوں اپنی اپنی تدبیر سے بہت کچھ پا رہے تھے اور بہت کچھ کھو رہے تھے۔ پھر بھی پانے کی خوشی زیادہ تھی۔

☆☆☆

طیارہ رن وے پر کھڑا ہوا تھا' مسافر سیڑھیوں سے اتر رہے تھے۔ ان میں ایک قیم شحیم قد آور شخص سیڑھیوں کی بلندی پر سب سے نمایاں دکھائی دے رہا تھا۔ سر کے بال اور چہرے پر ہلکی سی داڑھی مونچھیں سب ہی سنہری ہی اس کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا اور وہ بہترین تراش کا پہنے ہوئے تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو پہلی ہی نظر متاثر کر دیتے ہیں۔

وہ طیارے کی سیڑھی سے اترنے لگا۔ ایسا بھاری شخص تھا کہ اس کے قدموں کی دھمک سے سیڑھی کا ایک پائیدان لرز رہا تھا۔ اس کے آگے پیچھے اترنے والے بونے لگ رہے تھے' اس کے پیچھے آنے والے شخص ''میں دعوے سے کہتا ہوں' تم یہاں چند گھنٹوں کے اند لاکھ روپے کما لو گے۔''

وہ بے پروائی سے بولا ''اچھی بات ہے۔ کما لو اپنا راستہ لو۔''

وہ بونا شخص سیڑھی سے اتر کر اس کے ساتھ چلتے بولا ''تم میرے تعاون کے بغیر وہ دس لاکھ حاصل کر سکو گے۔ میری رہنمائی لازمی ہے۔''

وہ بڑی بے نیازی سے چلتا ہوا امیگریشن کاؤ آ گیا۔ وہاں تمام مسافر قطار میں کھڑے ہوئے تھے' نے کہا ''مجھے تھوڑا سا وقت دو' ہم یہاں سے ریسٹورنٹ جائیں گے۔ میں صرف پوائنٹ ٹو پوائنٹ بات کروں گا' ضائع نہیں کروں گا۔''

وہ آدھے گھنٹے بعد ائرپورٹ کے ریسٹورنٹ میں ہوئے تھے' بونے نے کہا ''میرا نام پبلو ماسٹر ہے۔''

''تمہارا نام ٹیلر ماسٹر بھی ہو سکتا ہے' کام کی بات کرو''

''سفر کے دوران میں تم میرے ساتھ بیٹھے ہوئے نیند کے وقت تمہاری سیدھی ہتھیلی میری آنکھوں کے سا پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے تمہارے ہاتھ کی لکیریں پڑھی ہیں''

''ہوں...... تو تم نجومی ہو؟''

''ایسا ویسا سڑک چھاپ نجومی نہیں ہوں۔ پور یورپ میں میرے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ یورپ کے کسی میں کسی شہر میں کسی علاقے میں جاؤ گے تو میرے نام کی سنائی دے گی۔''

قد آور شخص نے اپنی سیدھی ہتھیلی کو دیکھا۔ پبلو ماسٹر کہا ''تم بہت پراسرار ہو۔ کوئی تمہارے اندر گھس کر بھی تمہا اصلیت معلوم نہیں کر سکے گا لیکن تمہاری ہتھیلی ایک کھلی کتا ہے جسے صرف مجھ جیسا دنیا کا ایک آدھ نجومی ہی پڑھ ہے۔''

قد آور شخص نے اپنے سیاہ چشمے کو اتارا پھر میز پر جھک اسے گھور کر دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا ''تم نے کیا ہے؟''

وہ گہری سنجیدگی سے بولا ''تم بے رحم' سفاک قاتل ہو۔ تمہارا راز جان لیتا ہے' اسے تم زندہ نہیں چھوڑتے۔ یہ معلوم ہوتے ہی پہلے میں نے اپنی زندگی کی لکیر توجہ سے دیکھی۔ یقین کیا کہ میری جان کو خطرہ نہیں ہے اور یہ بھی معلوم کیا کہ ہم ایک دوسرے کے تعاون سے کئی معاملات میں کامیابیاں حاصل کر سکیں گے اس لیے تمہارے سامنے بیٹھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔''

وہ غرانے کے انداز میں بولا ''تو بولتا بہت ہے' میرے سامنے صرف میری بات کر...... تو نے کیا پڑھا ہے؟''

''میں نے ابھی بتایا ہے' تم ایک بے رحم سفاک قاتل ہو۔ بڑی بڑی رقمیں لے کر کسی کو بھی ٹھکانے لگا دیتے ہو۔ اگرچہ مجرمانہ زندگی گزار رہے ہو تاہم دل کے بہت اچھے ہو۔ تم نے کسی بے گناہ کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ ہوس پرست نہیں ہو۔ تم دنیا کے تمام بچوں سے پیار کرتے ہو۔ ایسی خصوصیات مجرموں میں نہیں ہوتیں۔ تم جرم کرتے ہو لیکن مجرم نہیں ہو کیونکہ صرف مجرموں کے خلاف واردات کرتے ہو۔''

وہ قد آور شخص اس کی سیدھی اور سچی باتیں سن کر ذرا نرم پڑ گیا۔ اثبات میں سر ہلا کر بولا ''واقعی' تمہارے ہاتھ کی لکیر نے درست کہا ہے' تم زندہ رہو گے لیکن میری نگرانی میں رہا کرو گے۔ میں معلوم کرتا رہوں گا کہ تم کون ہو اور یورپ سے یہاں کیوں آئے ہو؟''

''کیا تم مجھے پابندیوں میں رکھو گے؟''

''نہیں' اس شہر میں آزاد رہو گے' مجھ سے فون پر رابطہ رکھو گے۔ مجھے اطلاع دیے بغیر شہر سے باہر جاؤ گے تو حرام موت مارے جاؤ گے۔''

اس قد آور شخص نے موبائل فون پر نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگا کر کہا ''کیا مجھ سے بات کرنے والے کو دیکھ رہے ہو؟''

اس نے دوسری طرف کی بات سنی پھر کہا ''اپنے آدمیوں سے کہہ دو' یہ ہماری نگرانی میں رہا کرے گا۔''

پھر اس نے پبلو ماسٹر سے پوچھا ''تمہارا قیام کہاں ہوگا؟''

''پرل میں میرے لیے ایک کمرا بک ہو چکا ہے۔''

''کس مقصد سے یہاں آئے ہو؟''

''میں ایک اسائنمنٹ پر آیا ہوں۔ تم اپنے ذاتی معاملات کسی سے شیئر نہیں کرتے' اسی طرح مجھ سے میرے ذاتی معاملات کے بارے میں کوئی سوال نہ کرو۔ یہ میری التجا ہے۔ پلیز!''

''ٹھیک ہے' میں تمہارے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کروں گا۔ ہوٹل میں میرا ایک آدمی تمہارے پاس آئے گا' تم اپنا پاسپورٹ اور ویزا کے کاغذات اس کے حوالے کر دو گے۔''

''میں مشکل میں پڑ جاؤں گا کسی بھی وقت پولیس والے میرے اہم کاغذات طلب کر سکتے ہیں۔''

''ایسی صورت میں کاغذات تمہارے پاس پہنچ جایا کریں گے۔''

وہ بے بسی سے اس کا منہ تکنے لگا پھر مایوسی سے بولا ''میں کچھ توقعات لے کر تمہارے پاس آیا تھا مگر افسوس......!''

''افسوس نہ کرو' تم میرے سامنے دس لاکھ کا چارا ڈالنے آئے تھے۔ اگر منافع کی بات ہے تو تمہیں حصہ ضرور ملے گا۔''

''میں نہ حصہ لوں گا' نہ کمیشن لوں گا۔ جس پارٹی کا کام کرنے آیا ہوں' اس سے مجھے تگڑی رقم ملے گی' اس میں سے تمہیں دس لاکھ ادا کر دوں گا۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر پوچھا ''کام کیا ہے؟''

''میں ایک شخص کے ہاتھوں کی لکیریں پڑھنا چاہتا ہوں' اس طرح کہ اسے خبر نہ ہو۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ نیند کی حالت میں رہے اور تم ہاتھ کی لکیریں پڑھ لو۔''

''مجھے اس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ شخص ایک بہت ہی دولت مند تاجر ہے۔ علم نجوم میں غیر معمولی مہارت رکھتا ہے اس کے بارے میں یہ یقین کی حد تک شبہ ہے کہ وہ پراسرار علوم جانتا ہے۔ وہ ایک کاروباری اور گھریلو زندگی گزار رہا ہے۔ گھر سے باہر اس کا نہ کوئی دوست ہے' نہ وہ کسی محفل یا تقریب میں دیکھا جاتا ہے۔''

''کیا اس کے قریب پہنچنے کا مسئلہ ہے؟''

''مسئلہ ہی مسئلہ ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس کی نگرانی کی جائے یا اس کا تعاقب کیا جائے تو اسے خبر ہو جاتی ہے۔ اس طرح یہ اندازہ لگایا جا رہا ہے کہ وہ پراسرار علم جانتا ہے۔''

''میں کسی پراسرار علم کو نہیں مانتا۔ میں ایک زبردست جادوگر کو ٹھکانے لگا چکا ہوں۔ تم اس شخص کا نام اور پتا بتاؤ۔''

''اس کا نام مقدر حیات ہے' آج مجھے اس کا پتا اور فون نمبر بتایا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میرا فون نمبر نوٹ کر لو اور اس کے بارے میں تمام تفصیلات معلوم کرنے کے بعد مجھے فون پر بتاؤ۔''

"اس نے اپنا فون نمبر نوٹ کرایا پبلو ماسٹر کے نمبر کو اپنے موبائل فون میں فیڈ کیا پھر اس سے پوچھا "ہوٹل کا روم نمبر بتاؤ۔"

"ون زیرو نائن۔ (One Zero Nine)۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر مصافحہ کرتے ہوئے بولا "اب تم جاسکتے ہو۔"

پبلو ماسٹر نے اٹھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا "تمہارے ہاتھ کی لکیروں نے بتایا ہے کہ اپنے معاملات میں دیانت دار رہتے ہو' میں تم سے دھوکا نہیں کھاؤں گا۔ ہم آئندہ بھی ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں۔"

وہ مصافحہ کرکے جانے لگا اور وہ قد آور شخص اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب نظروں سے اوجھل ہوگیا تو اس نے موبائل فون پر کوئی نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ذیشان کی آواز سنائی دی' وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ سیلیوٹ مار کر بولا "سر! آپ کی خدمت میں بچھو بابا حاضر ہے۔"

ذیشان نے پوچھا "کہاں ہو تم؟"

"سر' میں ائر پورٹ پر ہوں۔ آپ نے روبرو ملاقات کرنے سے منع کیا ہے۔ جبکہ ملاقات بہت ضروری ہے۔ میں آپ کے موجودہ تمام حالات کو سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں سمجھادوں گا' فی الحال اس بات کا خیال رکھو کہ یہاں تمہیں کوئی نہ پہچانے۔ اس شہر میں سی آئی اے کا ایک افسر اور پولیس کے دو افسران تمہیں پہچانتے ہیں۔"

"سر! آپ فکر نہ کریں' بچھو بابا پوری تیاری سے آیا ہے۔ میرا حلیہ بالکل بدل چکا ہے' آپ بھی دیکھیں گے تو پہچان نہیں سکیں گے۔"

"پھر بھی ہماری ملاقات بہت رازداری سے ہوگی۔ دشمن بہت ہی چالاک اور شہ زور ہے۔ مجھے قانونی شکنجے میں لے رہا ہے۔ اس کا توڑ صرف ایک ہی ہے کہ اس کی طاقت کو توڑنا اور اسے کمزور بنانا ہوگا۔"

"نو پرابلم سر! آپ اس کا نام' پتا اور حلیہ بتائیں۔"

"اس کا نام شہباز درانی ہے۔ وہ سیاست کا بہت بڑا کھلاڑی ہے۔ صرف اپنی معشوق دردانہ کو خوش کرنے کے لیے میرے خلاف قانونی کارروائیاں کررہا ہے۔ مجھ پر کئی قتل کے الزامات درج کراچکا ہے اور میرے خلاف ٹھوس ثبوت اور گواہوں کو خرید رہا ہے۔"

"اس کم بخت کی شامت آگئی ہے۔"

"بچھو بابا! دشمن کو کمزور نہ سمجھو' تم شہباز درانی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ جس ملک میں جاتا ہے' وہاں کے حکمرانوں کو اپنی انگلیوں پر نچاتا ہے۔ اس سے تم اس کی طاقت اور وسیع اختیارات کا اندازہ لگاسکتے ہو۔"

"پھر تو وہ واقعی پہاڑ ہے' اس سے ٹکرانے میں مزہ آئے گا۔"

"مجھے ایک بہت ہی ماہر نجومی نے کہا ہے کہ میں شہباز کی کسی کمزوری سے کھیلوں گا تو کامیابی حاصل ہوسکے گی۔"

"تعجب ہے' ابھی ابھی ایک نجومی مجھ سے بھی ٹکرایا تھا' میری ہاتھ کی لکیریں دیکھنے کے بعد ایسی سچی باتیں بتا رہا تھا کہ میں حیران رہ گیا۔ میں آپ کے تعاون سے اس کے بارے میں کچھ معلوم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں کس طرح تعاون کرسکتا ہوں؟"

"اس کا نام پبلو ماسٹر ہے۔ وہ پرل ہوٹل کے کمرا نمبر ون زیرو نائن میں رہے گا' میں چاہتا ہوں کہ اس کی ہر فون کال کو ٹیپ کیا جائے۔ اس طرح میں اس کے خفیہ معاملات تک پہنچ سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے' اس کی تمام کالیں ٹیپ ہوتی رہیں گی۔"

"سر! آپ کے نجومی نے جب یہ کہا ہے کہ دشمن کی کمزوری سے کھیلنا چاہیے تو مجھے بتائیں' کیا آپ اس کی کچھ کمزوریاں جانتے ہیں؟"

"ہاں' جانتا ہوں۔ تم سے روبرو ملاقات ہوگی تو اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو ہوگی۔"

"سر! ہماری ملاقات کہاں ہوگی اور کیسے ہوگی؟"

"میں آج شام چھ بجے اپنے دفتر سے پولیس وین میں بیٹھ کر گھر کی طرف جاؤں گا۔ ڈیفنس فیز ٹو کے سگنل سے پہلے اس پولیس وین میں کوئی خرابی پیدا ہوجائے گی۔ اسے روک دیا جائے گا اور اس کی خرابی دور کرنے کی کوششیں کی جائیں گی۔ اتنے میں تم ٹیکسی لے کر ادھر سے گزرو گے' ایک ہارن بجاؤ گے۔ میں سمجھ لوں گا کہ تم آرہے ہو۔ میں ہاتھ کے اشارے سے ٹیکسی روکوں گا تو تم آکر رک جاؤ گے اور میں تمہاری اس ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں سے چل پڑوں گا۔"

"اچھا آئیڈیا ہے۔ کسی کو شبہ نہیں ہوگا کہ ہم اس رازداری سے مل رہے ہیں۔ آل رائٹ سر! میں ٹیکسی لے کر وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

ذیشان نے رابطہ ختم کردیا۔ وہ اپنے دفتری کمرے میں بیٹھا ہوا موبائل فون کے ذریعے بچھو بابا سے باتیں کررہا تھا۔ دردانہ کی نت نئی چالیں اسے پریشان کررہی تھیں۔ اب اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ اس کے ممی اور ڈیڈی اس مکار عورت کے گھر

...ے ہوئے ہیں اور چھوٹا بھائی بابر بھی ان کے ساتھ ہے۔

...یہ بات سمجھ سے باہر تھی کہ ماں باپ ایسی عورت سے ...تی کیوں کررہے ہیں جو ان کے بیٹے کو پھانسی کے پھندے ...ک پہنچانا چاہتی ہے۔

اس نے فون کے ذریعے تصدیق کی تھی کہ وہ تینوں ...ردانہ کی کوٹھی میں موجود ہیں اور اس بات کی تصدیق ہوتے ...اس نے فون بند کردیا تھا اور یہ طے کرلیا تھا کہ آج رات ...ھر کی چاردیواری میں ان تینوں کا محاسبہ کرے گا۔

وہ پولیس والا تھا' شبہ کرنا اس کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ ...نے ماں باپ پر بھی شبہ کرتا تھا۔ یہ بات اسے کھٹک رہی تھی ...کہ بیگم آفتاب نمرہ کے ساتھ لندن کیوں نہیں گئیں۔ اس نے ...ٹوا ہونے والی جو کہانی سنائی' وہ من گھڑت لگ رہی تھی۔ اس ...کے ممی اور ڈیڈی اپنے چھوٹے بیٹے بابر کو کسی بھی معاملے میں ...رازدار بنا لیتے تھے لیکن اپنے بڑے بیٹے کی پولیس افسری سے ...رتے تھے اور اس سے بہت سی باتیں چھپاتے رہتے تھے۔

...آئندہ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس سے کیا چھپایا جارہا ہے؟

دروازے پر دستک ہوئی' اس نے کہا "کم ان۔"

دروازہ کھلا' بہار کا ایک جھونکا سا آیا۔ پرفیوم کی مہک نے ذہن کو معطر کردیا۔ کھلے ہوئے دروازے پر گل خانم سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا "آؤ' اندر آجاؤ۔"

پہلے اس کے ماتحت آکر اطلاع دیا کرتے تھے کہ گل خانم ملنا چاہتی ہیں' اب وہ براہ راست اس کے کمرے میں چلی آتی تھی۔ اور جب وہ آتی تھی' ذیشان کرسی پر بیٹھا رہتا تھا۔ اب وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ ادھر سے بھی کچھ بے تکلفی تھی' ادھر سے بھی استقبال کرنے کا انداز بدل گیا تھا۔

پہلے وہ اندر آکر میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھ جایا کرتی تھی' آج وہ صوفے پر آکر بیٹھ گئی تھی۔ ذیشان نے اسی صوفے پر سے اٹھا کر اسے اسپتال پہنچایا تھا اور پھر اسپتال سے اس کے بیڈ روم تک پہنچ گیا تھا۔

وہ اس کے قریب دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "میں نے دو بار تم سے فون پر رابطہ کرنا چاہا لیکن ہمیشہ تمہارا فون بند تھا' بات کیا ہے؟"

گل خانم نے اسے بڑی محبت اور بڑی حسرت سے دیکھا پھر نظریں چراتے ہوئے کہا "بس یونہی بند کردیا ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔ یاور خان تمہیں پریشان کرتا رہتا ہے اس لیے تمہیں فون بند رکھنا پڑتا ہے۔"

اس نے انکار میں سر ہلایا "یہ بات نہیں ہے۔ میری گورنس تو یاور خان کی آواز سنتے ہی فون بند کردیتی ہے۔"

اس نے تعجب سے پوچھا "تو پھر فون بند کیوں رکھتی ہو؟"

وہ فوراً ہی جواب نہ دے سکی' صوفے پر پہلو بدلنے لگی۔

ذیشان اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا' اس نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟"

وہ اپنے ناخن سے کھیلتی ہوئی بولی "وہ..... وہ میں نہیں چاہتی' آپ مجھ سے فون پر باتیں کریں۔"

"اس کا مطلب ہے تم مجھ سے کترا رہی ہو؟"

"آپ سمجھ دار ہیں' آپ کو سمجھنا چاہیے۔ یوں باتوں سے کیا حاصل ہوگا' آپ کی اور میری ان ملاقاتوں کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ میں مفت میں بدنام ہوتی رہوں گی اور جس منزل تک پہنچنا چاہتی ہوں' وہاں تک کبھی نہیں پہنچ پاؤں گی۔"

"تم اپنی منزل ضرور پاؤ گی۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تم سے شادی کروں گا پھر تم......"

وہ ہاتھ اٹھا کر بولی "بس' بس! اس سے آگے کچھ نہ بولیں۔ میں عورت ہوں' میرے سینے میں دل ہے۔ میرے احساسات ہیں' میرے اپنے جذبات ہیں۔ میں طلاق کی گالی بار بار سننا نہیں چاہتی۔"

ذیشان کا سر جھک گیا۔ وہ گل خانم کو چاہتا تھا لیکن ہمیشہ کے لیے اپنی شریک حیات نہیں بنا سکتا تھا۔ وہ اسما کی جگہ کسی کو نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے گل خانم سے کہہ دیا تھا کہ وہ صرف بچے کی خاطر اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اس کے بعد اسے طلاق دے دے گا تاکہ وہ اپنے سابقہ شوہر سے رجوع کرسکے۔

گل خانم کے نقطۂ نظر سے یہ بات غلط تھی۔ وہ اب دوسری شادی کرنے کے بعد اپنے شوہر کو ہمیشہ کے لیے قبول کرنا چاہتی تھی لیکن دل بڑا بے ایمان ہوتا ہے۔ وہ بھی ذیشان کی طرح اس پر مرمٹی تھی۔ اس کے ساتھ آخری سانس تک ازدواجی زندگی گزارنا چاہتی تھی۔

ذیشان کی اس بات نے اس کا دل توڑ دیا تھا کہ وہ محض ایک بچے کی خاطر اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا' اس نے کہا "انسان محبت سے مجبور ہوتا ہے یا ضرورت سے مجبور ہوجاتا ہے۔ تم یقین نہیں کروگی' میرے ساتھ دونوں ہی باتیں ہیں۔ مجھے تم سے محبت ہے اور تمہاری ضرورت بھی ہے لیکن میں اسما پر ہمیشہ کے لیے کسی سوکن کو مسلط کرنا نہیں چاہتا۔"

پھر وہ ایک ذرا توقف سے بولا "تم میری یہ بات سن کر

اپنی توہین محسوس نہ کرو۔ یہ نہ سوچو کہ میں تمہیں کمتر سمجھ رہا ہوں۔ میری جگہ بیٹھ کر سوچو' اسما ایک وفا شعار بیوی ہے' بہت محبت کرتی ہے۔ بعض میاں بیوی کی محبتیں مثالی ہوتی ہیں۔ ہم ایسے ہی میاں بیوی میں سے ایک ہیں۔"

"میں یہی کہنا چاہتی ہوں۔ میں آپ کے اور اسما کے درمیان کبھی نہیں آؤں گی۔"

"تم دوبارہ کسی سے طلاق لینا نہیں چاہتیں اور یادر خان کی طرف واپس جانا نہیں چاہتیں پھر تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ مجھ جیسے کسی غرض مند سے شادی نہ کرو۔ تم اتنی اچھی ہو کہ کتنے ہی چاہنے والے تمہاری زندگی میں آئیں گے۔ تم ان میں سے کسی کا انتخاب کر کے ساری عمر اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارو۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں' میں کسی سے شادی نہیں کروں گی۔ کبھی نہیں کروں گی۔"

اس نے دوپٹے سے منہ چھپالیا' اپنے آنسو چھپانے لگی۔ وہ دونوں تھوڑی دیر تک خاموش رہے پھر ذیشان نے کہا "میں نے اپنی محبت کا کھل کر اظہار کیا ہے کہ میں تمہیں دل سے چاہتا ہوں۔ میری زندگی میں اسما کے علاوہ کوئی لڑکی نہیں آئی تھی۔ یہ صرف تم ہو جو میرے اندر آ کر بیٹھ گئی ہو۔"

اس نے اسے سر اٹھا کر دیکھا' وہ بولا "لیکن تم اپنے دل کی بات مجھ سے چھپا رہی ہو۔ یہ کھل کر نہیں کہتیں کہ مجھے دل سے چاہنے لگی ہو۔"

وہ تھوڑی دیر چپ رہی پھر بولی "میں یادر خان کی وجہ سے آئی ہوں۔ تھوڑی دیر کے لیے فون کھلا رکھا تھا' ایک پی سی او سے کسی نے فون پر اطلاع دی کہ یادر خان کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔"

"اور تم پھر اس کی سفارش کرنے چلی آئیں؟" وہ خاموش رہی۔

وہ اس کی طرف جھک کر بولا "تم کیا ہو گل خانم! اس سے بیزار رہتی ہو۔ حلالہ کے مرحلے سے گزر کر دوبارہ اس کے پاس جانا نہیں چاہتیں' لیکن اس کی سلامتی کے لیے دن رات دوڑتی رہتی ہو۔ تمہیں مجھ سے بھی شکایتیں ہیں' میری محبت کا یہ انداز تمہیں پسند نہیں آیا کہ میں تم سے عارضی شادی کرنا چاہتا ہوں' اس کے باوجود تم میری طرف کھنچی چلی آتی ہو۔ میں نہیں مانوں گا کہ تم صرف یادر خان کی وجہ سے یہاں آئی ہو۔"

وہ چپ رہی' کچھ بول نہ سکی۔ دو میں سے کوئی ایک بات سچ تھی۔ یا تو وہ یادر خان کی رہائی کے لیے آئی تھی یا پھر اس بہانے ذیشان سے ملنے' اسے دیکھنے اور قربت کی آنچ محسوس کرنے آئی ہے۔ اس نے چور نظروں سے ذیشان کو دی[illegible] اس سے نظریں ملیں تو وہ فوراً ہی دوسری طرف منہ کر کے

"وہ بڑا ڈھیٹ ہے۔ میری طلب سے باز نہیں آئے گا۔ فون کرتا رہے گا' کبھی گھر کی طرف دوڑتا رہے گا۔ آپ ا[illegible] کب تک سزائیں دیتے رہیں گے؟"

"اس بار میں اسے شہر بدر کردوں گا۔ تمام پ[illegible] اسٹیشنوں میں اس کی تصویر لگوادوں گا۔ وہ جب بھی شہ[illegible] داخل ہوگا' گرفتار کرلیا جائے گا۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی "یہ مناسب رہے گا۔ اسے شہر سے باہر بھیج دیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ فون پر پر[illegible] کرے گا' یہاں رہ کر میرا پیچھا تو نہیں کرے گا۔ مجھے بد[illegible] نہیں کرے گا۔"

"اس کی اچھی خاصی پٹائی ہو چکی ہے۔ اب شاید آجائے۔ میں اسے یہاں بلا رہا ہوں۔ اسے وارننگ د[illegible] پولیس کے ذریعے اسے یہاں سے حیدرآباد بھجوا کر وہا[illegible] پولیس کے حوالے کرادوں گا۔ پھر وہاں کی پولیس اسے نہیں آنے دے گی۔"

"اس کو یہاں بلوا رہے ہیں مگر میں اس کا سامنا نہیں چاہتی۔"

"ٹھیک ہے۔ تم ساتھ والے کمرے میں چلی جاؤ۔ وہ چلا جائے تو یہاں چلی آنا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنی میز پر آیا اور انٹرکام پر [illegible]

"یادر خان کو یہاں لے آؤ۔"

وہ صوفے سے اٹھ کر ساتھ والے ریکارڈ روم میں [illegible] یادر خان کی اس قدر پٹائی ہوئی تھی کہ دو سپاہی اسے دو[illegible] سے پکڑ کر لائے تھے۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے نہیں رہا تھا۔ ذیشان نے اسے حقارت سے دیکھا پھر سپا[illegible] سے کہا "اسے یہاں چھوڑ جاؤ۔"

انہوں نے اسے فرش پر بٹھا دیا۔ وہ دونوں ہاتھ ف[illegible] بیٹھ گیا۔ اس قدر کمزور اور بے جان ہو رہا تھا کہ سہارے بغیر بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ گل خانم دوسرے کمرے دروازے کے پیچھے چھپی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔ ا[illegible] حالت دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور ہمدرد[illegible] محبت کے جذبوں سے اس کا دل تڑپنے لگا۔

ذیشان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے حقارت سے [illegible] ہوئے کہا "دیکھو تم کس طرح زمین پر بیٹھے ہوئے ہو[illegible] طرح فٹ پاتھ پر بیٹھے رہو گے تو تمہیں بھیک ملتی رہے[illegible] اسی قابل ہو کہ تمہیں اپاہج بنا کر فٹ پاتھ پر پھینک[illegible]

[illegible]" ذرا توقف کے بعد وہ بولا "میں نے تمہیں ایک نہیں [illegible] بار وارننگ دی مگر تم انسان نہیں پاگل کتے لگتے ہو کہ کوئی [illegible]ہیں سمجھتے۔"

وہ ہانپتے ہوئے کمزور سے لہجے میں بولا "صاحب......! ......پاگل کتا...... ہوں تو پھر...... آپ...... آپ کیا [illegible]آپ بھی تو...... گل خانم...... کے پیچھے......"

وہ گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے بولا "پاگل ہو رہے ...... ہم دونوں...... پاگل کتے ہیں......"

ذیشان ایک دم سے بھنا گیا' پلٹ کر اسے لات مارنا [illegible]تھا' اچانک خیال آیا' ساتھ والے کمرے میں گل خانم [illegible]۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا "شٹ اپ! تم میں اور مجھ میں [illegible]ن آسمان کا فرق ہے۔ تم اپنی حرکتوں سے اسے بدنام [illegible]رہے ہو۔ وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔ میں [illegible] تحفظ دے رہا ہوں۔ تمہارے جیسے پاگل کتے سے دور [illegible] رہا ہوں۔"

"تم...... بہت بڑے...... افسر ہو مگر...... میں تم سے اب [illegible]ڈروں گا۔"

وہ ہانپنے لگا۔ کہنے لگا "مجھے دور کر کے اس کے قریب [illegible]تے جا رہے ہو۔ دن رات اس کے ساتھ رہتے ہو۔"

وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو کر ہانپنے لگا پھر بولا "تم [illegible] اس لیے سزا دے رہے ہو کہ میں اس کے قریب جانا چاہتا [illegible] مگر تمہیں کون سزا دے گا؟ تم کس رشتے سے اس کے [illegible]تھ رہتے ہو؟ کس رشتے سے تم رات کے دو بجے تک اس [illegible] ساتھ منہ کالا کرتے رہے؟"

اس کی یہ بات برداشت سے باہر ہو گئی تھی۔ ذیشان نے [illegible]ھوم کر اس کے منہ پر لات ماری۔ وہ پیچھے کی طرف الٹ گیا' [illegible]کلیف سے کراہنے اور تڑپنے لگا۔

وہ ایک دم سے تڑپ گئی۔ چیختی ہوئی دوڑتی ہوئی کمرے [illegible] نکل کر یادر خان کے پاس آئی پھر فرش پر گر کر اس سے [illegible]ٹ گئی۔ اسے دونوں بانہوں میں سمیٹ کر گلے لگانے لگی۔ [illegible] کے سر کو اس کے پیٹ کو سہلاتے ہوئے۔ کہنے لگی "تم [illegible]ب پولیس والے ایک جیسے ہو۔ قصائی ہو' درندے ہو۔ کیا [illegible] کو اس طرح مارا جاتا ہے؟"

وہ اس کی طرف ایک قدم آگے بڑھ کر بولا "کیوں چیخ [illegible]ہی ہو؟ کیا تم نے سنا نہیں' وہ تمہارا منہ کالا ہونے کی بات [illegible] کر رہا تھا۔ ہمیں گنہگار کہہ رہا تھا؟"

وہ روتے ہوئے بولی "اس نے کیا غلط کہا ہے۔ کیا آپ [illegible]بند کمرے میں رات دو بجے تک میرے ساتھ نہیں تھے؟ کیا آپ دنیا والوں کو یقین دلاسکیں گے کہ ہم پارسا ہیں؟"

پھر وہ یادر خان کو بڑی ہمدردی سے دیکھتے ہوئے بولی "اسے دیکھیں' کیا حالت بنادی ہے۔ صورت پہچانی نہیں جاتی ہے۔ کیا ایسا ظلم کیا جاتا ہے؟"

وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ وہ اس کی پیشانی پر ہونٹ رکھتے ہوئے بولی "یادر! آنکھیں کھولو' دیکھو...... یہ میں ہوں' میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گی۔ کوئی تم پر ظلم نہیں کر سکے گا۔"

وہ اسے جھنجوڑ کر آوازیں دینے لگی پھر گھبرا کر بولی "یہ کچھ نہیں بول رہا ہے۔ پلیز' دیکھیں اسے کیا ہو گیا ہے؟ ڈاکٹر کو بلائیں...... خدا کے لیے ڈاکٹر کو بلائیں۔"

وہ آہستگی سے اسے فرش پر لٹا کر اٹھ گئی۔ ذیشان کے پاس آ کر اس کا ہاتھ تھام کر التجا کرنے لگی۔ وہ اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے بولا "تم فکر نہ کرو' ابھی ڈاکٹر آجائے گا۔ میں دیکھ رہا ہوں' اس کی سانسیں چل رہی ہیں' اسے کچھ نہیں ہوگا۔"

اس نے میز کے پاس آ کر انٹرکام کے ذریعے اپنے ماتحت سپاہیوں کو بلایا' فوراً ہی وہ سب اندر چلے آئے' اس نے پوچھا "اس پر ٹارچر کرتے وقت ڈاکٹر کو یہاں بلایا گیا تھا؟"

"یس سر! وہ بیٹھا ہوا ہے۔"

"اسے اٹھا کر لے جاؤ۔ ڈاکٹر سے کہو فوراً اس کا معائنہ کرے۔ اب اس پر کوئی ظلم نہیں ہونا چاہیے۔ میں ابھی آرہا ہوں۔"

سپاہی اسے اٹھا کر لے جانے لگے۔ گل خانم بھی اس کے پیچھے جانے لگی۔ ذیشان نے اسے آواز دی "گل......!"

اس نے دروازے پر رک کر پلٹ کر اسے دیکھا پھر منہ

پھیر کر چلی گئی۔ وہ بند دروازے کی طرف دیکھ کر سوچنے لگا ''یہ عورت بھی کیا چیز ہے؟ سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟ اس کا دل سمندر سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ اس گہرائی میں وہ اپنی محبتیں چھپا کر رکھتی ہے۔ اوپر سے بےزاری ظاہر کرتی ہے' اس سے دور ہو جانا چاہتی ہے لیکن اس پر ذرا سی آنچ آئے تو اس سے لپٹ کر رونے بھی لگتی ہے۔ وہ اس کے ساتھ آئندہ ازدواجی زندگی گزارنا نہیں چاہتی تھی' اس سے نفرت ظاہر کر رہی تھی مگر اسے گلے بھی لگا رہی تھی۔''

گل خانم کی یہ بات اسے پتھر کی طرح لگی تھی کہ جو غلطی یاور خان کر رہا ہے' وہ ذیشان بھی کر چکا ہے۔ وہ مطلقہ تھی' نامحرم تھی۔ جب اس کا سابقہ شوہر اس کی تنہائی میں نہیں آ سکتا تھا تو ذیشان کیوں چلا گیا تھا۔ کیوں رات دو بجے تک اس کے کمرے میں رہا تھا۔ اگر یاور خان کو ایسی غلطی کی سزا دی جا رہی تھی تو پھر اس پولیس افسر کو بھی سزا ملنی چاہیے تھی۔

وہ اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے ماتحت کو بلا کر پوچھا ''کیا وہ ہوش میں آ گیا؟''

''یس سر! ہوش میں تو آ چکا ہے مگر حالت بہت خراب ہے۔ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ آپ کو بدنام کر رہا ہے۔''

''ہوں...... ایسی حالت میں اسے رہا کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ گل خانم اسے جس اسپتال میں بھی لے جائے گی' وہ وہاں بھی ایسی ہی بکواس کرے گا۔''

''سر! علاج بھی بہت ضروری ہے' ورنہ وہ مر جائے گا۔''

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا پھر جھنجلا کر بولا ''تم لوگ بھی حد کرتے ہو' اسے اس قدر ٹارچر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''سر! وہ ہمیں بھی گالیاں دے رہا تھا۔ طیش دلا رہا تھا۔ اس لیے ہمارا ہاتھ کچھ بھاری پڑ گیا۔''

''اسے حوالات میں رکھنا ہوگا' یہیں علاج کرانا ہوگا۔ جب تک کہ اس کے زخم نہ بھریں' اسے یہاں سے باہر نہ جانے دو۔ کسی کو یہ خبر نہ ہونے دو کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا ہے۔ پریس والے ہمارے خلاف لکھنے کے لیے ایک ٹانگ پر کھڑے رہتے ہیں۔ ان کے کانوں میں اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔''

''سر! ہم تو یہ بات چھپالیں گے لیکن میڈم' پرابلم بن جائیں گی۔''

وہ درست کہہ رہا تھا۔ ذیشان نے ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ وہ یاور خان کے سلسلے میں کس قدر جذباتی ہو گئی تھی۔

وہ سر ہلا کر بولا ''ہوں...... میں اسے سمجھاؤں گا۔ پہلے تم ڈاکٹر کو یہاں لے آؤ۔''

وہ حکم کی تعمیل کے لیے گیا پھر تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر کے ساتھ اندر آیا۔ ذیشان نے پوچھا ''کیا اس کی حالت بہت تشویشناک ہے؟''

ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''سر! میں نے ان لوگوں کو سمجھایا تھا کہ اب بس کریں' زیادہ ٹارچر نہ کریں۔ میں نے اس کی نبض دیکھی تھی۔ دل کی دھڑکنوں کو چیک کیا لیکن میرے منع کرنے کے باوجود اس پر تشدد کیا جاتا رہا''

ذیشان نے گھور کر ماتحت کو دیکھا پھر ڈاکٹر سے کہا ''جو ہونا تھا' وہ ہو چکا۔ اب یہ بتاؤ اس کی حالت کیسی ہے؟''

''وہ ہوش میں آ گیا ہے لیکن اپنے حواس میں نہیں لگتا ہے۔ وہ اپنے حواس کھو چکا ہے۔ اس کا باقاعدہ علاج ہوا تو وہ ایب نارمل ہو سکتا ہے۔''

ذیشان نے کہا ''آپ اسے مسلسل اٹینڈ کریں اور کوشش کریں کہ اس کے زخم جلد سے جلد بھر جائیں اور اس کے حواس بجا ہوتے رہیں۔ آپ کسی طرح جلد سے جلد یہ دو کام حاصل کر لیں' اس کے بعد ہمیں کسی کی طرف سے اندیشہ نہیں رہے گا۔ اب جا سکتے ہیں۔''

ڈاکٹر وہاں سے چلا گیا۔ اس نے ماتحت سے کہا ''گل خانم کو یہاں بھیج دو۔''

وہ ماتحت بھی چلا گیا۔ ذیشان سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یاور خان کو ٹارچر کرنے سے بات اتنی بڑھ جائے گی۔ اس سے پہلے بھی بچھو بابا نے جواد کو ٹارچر کیا تھا۔ وہ بھی اسے برداشت نہ کر سکا' اسپتال پہنچ کر مر گیا تھا۔ ڈاکٹر نے یاور کے بارے میں کوئی ایسی تشویش ظاہر نہیں کی تھی لیکن یہ بات تشویشناک تھی کہ وہ اپنا ذہنی توازن کھو سکتا ہے۔

ایسا ہوا تو گل خانم اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکتی تھی۔ آج اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ یاور خان سے بیزار ہونے کے باوجود اسے دیوانہ وار چاہتی ہے اور شاید اس کی خاطر ذیشان کے خلاف کچھ بھی کر سکتی ہے۔

دروازے پر دستک سنائی دی تو اس نے کہا ''آ جاؤ''

گل خانم دروازہ کھول کر اندر آئی' اسے گھور کر دیکھا پھر بولی ''آپ یہاں منہ چھپائے کیوں بیٹھے ہیں۔ آئیں ذرا یاور خان کی حالت دیکھیں۔ کیا اس کا جرم اتنا بھیانک تھا کہ آپ اسے موت کی سزا دے رہے تھے؟''

''گل خانم! ایسی کوئی بات نہیں تھی۔''

''ایسی ہی بات تھی' آپ یہ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ یاور خان غیرت مند ہے۔ اگر میں آپ سے شادی کے لیے راضی ہو جاؤں گی تب بھی وہ شادی نہیں ہونے دے گا۔ مجھے آپ کی تنہائی میں نہیں آنے دے گا۔ اس لیے آپ راستے کا کانٹا صاف کرنا چاہتے تھے۔''

وہ میز پر گھونسا مار کر بولا ''تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔''

وہ بھی کڑک کر بولی ''آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ آپ نے یہ دیکھا کہ ایک بیوی اپنے شوہر کے خلاف ہو گئی ہے اور اس کے خلاف شکایتیں کرنے لگی ہے تو آپ موقع سے فائدہ اٹھانے لگے۔ یہ سمجھنے لگے کہ میں سچ مچ اس سے نفرت کرنے لگی ہوں۔ جائیں دنیا کی کسی بھی وفا شعار اور محبت کرنے والی بیوی سے پوچھیں کہ وہ شوہر کی شکایتیں ضرور کرتی ہے' بظاہر اس سے نفرت بھی کرتی ہے لیکن اسے اپنے دل سے نکال کر نہیں پھینکتی کیونکہ وہ اس کا مرد ہوتا ہے۔ اس کی تنہائی کا ہمسفر ہوتا ہے۔ آج تک یاورا' صرف میرا یاورا' میری تنہائی کا رازدار رہا۔ آپ کو شرم آنی چاہیے کہ آپ چور دروازے سے میری تنہائی میں آئے تھے۔''

وہ مٹھی بھینچ کر بولا ''گل خانم! تم بہت زیادہ بول رہی ہو۔''

''ہاں' میں بولتی رہوں گی اور آپ سنتے رہیں گے' آپ نے نقب زنی کی ہے۔ قانون کے محافظ ہو کر چوروں کی طرح میری تنہائی میں آئے تھے۔ کوئی آپ کا محاسبہ نہیں کرے گا لیکن میں کروں گی۔''

''تم کیا کرو گی؟''

''کچھ بھی کروں گی۔ آج اس کی حالت دیکھ کر میرا دل کہہ رہا ہے کہ آپ اسے جان سے مار کر مجھے بیوہ بنا دینا چاہتے ہیں۔ آپ کہیں گے' میں مطلقہ ہوں' بیوی نہیں ہوں لیکن ہوں اور مرتے دم تک رہوں گی۔ وہ مجھے طلاق دے کر بھی میرے اندر کی محبت کرنے والی بیوی کو مطلقہ نہ بنا سکا۔ دینی اور دنیاوی قانون نے ہم دونوں کو الگ کر دیا ہے لیکن وہ آج بھی ہر رات میری ہر کروٹ' میری رگ جاں کے قریب رہتا ہے۔''

ذیشان نے ایک گہری سانس لے کر کہا ''جب پہلی بار تم سے ملاقات ہوئی تو تم میرے سامنے ایک طلاق یافتہ خاتون تھیں۔ ایک ایسی ماں تھیں جو اپنے نوزائیدہ بچے سے محروم ہو گئی تھیں۔ میں نے تم سے ہمدردی کی اور ہر برے وقت میں کام آتا رہا۔ معلوم ہوتا ہے یہ ہمدردی اور محبت مجھے مہنگی پڑنے والی ہے۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''ایسی کوئی بات نہیں ہے' میں اب بھی آپ کی عزت کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔ بس ایک گزارش ہے کہ آپ ایک آخری ہمدردی مجھ سے کریں۔''

ذیشان نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا' وہ بولی ''میں یاورا کو ابھی یہاں سے لے جانا چاہتی ہوں۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا ''یہ ممکن نہیں ہے' یہاں آرام سے بیٹھو اور میری باتیں سنو۔''

''میں کچھ نہیں سنوں گی' ایک بات اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ وہ یہاں رہے گا تو زندہ نہیں بچے گا۔ آپ کے آدمی اسے مار ڈالیں گے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہوگی' تم میری مجبوری سمجھو۔ اگر وہ ایسی حالت میں باہر جائے گا۔ تم اسے کسی بھی اسپتال میں لے جاؤ گی' کسی بھی ڈاکٹر سے علاج کرانا چاہو گی، وہاں پریس والے پہنچ جائیں گے۔ میرے کئی دشمن ہیں۔ انہیں میرے خلاف قانونی کارروائیاں کرنے کا موقع مل جائے گا اور میں انہیں ایسا کوئی موقع دینا نہیں چاہتا۔''

''یعنی آپ اپنے بچاؤ کے لیے یاور خان کو مار ڈالنا چاہتے ہیں؟''

''مجھے اس کا دشمن نہ سمجھو۔ وہ یہاں رہے گا ڈاکٹر یہیں اس کا علاج کرتے رہیں گے۔ تم یہاں آ کر اس سے ملتی رہو گی۔ وہ دو چار روز میں چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا۔''

گل خانم نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا ''کیا آپ رازداری سے اس کا علاج کرانا چاہتے ہیں؟''

''ہاں۔ مجھ پر بھروسا کرو' جس طرح وہ اپنے پیروں پر چلتا ہوا آیا تھا' اسی طرح صحیح سلامت اپنے پیروں سے چلتا ہوا یہاں سے جائے گا۔''

''اگر آپ رازداری سے اس کا علاج کرانا چاہتے ہیں تو ایک بات میں آپ کی مانوں گی کہ اس کا علاج آپ کے ہی ڈاکٹر کریں۔ لیکن دوسری بات آپ میری مانیں' وہ یہاں نہیں رہے گا۔ اس کا علاج میرے گھر میں ہوگا۔''

وہ بےچینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولا ''یہ مناسب نہیں ہے۔''

''کیوں مناسب نہیں ہے؟ کیا اس لیے کہ وہ نامحرم ہے؟ آپ بھی تو نامحرم ہیں' پھر آپ میرے گھر آ کر مجھ سے کیوں ملتے رہتے ہیں؟ دیکھیے' بات بنانے سے بنتی ہے' بگاڑنے سے بگڑ جاتی ہے۔ میں اپنے یاورا کی سلامتی کے لیے کچھ بھی کر گزروں گی لیکن یہاں درندوں کے سائے میں اسے نہیں رہنے دوں گی۔''

گل خانم کی آنکھیں' اس کا چہرہ اور اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اپنے سابقہ شوہر کے لیے واقعی کچھ بھی کر گزرے گی۔ اس وقت مصلحت اندیشی یہی تھی کہ اس کی بات مان لی جائے۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

شہباز درانی اپنے پرائیویٹ چیمبر میں بیٹھا ہوا تھا' فون کان سے لگائے۔ دوسری طرف کی باتیں سن رہا تھا پھر اس نے پوچھا "کیا تمہاری انفارمیشن بالکل درست ہے؟"

دوسری طرف سے کہا گیا "یس باس! میں آپ کا نمک کھاتا ہوں' آپ کا وفادار ہوں۔ پولیس میں رہ کر کون سی زیادہ تنخواہ مل جاتی ہے۔ بیوی بچوں کے ساتھ گزارا نہیں ہوتا۔ آپ کے در سے ماہانہ بیس ہزار روپے ملتے ہیں اس لیے پولیس کی وردی پہن کر آپ کے لیے کام کرتا ہوں۔"

"اگر تمہاری یہ انفارمیشن درست ہوئی تو میں تمہیں پچاس ہزار روپے دوں گا۔ گل خانم کی کوٹھی کا پتا اور اس کا فون نمبر بتاؤ۔"

وہ بتانے لگا اور شہباز درانی ایک کاغذ پر نوٹ کرنے لگا پھر بولا "ٹھیک ہے' آج شام تک تمہیں پچاس ہزار روپے مل جائیں گے۔"

وہ رابطہ ختم کر کے سوچنے لگا۔ سی آئی اے والوں نے ایس پی ذیشان کے خلاف انکوائری کرنے کے لیے ایک انویسٹی گیشن ٹیم بنائی تھی' اس ٹیم کے انچارج نے بڑی رازداری سے ایسے مجرموں کے بیانات ریکارڈ کیے تھے جو عدالت سے باعزت طور پر بری کیے گئے تھے لیکن ذیشان کی انتقامی کارروائیوں سے خوف زدہ تھے اور چھپ کر رہا کرتے تھے۔ ایسے مجرموں کے رشتے داروں کے بھی بیانات ریکارڈ کیے گئے تھے جو عدالت سے بری ہونے کے بعد ہلاک کیے گئے تھے۔ ان رشتے داروں کا بیان تھا کہ ایس پی ذیشان نے بڑی رازداری سے انہیں ہلاک کرایا ہے۔ دردانہ نے اپنے بیٹے جواد کی ہلاکت کا الزام بھی ذیشان پر لگایا تھا۔ پھر حشمت کے قاتل زبیری نے بھی ذیشان کے خلاف بیان دیا تھا۔

اب ایک اور گواہ یاور خان ہاتھ لگنے والا تھا' اس سے یہ بیان لیا جا سکتا تھا کہ حبس بے جا میں رکھ کر اس پر تشدد کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا گیا ہے' یہ سی آئی اے والے اپنے طور پر معلوم کر سکتے تھے۔

شہباز درانی نے انویسٹی گیشن Investegation ٹیم کے انچارج سے رابطہ کیا

"ہیلو...... باقر مہدی! میں شہباز درانی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے باقر مہدی نے چہک کر

"آہا...... درانی صاحب! یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ آ
نے خادم کو یاد کیا۔ حکم کریں۔"

"ذیشان کے خلاف ایک اور کیس کا اضافہ ہو سکتا ہے"

"ضرور ہو سکتا ہے۔ کیا اس کے خلاف نئی معلو
حاصل ہوئی ہیں؟"

"ہاں...... آپ نے مشہور گلوکارہ گل خانم کا نام
ہوگا؟"

"جی ہاں' سنا ہے اور یہ بھی سنا ہے کہ اس کے شوہر
اسے طلاق دے دی ہے۔"

"میرے مخبر کی رپورٹ کے مطابق ذیشان اور گل خ
کے درمیان معاشقہ چل رہا ہے۔ ذیشان نے اس کے ش
یاور خان کو کئی بار حوالات میں بند کیا پھر گل خانم کی سفارش
چھوڑ دیا۔ اس بار اس نے انتہا کی ہے۔ اسے حوالات میں ر
کر بری طرح ٹارچر کیا گیا ہے اور اس کی حالت بہت
نازک ہے۔ وہ اپنا ذہنی توازن کھونے والا ہے۔"

باقر مہدی نے کہا "یہ تو آپ بہت ہی زبردس
معلومات فراہم کر رہے ہیں۔"

"جی ہاں! وہ یاور خان کو اسی حوالات میں رکھ
رازداری سے اس کا علاج کرانا چاہتا تھا تاکہ بات باہر
جائے لیکن گل خانم کی فرمائش پر اس نے بڑی رازداری۔
یاور خان کو اس کی کوٹھی میں پہنچا دیا ہے۔ اس وقت یاور خا
زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے اور گل خانم کی کوٹھی میں اس
علاج ہو رہا ہے۔"

"ہم ابھی اس کوٹھی پر چھاپا مار کر زخمی یاور خان کو ا
تحویل میں لے لیتے ہیں۔ باقی داوے' آپ کیا چا
ہیں؟"

"ذیشان کے خلاف فوری کارروائی یہ ہونی چاہیے
جب تک اس کے اور گل خانم کے معاشقے کی بات تحریر میں
آئے' اس وقت تک گل خانم کو ذیشان سے ملنے کی اجازت
دی جائے اور ذیشان کو اس کوٹھی سے دور رکھا جائے۔ گل خا
کے تمام ٹیلی فون وغیرہ ضبط کر لیے جائیں تاکہ وہ فون پر
رابطہ نہ کر سکے۔"

"آپ نے حکم دیا' سمجھیں تعمیل ہو گئی۔ میں ابھی ا
فورس لے کر وہاں جا رہا ہوں۔"

"میں آپ کے فون کا انتظار کروں گا۔ وش یو گڈ لک۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ شہباز درانی زیر لب مسکرا رہا تھا۔ ذیشا

کے خلاف ایک بہت بڑی کامیابی حاصل ہونے والی تھی۔ دردانہ کے لیے یہ بہت ہی خوشی کی بات ہوتی۔ وہ ابھی پرائیویٹ چیمبر سے باہر جا کر اسے آغوش میں لے کر یہ خوش خبری سنانا چاہتا تھا پھر اچانک ہی مایوس ہو گیا۔

خوشی سے جھوم جھوم کر ناچتے ہوئے مور کو جب اپنے بھدے پاؤں دکھائی دیتے ہیں تو وہ بالکل ہی مرجھا جاتا ہے۔ شہباز کو ایسے وقت میں یاد آ گیا تھا' یہ اس کی شکست بھی تھی اور توہین بھی کہ میں اس کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

اس نے میری اصلیت اور کمزوریاں معلوم کرنے کے لیے یورپ کے ایک مشہور و معروف نجومی پبلو ماسٹر کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اسے اچھی خاصی رقم دی تھی وہ اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر اس کے پاس چلا آیا تھا۔ پرل ہوٹل سے اس نے اطلاع دی تھی "مسٹر درانی' میں یہاں پہنچ گیا ہوں' آپ مجھے مقدر حیات کا پتا اور فون نمبر بتائیں اور اس کے بارے میں جتنی معلومات فراہم کر سکتے ہیں کریں۔"

شہباز درانی نے اسے میرا پتا اور فون نمبر بتاتے ہوئے کہا "میں اس کے بارے میں یہ بتا چکا ہوں کہ وہ تاجر برادری سے تعلق رکھتا ہے اور بہت دولت مند ہے۔ تم اس کے ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر ہی اس کی اصلیت معلوم کر سکو گے۔"

پبلو ماسٹر نے کہا "اگر وہ اتنا ہی پراسرار ہے تو اپنے ہاتھ کی لکیریں پڑھنے نہیں دے گا۔ میں نے ایک ایسے شخص کی خدمات حاصل کی ہیں جو کسی کو بھی اغوا کرنے اور قتل کرنے میں مہارت رکھتا ہے۔ وہ شخص مقدر حیات کو اغوا کر لے تو اس کی بے ہوشی کی حالت میں ہی میں اطمینان سے اس کے ہاتھ کو پڑھ سکوں گا۔"

"تم کچھ بھی کرو' کسی کی بھی خدمات حاصل کرو' میں بس اس کی اصلیت اور اس کی کمزوریاں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے پراسرار علوم میں مہارت رکھنے والے ایک بہت ہی خطرناک جادوگر کو بھی یہاں بلایا ہے۔ وہ آج کل میں یہاں پہنچنے والا ہے۔ تم دونوں مل کر مقدر حیات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرو۔ فی الوقت میں دوسرے کام میں مصروف ہوں' تم سے پھر کسی وقت رابطہ کروں گا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ پبلو ماسٹر نے ہوٹل میں پہنچتے ہی وہاں کے انفارمیشن بورڈ پر اپنا ایک پوسٹر لگوایا تھا' جس میں لکھا تھا کہ "دنیا کا مشہور و معروف نجومی پبلو ماسٹر اس ہوٹل میں قیام پذیر ہے۔ ضرورت مند حضرات اس سلسلے میں کاؤنٹر سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی' پبلو ماسٹر نے ریسیور اٹھا کر کان

سے لگاتے ہوئے کہا ''ہیلو! پبلو ماسٹر اسپیکنگ!''

دوسری طرف سے میں نے کہا ''ہیلو ماسٹر! میں نے یہاں کاؤنٹر پر معلومات حاصل کی ہیں' آپ کمرے میں موجود ہیں۔ کیا آپ میری قسمت کا حال بتانا پسند کریں گے؟''

وہ خوش ہو کر بولا ''یہ تو میرا پیشہ ہے' آپ ابھی تشریف لے آئیں۔''

میں ریسیور رکھ کر لفٹ میں آیا اور اوپری منزل کی طرف جانے لگا۔ وہ بے چارا میرا ہاتھ دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ میں اس کی بے چینی دور کرنے خود آ گیا تھا۔

میں لفٹ سے باہر آ کر اس کے کمرے کی طرف جانے لگا۔ یہ دنیا ایک گورکھ دھندا ہے۔ یہاں کوئی بینا ہے' کوئی اندھا ہے۔

میں نے اس کے دروازے پر آ کر دستک دی۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا' میں نے کہا ''ابھی میں نے نیچے کاؤنٹر سے فون کیا تھا' اپنا ہاتھ دکھانے آیا ہوں۔''

اس نے مسکرا کر کہا ''خوش آمدید۔ آیئے' اندر تشریف لایئے۔''

میں نے اندر آتے ہوئے کہا ''ویسے اردو زبان میں ہاتھ دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ دو چار کس کے جما دو یا ہاتھ کی صفائی دکھا کر مال غائب کر دو۔''

وہ مسکرا کر بولا ''میں دوسروں کا ہاتھ دیکھنے سے پہلے اپنا ہاتھ دیکھ لیتا ہوں کہ مجھ پر تو کوئی مصیبت آنے والی نہیں ہے؟''

میں نے پوچھا ''تو پھر تمہارے ہاتھ نے ابھی کیا کہا ہے؟''

''یہی کہ جو ابھی اس کمرے میں آیا ہے' اس کی ذات سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آپ تشریف رکھیں۔''

میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا' اس نے پوچھا ''ٹھنڈا پئیں گے یا گرم؟''

میں نے کہا ''ابھی یہ کمرا گرم ہونے والا ہے اس لیے ٹھنڈا منگوا لو۔''

''تم الجھانے والی باتیں کر رہے ہو' تمہاری اس بات کا مطلب کیا ہوا؟''

میں نے اپنے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ''یہ جو انسانی کھوپڑی ہے' میں اسے کمرا کہتا ہوں۔ میرا نام سنو گے تو تمہارا یہ کمرا گرم ہو جائے گا۔''

''کیا نام ہے تمہارا؟''

میں نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر مسکراتے ہوئے کہا ''مقدر حیات......!''

وہ ایک دم سے اچھل کر پیچھے کی طرف گیا۔ بیڈ سے ٹکرایا پھر گرتے گرتے سنبھل گیا۔ میں نے انجان بن کر پوچھا ''کیا ہوا؟ کیا کمرا گرم ہو گیا ہے؟''

وہ حیرانی اور بے یقینی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا ''مجھے نہ دیکھو' میرا ہاتھ دیکھو۔''

وہ گم صم سا تھا' چونک کر بولا ''ہاں...... ہاں ابھی دیکھتا ہوں۔''

وہ میرے قریب آ کر دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے مٹھی باندھ کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''پبلو ماسٹر تم نے اپنی زندگی میں بڑے عجیب و غریب ہاتھ دیکھے ہوں گے اور اپنی پیش گوئیوں سے دوسروں کو چونکا دیا ہوگا۔ آج تمہارے چونکنے کی باری ہے۔''

یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے سامنے مٹھی کھولی' میری ہتھیلی پھیل گئی۔ وہ سر جھکا کر ہاتھ کی لکیروں کو دیکھنے لگا۔ صوفے سے اٹھ کر کبھی اس زاویے سے' کبھی اس زاویے سے ایک ایک لکیر کو پڑھنے لگا پھر میرا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے مسکرا کر پوچھا ''کیا ہوا؟''

وہ شدید حیرانی سے بولا ''یہ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ نہیں! یہ نہیں ہو سکتا۔''

وہ پھر میرے ہاتھ کو تھام کر دیکھنے لگا۔ بے یقینی سے انکار میں سر ہلانے لگا پھر ہاتھ چھوڑ کر ذرا پیچھے چلا گیا۔ شدید حیرانی سے بولا ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بہت پہلے میں یہ ہاتھ دیکھ چکا ہوں لیکن جس کا ہاتھ دیکھا' وہ تم نہیں تھے۔ آج تم یہاں ہو لیکن یہ ہاتھ تمہارا نہیں ہے' اس کا ہے یہ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

میں ایک بازی گر ہوں۔
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہمسفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں
ایک بازی گر ہوں۔

پبلو ماسٹر منہ تکتا رہ گیا تھا۔ ہاتھ دیکھنا بھول گیا تھا۔ ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ کسی کو اپنا مطلوبہ مقصد حاصل نہ ہو تو وہ منہ تکتا رہ جاتا ہے۔ شہباز درانی نے اسے بتایا تھا کہ میں لاکھ جتن کے باوجود اس کے ہاتھ نہیں آ رہا ہوں اور میں اس نجومی پبلو ماسٹر کے ہاتھ آ رہا تھا تو اسے اپنا مقصد حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ وہ میری اصلیت اور میری کمزوریاں معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن جو ہاتھ میں دکھا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا تھا۔

پبلو ماسٹر نے تقریباً ایک برس پہلے شہباز درانی کا ہاتھ دیکھا تھا۔ اب میرا ہاتھ دیکھ کر حیران پریشان ہو رہا تھا۔ کیوں کہ دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں یکساں تھیں۔ میرے ہاتھ کی کوئی لکیر بھی اس کے ہاتھ کی لکیر سے الگ نہیں تھی۔ ایسا بھی نہیں ہوتا کہ دو انسانوں کے ہاتھوں کی لکیریں بالکل یکساں ہوں۔ کتنی ہی لکیریں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں اور اپنا مختلف مزاج دکھاتی ہیں۔

پبلو ماسٹر کو یوں لگ رہا تھا۔ جیسے اس نے ابھی شہباز درانی کا ہاتھ دیکھا تھا۔ اس کے اور میرے ہاتھ کی کسی بھی لکیر میں بال برابر بھی فرق نہیں تھا۔

میں نے کہا ''تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے؟ تم اپنی آنکھیں مل مل کر دیکھو۔ میرا ہاتھ صابن سے رگڑ رگڑ کر دیکھو۔ یہ یقین کر لو کہ میں نے یہ لکیریں خود نہیں بنائی ہیں۔ یہ قدرتی ہیں۔''

وہ پھر میرے ہاتھوں کو تھام کر میری ہتھیلی کو رگڑتے ہوئے بولا ''میں یقین کر رہا ہوں۔ یہ واقعی قدرتی ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔''

''جیسا کبھی نہیں ہوتا، ویسا کبھی نہ کبھی ہو جاتا ہے۔ اسی کا نام دنیا ہے۔''

وہ مجھے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی مشکل کتاب پڑھ رہا ہو۔ اس نے کہا ''مجھ سے کہا گیا تھا کہ تم بہت پُر اسرار ہو اور اب مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔ مجھے بتاؤ۔ پلیز مجھے بتاؤ یہ کیا بھید ہے: تم دونوں کے ہاتھ بالکل ایک جیسے کیوں ہیں؟''

''یہ قدرت کے بھید ہیں۔ نہ تم جان سکتے ہو نہ میں جان سکتا ہوں۔ زیادہ پُر اسرار قدرت ہے۔ میرا یہ ہاتھ قدرتی ہے۔ میں اس لیے پُر اسرار سمجھا جاتا ہوں کہ اس ہاتھ کے آئینہ میں شہباز درانی کا چہرا اور اس کے اعمال دیکھتا رہتا ہوں۔''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا ''اب کچھ بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ تم یہاں ایک ایک لکیر کو دیکھتے ہو اور اس کے ماضی، حال اور مستقبل کی ایک ایک بات معلوم کر لیتے ہو۔''

''اور اگر شہباز درانی بھی علم نجوم سے واقف ہوتا تو وہ بھی اپنا ہاتھ دیکھ کر میرے بارے میں، میرے اعمال کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔ کیوں ہے نا یہی بات؟''

اس نے پھر تائید میں سر ہلا کر کہا ''بیشک۔ وہ سیاست کا ایک ماہر کھلاڑی ہے۔ تم اس کے سیاسی کیریئر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہاتھ کی لکیریں پڑھتے ہو۔ اگر وہ بھی نجومی ہوتا تو تمہارے بزنس کیریئر کو پیش نظر رکھ کر تمہارے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔''

میں نے کہا ''گویا یہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی ہے اور تم شہباز درانی کو یہ بات سمجھاؤ گے کہ میں پراسرار نہیں ہوں۔ البتہ ہم دونوں کے ہاتھ پراسرار ہیں اور یہ بات نہ میں بتا سکتا ہوں نہ شہباز درانی بتا سکتا ہے کہ ہم دونوں کے ہاتھ ایک جیسے کیوں ہیں؟''

''جب تم نے پہلی بار اس کا ہاتھ دیکھا' تب اسے یہ کیوں نہیں بتایا کہ تم دونوں کے ہاتھ ایک جیسے ہیں؟''

''میں نے بتانا ضروری نہیں سمجھا لیکن جب وہ میرے لیے موت کا فرشتہ بن گیا۔ مجھے نقصان پہنچانے کی کوششیں کرنے لگا تو میں نے اسے ایک بات سمجھا دی کہ وہ مجھے نقصان پہنچائے گا تو اسے بھی نقصان پہنچے گا۔ مجھے مارنا چاہے گا تو خود بھی مرے گا۔ ہم دونوں ایک ساتھ زندہ رہیں گے اور ایک ساتھ، ایک ہی دن، ایک ہی وقت میں مریں گے۔''

''مسٹر مقدر! تمہاری یہی باتیں تمہیں پر اسرار بناتی ہیں۔ اگر تم اسے وضاحت سے سمجھا دیتے تو وہ یہ بات سمجھ لیتا اور تم سے دشمنی کرنے سے باز رہتا۔''

میں نے مسکرا کر کہا ''یہ بات میں نے اسے نہیں سمجھائی۔ تم سمجھا دو۔ تم اس کے قابل اعتماد نجومی ہو۔ وہ تم پر بھروسا کرے گا لیکن میں پیش گوئی کر دوں کہ تمہاری بات بھی اس کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ وہ مجھے کبھی زندہ دیکھنا نہیں چاہے گا۔ کیوں کہ میں اس کے ایسے گہرے رازوں سے واقف ہوں' جنہیں کوئی دوسرا نہیں جانتا ہے۔ اگر میں ان رازوں پر سے پردہ اٹھا دوں تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔''

اس نے کہا ''جب دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں یکساں ہیں تو تم برسوں سے اس کے رازوں کے امین ہو۔ آج تک تم نے ایک بھی راز فاش نہیں کیا پھر وہ تم سے ڈرتا کیوں ہے؟''

''چور اپنے سائے سے بھی ڈرتا ہے پھر مجھ سے کیوں نہیں ڈرے گا؟ پہلے ہمارے راستے الگ الگ تھے۔ اب ایک ہو رہے ہیں۔ وہ میرے رشتہ داروں کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اس لیے اسے اندیشہ ہے کہ میں بھی جواباً اسے نقصان پہنچاؤں گا۔''

"تم وعدہ کرتے ہو کہ اگر وہ دشمنی نہیں کرے گا تو تم بھی نہیں کرو گے؟"

"میں نے تو اب تک اس سے کوئی دشمنی نہیں کی ہے۔ تم اس سے پوچھ سکتے ہو۔ جب ابھی تک نہیں کی ہے تو آئندہ کیوں کروں گا؟"

"تعجب ہے، تو پھر وہ تم سے ڈرتا کیوں ہے؟"

"میں نے کہا نا، وہ چور ہے۔ چور کو اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے کہ دوسرا بھی اس کے گھر میں نقب لگائے گا۔ سیدھی سی بات ہے۔ تم مجھے پتھر مارو گے تو میں تمہیں پھول نہیں ماروں گا۔ جوتے ماروں گا۔"

وہ چونک کر ذرا پیچھے ہوا پھر بولا "یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"تمہیں نہیں اسے کہہ رہا ہوں۔"

وہ جھینپ کر بولا "اچھا اچھا۔ میں مسٹر شہباز کو سمجھاؤں گا کہ وہ تم سے دوستی کریں دشمنی نہیں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تم تو میرا ہاتھ دیکھتے ہی چونک گئے تھے۔ لکیریں پڑھنا بھول گئے۔ اگر شہباز درانی کی لکیریں یاد ہیں تو یاد کر دیا پھر میرا ہاتھ دیکھو۔ پتا چلے گا کہ وہ دشمنی سے باز نہیں آئے گا۔"

میں نے پھر اپنی ہتھیلی اس کی طرف بڑھا دی۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر بڑی توجہ سے پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا "تمہارے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے تم دشمنی سے باز آنے والے نہیں ہو۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا "دراصل یہ اس کے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے کہ وہ دشمنی سے باز نہیں آئے گا۔ یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی؟"

وہ الجھ گیا تھا۔ میرے ہاتھ کو چھوڑ کر بولا "میرا دماغ بری طرح چکرا رہا ہے۔ میں تمہارے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں معلوم ہو رہا ہے۔"

"یہی بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ جو اس کے بارے میں معلوم ہو رہا ہے، وہی تمہیں میرے بارے میں معلوم ہو رہا ہے۔"

"یعنی تم مانتے ہو کہ شہباز درانی کی طرح تم بھی دشمنی سے باز نہیں آؤ گے؟"

"مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟ ابھی تم نے میرے ہاتھ کی لکیر دیکھی ہے۔ لکیریں یہی کہتی ہیں تو پھر یہی سہی۔ مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سوئچ بورڈ کے پاس جا کر پنکھے کی رفتار تیز کر دی اور کرسی کھسکا کر، پنکھے کے نیچے بیٹھ کر اپنا سر سہلانے لگا۔ میں آرام سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا اس کی حالت دیکھ رہا تھا اور زیر لب مسکرا رہا تھا۔

اس نے تھوڑی دیر بعد کہا "تمہارا نام مقدر حیات ہے۔ تم ایک بہت بڑے بزنس مین ہو۔ اب میں شہباز درانی کو اپنے دماغ سے بالکل نکال دیتا ہوں۔ صرف تمہیں اپنے ذہن میں رکھ کر تمہارے ہاتھ کی لکیریں پڑھتا ہوں تو کیا مجھے صرف تمہارے بارے میں معلوم ہو سکے گا؟"

"تم پھر مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ بھئی سانچ کو کیا آنچ؟ میرا ہاتھ تمہارے سامنے ہے۔ آؤ۔ دیکھو۔ پڑھو۔ سمجھو......"

وہ تھوڑی دیر تک گہری گہری سانسیں لیتا رہا، دور ہی سے میرے ہاتھ کو دیکھتا رہا پھر کرسی کھسکا کر قریب آ گیا۔ ہاتھ کی لکیروں کو توجہ سے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا "مجھے بتاتے جاؤ کہ کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا سمجھ رہے ہو؟"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا "تم تو ایک عام بزنس مین کی طرح ایک بہت مصروف زندگی گزار رہے ہو۔ البتہ دوسروں سے کچھ الگ ہو اور بزنس کے بہت ہی پیچیدہ معاملات کو بڑی کامیابی اور بڑی حکمتِ عملی سے سلجھاتے رہتے ہو۔"

وہ میرے نقطۂ نظر سے یہ کہہ رہا تھا۔ دراصل شہباز درانی کے نقطۂ نظر سے یہ بات تھی کہ وہ سیاست کی بساط پر بہت مصروف کھلاڑی ہے اور بڑے ہی پیچیدہ معاملات سے گزرتا رہتا ہے اور بڑی ہی حکمتِ عملی سے کامیابی حاصل کرتا رہتا ہے۔

میں نے پوچھا "میری ذاتی دلچسپیوں کے بارے میں بتاؤ؟"

وہ تھوڑی دیر تک پھر لکیروں کو پڑھتا رہا پھر بولا "آج کل تم کسی کے عشق میں مبتلا ہو اور تمہیں اس کی قربت حاصل ہوتی رہتی ہے۔"

میں نے تائید میں سر ہلایا۔ میرے نقطۂ نظر سے یہ بات درست تھی کہ میں آج کل آسرا کے عشق میں مبتلا تھا اور مجھے اس کی قربت حاصل ہوتی رہتی تھی۔ شہباز درانی کے نقطۂ نظر سے یہ بات تھی کہ وہ دردانہ کے عشق میں مبتلا تھا اور اسے اس کی قربت حاصل ہو رہی تھی۔

اس نے بتایا کہ میں کسی کا دوست نہیں ہوں۔ مفاد پرست ہوں۔ جس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے اسے فائدہ پہنچاتا ہوں۔ جس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے اسے خاک میں ملا دیتا ہوں۔

چونکہ وہ میرا ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ اس لیے میرے ہاتھ کی

جھلکیاں اسے نظر آ رہی تھیں ورنہ وہ تمام لکیریں تو شہباز ... کی تھیں۔ اس لیے وہ ایسی باتیں کر رہا تھا اور میں تائید ... سر ہلا رہا تھا۔ مجھے اس کی بات مان لینے میں کوئی تامل نہیں ... اور وہ خوش ہو رہا تھا کہ اسے میرے ہاتھ کی لکیریں پڑھنے کا ... ملا رہا ہے۔

میرے ہاتھ کی لکیریں کیا ہیں؟

وہی ہیں جو کسی کے بھی ہاتھ کی لکیریں ہو سکتی ہیں۔ وہ ... باز درانی کے حوالے سے میرا ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ اس لیے میں ... باز کا مقدر بن گیا تھا۔ اگر وہ دردانہ کے حوالے سے میرا ... دیکھتا تو اس وقت میں دردانہ کا مقدر بن جاتا۔ میں تو ہر ... ان کے ہاتھ کی لکیروں پر چلنے کے لیے پیدا ہوتا ہوں اور ... لکیروں پر چلتے چلتے ان کے ساتھ مر جاتا ہوں مگر زندہ ہاتھ ... زندہ لکیروں پر پھر بھی زندہ رہتا ہوں۔

وہ بڑی دیر تک میرے ہاتھ پر جھکا، اپنا سر کھپاتا رہا پھر ... رہا ہو کر بیٹھ گیا۔ پریشان ہو کر بولا "ہاتھ کی یہ لکیر بتا رہی ... ہے کہ ابھی تم پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا "اب اسی لکیر کو شہباز درانی کے ... الے سے پڑھو۔"

وہ پھر پڑھنے لگا۔ اس کے بعد سر اٹھا کر بولا "ہاں شہباز ... رانی تم پر حملہ کرانے والا ہے۔ اوہ گاڈ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں ... سے سمجھاتا ہوں کہ تم نے اب تک اس سے کوئی دشمنی نہیں کی ... ہے۔ لہٰذا اسے بھی نہیں کرنا چاہیے۔"

"بے شک اسے سمجھاؤ۔"

"کیا میں ابھی فون پر اس سے بات کروں؟ اسے ... اؤں کہ میں تمہارا ہاتھ پڑھ چکا ہوں؟ اور اس ہاتھ کے ... والے سے اسے سمجھا رہا ہوں؟"

"تم جو بہتر سمجھتے ہو وہ کرو۔ میں یہاں تمہارے پاس ... بیٹھا رہوں گا۔"

وہ فون کا ریسور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ اسی کو مقدر کی ... ہیرا پھیری کہتے ہیں۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے فون کرنے ... کے نتیجے میں ہی مجھ پر حملہ کیا جائے گا۔ شہباز درانی کو معلوم ... ہوگا کہ میں اس کے پاس ہوٹل کے کمرے میں بیٹھا ہوا ہوں تو ... وہ اپنے کسی کارندے کو یہاں بھیجے گا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، پبلو ماسٹر کے کمرے کی تمام فون کالیں ٹیپ کی جا رہی تھیں۔ اس کے نتیجے میں ذیشان نے ابتدائی فون کالیں سنی تھیں۔ اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ پبلو ماسٹر کو شہباز درانی نے اس ملک میں بلایا ہے۔ ایسے ہی ایک فون کال کی ٹیپ سن کر ذیشان کو معلوم ہوا کہ پبلو ماسٹر کو صرف مقدر حیات کی کمزوریاں معلوم کرنے کے لیے ہی نہیں، چند اہم سیاست دانوں کی کمزوریاں معلوم کرنے کے لیے بھی بلایا گیا ہے اور ایسی معلومات حاصل کرنے کے لیے وہ پبلو ماسٹر کے علم نجوم سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔

یہ ٹیپ سنتے ہی ذیشان نے بچھو بابا سے رابطہ کیا "تم نے یہاں آتے ہی انجانے میں میرا ایک اہم کام کیا ہے۔ تم نے پبلو ماسٹر کے فون کال کو ٹیپ کرانے کے لیے کہا تھا۔ ایسا کرنے سے یہ اہم بات میرے علم میں آئی کہ شہباز درانی نے اسے یہاں بلایا ہے۔ تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مقدر حیات میرا چھوٹا چچازاد بھائی ہے۔"

بچھو بابا نے کہا "پھر تو آپ کے بھائی کی جان کو خطرہ ہے۔"

وہ بڑے اعتماد سے بولا "میرا بھائی ماضی، حال اور مستقبل کی بو سونگھ لیتا ہے پھر وہ اپنے آس پاس کے خطرے کو کیسے محسوس نہیں کرے گا؟ اسے سب معلوم ہوگا پھر بھی میں اسے خطرے سے آگاہ کرتا ہوں۔"

اس نے مجھ سے فون پر رابطہ کیا۔ میں پبلو ماسٹر کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ادھر پبلو ماسٹر فون پر شہباز درانی سے باتیں کر رہا تھا۔ ادھر میں نے اپنے فون پر کہا "جی بھائی جان! آپ نے مجھے کیسے یاد کیا؟"

وہ بتانے لگا کہ کس طرح اسے ذیشان اور پبلو ماسٹر کے بارے میں معلوم ہوا ہے اور وہ میرے لیے خطرہ محسوس کر رہا ہے۔

میں نے ہنستے ہوئے کہا "بھائی جان! اس وقت میں پبلو ماسٹر کے کمرے میں بیٹھا ہوا ہوں۔ آپ تو جانتے ہیں کہ میں دوسروں کے ہاتھ کی لکیریں پڑھ لیتا ہوں تو پھر اپنے ہاتھ کی لکیریں کیسے نہیں پڑھوں گا؟ مجھے پتا ہے تھوڑی دیر بعد مجھ پر حملہ ہونے والا ہے۔"

ذیشان نے ناراض ہو کر کہا "پھر بھی تم وہاں مرنے گئے ہو؟ چلو وہاں سے نکل آؤ۔"

"بھائی جان آپ ناراض نہ ہوں۔ میں جانتا ہوں آپ کی وجہ سے میں بچ جاؤں گا۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "میری وجہ سے کس طرح بچو گے؟"

"آپ اپنے کسی آدمی کو میری حفاظت کے لیے بھیجنے والے ہیں ناں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "سمجھ گیا۔ اب تم وہاں اطمینان سے بیٹھے رہو۔ تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔"

اس نے مجھ سے رابطہ ختم کر کے بچھو بابا سے رابطہ کیا کہا۔ ''میرے بھائی کو خطرہ ہے۔ تم ابھی ہوٹل پرل میں پہنچو۔ تمہیں مقدر حیات سے دورہ کر اور دوسروں سے چھپ کر اس کی حفاظت کرنی ہے۔''

اسے دنیاوی مصروفیات کہہ سکتے ہیں۔ اس دنیا میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے معاملے میں مصروف رہتا ہے۔ شہباز درانی اپنے معاملے میں' پبلو ماسٹر اپنے معاملے میں' میں اور ذیشان اپنے اپنے معاملے میں مصروف تھے۔ کبھی ایک دوسرے کی حمایت میں یا ایک دوسرے کی مخالفت میں کچھ نہ کچھ کر رہے تھے۔ اس طرح اجتماعی مصروفیات کے نتیجے میں کسی کا مقدر بگاڑ رہے تھے، کسی کا بنا رہے تھے۔ اسی کو مقدر کا کھیل کہتے ہیں۔

پبلو ماسٹر فون پر میرے بارے میں شہباز درانی کو جو کچھ بتا رہا تھا۔ اس پر وہ حیران ہو رہا تھا اور بے یقینی سے کہہ رہا تھا ''یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے ہاتھ کی لکیریں اور اس کے ہاتھ کی لکیریں ایک جیسی ہوں؟ کہیں تو فرق ہوگا؟''

پبلو ماسٹر نے کہا ''مسٹر درانی! میں علم نجوم میں مہارت رکھتا ہوں۔ ساری دنیا یہ بات مانتی ہے۔ مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔ یقین نہ ہو تو میں مقدر حیات کے دونوں ہاتھوں کا پرنٹ آپ کو دکھا سکتا ہوں۔''

''ہاں میں دیکھوں گا۔ ضرور دیکھوں گا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ کیا وہ ابھی تمہارے پاس بیٹھا ہوا ہے؟''

''جی ہاں۔ وہ یہاں میرے پاس موجود ہے۔ میرے پاس کیمرا ہے۔ میں اس کے دونوں ہاتھوں کی تصویریں اتار سکتا ہوں۔ جسٹ اے منٹ۔''

اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے کہا ''مسٹر مقدر! کیا تم مجھے اپنے دونوں ہاتھوں کی تصویریں اتارنے دو گے؟''

میں نے مسکرا کر کہا ''صرف دونوں ہاتھ کیوں؟ سر سے پاؤں تک میری تصویریں اتار کر لے جاؤ۔ میں اعتراض نہیں کروں گا۔''

وہ فون پر بولا ''مسٹر درانی! میں ابھی مسٹر مقدر کے دونوں ہاتھوں کی تصویریں اتار رہا ہوں۔ آپ بتائیں یہ پرنٹ کہاں پہنچائے جائیں؟''

''تم تصویریں اتارو۔ میرے آدمی تمہیں لینے آئیں گے۔ راستے میں کسی فوٹو گرافر کی دکان پر اسے پرنٹ کرا کے بڑا کیا جائے گا پھر اسے تم میرے پاس لاؤ گے۔ میں تم سے اور بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔''

''جسٹ اے منٹ۔ ایک اور ضروری بات دھیان سے سنو۔ اسے مزید ایک گھنٹے تک باتوں میں الجھائے رکھو۔''

''میں سمجھ گیا۔ آپ کے ہاتھ کی لکیر جو اس کے ہاتھ ہے۔ وہ بتا رہی ہے کہ آپ اس پر حملہ کرانے والے ہیں۔''

وہ غصہ سے بولا ''یو نان سنس! تم اس کے سامنے ا[illegible] باتیں کر رہے ہو؟''

''مسٹر درانی! لینگویج پلیز۔ نان سنس تم ہو۔ تم یہ نہ جانتے کہ یہ بات مسٹر مقدر کو معلوم ہے اور یہ اس نے خود ا[illegible] زبان سے کہا ہے کہ اس پر حملہ کیا جانے والا ہے۔''

شہباز نے پریشان ہو کر پوچھا ''کیا وہ یہ بھی کہتا ہے [illegible] حملے سے بچ پائے گا؟''

''نہ میں نے یہ پوچھا ہے۔ نہ اس نے یہ کہا ہے [illegible] ایک بات اٹل ہے کہ اس نے کہا ہے کہ اس پر مصیبت آ[illegible] والی ہے تو وہ مصیبت ضرور آئے گی۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا آنے والا وقت بتائے گا۔''

شہباز درانی نے رابطہ ختم کر دیا۔ سر جھکا کر سوچنے [illegible] دشمن نشانے پر تھا۔ میں پبلو ماسٹر کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس کی ہدایت کے مطابق اسے ایک گھنٹے تک وہاں ر[illegible] تھا۔ اس گدھے کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ اپنے مقد[ر کو] مارے گا تو خود کیسے زندہ رہے گا؟

☆☆☆

گل خانم کی کوٹھی کے باہر مین گیٹ پر دو مسلح گا[رڈز] موجود رہتے تھے۔ وہ گارڈز کوٹھی میں آنے والے جا[نے] پہچانے افراد کے لیے ہی گیٹ کھولتے تھے۔ وہاں آنے [والا] ڈاکٹر ان کا جانا پہچانا تھا۔ اسے کار کی اسٹیرنگ سیٹ پر د[یکھتے] ہی انہوں نے اسے سلام کیا گیٹ کھول دیا۔ ڈاکٹر کار کو ڈر[ائیو] کرتا ہوا اندر آیا لیکن پورچ تک نہیں گیا۔ گیٹ کے قریب اس نے گاڑی روک دی۔

ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ دونوں مسلح گارڈز نے سو[الیہ] نظروں سے گاڑی کی طرف دیکھا۔ اسی وقت اچانک کار [کے] دروازے ایک جھٹکے سے کھلے پھر تین گن مینوں نے باہر [آتے] ہی ان دونوں کو نشانے پر رکھ لیا۔ وہ ہکا بکا سے رہ گئے۔ [وہ سوچ] بھی نہیں سکتے تھے کہ اچانک ایسی افتاد آ پڑے گی۔ انہیں [اپنی] گنیں سیدھی کرنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ ایک نے ڈپٹ [کر کہا] ''ذرا بھی حرکت کرو گے تو گولیاں چل جائیں گی۔''

چوتھے گن مین نے ان کے قریب آ کر ان کے ہتھ[یار لے]

[لے] لیے۔ وہ دو مسلح گارڈز سوچ بھی نہیں سکتے تھے کے ڈاکٹر [کی] کار کے اندر مسلح افراد سیٹوں کے نیچے دبک کر بیٹھے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر بھی مجبور تھا۔ گن پوائنٹ پر وہاں لایا گیا تھا۔ ایک [نے س]خت لہجے میں کہا ''ہم اندر جا رہے ہیں۔ اگر یہاں شور [کرو] گے تو اندر والے خیریت سے نہیں رہیں گے۔ ان کی [سلام]تی کے لیے یہاں تمہیں خاموش رہنا ہوگا۔''

انہوں نے دونوں گارڈز کو وہیں چھوڑ دیا۔ ڈاکٹر کو ساتھ [لے] کر کوٹھی کے دروازے پر آئے۔ کال بیل کا بٹن دبایا۔ [تھو]ڑی دیر بعد گورنس نے دروازہ کھولا۔ وہ ڈاکٹر کے آس [پاس] اتنے سارے مسلح افراد کو دیکھ کر بوکھلا گئی۔ اس کے منہ [سے] آواز بھی نہ نکل سکی۔ ایک نے کہا ''تمہارے لیے خاموشی [بہتر] ہوگی۔ ہمیں میڈم کے کمرے تک لے چلو۔''

موت کے سامنے سب ہی کے منہ بند ہو جاتے ہیں۔ [گو]رنس کے منہ سے بھی ایک آواز نہ نکلی۔ وہ چپ چاپ انہیں [اپ]نے ساتھ لے کر کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی بیڈ [روم] کے دروازے پر آئی اور دروازے پر ہولے سے دستک [دی]۔ اندر سے گل خانم کی آواز آئی ''آ جاؤ۔''

گورنس نہیں آئی وہ سب آ گئے۔ مسلح افراد کو دیکھتے ہی [ا]س کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ یادر خان بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ [تڑ]پ کر اٹھنا چاہتا تھا لیکن پوری طرح نہ اٹھ سکا۔ اس پر ایسا [تش]دد کیا گیا تھا کہ بدن کی ہڈیاں چٹخ رہی تھیں۔ وہ تکلیف سے [کر]اہتے ہوئے کمزور سی آواز میں بولا ''تت۔ تم۔ تم لوگ کون [ہو]؟''

گل خانم نے ہکلاتے ہوئے کہا ''دیکھو گولی نہ چلانا۔ [یہ]ہاں جو کچھ ہے وہ لے جا سکتے ہو۔''

ایک نے کہا ''ہم تمہاری کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے اور نہ ہی تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ بس ہم جو کہتے ہیں اس پر عمل کرو۔''

''آپ۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''اپنا اور یادر خان کا موبائل فون ہمیں دے دو۔ باقی تمہارے گھر والے فون کے تار بھی کاٹ دیئے گئے ہیں۔''

ان دونوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر [س]رہانے کی میز کی طرف دیکھا۔ وہاں دو موبائل فون رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہ دونوں فون اٹھا لیے پھر ان میں [س]ب سے معمر شخص نے جیب سے شناختی کارڈ نکال کر گل خانم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''میں سی' آئی' اے کا افسر باقر مہدی ہوں۔ اگر میں تمہیں اطلاع دے کر سیدھے راستے سے یہاں آتا تو تم میرے یہاں آنے سے پہلے ایس پی ذیشان کو ضرور خبر کرتیں۔ اسی لیے ہم اس طرح یہاں آئے ہیں۔''

گل خانم نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا ''خدا کا شکر ہے۔ آپ سی' آئی' اے کے افسر ہیں۔ میں تو سمجھی تھی ڈاکو آ گئے؟''

باقر مہدی نے کہا ''اگر تم دونوں میرے ساتھ تعاون کرو گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

''آپ چاہتے کیا ہیں؟''

وہ بولا ''تمہارے گھر میں ٹیپ رکارڈر تو ضرور ہوگا؟''

گل خانم نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بولا ''پلیز۔ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ یہاں لے آؤ۔''

وہ کمرے کے ایک حصے سے ایک بڑا سا ٹیپ ریکارڈر اٹھا کر لے آئی۔ باقر مہدی نے ایک ماتحت سے کہا۔ ''ریکارڈنگ کی تیاری کرو۔''

ماتحت نے اپنی جیب سے ایک کیسٹ نکال کر اس کے اندر لگایا اور مائک کو ریکارڈر کے ساتھ منسلک کرنے لگا۔ باقر مہدی نے کہا ''میں تم سے اور یادر خان سے کچھ سوالات کروں گا۔ تم دونوں کو ان کے صحیح جوابات دینے ہیں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں چاہتا۔''

گل خانم اندر ہی اندر پریشان ہو رہی تھی۔ اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ سی' آئی' اے والے ذیشان کے خلاف ہیں اور اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے آئے ہیں۔ باقر مہدی نے اس سے کہا ''آرام سے بیٹھ جاؤ۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

پھر وہ اپنے ہاتھ میں مائک لے کر بولا ''میں دیکھ رہا ہوں کہ یادر خان کو بری طرح ٹارچر کیا گیا ہے۔ اس لیے میں اسے تکلیف نہیں دوں گا۔ خود اس کے پاس جا کر باتیں کروں گا۔''

وہ مائک لے کر یادر خان کے قریب آیا۔ ماتحت نے ریکارڈر کو آن کیا۔ اس نے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''میرا نام یادر خان ہے۔''

''میڈم گل خانم سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟''

دونوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر یادر خان نے کہا ''ہم میاں بیوی ہیں۔''

''میاں بیوی ہیں یا تھے؟''

وہ دونوں پریشان ہو گئے پھر وہ بولا ''جناب ہم میاں بیوی ہیں۔ کل بھی تھے۔ آج بھی ہیں۔ ہمیشہ رہیں گے۔''

باقر مہدی نے سخت لہجے میں کہا "مجھ سے جھوٹ نہ بولنا۔ یہ بات اب چھپی ہوئی نہیں ہے کہ تم اپنی بیوی گل خانم کو طلاق دے چکے ہو۔ جو سچ ہے وہ بولو۔ جھوٹ بولو گے تو قانون کی گرفت میں آؤ گے۔"

یاور خان نے گل خانم کی طرف دیکھا۔ باقر مہدی نے مائک کو گل خانم کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا "تم کیا کہتی ہو؟"

وہ سر جھکا کر بولی "یہ سچ ہے۔ مجھے طلاق ہو چکی ہے۔"

باقر مہدی نے مائک کو یاور خان کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا "اب تم کیا کہتے ہو؟"

وہ سر جھکا کر بولا "اب میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ یہ سچ ہے۔ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی لیکن پچھتا رہا ہوں۔ ہم پھر ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ کیا تم اسلامی قوانین کو جانتے ہو' سمجھتے ہو؟"

"جی ہاں۔ ہم اسی قانون کے مطابق دوبارہ شادی کریں گے۔"

"اور جب تک شادی نہیں ہوگی۔ اس وقت تک تم نامحرم ہو۔ گل خانم کو تم سے پردہ کرنا چاہیے۔ ہمارے دین کا یہ قانون گناہوں سے اور غلطیوں سے بچانے کے لیے ہے۔ کیا تم اس قانون کے مطابق عمل کر رہے ہو؟"

یاور خان جواب نہ دے سکا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ باقر مہدی نے گل خانم سے پوچھا "تم کیا کہتی ہو؟"

وہ چپ رہی۔ اس کے پاس بھی کوئی معقول جواب نہیں تھا۔ باقر مہدی نے پوچھا۔ "اتنا بتا دو۔ ہم سب اس وقت کہاں ہیں؟"

وہ بولی "آپ سب میری کوٹھی میں ہیں۔"

"کوٹھی کے کس حصے میں ہیں؟ کس کمرے میں ہیں؟"

"آپ سب میرے بیڈ روم میں ہیں۔"

"یاور خان کہاں ہے؟"

وہ ایک دم سے گھبرا گئی۔ پریشان ہو گئی۔ جواب دینے سے ہچکچانے لگی۔ باقر مہدی نے کہا "بولو۔ بولو۔ دیر نہ کرو۔ جواب تو تمہیں دینا ہی ہوگا۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "یاور خان میرے بیڈ پر پڑا ہوا ہے۔"

"کیوں پڑا ہوا ہے؟"

"یہ بری طرح زخمی ہو گیا ہے۔"

"اسے کس نے زخمی کیا ہے؟"

وہ گھبرا کر بولی "پلیز۔ آپ ریکارڈر بند کریں۔ آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"ریکارڈر آن رہے گا اور تم دونوں میرے سوالات جواب دیتے رہو گے۔"

یاور خان نے کہا "گل جاناں! جو سچ ہے وہ صاف کہہ دو۔"

باقر مہدی نے مائک کا رخ اس کی طرف کیا۔ وہ "ایس پی ذیشان نے مجھے گرفتار کیا تھا اور مجھے حبس بے جا رکھ کر اتنا تشدد کیا تھا کہ میں آپ کے سامنے پڑا ہوا ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوں۔"

"ایس۔ پی۔ ذیشان نے تمہیں کس لیے گرفتار کیا تم نے یقیناً کوئی ایسا کام کیا ہوگا۔"

"جناب! میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ میں چور بدمعاش نہیں ہوں۔ ایک شریف آدمی ہوں۔ میں نے کبھی کوئی واردات نہیں کی۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں اپنی بیوی سے چاہتا تھا۔ اس کے گھر آنا چاہتا تھا لیکن ایس پی صاحب میری بیوی سے ملنے سے روکتے رہتے ہیں۔"

"وہ کیوں روکتے ہیں؟"

یاور خان نے گل خانم کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو "کیا اصل بات بتا دوں؟"

گل خانم نے کہا "سر! بات اصل میں یہ ہے کہ ایس ذیشان نے سمجھایا ہے' جب تک میں حلالہ کے مرحلے سے گزر روں۔ تب تک ہمیں ایک دوسرے سے نہ تو ملنا چا... اور نہ ہی بات کرنی چاہیے۔"

باقر مہدی نے مائک یاور خان کی طرف کرتے ہو۔ کہا' یہ تو انہوں نے اچھی باتیں سمجھائی تھیں۔ کیا تم نے مشوروں پر عمل کیا؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "نہیں۔ میں اپنی گل خانم کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ میرے سامنے نہیں آتی تھی تو میں فون ذریعے اس سے باتیں کرتا تھا۔ اس سے ملنے کے لیے مچلتا رہتا تھا۔ میں اس کی کوٹھی کے آس پاس گھومتا تھا۔ یہ بالکونی میں آ جاتی تھی۔ ہم دونوں دور سے ایک دوسرے کو دیکھتے تھے۔ ایک بار میں یہاں کے سیکورٹی گارڈز کی نظریں بچا اندر گھس آیا۔ گل خانم نے اس بات پر اعتراض کیا۔ بات بڑھ گئی تو مسلح گارڈز نے مجھے یہاں کے تھانے میں پہنچا دیا۔"

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔ باقر مہدی نے کہا "بولتے رہو سوچ سوچ کر بولو گے تو سچ میں جھوٹ ملاتے رہو گے۔ بولتے جاؤ۔"

بولا "مجھے گل خانم سے ملنے سے روکا جا رہا تھا۔ اس پر مجھے غصہ آیا تھا۔ میں نے سیکورٹی گارڈز پر حملہ کیا تھا۔ مجھے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ بعد میں گل خانم نے صاحب سے۔"

"صرف ایس پی صاحب نہ کہو۔ نام بھی لیتے رہو۔"

بولا "گل خانم نے ایس پی ذیشان صاحب سے کرائی تو مجھے رہا کر دیا گیا لیکن سختی سے کہا گیا کہ آئندہ خانم کی کوٹھی کے قریب بھی دیکھا گیا تو سخت سزائیں ملیں گی۔"

"تمہارے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایس پی ذیشان غلطیوں سے روکنا چاہتے تھے پھر کیا ہوا کہ تمہیں گرفتار اور تم پر اس قدر تشدد بھی کیا گیا؟"

وہ چپ رہا۔ کچھ نہ بولا۔ گل خانم نے کہا "بار بار سمجھانے کے باوجود یہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ رہا تھا۔ بار بار میری کوٹھی کی طرف چلا آتا تھا اور مجھے فون پر پریشان کرتا تھا۔"

وہ جھنجلا کر بولا "گل جاناں! یہ بھی تو بتاؤ کہ میں کیوں پاگل ہو رہا تھا؟ کیوں اس ایس پی ذیشان کے خلاف بول رہا تھا؟"

باقر مہدی نے پوچھا "ہاں یہ بتاؤ' تم ایس پی ذیشان کے خلاف کیوں بول رہے تھے؟ کیوں پاگل ہو رہے تھے؟"

وہ طیش میں آ کر بولا "اس لیے کہ وہ میری بیوی پر ڈورے ڈال رہا تھا۔"

گل خانم نے جلدی سے کہا "بکواس مت کرو۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔"

یاور خان نے کہا "ایسی بات نہیں تھی تو پھر وہ بار بار تمہارے پاس کیوں آتا تھا؟ ایک رات دو بجے تک وہ تمہارے ساتھ یہاں رہا۔ تمہیں پریشان کرتا رہا ہے اور تم اس کے سامنے مجبور بنی رہیں۔ اگر وہ تم پر ڈورے نہیں ڈال رہا ہے تو ہر بار تمہاری سفارش پر مجھے کیوں رہا کر دیا کرتا ہے؟ وہ اس لیے بار بار مجھے گرفتار کرتا ہے کہ تم بار بار اس کے پاس سفارش کرنے کے لیے جاؤ اور بار بار اسے تمہارے پاس آنے کا موقع ملتا رہے۔"

وہ بولی "یاور خان! خدا کے لیے ایک شریف آدمی کو بدنام نہ کرو۔ تم غصے میں آ کر رقابت میں یہ سب کچھ کہہ رہے ہو۔ تمہیں سراسر غلط فہمی ہوئی ہے۔"

باقر مہدی نے کہا "تم دونوں آپس میں بحث نہ کرو۔ گل خانم! تم میری بات کا جواب دو۔ ان دنوں عدت کے ایام گزار رہی ہو۔ اس دوران یعنی چار ماہ دس دنوں تک تمہیں دنیا کے ہر مرد سے پردہ کرنا چاہیے پھر ایس پی ذیشان سے پردہ کیوں نہیں کرتی ہو؟ اگر بحالتِ مجبوری اپنے شوہر کی رہائی کے لیے اس کے پاس جاتی ہو' تو ایس پی ذیشان کی کیا مجبوری ہوتی ہے کہ وہ تمہارے گھر میں چلا آتا ہے؟ جبکہ تمہارے سابقہ شوہر کو گھر میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "دیکھیں آپ غلط نہ سمجھیں۔ میں ایک شام ان کے پاس گئی تھی۔ انہوں نے میری سفارش پر یاور خان کو رہا کرا دیا تھا لیکن میں بیماری کے باعث اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ وہاں بے ہوش ہو گئی تھی۔ وہ مجھے اسپتال لے گئے تھے پھر اسپتال سے یہاں لے کر آئے۔ کسی مجبوری کی حالت میں کسی کی جان بچانی ضروری ہو تو پردہ لازم نہیں ہوتا۔"

یاور خان نے کہا "کیوں خواہ مخواہ اس کی حمایت میں بول رہی ہو؟ وہ تم سے کیسی ہمدردی کر رہا تھا؟ تمہیں اسپتال لے گیا' اسپتال سے یہاں لے کر آیا لیکن یہاں رات دو بجے تک کیا کرتا رہا؟ کیا تمہاری دیکھ بھال کے لیے یہاں کورنس اور ملازمہ نہیں ہیں؟ اور اگر طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی تو کیا ڈاکٹر اور نرس کو نہیں بلایا جا سکتا تھا؟"

وہ چیخ کر بولی "یاور خان! میں تم سے ہمدردی کر رہی ہوں۔ وہ لوگ تمہیں رہا کرنے والے نہیں تھے۔ وہیں تمہارا علاج کرانا چاہتے۔ میں وہاں سے تمہیں یہاں لے آئی تاکہ وہ لوگ تم پر مزید تشدد نہ کریں۔ تم میری مہربانیوں کا' میری ہمدردیوں کا یہ صلہ دے رہے ہو کہ میرے ہی محسن کو بدنام کر رہے ہو؟"

باقر مہدی نے کہا "گل خانم! تمہارے اور یاور خان کے بیانات میں بڑا تضاد ہے۔ یہ تو تم بھی کہہ چکی ہو کہ وہ یہاں آدھی رات کے بعد بھی رہا ہے۔ یہاں آتا جاتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود تم اسے فرشتہ اور پارسا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ تمہارے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے کہ وہ رات دو بجے تک تمہارے پاس کیوں رہا؟ تم دونوں گناہ گار ہو یا نہیں ہو لیکن یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ تم دونوں کے درمیان اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔

تم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہو۔ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ رات کی تنہائی میں رہتے بھی ہو۔ میں تمہیں گناہ گار نہیں کہوں گا لیکن تم دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے جگہ ہے تو مجھے صاف صاف بتا دو۔ کوئی بات مجھ سے نہ چھپاؤ۔"

اس نے سر جھکا لیا۔ وہ صاف طور سے کہہ نہیں سکتی تھی کہ اس کے دل میں ذیشان کے لیے جگہ ہے۔ کم از کم اپنے سابقہ شوہر کے سامنے اقرار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''چلو یہی بتا دو۔ کیا اپنے سابقہ شوہر یاور خان کو دل و جان سے چاہتی ہو؟''

اس نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے پوچھا ''کیا دوبارہ اپنے شوہر سے رجوع کرنے کے لیے حلالہ کے مرحلے سے گزرنا چاہتی ہو؟ کیا ایس پی ذیشان نے تمہیں ایسا کوئی مشورہ نہیں دیا ہے؟''

اس نے پھر ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ باقر مہدی نے کہا ''اس وقت خدا کو حاضر و ناظر جان کر بالکل سچ بولو' کیا ایس پی ذیشان نے تمہیں پرپوز کیا ہے؟''

وہ ذرا بے چین سی ہو گئی۔ اس نے یاور خان کو دیکھا پھر سر کو جھکا لیا۔ باقر مہدی نے کہا ''خاموش نہ رہو۔ اس وقت تمہارا بیان ریکارڈ ہو رہا ہے۔ اس لیے زبان سے بولو۔ کیا ایس پی ذیشان نے تمہیں یہ مشورہ دیا ہے کہ تم اس سے شادی کرو اور پھر طلاق لے کر اپنے پہلے شوہر کے پاس چلی جاؤ؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ باقر مہدی نے سخت لہجے میں کہا ''تم پھر سر ہلا کر اقرار کر رہی ہو۔ یہی بات منہ سے بولو۔ کیا وہ تم سے شادی کرنا چاہتا تھا؟''

''جی ہاں۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن مجھے ان کی شرائط منظور نہیں ہیں۔''

''ایس پی ذیشان نے کیسی شرائط پیش کی ہیں؟''

وہ پریشان ہو کر بولی ''انہوں نے جیسی بھی شرائط پیش کی ہیں یہ میرا اور ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ پلیز آپ اس سلسلے میں کچھ نہ پوچھیں۔''

''میں ضرور پوچھوں گا۔ تم کیسی بیوی ہو کہ شوہر کی محبت کو نہیں سمجھ رہی ہو؟ اس نے غصے میں طلاق دی' ہو گی' لیکن پچھتا رہا ہے۔ بار بار دیوانوں کی طرح تمہارے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ اس دیوانے شوہر کو ایس پی ذیشان بار بار گرفتار کرتا ہے' اس پر تشدد کرتا ہے مگر تم ایس پی ذیشان کو صرف اس لیے بچانا چاہتی ہو کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور تمہارے دل میں بھی اس کے لیے جگہ ہے۔ تم اس سے شادی کرنے کے لیے راضی بھی ہو لیکن اس کی شرائط تمہیں منظور نہیں ہیں۔ تمہیں بتانا ہو گا کہ وہ شرائط کیا ہیں؟''

وہ بولی ''آپ زبردستی مجھ سے بیان لینا چاہتے ہیں۔ میں بیان نہیں دوں گی۔''

''ٹھیک ہے بیان نہ دو۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ایس پی ذیشان نے یاور خان کو حبس بے جا میں رکھا' تھرڈ ڈگری آزمائی۔ اس پر بے انتہا تشدد کیا۔ اس کی قانونی چارہ جوئی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ ہم اسے یہاں سے لے جا رہے ہیں۔''

وہ گھبرا کر بولی ''نہیں۔ آپ اسے نہیں لے جا... بیمار ہے' کمزور ہے۔ میں اس کا علاج کرا رہی ہوں۔''

''ہم ظالم نہیں ہیں۔ ہم بھی یہاں سے لے جا... علاج کرائیں گے۔ یہ اپنی موجودہ حالت میں ایس... کے خلاف ٹھوس ثبوت اور ایک اہم گواہ ہے۔''

وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ ذیشان کے خلاف... نہیں دینا چاہتی تھی لیکن وہاں جتنی باتیں ہو رہی تھیں... کے خلاف جا رہی تھیں۔ کسی مطلقہ سے شادی کرنا کو... ہے۔ بلکہ نیکی ہے لیکن ایسی نیکی کرنے والا ذیشان مجر... والا تھا۔ حالات یہ ثابت کر رہے تھے کہ اس جیسا پولیس افسر ایک مطلقہ عورت کو حاصل کرنے کے لیے سابقہ شوہر پر ظلم کر رہا ہے۔ چونکہ وہ سابقہ شوہر یاور... چاہتا کہ اس کی بیوی اس افسر سے شادی کرے۔

وہ بڑی بے بسی سے بولی ''دیکھیے' ایس پی... بہت اچھے انسان ہیں۔ میرے برے وقت میں... رہے ہیں۔ آپ انہیں غلط نہ سمجھیں۔ یاور خان کے د... گری ہے۔ یہ خواہ مخواہ رقابت محسوس کر رہا ہے اور... خلاف بیان دے رہا ہے۔''

باقر مہدی نے کہا ''یہ اس کے خلاف جو بیان د... دے گا۔ تمہارے اور ذیشان کے تعلقات اس بات... ہو چکے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ رات دو بجے تک یہا... ہے اور تمہارے پاس تنہائی میں آتا جاتا رہتا ہے... ایک دوسرے سے شادی کے لیے راضی ہو چکے ہو۔ م... شرائط ایسی ہیں جن کی وجہ سے معاملہ رکا ہوا ہے۔ جلد... اس کی شرائط مان لو گی اور شادی کے لیے راضی ہو... صورت حال جو بھی ہو تب بھی یہ بات ثابت ہو رہی... ایس پی ذیشان نے یاور خان پر تشدد کیا ہے اور قانو... ہو کر بے جا طریقوں سے قانون کو ہاتھ میں لیا ہے۔''

گل خانم نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔

''تمہاری خاموشی' تمہارا جھکا ہوا سر' تمہاری پریشانی... ہے کہ ایس پی ذیشان تمہارے دل میں گہرائیوں تک... ہے۔ کیا تم چاہو گی کہ میں ابھی فون کر کے پریس رپو... فوٹو گرافرز کو بلاؤں؟''

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ نہیں نہیں کے انداز...

...۔ وہ بولا ''تو پھر بتاؤ۔ ذیشان نے کون سی شرائط پیش... ؟''

...اس کا منہ تکنے لگی۔ سوچنے لگی۔ اگر یہ کہے گی کہ وہ... خاطر شادی کرنا چاہتا تھا اور ایک بچے کی ماں بننے تک... ی بنا کر رکھنا چاہتا تھا۔ تو یہ ذیشان سے سراسر دشمنی... کچھ بھی ہو ذیشان اپنے حالات سے مجبور ہو کر ایسا چاہتا... وہ ایک اچھا انسان تھا۔ اس نے اس کا برے وقت... ساتھ دیا تھا اور اب بھی اسے چاہتا تھا۔ کچھ بھی ہو... کے لیے اس کے دل میں جگہ تھی۔ وہ اس کے خلاف... کی بات نہیں کہنا چاہتی تھی۔

...اقر مہدی نے کہا ''تم خاموش ہو اور کیسٹ ریکارڈر... ۔ جواب دو۔ اس نے کون سی شرائط پیش کی تھیں؟''

...وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''شرائط پیش نہیں کی تھیں۔... ایک شرط تھی اور وہ یہ کہ ہماری شادی ہو گی۔ ہمارے... ن ازدواجی تعلقات قائم ہوں گے۔ اس کے بعد وہ مجھے... دے دیں گے۔ جبکہ میں طلاق لینا نہیں چاہتی تھی۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔ جبکہ اپنے سابقہ شوہر سے... ع کرنا چاہتی ہو۔ حلالہ کے مرحلے سے گزرنا چاہتی ہو۔''

''یہ آپ کہہ رہے ہیں۔ میں نہیں کہہ رہی ہوں۔ میں... بہت سوچا کہ مجھے حلالہ کے مرحلے سے گزرنا چاہیے۔... سابقہ شوہر سے رجوع کرنا چاہیے لیکن میرا ضمیر نہیں... میرا دل نہیں مانتا کہ میری تنہائی میں بار بار ایک مختلف... آئے۔ آئندہ میں شادی کروں گی تو صرف اسی سے جو... بھی طلاق نہ دے گا۔''

''گل خانم! تم بڑی خوبصورتی سے بات بدل رہی... کوئی بات نہیں' تمہارا اتنا ہی بیان کافی ہے۔''

اس نے اپنے ماتحت کو اشارہ کیا۔ اس نے ٹیپ ریکارڈر... بند کر دیا۔ وہ بولا ''جب تک میں قانونی کارروائی مکمل نہ... وں' تم اور یاور خان اسی کوٹھی کے اندر میری حراست میں... میری نگرانی میں رہو گے۔ یہاں تم دونوں کو الگ الگ... رے میں رکھا جائے گا۔ تم ایک دوسرے سے بات بھی نہیں... سکو گے۔''

یہ کہہ کر اس نے موبائل فون پر نمبر پنچ کیے پھر بٹن دبا کر... ے کان سے لگایا۔ پہلے کسی پریس رپورٹر سے بات کی پھر کسی... ٹوگرافر سے بات کی۔ اس طرح ایک کے بعد دوسرے سے... دوسرے کے بعد تیسرے سے رابطہ کرتا چلا گیا۔ گل خانم... یشان ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی باتیں سن رہی تھی۔... اپنے ڈپارٹمنٹ کے اور پولیس ڈپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسران سے بھی فون کے ذریعے ذیشان کے خلاف بہت کچھ بول رہا تھا۔ وہ بہت مجبور ہو گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کس طرح ذیشان کو ایسی منہ زور مخالفتوں سے بچائے۔ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

اس برے وقت میں وہ اپنے محبوب محسن کے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

شہباز درانی سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ پہلے تو اس نے یہی سوچا تھا کہ اگر میں اس کے ہاتھ نہ آیا اور وہ مجھے زیر نہ کر سکا تو مجھے کسی طرح بھی ہلاک کرا دے گا۔

کئی دنوں سے اس کے آدمی میری نگرانی کرتے رہے اور ناکام ہوتے رہے۔ وہ مجھے نقصان پہنچانا چاہتے تھے لیکن خود نقصان اٹھا چکے تھے۔ اسی سلسلے میں اس کا دستِ راست اسد عزیزی اسپتال جا پہنچا تھا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا تھا۔

شہباز درانی کو دوسرا بڑا نقصان یہ پہنچا تھا کہ اس کے بڑے ہی اہم دستاویزات گم ہو گئے تھے اور وہ یہی کہہ رہا تھا کہ میں نے ان دستاویزات کو چرایا ہے یا کسی پراسرار علم کے ذریعے انہیں غائب کیا ہے۔

اس نے نجومی پہلو ماسٹر کے علاوہ ایک ایسے خطرناک جادوگر کی خدمات بھی حاصل کی تھیں جسے کتنے ہی خطرناک پراسرار علوم میں مہارت حاصل تھی۔ وہ آج کل میں یہاں پہنچنے والا تھا تاکہ پراسرار علوم کے ذریعے میری اصلیت اور میری کمزوریاں معلوم کر سکے۔

اس وقت میں پہلو ماسٹر کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور شہباز درانی اپنے خفیہ چیمبر میں بیٹھا سوچ رہا تھا' مقدر حیات ابھی ایک بند کمرے میں ہے۔ وہاں اس پر آسانی سے حملہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی اصلیت اور کمزوری معلوم کرنے کے سلسلے میں بڑی دیر ہو رہی ہے اور وقت ضائع ہو رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ موقع سے فائدہ اٹھایا جائے اور ابھی اسے ٹھکانے لگا دیا جائے۔

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہچکی لینے کی آواز سنائی دی پھر کہا گیا ''یس باس۔! میں ہوں۔ آپ کا خادم ہچکاک۔ حکم کریں؟''

''اسد عزیزی کی حالت بتاؤ؟''

"باس! وہ سو رہا ہے۔ ڈاکٹر اسے نیند کی دوا دیتے رہتے ہیں تاکہ زخموں کی شدید تکلیف سے نجات ملتی رہے اور وہ آرام سے سوتا رہے۔"

وہ ہچکی لے کر بولا "گھٹنوں کی ہڈی جوڑ دی گئی ہے لیکن وہ دو ایک ماہ تک چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے گا۔"

شہباز درانی بولا "تمہیں ایک ضروری کام انجام دینا ہے۔"

"میں حاضر ہوں باس!"

"تم آج تک کسی بھی واردات میں ناکام نہیں رہے۔ اس لیے میں تم پر بھروسا کر رہا ہوں۔ جسے گولی مارنا ہے وہ بہت پراسرار شخص ہے۔ وہ مستقبل کی باتیں جان لیتا ہے۔ اسے معلوم ہو چکا ہے کہ اس پر حملہ کیا جانے والا ہے۔"

اس کی ہچکی سنائی دی پھر وہ بولا "شاید آپ مقدر حیات کی بات کر رہے ہیں؟"

"تم درست سمجھ رہے ہو۔ وہ اس وقت پرل کے کمرا نمبر ایک سو نو میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"وہ وہاں سے چار کاندھوں پر آئے گا۔"

"تمہارے پاس صرف چالیس منٹ ہیں۔ کیا اس چالیس منٹ کے اندر اس کا کام تمام کر سکو گے؟"

"اتفاق سے میں پرل کے قریب ہوں۔"

وہ کہتے کہتے ہچکی لینے کے لیے رکا پھر بولا "ابھی وہاں جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو خوشخبری سناؤں گا اور کوئی حکم؟"

"میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔"

شہباز درانی نے رابطہ ختم کر دیا۔ ہچکاک سسپنس سے بھرپور فلموں کے خالق الفریڈ ہچکاک کا نہ تو کوئی رشتہ دار تھا اور نہ ہی اس سے کوئی مشابہت رکھتا تھا۔ وہ ایک مقامی باشندہ تھا۔ اسے ہچکیاں لیتے رہنے کی بیماری ہو گئی تھی۔ ان ہچکیوں کے حوالے سے بھی اسے ہچکاک کہا کرتے تھے۔

ذیشان نے دوبارہ مجھے فون پر مخاطب کیا اور پوچھا "کیا تم اس مجرم کی نشاندہی کر سکتے ہو جو تم پر حملہ کرنے والا ہے؟"

میں نے کہا "جی ہاں! اسے ایک عجیب سی بیماری ہے۔ وہ رہ رہ کر ہچکیاں لیتا رہتا ہے۔ یہی اس کی پہچان ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ اسے جانی نقصان نہ پہنچایا جائے۔"

ذیشان نے "ٹھیک ہے" کہہ کر فون بند کیا پھر اس نے فون پر بچھو بابا سے رابطہ کر کے اسے ہچکاک کے بارے میں بتایا۔ یہ بھی تاکید کی کہ اسے جان سے نہ مارا جائے۔ صرف اس کے حملے کو ناکام بنا دیا جائے۔

بچھو بابا اس وقت ہوٹل میں لفٹ کے قریب کھڑا
اسے یہ یقین تھا کہ نویں فلور تک پہنچنے کے لیے وہ
استعمال کرے گا۔

تھوڑی دیر بعد ہی ایک شخص جینز اور جیکٹ میں
دیا۔ وہ لفٹ کی طرف آ رہا تھا۔ آتے آتے اس نے
لی پھر بچھو بابا کے سامنے سے گزرتا ہوا لفٹ کے پاس
ہو گیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے آ گیا۔ لفٹ نیچے آ گئی۔
گیا۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے پھر اس سے پہلے
بند ہوتا ایک حسینہ تیزی سے چلتی ہوئی آئی اور وہ بھی
داخل ہو گئی۔ بچھو بابا نے اسے ناگواری سے دیکھا۔
میں بڑی بننے والی تھی۔

لفٹ کا دروازہ بند ہو گیا اور وہ اوپر جانے
دوران میں ہچکاک دو بار ہچکیاں لے چکا تھا۔ اس
تصدیق ہو گئی کہ وہی شخص واردات کرنے کے لیے
ایک سو نو کی طرف جا رہا ہے۔ وہاں پہنچنے تک بچھو بابا
کر گزرنا تھا۔ وہ اس کے بالکل قریب ہو کر آہستگی

"مجھے باس نے بھیجا ہے۔ پروگرام بدل چکا ہے۔
سو نو کی طرف نہیں جانا۔ وہاں تمہارے لیے خطرہ
ہے۔"

اس نے بے یقینی سے بچھو بابا کو دیکھا پھر بولا "
رہے ہو؟"

"یقین نہیں آ رہا ہے تو ابھی فون پر باس
کر لو۔"

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل فون نکالا
نے ریوالور نکال کر اس کے سینے پر رکھتے ہوئے کہا "
یقین ہو گیا کہ تم ہی میرا شکار ہو۔"

وہ حسینہ ریوالور دیکھتے ہی سہم گئی تھی۔ چیخنا چا
بچھو بابا نے دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھتے ہوئے کہا "
آواز نکلی تو تم بھی ماری جاؤ گی۔"

ہچکاک نے پریشان ہو کر پوچھا "تم کون ہو او
رہے ہو؟"

بولتے وقت اس کا منہ کھل رہا تھا۔ بچھو بابا نے
نال منہ میں ٹھونس دی پھر کہا "میں تمہارا ہاتھ دیکھ رہا
لباس کے اندر سے ہتھیار نکالنا چاہتے ہو۔ بچے۔
حسرت دل میں ہی رہ جائے گی۔"

اس نے جیب سے ایک کیپسول نکال کر اس
ڈالتے ہوئے کہا "اسے فوراً نگلو ورنہ گولی چل جائے
یہ کہتے ہی اس نے دوسرے ہاتھ سے گردن کو

ٹریگر دبنے ہی والا ہے۔"

اس نے ریوالور کی نال اس کے منہ سے نکالی پھر ٹریگر پر
ساد باؤ ڈالا۔ وہ سہم کر "نہیں نہیں" کے انداز میں سر ہلاتے
ے اس کیپسول کو نگل گیا۔ لفٹ ساتویں منزل سے گزر رہی
بچھو بابا نے پیچھے ہٹ کر کہا "اب تم کوئی سا بھی ہتھیار
ل سکتے ہو۔"

ہچکاک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ کیپسول کو
ے ہی اس کی کھوپڑی کے اندر سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔ سر
رار ہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہاتھ پاؤں سے جان نکل
ہی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ بیٹھ رہا تھا۔ لفٹ نویں منزل پر پہنچ کر
گئی۔ وہ حسینہ باہر نکل رہی تھی۔ بچھو بابا اس کے پیچھے چلتے
ے بولا "تم میرے نشانے پر ہو۔ اگر اسی فلور میں رہتی ہو تو
پنے کمرے میں چلو۔"

وہ اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگی۔ لفٹ کا دروازہ بند ہو گیا
۔ ہچکاک پھر نیچے کی طرف واپس جا رہا تھا۔ بچھو بابا اس
لباس کے اندر سے ریوالور اور موبائل فون نکال کر لے آیا
۔ اگر اس کے پاس وہ ہتھیار ہوتا تب بھی وہ کچھ نہیں کر سکتا
۔ جہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہ گیا تھا۔ وہ مردہ نہیں تھا۔
ندہ تھا لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے بیٹھے بیٹھے زندگی کی بھیک
نگ رہا ہو۔

اس حسینہ نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔ بچھو بابا اسے
کا دیتے ہوئے اندر آ کر بولا "مجھے افسوس ہے کہ تم میرے
ہوتے سے جرم کی چشم دید گواہ ہو۔"

اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ وہ سہم کر بولی
"میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔"

"ہو سکتا ہے تم سچ بول رہی ہو لیکن میں بھروسا نہیں کروں
گا۔ بائی دا وے، تم کون ہو؟ کیا یہاں اس کمرے میں تنہا رہتی
ہو؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "میں
قاہرہ سے آئی ہوں۔ وہاں کے ایک کیبرے کی رقاصہ ہوں۔
یہاں کے ایک رئیس نے مجھے اپنے اخراجات پر بلایا ہے۔"

"تم دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑی ہو جاؤ۔ میں اس
کمرے کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ حکم ہوا "آنکھیں بند کر دو۔"

وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی "تم میرے ساتھ کیا
سلوک کرنا چاہتے ہو؟ میرے پاس ڈالرز ہیں، زیورات
ہیں۔ تم چاہو تو یہ سب کچھ لے لو مگر مجھے جان سے نہ مارو۔"

"ہوں۔ تمہارے پاس کتنا مال ہے؟"

"میرے پاس تیس ہزار ڈالرز ہیں۔ ہیرے کا ایک نیکلس اور سونے کے زیورات ہیں۔ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ میرا سب کچھ لے لو۔ مجھے دیکھ رہے ہو؟ میں حسین ہوں، جوان ہوں۔ تم چاہو تو یہاں رہ کر اپنا دل خوش کر سکتے ہو۔ میں تمہاری دوست بن جاؤں گی۔"

اس نے ناگواری سے اسے دیکھا پھر کہا "آنکھیں کھولو اور میری طرف دیکھو۔"

وہ آنکھیں کھول کر اس کی طرف پلٹ گئی۔ وہ بولا "میں نے کبھی کسی بے گناہ کو نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ مجھے عورتیں زہر لگتی ہیں۔ اس لیے تمہارے حسن و شباب کا زہریلا گھونٹ نہیں پیوں گا۔ ہاں، تم پر بھروسا کر کے یہاں سے جا رہا ہوں۔ اپنی تمام نقدی اور زیورات مجھے دے دو۔"

وہ فوراً ہی اپنی اٹیچی کھول کر اس میں سے نقد رقم اور زیورات نکال کر بیڈ پر رکھنے لگی۔ بچھو بابا نے ایک ریوالور اپنے لباس کے اندر رکھا پھر دوسرے ریوالور کو بیڈ کے سرے پر رکھ کر ایک طرف گھوم کر ایک خالی شاپر کو اٹھانے لگا۔ وہ اس میں تمام نقدی اور زیورات رکھنا چاہتا تھا لیکن جب وہ پلٹا تو ریوالور اس حسینہ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی "خبردار! کوئی حرکت کرو گے تو گولی مار دوں گی۔"

وہ اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولا "اسی لیے عورت مجھے زہر لگتی ہے۔ میں نے تجھے گولی نہیں ماری اور تو مجھے گولی مارنا چاہتی ہے؟"

وہ بیڈ پر جھک کر نقدی اور زیورات شاپر میں ڈالنے لگا۔ حسینہ نے ٹریگر پر انگلی رکھ کر اسے دبایا تو کھٹ کی آواز آئی۔ نہ گولی چلی، نہ فائر کی آواز گونجی۔ اس نے بار بار ٹریگر کو دبایا پھر پریشان ہو کر بچھو بابا کو دیکھنے لگی۔ وہ تمام مال شاپر میں رکھنے کے بعد بولا "تم کیبرے ڈانسر ہو۔ شراب تو پیتی ہو گی؟"

اس نے جلدی سے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا "کیا پینا چاہتے ہو؟"

وہ خشک لہجے میں بولا "بوتل نکالو۔"

اس نے فوراً ہی پلٹ کر الماری کھولی اور ایک بوتل اور دو گلاس نکال کر لے آئی۔ انہیں سینٹر ٹیبل پر رکھ کر بوتل کو کھول کر دو پیگ بنانے لگی۔ وہ بولا "پیگ نہ بناؤ۔ دونوں گلاس بھر دو۔"

وہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بولی "آؤ بیٹھو۔"

وہ اپنے لباس سے ریوالور نکال کر اسے نشانے پر رکھتے ہوئے بولا "نہیں، تم بیٹھو اور دونوں گلاس خالی کرو۔"

وہ ریوالور دیکھ کر سہم گئی۔ پیچھے ہٹ کر بولی ''میں اتنی شراب نہیں پی سکوں گی۔''

''بحث نہ کرو۔ بیٹھ جاؤ۔ جتنی پی سکتی ہو، پیتی چلی جاؤ۔''

ریوالور بالکل چہرے کے سامنے تھا۔ اس نے کرسی پر بیٹھ کر گلاس کو اٹھا کر منہ سے لگایا۔ ایک ایک گھونٹ پینے لگی۔ وہ بولا ''گلاس نیچے نہیں رکھو گی' پیتی رہو گی۔''

وہ عاجزی سے بولی ''میں نہیں پی سکوں گی۔ میں چار پیگ سے زیادہ پی نہیں سکتی۔''

''تم ریوالور کی گولی بھی نہیں نگل سکو گی۔ لہٰذا جو ہاتھ میں ہے اسے نگلتی رہو۔''

نیٹ وہسکی تھی۔ نہ پانی ملایا تھا نہ سوڈا اس لیے اس میں گرمی اور تیزی زیادہ تھی۔ ایک ایک گھونٹ اس پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ ایک گلاس خالی ہونے کے بعد اس کی آنکھیں نشیلی ہو گئی تھیں۔ چہرہ تمتمار ہا تھا۔ وہ مستی میں آ گئی تھی۔ مسکرا کر نشیلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئی بولی ''کیسا مرد ہے تو؟ اتنی خوبصورت جوانی تیرے سامنے بچھی ہوئی ہے۔''

وہ صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔ بچھونے کی طرح بچھ گئی۔ وہ ڈانٹ کر بولا ''سیدھی طرح بیٹھو اور دوسرا گلاس منہ سے لگاؤ۔''

وہ نشے میں لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے بولی ''ہائے' کیسا غصہ دکھاتا ہے۔ ابھی تیرا غصہ ٹھنڈا کر دوں گی۔''

یہ کہہ کر وہ اپنا لباس اتارنا چاہتی تھی۔ اس نے قریب آ کر ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر سیدھی بیٹھ گئی۔ نشہ ہرن ہو گیا۔ خوش فہمی ختم ہو گئی۔ ریوالور کے ساتھ پھر موت دکھائی دینے لگی۔ وہ ڈانٹ کر بولا ''اٹھا گلاس۔''

اس نے جلدی سے گلاس اٹھایا پھر ایک گھونٹ پینے کے بعد لڑکھڑاتی آواز میں بولی ''تم کیوں زبردستی پلا رہے ہو؟ میرے پینے سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟''

''میں تمہیں اس قدر مدہوش کر دوں گا کہ تم اپنے آپ سے غافل ہو جاؤ اور کسی سے کچھ بولنے کے قابل نہیں رہو گی۔ جب تک ہوش میں آؤ گی تو میں تم سے دور جا چکا ہوں گا۔ تم ہوٹل والوں کو اور پولیس والوں کو میرا حلیہ بتاتی پھرو گی مگر کوئی مجھے پا نہیں سکے گا۔ کیوں کہ میرا حلیہ بدل چکا ہو گا۔''

وہ باتوں میں وقت ضائع کر رہی تھی۔ پینا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے غصے سے کہا ''تو کتے کی بچی ہے۔ مرنا چاہتی ہے۔ جبکہ میں خوا مخواہ کسی کی زندگی سے نہیں کھیلتا۔ تو نے دیکھا ہے۔ میں نے لفٹ میں بھی اپنے اس دشمن کو ہلاک نہیں کیا۔ بس اسے بے دست و پا بنا کر چھوڑ دیا۔ تیرے سا[تھ] یہی کر رہا ہوں مگر تو سیدھی طرح میری بات نہیں مانے گی[...]

اس نے بوتل کو اٹھا کر کھولا پھر اس کے بالوں کو م[ٹھی میں] جکڑ کر ایک جھٹکا دیا تو اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ [...] بوتل منہ میں گھس گئی۔ اس میں سے شراب نکل کر آ[...] کے حلق میں جانے لگی۔ آدھی باہر چھلکنے لگی۔ شراب حلق [سے] اترتے وقت سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ وہ ت[...] اس کی گرفت سے نکلنا چاہتی تھی۔ بچھو بابا اسے صوفے [پر] چڑھ بیٹھا پھر اس کے منہ میں بوتل ٹھونس دی۔ کہنے لگا [...] لیے عورت زہر لگتی ہے۔ سیدھی طرح بات نہیں مانتی۔ [...] بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تجھے زندہ چھوڑ رہا ہوں۔ اس [...] کر رہا ہوں۔

بوتل خالی ہو گئی۔ وہ اوپر سے ہٹ گیا۔ وہ ابکا[ئی] کے انداز میں تڑپ رہی تھی مگر اپنے ہوش میں نہیں تھی۔ [...] قدر حاوی ہو گیا تھا کہ آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔ [...] سے شراب رس رہی تھی۔ جتنی مقدار میں اندر پہنچا تھ[ا ...] سے زیادہ پہنچ گئی تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں ساکت ہو گئی۔ حواس سے بیگانہ اور اپنے آپ سے غافل ہو کر صوفے [پر] سدھ پڑ گئی۔

وہ نقدی اور زیورات کا شاپر اٹھا کر جانے لگا۔ م[یں] ماسٹر کے کمرے میں ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا اور ہر ایک کے [ہاتھ] کی لکیروں پر چل رہا تھا۔ ایک ایک کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

بچھو بابا ذیشان کی کال پر پاکستان آیا تھا۔ پبلو شہباز درانی کی کال پر آیا تھا۔ وہ مصری رقاصہ ایک رئیس کی کال پر دل خوش کرنے آئی تھی۔ وہ ہچکیاں لینے وا[لا] ہچکاک بھی اپنے باس کی کال پر ہوٹل پہنچا تھا۔ جب ضرو[رتیں] کال کرتی ہیں تو سبھی ایک دوسرے کی کال پر کسی سے کا[م لیتے] ہیں' کسی کے کام آتے ہیں' کسی سے فائدہ حاصل ک[رتے] ہیں اور کسی سے نقصان اٹھاتے ہیں۔

میں دو گھنٹے تک پبلو ماسٹر کے کمرے میں بیٹھا رہا[۔ ان] دو گھنٹوں میں میری طرف آنے جانے والوں نے کیا پا[یا اور کیا] کھویا؟ اس کا حساب کیا جائے تو پتا چلے گا کہ ہر ایک کے [...] نقصان کے پیچھے میں ہی میں تھا۔

میں نے پبلو ماسٹر سے کہا ''تمہاری خدمات [حاصل] کرنے والے شہباز درانی نے مجھے ایک گھنٹے یہاں ر[وکنے] کے لیے کہا تھا اور تم نے مجھے روک لیا۔ اب مجھے [جانا] چاہیے۔''

وہ مجھ سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ کہنے لگا ''میں تمہا[رے ساتھ]

رہنا چاہتا ہوں۔ تم سے بہت کچھ حاصل کرنا چاہتا [ہوں۔]''

میں نے کہا ''پھر تو مجھے تمہارا ہاتھ دیکھنا ہو گا۔ معلوم کرنا [ہو گا کہ] تم مجھ سے کچھ حاصل کر بھی سکو گے یا نہیں؟''

اس نے اپنی دائیں ہتھیلی میری طرف بڑھائی۔ میں [اس کا ہاتھ] تھام کر لکیروں کو دیکھنے لگا۔ اس کے اندر تجسس پیدا ہونے [لگا۔ ...] پتا نہیں میں اس کی لکیروں کو کتنی گہرائیوں سے دیکھ رہا [ہوں] اور کیا کہنے والا ہوں۔

میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس نے بے چینی سے [پوچھ]ا ''کیا ہوا؟''

میں نے کہا ''شہباز درانی میری اصلیت اور میری [کمزو]ریاں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اس نے تمہاری [خدما]ت حاصل کیں۔ تم نے مجھ تک پہنچنے کے لیے میرے ہاتھ [کی] لکیریں پڑھنے کے لیے کسی اور کی خدمات حاصل کیں اور [اس] سے وعدہ کیا کہ اسے ایک بڑی رقم ادا کرو گے۔''

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولا ''بے شک، میں نے [ایک] خطرناک آدمی کی خدمات حاصل کی تھیں۔''

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور جاتے ہوئے بولا ''وہ خطرناک [آدمی اپن]ی رقم وصول کرنے آ رہا ہے۔''

وہ تیزی سے چلتا ہوا' میرے سامنے آ کر راستہ روکتے [ہو]ئے بولا ''کہاں جا رہے ہو؟ وہ کیوں آ رہا ہے؟ اس نے تو [ابھی] کوئی کام نہیں کیا ہے۔''

میں نے اسے راستے سے ہٹاتے ہوئے کہا ''اس نے [کا]م کیا ہے یا نہیں، تمہارا ہاتھ کہہ رہا ہے کہ رقم تو تمہیں ادا کرنی ہو گی۔ وہ تم سے نمٹنے آ رہا ہے۔''

یہ کہہ کر میں دروازہ کھولتے ہوئے باہر چلا گیا۔ وہ [پر]یشان ہو کر کبھی بند دروازے کو تکتا کبھی ہاتھ کی لکیروں کو۔ وہ [ایک] ماہر نجومی تھا۔ اپنے ہاتھ کی لکیروں کو اتنی گہرائی تک نہیں [پڑ]ھ سکتا تھا' جتنا کہ میں پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ حقیقتاً میں دھوکا [دیت]ا تھا۔ ہاتھ کی لکیریں بھی اتنی گہرائی تک اور دور تک اتنی [تف]صیل سے نہیں بتاتیں' جتنی تفصیل سے میں بتا دیا کرتا ہوں۔

پبلو ماسٹر کو اب اپنی مہارت سے زیادہ میری پیش گوئی پر [یق]ین تھا۔ وہ فوراً ہی ٹیلیفون کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ریسیور اٹھا [کر] شہباز درانی کے نمبر پنچ کئے اور رابطہ ہوتے ہی بولا ''مجھے [ابھ]ی اور اسی وقت پاکستانی کرنسی میں دس لاکھ روپے کی [ض]رورت ہے۔''

اس نے پوچھا ''ایسی ایمرجنسی کیوں ہے؟''

''میں آپ کو بتا چکا ہوں' میں نے مقدر حیات تک پہنچنے اور اس کا ہاتھ پڑھنے کے لیے ایک خطرناک مجرم کی خدمات حاصل کی تھیں اور اسے دس لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب وہ اپنی رقم وصول کرنے آ رہا ہے۔''

''کیا اسی شخص نے مقدر کو تمہارے کمرے میں پہنچایا تھا؟''

''نہیں، مقدر حیات خود میرے پاس آیا تھا۔''

''پھر وہ کس بات کے دس لاکھ لے گا۔ تم اتنی بڑی رقم ادا کرنے سے انکار کر دو۔''

''میں اس کے ہاتھ کی لکیریں پڑھ چکا ہوں۔ اس نے پہلے کئی قتل کئے ہیں۔ بہت ہی بے رحم ہے۔ وہ مجھے گولی مار کر چلا جائے گا۔ آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔''

''تم ڈرو نہیں، میرا ایک آلۂ کار اس ہوٹل میں پہنچا ہوا ہے۔ وہ مقدر حیات کو ٹھکانے لگانے کے بعد اسے بھی ٹھکانے لگا دے گا۔''

وہ ناگواری سے بولا ''پتا نہیں تم کیسے چوہوں سے کام لیتے ہو؟ وہ اپنے بل سے نکلتے ہی نہیں ہیں۔ تمہارے کہنے پر میں نے ایک گھنٹے تک مقدر حیات کو اپنے کمرے میں روک رکھا تھا۔ وہ ابھی یہاں سے گیا ہے۔ اس کا کچھ نہیں بگڑا۔ تمہارا وہ قاتل کہاں مر گیا ہے؟''

''میں ابھی معلوم کرتا ہوں کہ وہ کہاں ہے؟''

''آپ کی معلومات حاصل کرنے تک وہ بے رحم قاتل میرے کمرے میں پہنچ جائے گا۔''

''اگر وہ آ جائے تو اس سے وعدہ کرو کہ تم اسے ابھی رقم ادا کرو گے لیکن رقم کا انتظام کرنے میں کم از کم گھنٹا بھر تو لگے گا۔''

''ہاں۔ اتنی دیر کے لیے میں اسے روک سکتا ہوں۔''

شہباز درانی نے رابطہ ختم کیا اور ہچکاک کے موبائل کے نمبر پنچ کئے۔ بچھو بابا شاپر اٹھائے اس مصری رقاصہ کے کمرے سے باہر جا رہا تھا کہ موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ وہ رک گیا۔ اس نے جیب سے موبائل کو نکال کر نمبر پڑھے پھر اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا ''ہاں بھئی بولو! بازار کا کیا بھاؤ ہے؟ میرے بازار میں انسان ردی کے بھاؤ جا رہا ہے۔''

شہباز درانی نے ناگواری سے پوچھا ''کون ہو تم؟ ہچکاک کہاں ہے؟''

وہ بولا ''یہ ہچکاک کیا ہوتا ہے؟''

پھر چونک کر بولا ''اچھا، سمجھ گیا۔ تم اس ہچکیاں لینے والے کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔ بھئی وہ تو ردی کے بھاؤ چلا گیا۔''

وہ غصہ سے بولا ”کیا بکواس کرر ہے ہو؟“

”اگر یہ بکواس ہے تو پرل کے منتظمین سے پوچھ لو۔ وہی بتا سکیں گے کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ بہر حال زندہ ہوگا۔ ہچکیاں لے رہا ہوگا۔ میں نے اسے آخری ہچکی تک نہیں پہنچایا ہے۔“

اس نے فون بند کر دیا۔ پلٹ کر دیکھا۔ مصری رقاصہ صوفے پر مدہوش سی پڑی تھی۔ بیڈ پر ہچکاک کا خالی ریوالور پڑا ہوا تھا۔ وہ اس کے موبائل کو بھی وہیں پھینک کر تیزی سے چلتا ہوا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ اسی فلور پر پبلو ماسٹر کا کمرہ تھا۔ اس نے دروازے پر آ کر کال بیل کا بٹن دبایا۔ اندر بیٹھا ہوا پبلو ماسٹر اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے دروازے کی نہیں خطرے کی گھنٹی بجی ہو......

وہ سہمے ہوئے انداز میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے پاس آ کر بولا ”کون ہے؟“

باہر سے آواز آئی ”روم سروس۔“

پبلو ماسٹر نے اطمینان کی سانس لی اور دروازہ کھول دیا مگر اسے کھولتے ہی ایک دم سے گھبرا گیا۔ سامنے موت کا فرشتہ کھڑا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اندر آ کر دروازہ بند کرتے ہوئے بولا ”میں نے غلط کہہ دیا تھا۔ مجھے روم سروس نہیں، لائف سروس کہنا چاہیے تھا۔“

پبلو ماسٹر نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا ”آؤ یہاں بیٹھو۔“

”میں بیٹھنے نہیں، یہ کہنے آیا ہوں کہ مقدر حیات یہاں آیا تھا۔ تم اس کا ہاتھ پڑھ چکے ہو۔ اب میری رقم ادا کرو۔“

وہ بولا ”مسٹر! میں نے ایئر پورٹ میں تمہارے ہاتھ کی لکیریں پڑھی تھیں، تمہارا ہاتھ کہتا ہے کہ تم بہت ہی انصاف پسند ہو۔ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ کسی سے جبراً کوئی رقم وصول نہیں کرتے۔ مجھ سے بھی رقم کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ مقدر حیات کو تم نے یہاں نہیں پہنچایا تھا۔ وہ خود یہاں آیا تھا۔“

”میرے ہاتھ کی لکیریں یہ نہیں بتائیں گی کہ مقدر حیات اس شخص کا عزیز ہے جس کے لیے میں کام کرتا ہوں اور تم اس کے کام آ رہے ہو جو میرے باس کا دشمن ہے۔ اس حساب سے تم بھی میرے دشمن ہوئے۔ میرا ہاتھ دیکھنے والے تمہیں معلوم ہوگا کہ میں دشمنوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہوں۔“

وہ سہم کر پیچھے ہٹا اور تھوک نگلتے ہوئے بولا ”دیکھو مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نہیں جانتا تھا کہ مقدر حیات تمہارے باس کا عزیز ہے پھر میں یہاں مقدر حیات سے دشمنی کرنے نہیں آیا تھا۔ صرف اس کے ہاتھ کی لکیریں پڑھنے آیا تھا۔“

”اور ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر اس کی کمزوریاں اپنے [illegible] کو بتانے آئے تھے؟“

”مجھے معلوم ہوتا کہ مقدر حیات کا تعلق تم سے ہے تو کبھی اس کے خلاف کوئی کام نہ کرتا اور نہ ہی آئندہ اس [illegible] خلاف کوئی کام کروں گا۔“

”ابھی تو جرمانے کے طور پر دس لاکھ ادا کرو۔“

وہ سر ہلا کر بولا ”ٹھیک ہے۔ میں رقم دوں گا لیکن ا[illegible] کرنے میں تقریباً دو گھنٹے تو لگیں گے۔“

”ٹھیک ہے انتظام کرو۔“

اس نے فون کے پاس آ کر ریسیور اٹھا کر شہباز درانی [illegible] رابطہ کیا ”وہ دس لاکھ وصول کرنے آ پہنچا ہے۔“

شہباز درانی نے پوچھا ”کون ہے وہ جس سے تم [illegible] قدر خوفزدہ ہو؟ اس سے کہہ دو کہ ایک گھنٹے کے اندر اسے [رقم] مل جائے گی۔ وہ وہیں انتظار کرے۔ میرے آدمی آ کر اسے ٹھکانے لگا دیں گے یا اسے رقم ادا کر دیں گے لیکن [illegible] کے لیے اسے پہچان لیں گے۔“

پبلو ماسٹر نے کہا ”نہیں مسٹر! میں یہ خون خرابے [illegible] باتیں بالکل پسند نہیں کرتا۔ تم نے کہا تھا کہ صاف ستھرا [illegible] ہے۔ تم تو مجھے مجرمانہ معاملات میں ملوث کرر ہے ہو۔“

”ٹھیک ہے۔ آئندہ تمہیں کسی غیر قانونی معاملے [illegible] نہیں الجھایا جائے گا۔ اگر وہ شخص تمہارے سامنے موجود [ہے تو] اس سے میری بات کراؤ۔“

پبلو ماسٹر نے ریسیور بڑھاتے ہوئے کہا ”مسٹر! صاحب دس لاکھ ادا کریں گے۔ یہ تم سے بات کرنا چا[ہتے] ہیں۔“

بچھو بابا نے سوچتی ہوئی نظروں سے ریسیور کو دیکھا [illegible] آگے بڑھ کر اسے لیتے ہوئے کان سے لگا کر بولا ”ہوں۔“

شہباز درانی نے کہا ”میرے نجومی نے بتایا ہے۔ تم [illegible] کام کے آدمی ہو۔ میں ایک گھنٹے کے اندر تمہیں دس لا[کھ] روپے ادا کر دوں گا اور آئندہ بھی تم سے کام لینا چاہوں گا۔“

بچھو بابا کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ وہ بولا ”اب[ے] وہی ہے نا، جسے میں نے تھوڑی دیر پہلے بازار کا بھاؤ بتایا تھا؟“

شہباز درانی نے چونک کر پوچھا ”تم؟ ابھی تم ہچکاک کے فون پر بول رہے تھے۔ آخر تم ہو کون؟“

”میں جراثیم کش دوا ہوں۔ میرا باس تم جیسے کیڑے مکوڑوں پر مجھے اسپرے کرتا رہتا ہے۔“

وہ غرا کر بولا ”ہوں۔ میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔ مقد[ر حیات] [illegible]

[وہ]ی تمہارا باس ہے۔ تم اس کے لیے کام کرر ہے ہو۔ اسی [م]وت بن کر آنے والے ہچکاک کو تم نے کہیں غائب کر [دیا ہے۔]“

”تو کس مقدر حیات کو میرا باس کہہ رہا ہے۔ میں نے [تو] اس کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ میرا باس کون ہے یہ تو [تو] نہیں جان پائے گا۔“

وہ ریسیور پبلو ماسٹر کو دیتے ہوئے بولا ”میں صرف یہ [جانتا] ہوں۔ یہ نہیں جانتا کہ وہ دس لاکھ روپے کہاں سے آئیں [گے] تو کہیں سے بھی ایک گھنٹے کے اندر رقم لے کر آ میں آؤں گا [یا میرا] کوئی آدمی آ کر وہ رقم لے جائے گا۔“

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ پبلو ماسٹر نے ریسیور کان سے لگا کر [کہا] ”ہیلو مسٹر۔! مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں کچھ زیادہ ہی پیچیدہ [مع]املات میں الجھ رہا ہوں۔ اگر آپ اپنے معاملات سے مجھے [دور] نہیں رکھیں گے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ آپ سن [رہ]ے ہیں نا؟“

اس نے جواب کا انتظار کیا پھر مخاطب کیا ”ہیلو مسٹر۔! [ہیلو۔ ہیلو۔]“

اس نے ریسیور کو دیکھا پھر ناگواری سے منہ بنا کر اسے [کری]ڈل پر رکھ دیا۔ دوسری طرف شہباز درانی بری طرح الجھ [گیا] تھا۔ اسے ناکامی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ وہ دوسرے [سی]اسی معاملات میں کامیاب ہوتا رہتا تھا اور اب تو زیشان اور [گ]ل خانم کے معاملے میں بھی اچھی خاصی کامیابی حاصل کرنے والا تھا لیکن میرے معاملے میں پے در پے ناکامیوں سے [و]اسطہ پڑ رہا تھا۔ اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کس طرح اس کے قابو میں آؤں گا؟

فون کا بزر سنائی دیا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ سر گھما کر [او]ر میز پر رکھے ہوئے موبائل فون کو دیکھنے لگا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا فون کے قریب آ کر نمبر پڑھنے لگا، پتا چلا کہ میں اسے مخاطب کرر ہا ہوں۔

اس نے موبائل کو مٹھی میں یوں جکڑ لیا جیسے میری گردن دبوچ رہا ہو۔ ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر سوچنے لگا۔ موبائل کا بزر بولتا جا رہا تھا۔ آخر اس نے بٹن کو دبا کر کان سے لگاتے ہوئے جھنجلا کر کہا ”بکو۔ کیا بکنا چاہتے ہو؟“

میں نے کہا ”اچھی باتیں ہمیشہ بکواس لگتی ہیں۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا، تمہاری زندگی میری زندگی ہے، تمہاری موت میری موت ہے۔ ہم دونوں کا مقدر ایک ہے لیکن تم نے میری بات کا یقین نہیں کیا۔ یہی بات تمہارے اپنے اعتماد کے نجومی نے کہی ہے پھر بھی تمہیں یقین نہیں آ رہا؟“

وہ غصہ سے بولا ”ہاں۔ دنیا کا کوئی آدمی یقین نہیں کرے گا کہ دو انسانوں کے ہاتھ بالکل ایک جیسے ہو سکتے ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کی زندگی اور موت سے جوڑ سکتی ہیں۔“

”تم ابھی یقین نہ کرو لیکن رفتہ رفتہ تسلیم کر لو گے۔ یہی دیکھ لو کہ تم نے میری موت کا ہرکارہ بھیجا تھا۔ لیکن میں کیسے مرتا؟ تمہارے مقدر میں زندگی ہے، اس لیے میرے مقدر میں بھی زندگی ہے۔ یقین نہیں آ رہا ہے تو خودکشی کر کے دیکھ لو۔ تمہارے مرتے ہی میں بھی مر جاؤں گا۔“

☆☆☆

دن کا وقت تھا لیکن عینی کے چاروں طرف رات تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی زندگی میں کب تک مسلسل رات رہے گی۔ وہ اپنے بیڈ روم میں تنہا کھڑی ہوئی تھی۔ یہ جانتی تھی کہ بیڈ کہاں ہے۔ میز، کرسیاں، الماریاں، ٹی وی، اور ریکارڈ پلیئر وغیرہ کہاں کہاں ہیں۔ اس کے باوجود وہ وہاں تک پہنچتے پہنچتے اٹک جاتی تھی۔

اس وقت وہ کمرے میں کبھی ادھر جا رہی تھی، کبھی ادھر جا رہی تھی۔ بیڈ سے ٹی وی تک پہنچنے کے لیے قدموں کو گنتی تھی پھر ٹی وی سے الماری تک کتنے قدم ہوتے ہیں ان کا حساب رکھتی جا رہی تھی۔

ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچنے کے لیے کتنے قدم ہوتے ہیں ان کو یاد رکھنا کچھ مشکل نہ تھا لیکن جونہی پاشا کا خیال آتا تو وہ گنتی بھول کر سوچ میں پڑ جاتی تھی کہ وہ زندہ سلامت ہے اور اسی شہر میں ہے پھر اس سے ملنے کیوں نہیں آتا؟

پھر اس خیال نے ستایا کہ اگر مل نہیں سکتا تو فون کے ذریعے کیوں رابطہ نہیں کرتا؟

یہ دل توڑنے والی باتیں تھیں۔ کیا اس کا دل پھر گیا ہے؟ یا کسی نے اسے اس سے اور عروج سے بدظن کر دیا ہے؟ کوئی ایسی بات ہے جس نے اسے ان دونوں سے دور کر دیا ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس کا دل رک سا گیا تھا۔

پھر سوتیلی ماں دردانہ بیگم کا خیال آتا کہ اس نے ہی ایسا کیا ہوگا۔ پتا نہیں اس نے کیا جادو کیا ہے اور کیا پڑھ کر اسے کھلا دیا ہے کہ وہ ان کی طرف مائل نہیں ہو رہا ہے؟ اور دردانہ جس طرح چیلنج کے انداز میں بولتی ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پاشا پوری طرح اس کی گرفت میں ہے۔

دماغ میں ایسے ایسے سوالات پیدا ہوتے رہتے تھے کہ دل گھبرانے لگتا تھا۔ عروج ساتھ ہوتی تو وہ ایک دوسرے کو تسلیاں دیتی رہتیں۔ اس وقت عروج بھی نہیں تھی۔ آج وہ یہ کہہ کر گئی تھی کہ بڑے بڑے ڈاکٹروں کی سالانہ میٹنگ ہے۔ وہ شام تک مصروف رہے گی۔

دروازے پر دستک سنائی دی۔ عینی نے سر گھما کر آواز کی سمت دیکھا۔ اب تو آواز سے ہی اندازہ ہوتا تھا کہ دروازہ کہاں ہے اور کھڑکیاں کہاں ہیں اور آنے والا کہاں کھڑا ہوا بول رہا ہے؟ اس نے پوچھا ”کون ہے؟“

باہر سے آواز سنائی دی ”بیٹی! میں ہوں۔ تمہاری پھوپی جان۔“

اس وقت اسے اپنے خیالات میں مداخلت پسند نہیں تھی لیکن دروازے پر آنے والی بزرگ خاتون سے کترایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے بے دلی سے کہا ”آ جائیں۔“

فلک ناز دروازہ کھول کر اندر آئی پھر بولی ”میں جانتی تھی تم یہاں تنہا بور ہو رہی ہو۔ عروج اپنے اسپتال کے سالانہ فنکشن میں گئی ہوئی ہے۔“

”سالانہ فنکشن ہو یا نہ ہو۔ یوں بھی جب عروج اسپتال چلی جاتی ہے تو میں تنہا رہ جاتی ہوں۔ یہ تنہائی تو میرا مقدر بن گئی ہے۔“

”تنہا رہیں تمہارے دشمن۔ یہ تمہارا عدنان ملنے آیا ہے۔“

اس نے اپنے بیٹے کو میرا عدنان نہیں کہا۔ عینی سے منسوب کیا کہ تمہارا عدنان آیا ہے۔ وہ بولا ”ہائے عینی! تمہیں یوں الگ تھلگ نہیں رہنا چاہیے۔ اگر عروج مصروف رہتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم کمرے میں تنہا بیٹھی رہو۔ آؤ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔“

وہ بڑی مایوسی سے بولی ”میں کھلی فضا میں جا کر کیا دیکھوں گی؟ اس دنیا کے سارے نظارے میرے لیے ممنوعہ ہو چکے ہیں۔“

عدنان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اب اسے کیا کہنا چاہیے۔ ماں نے جتنا سکھایا تھا اس نے آتے ہی بول دیا تھا۔ وہ ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس نے اشارے سے سمجھایا کہ اس کا ہاتھ تھام لو۔ وہ ایک قلم اور کاپی پکڑے ہوئے تھی۔ فوراً ہی جلدی جلدی لکھنے لگی۔ عدنان عینی کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔ فلک ناز نے بیٹے کے سامنے کاپی بڑھائی۔ وہ اسے پڑھتے ہوئے عینی کا ہاتھ تھام کر بولا ”میں تمہیں مایوس نہیں ہونے دوں گا۔ تم میری آنکھوں سے دنیا دیکھو گی۔ میرے ساتھ چلو۔ باہر جو کچھ ہوگا۔ میں تمہیں بتاؤں گا۔ جیسے سب کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔“

عینی نے پوچھا ”یہ تم اٹک اٹک کر کیوں بول ر

”وہ۔ دراصل جلدی میں لکھی ہوئی رائٹنگ پڑھی نہیں جاتی۔“

ماں نے اس کے سر پر چپت مارتے ہوئے کہا ” کے سامنے بدحواس ہو جاتے ہو۔ یہ پڑھنے کی بات رہی ہے۔ بولنے کی بات کر رہی ہے۔ بیٹی۔! بات یہ جب بھی تمہارے سامنے آ کر دل کی بات کہنا چاہتا۔ اسی طرح بوکھلا جاتا ہے۔“

عینی نے پوچھا ”اچھا، تو یہ تمہاری دلی خواہش۔ تمہارے ساتھ باہر چلوں؟“

”ہاں بیٹی! اچھا ہے، عروج کے واپس آنے تا وقت گزر جائے گا اور دل بھی بہل جائے گا۔“

”اچھی بات ہے۔ عدنان! تم جاؤ گاڑی نکا پھوپی جان کے ساتھ آ رہی ہوں۔“

عدنان باہر آ گیا اور گیرج سے کار نکال کر پورچ آیا پھر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر وہ کاپی کھولی جس میں ما اپنی ہونے والی بہو کو پھانسنے کے نسخے لکھے تھے۔

وہ چوبیس برس کا اچھا خاصہ جوان تھا لیکن ذہنی طو تھا۔ وہ عشق و محبت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ ما کے پیچھے پڑی رہتی تھی کہ اسے عینی کا دل جیتنا چاہیے تنہائی میں بیٹھ کر اسے ہجے کر کے سمجھایا کرتی تھی کہ کر عینی کے قریب رہنا چاہیے۔ اس کا ہاتھ پکڑنا چاہیے۔ آ نے سمجھایا تھا کہ وہ باہر چلنے پر راضی ہو جائے تو وہ ا پارک میں لے جائے اور جب وہ پیدل چلنے لگے تو اس تھام لے... اگر وہ کہیں لڑکھڑائے تو اسے اس طرح سن کہ وہ آ کر اس کے گلے لگ جائے۔

اس نے پوچھا ”اماں مما۔! اس سے کیا ہوگا؟“

”تمہیں تو کبھی کچھ نہیں ہوگا۔ تم تو اناڑی ہو لیکن و ہے۔ اس طرح اس کے جذبات بھڑکیں گے۔ وہ تم ہوگی اور تمہاری طرف مائل ہونے لگے گی۔“

”لیکن اماں مما۔! اب اسے بہو بنانے کا فائدہ کیا وہ تو اندھی ہو چکی ہے؟“

ماں نے پوچھا ”تم نے نوٹوں کی گڈیاں دیکھی ہیں“

”ہاں، بہت دیکھی ہیں۔“

”کیا نوٹوں کی آنکھیں ہوتی ہیں؟“

وہ ہنستے ہوئے بولا ”بھلا نوٹوں کی آنکھیں کیسے؟

”ہاں، دولت اندھی ہوتی ہے لیکن دنیا کی سب سے اہم تی ہے۔ سبھی اسے کلیجے سے لگائے رکھتے ہیں۔ اسی عینی سکہ رائج الوقت ہے۔ اسے کلیجے سے لگائے رکھنا جو بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ اسے سمجھنے میں ضائع نہ کرو۔ جیسے کہتی ہوں ویسے ہی کرتے جاؤ۔ اس یں میں نے یہ لکھ دیا ہے کہ تمہیں اپنی مردانگی ثابت کرنی ایک ایسی ڈرامہ بازی کرنی ہے جس سے وہ تم سے متاثر ئے۔

اس نے کاپی میں ایک چھوٹا سا ڈرامہ لکھا تھا اور بیٹے کو کی تھی کہ اسے اچھی طرح یاد کر لے اور اس پر عمل کرے۔ اس وقت وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھا اس ڈرامے کی پٹ کو یاد کر رہا تھا کہ عینی آ گئی۔ فلک ناز نے دروازہ کر اسے عدنان کے برابر والی سیٹ پر بٹھا دیا اور عینی کے ہاتھ پھیر کر کہا ”جاؤ بیٹی! خوب انجوائے کرو۔“

عدنان نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ کوٹھی کے طے سے باہر نکلتے ہوئے بولا ”کہاں جانا چاہو گی؟“

”کہیں بھی چلو۔ میں تو تاریکی میں بیٹھی ہوں۔ بس اتنا ں ہو رہا ہے کہ بند کمرے میں نہیں ہوں۔ کھلی فضا میں ا۔ کھڑکی سے آنے والی ہوا مجھے بہت اچھی لگ رہی ۔“

وہ بولا ”ہم ہل پارک چلتے ہیں۔“

اس نے ہل پارک کے ایک پارکنگ ایریا میں پہنچ کر کار ۔دی۔ وہ دونوں گاڑی سے اتر گئے۔ اس نے کار کو لاک نے کے بعد اپنی کاپی کھول کر اسے پڑھا پھر کہا ”اپنا ہاتھ ے ہاتھ میں دو۔ میں دنیا دے اس نکڑے تک تمہیں اپنے ھ لے جانا چاہتا ہوں جتھے بندہ نئی ہوندہ اور بندے دی ت دی نئی ہوندی اے۔“

”عینی نے خلا میں تکتے ہوئے پوچھا ”کیا تم فلمی گیت ر کے آئے ہو؟“

وہ بولا ”میں کند ذہن نہیں ہوں۔ ایک بار جو پڑھتا ہوں ے اچھی طرح یاد کر لیتا ہوں۔“

”میں نے ابھی ورق الٹنے کی آواز سنی تھی۔ کیا تم نے ی کتاب پکڑی ہوئی ہے؟“

”نہیں، کاپی ہے۔ اماں مما چاہتی ہیں میں کوئی غلطی نہ روں۔ میری وجہ سے تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اس لیے ں نے کچھ اہم باتیں لکھ دی ہیں۔“

وہ مسکرا کر بولی ”ٹھیک ہے۔ تم پڑھتے رہو۔ میں سنتی رہوں گی۔“

اس نے دونوں ہاتھوں سے ٹٹولتے ہوئے اس کے بازو کو تھام لیا پھر کہا ”میں تمہارے بازو کو تھام کر چلوں گی۔ ہاتھ پکڑ کر چلنا اچھا نہیں لگتا۔“

وہ باتیں کرتے ہوئے گارڈن کے ایسے حصے میں آئے جہاں ہری بھری گھاس تھی۔ اسے تازہ ہوا کے جھونکے اچھے لگ رہے تھے۔ وہ بولی ”ہم یہیں کہیں گھاس پر بیٹھتے ہیں۔“ اور وہ دونوں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ عدنان نے کاپی کھول کر ایک صفحے پر سطحی سی نظر ڈالی پھر کہا ”تم جوان ہو، حسین ہو۔ یہاں آتے جاتے لوگ تمہیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔“

وہ بولی ”دیکھنے دو۔ کیا فرق پڑتا ہے؟“

وہ ذرا جذباتی انداز میں بولا ”میں چاہتا ہوں تمہیں کوئی نہ دیکھے صرف میں دیکھوں۔“

وہ مسکرا کر بولی ”ایک تدبیر ہے۔ تم اس پر عمل کرو گے تو صرف تم ہی مجھے دیکھ پاؤ گے۔ دوسرا کوئی نہیں۔“

وہ جلدی سے بولا ”ہاں۔ مجھے بتاؤ وہ تدبیر۔“

”تمام دنیا والوں کی آنکھیں پھوڑ دو پھر کوئی مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔“

”ٹھیک ہے۔ اب میں یہی کروں گا۔ کوئی تمہیں دیکھے گا تو میں اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔“

پھر اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ کاپی کو کھول کر پڑھا پھر کہا ”وہ دیکھو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

عینی نے پوچھا ”کون ہے؟ کہاں ہے؟“

”ہمارے سامنے کچھ فاصلے پر کھڑا ہے اور تمہیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ میں اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا۔“

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی ”نہیں عدنان تم کسی سے جھگڑا نہیں کرو گے۔“

ماں نے کاپی میں لکھا تھا۔ ایسے وقت اسے جوشیلے انداز میں بولنا چاہیے“ لہٰذا وہ جوش میں آ کر بولا ”کیسی باتیں کر رہی ہو عینی؟ کوئی تمہیں میلی نظروں سے دیکھے اور میری مردانگی کو للکارے تو کیا میں چپ بیٹھا رہوں گا؟ ہرگز نہیں۔“

اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ للکارنے کے انداز میں بولا ”اے! یہاں سے جاتے ہو یا میں مزا چکھاؤں؟“

یہ کہتے ہی وہ چند قدم آگے بڑھ کر پلٹ گیا پھر آواز بدل کر ہنسنے لگا۔ مختصر سی ہنسی کے بعد پھر آگے بڑھ کر عینی کے قریب

آیا اور پلٹ کر بولا ''کمبخت ہنس رہا ہے۔ مذاق اڑا رہا ہے۔ مجھ جیسے مرد کو للکار رہا ہے۔ اے۔! تو یہاں سے جائے گا یا نہیں؟''

عینی پریشان ہو کر اٹھ گئی تھی۔ کھڑی ہو کر دونوں ہاتھوں سے اِدھر اُدھر ٹٹولتی ہوئی کہہ رہی تھی ''عدنان۔! واپس آ جاؤ۔ واپس آ جاؤ عدنان! جھگڑا مت کرو۔''

ایک شخص درخت کے نیچے کھڑا ہوا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو اس نے یہ سمجھا کہ وہ لڑکی کے سامنے کوئی تماشہ کر رہا ہے۔ اسے ہنسانا چاہتا ہے پھر غور کرنے پر معلوم ہوا کہ لڑکی اندھی ہے اور اس کی ایسی حرکتوں سے پریشان ہو رہی ہے۔ اسے کسی کے ساتھ لڑنے سے منع کر رہی ہے۔

پھر اس نے دیکھا کہ عدنان نے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی ہے اور لڑکی سے کہہ رہا ہے کہ اب وہ بھی اپنے دشمن کی قمیص پھاڑے گا اور پھر یہ کہتے ہی اس نے قمیص کے دوسرے حصے کو پھاڑ ڈالا۔

اب اس اجنبی نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ وہ نوجوان ایسی حرکتیں کر کے ایک اندھی لڑکی کو اپنی مردانگی سے متاثر کر رہا ہے۔

وہ درخت کے... پیچھے سے نکل کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا آ کر عدنان کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ اپنا ہی گریبان پکڑ کر منہ سے ایسی ایسی آوازیں نکال رہا تھا اور اس طرح کراہ رہا تھا جیسے دشمن کو گھونسے مار رہا ہو۔

اجنبی نے پیچھے سے اس کے شانے کو تھپکی دی۔ وہ ایک دم سے چونک کر اس کی طرف پلٹ گیا۔ حیرانی سے اور پریشانی سے اسے دیکھنے لگا۔ اجنبی نے پوچھا ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

وہ بولا ''اے۔! تم ہمارے بیچ میں نہ آؤ۔ یہاں سے جاؤ۔''

عینی نے ایک قدم آگے بڑھ کر فضا میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا ''نہیں مسٹر! یہاں سے نہ جاؤ۔ پلیز اس جھگڑے کو ختم کر دو۔ ان کی صلح صفائی کرا دو۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''کس سے صلح صفائی کراؤں؟ یہاں تو کوئی ہے ہی نہیں۔ یہ تمہارا ساتھی بہت بڑا ٹوٹنکی ہے... خوامخواہ ہوا سے لڑ رہا ہے اور تمہیں تاثر دے رہا ہے کہ کسی دشمن سے تمہیں بچانے کی خاطر اسے کوئی مار رہا ہے، مار کھا رہا ہے اور اپنے کپڑے پھاڑ رہا ہے۔''

عینی نے حیرانی سے پوچھا ''عدنان! یہ میں کیا سن رہی ہوں؟''

وہ ہاتھ بڑھا کر بولی ''یہاں میرے پاس آؤ۔''

وہ جھجکتے ہوئے قریب آیا۔ وہ اسے چھو کر ٹٹولتی، کے پھٹے ہوئے کپڑے کو تھام کر بولی ''یہ قمیص کیسے پ کیا یہاں تم سے لڑنے والا کوئی ہے؟''

عدنان نے جھجکتے ہوئے اجنبی کو دیکھا۔ اس اجن ''سچ بولو ورنہ میں ابھی لوگوں کو اکٹھا کروں گا تو تمہاری اس نابینا لڑکی کے سامنے کھل جائے گی۔''

وہ بے بسی سے بولا ''وہ۔ عینی۔! وہ دراصل م دل بہلا رہا تھا۔''

وہ غصے سے بولی ''دل بہلا رہے تھے یا مجھے پریشا جتلا کر رہے تھے؟ میں گھبرا رہی تھی کہ پتا نہیں کیا ہو ہے۔''

وہ اجنبی کے سامنے شرمندہ سا ہو کر بولا ''سور مجھے معاف کر دو۔''

وہ ذرا نرم لہجے میں... بولی ''تم تو بچپن سے ہی ا ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ یہاں آ کر بہت بڑی غ ہے۔'' پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی ''چلو واپس چلیں۔''

اس اجنبی نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے کہا ''میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا تم بچپن سے ایسی ہی ہو؟''

وہ بولی ''نہیں، کچھ عرصہ پہلے میری بینائی کمزور ہ پھر رفتہ رفتہ میں اس حالت کو پہنچی ہوں۔''

''تم چاہو تو تمہیں جلد ہی نئی آنکھیں مل سکتی ہیں۔''

عینی نے پوچھا ''کیا آپ ڈاکٹر ہیں؟ یا آئی بینک سے کوئی تعلق ہے؟''

''نہ میں کوئی ڈاکٹر ہوں نہ آئی بینک والوں سے تعلق ہے لیکن میں ایک ایسی خاتون کو جانتا ہوں جو بستر پر ہے اور وہ اپنی آنکھیں عطیہ کے طور پر دینا چاہتی ہے۔''

''کیا آپ اس خاتون سے ہمیں ملا سکتے ہیں؟''

''ہاں، مگر اس سلسلے میں پہلے میں تمہارے والدین یا سرپرست سے ملنا چاہوں گا۔''

''میرے بھائی جان سپرنٹنڈنٹ آف پولیس ہیں ہی میرے سرپرست ہیں۔ آپ اپنا نام پتا اور فون نمبر دیں۔ میں بھی اپنا نام پتا اور فون نمبر بتاتی ہوں۔ اس ہمارا رابطہ رہے گا اور کوئی بات بن سکے گی۔''

اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اس کی ط بڑھاتے ہوئے کہا ''یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے۔ اس میں کچھ لکھا ہوا ہے۔''

عینی نے تاریکی میں ہاتھ بڑھایا اور اجنبی نے اپنا

دیا۔ وہ اسے اپنا نام، پتا، اور فون نمبر بتانے لگی۔ وہ یے میں پہنچ گئے۔ اجنبی نے کار کو دیکھتے ہوئے کہا نے ساتھی کو اپنا رمل کہہ رہی تھیں۔ اگر یہ اپنا رمل ہے تو ے چلاتا ہے؟''

یہ اپنے طور پر زندگی گزارنے کے معاملے میں بڑی نارمل ہے۔ اس کی ماں کے بے جا لاڈ پیار نے اسے احمق بنا رکھا ہے۔ آپ فکر نہ کریں یہ احمق مجھے ت گھر پہنچا دے گا۔''

وہ کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اجنبی نے دروازہ بند تے ہوئے کہا ''میں تمہاری فون کال کا انتظار کروں گا۔''

''آپ کا بہت شکریہ۔ میں جلد ہی بھائی جان سے آپ ت کراؤں گی۔''

عدنان نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ اس وقت یک موبائل فون کی ضرورت محسوس کر رہی تھی تاکہ جلد سے زیشان اور عروج سے اس خاتون کے بارے میں بات کر جو آنکھوں کا عطیہ دینا چاہتی تھی۔

عدنان نے ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا ''عینی۔! کیا مجھ سے ناراض ہو؟''

''کیا مجھے ناراض نہیں ہونا چاہیے؟''

وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا ''تم نے اس اجنبی کے سامنے مجھے نادان اور احمق کہا تھا۔ درست ہی کہا تھا۔''

''صرف میں ہی نہیں ساری دنیا یہی کہتی ہے۔ جب تک تم اپنی اماں مما کی انگلی پکڑ کر چلتے رہو گے، ایسی ہی حماقتیں کرتے رہو گے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں، آئندہ اماں مما کی کوئی بات نہیں مانوں گا۔''

''نہیں، یہ بات بھی نامناسب ہو گی۔ بزرگوں کا ادب کرنا چاہیے۔ ان کی عزت کرنا چاہیے۔ ان کی باتیں ماننا چاہئیں لیکن اپنی عقل سے بھی سوچنا چاہیے کہ کون سی بات اچھی ہے اور کون سی بری ہے۔ تمہیں عقل سے سوچنا چاہیے کہ جب میں پاشا سے محبت کرتی ہوں۔ اس سے شادی بھی کرنے والی تھی تو پھر تمہاری طرف یا کسی اور کی طرف کیسے مائل ہو سکتی ہوں؟''

''میں نہیں جانتا۔ اماں مما مجھے اس طرح سمجھاتی ہیں کہ کوئی بات مجھے اچھی اور سچی لگتی ہے اور میں اس پر عمل کرنے لگتا ہوں۔''

''آئندہ میرے بارے میں تم سے جو بھی کہا جائے اسے نہ مانو۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں تمہاری بہن ہوں اور بہن سے کبھی شادی نہیں ہو سکتی۔''

''مگر وہ کہتی ہیں کہ تم سگی بہن نہیں ہو۔ میری کزن ہو اور کزن سے شادی ہو سکتی ہے۔''

تو پھر ٹھیک ہے۔ ماں کی بات مانتے رہو اور میرے انتظار میں بوڑھے ہوتے رہو۔''

کار کوٹھی کے احاطے میں پہنچ کر رک گئی۔ عروج اسپتال کی سالانہ تقریب سے واپس آ گئی تھی۔ کار کی آواز سنتے ہی کوٹھی سے باہر آئی اور اس کا دروازہ کھول کر عینی کو سہارا دیتے ہوئے بولی ''تم کہاں چلی گئی تھیں ہمیں ایک گھنٹے سے انتظار کر رہی ہوں۔''

وہ عروج کے سہارے چلتے ہوئے بولی ''میرا خیال ہے میرے یہاں سے جاتے ہی تم آ گئی تھیں۔ مجھے معلوم ہوتا کہ جلدی واپس آؤ گی تو کبھی نہ جاتی۔''

وہ کوٹھی کے اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ عینی اسے اس خاتون کے بارے میں بتا رہی تھی جو آنکھوں کا عطیہ دینے کے لیے آمادہ تھی لیکن عطیہ دینے کے سلسلے میں اس کی کوئی شرط بھی تھی۔ عینی نے کہا ''میرے پرس میں اس شخص کا وزیٹنگ کارڈ ہے۔ تم اس سے فون پر رابطہ کرو۔ بھائی جان کو بھی اس سلسلے میں آگاہ کرو۔''

عروج نے اس کے پرس سے کارڈ نکال کر پڑھا پھر کہا ''اس میں کسی جاوید برقی کا نام لکھا ہوا ہے۔ کوئی بزنس مین ہے۔ میرا خیال ہے پہلے بھائی جان اس سے بات کریں تو بہتر ہو گا۔''

اس نے فون پر زیشان سے رابطہ کیا۔ وہ اپنے دفتر میں تھا۔ اب وہاں سے اپنے گھر کی طرف جانے والا تھا لیکن راستے میں ڈیفنس فیز ٹو کے سگنل پر پھوبابا سے ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ وہ دونوں دشمنوں سے نظریں بچا کر ایک دوسرے سے ملاقات کرنے والے تھے۔ اس نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے پوچھا ''ہیلو۔؟''

عروج اسے عینی اور جاوید برقی کی ملاقات کے بارے میں بتانے لگی پھر کہا ''آپ ان کا فون نمبر نوٹ کریں اور ابھی رابطہ کریں۔ وہ کسی ایسی خاتون کو جانتے ہیں جو بستر مرگ پر ہیں اور اپنی آنکھوں کا عطیہ دینا چاہتی ہیں۔''

زیشان نے نمبر نوٹ کیے پھر کہا ''ٹھیک ہے۔ میں ان سے رابطہ کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد تمہیں کال کروں گا۔''

اس نے رابطہ ختم کیا۔ پھوبابا سے ملنا ضروری تھا لیکن اس سے زیادہ اہم عینی کی بینائی کا مسئلہ تھا اور ابھی کسی رحم دل فراخ دل خاتون کے ذریعے بات بننے والی تھی۔

اس نے فون کے ذریعے جاوید برقی سے رابطہ کیا''میں ایس۔پی۔ ذیشان بول رہا ہوں۔ میں اس نابینا لڑکی کا بڑا بھائی ہوں جس سے آپ گارڈن میں مل چکے ہیں۔''

دوسری طرف سے جاوید برقی نے کہا''جی ایس۔پی۔ صاحب! میں سمجھ گیا۔ آپ اپنی بہن کی بینائی چاہتے ہیں اور میں اپنی بیوی کا روحانی سکون چاہتا ہوں۔''

ذیشان نے تعجب سے پوچھا''بیوی۔؟''

''جی ہاں۔ میں نے آپ کی سسٹر سے جس خاتون کا ذکر کیا تھا وہ میری بیوی ہے اور اس وقت اسپتال میں ہے۔ مسئلہ آپ کا بھی ہے اور ہمارا بھی ہے۔ اسے جس قدر جلد حل کیا جائے اتنا ہی بہتر ہوگا۔''

ذیشان نے کہا''میں آپ سے جلد سے جلد ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ اسپتال کا نام بتاتے ہوئے بولا''آپ وہاں اسپیشل وارڈ کے کمرا نمبر 21 میں اپنی سسٹر کے ساتھ آجائیں۔ وہاں مجھ سے اور میری وائف سے ضروری باتیں ہوسکیں گی۔''

اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا''میں اب سے ڈھائی گھنٹے بعد ٹھیک آٹھ بجے اپنی وائف کے ساتھ وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

ذیشان نے رابطہ ختم کردیا پھر فون کے ذریعے عروج اور اسما کو بتایا کہ وہ ساڑھے سات بجے تک گھر آئے گا اور ان کے ساتھ ہی اسپتال جا کر اس خاتون اور اس کے شوہر سے ملاقات کرے گا۔ اللہ نے چاہا تو عینی کی بینائی کے سلسلے میں خوش آئند پیش رفت ہوگی۔''

وہ ریسیور رکھ کر دفتر سے باہر آیا۔ باہر پولیس وین کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دوسرے سپاہی پچھلی سیٹوں پر آگئے پھر وہ وہاں سے گھر کی طرف جانے لگا۔ اس نے اپنے خاص ماتحت کو سمجھا دیا تھا کہ ڈیفنس ٹو کے سگنل کے قریب پہنچ کر وین کو روک دیا جائے پھر یوں ظاہر کیا جائے جیسے وین میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ خاص ماتحت نے اس کے حکم کے مطابق یہی کیا۔ سگنل کے قریب پہنچ کر گاڑی روک دی اور باہر نکل کر اس کا بونٹ اٹھا کر یوں چیک کرنے لگا۔

ذیشان گاڑی سے باہر نکل کر سڑک کے کنارے آیا پھر دور تک ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ موبائل فون کے ذریعے بچھو بابا سے کہا''میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ ٹیکسی لے آؤ۔''

دس منٹ کے اندر ہی ایک ٹیکسی مخصوص رفتار سے چلتی ہوئی قریب آنے لگی۔ ذیشان نے ہاتھ اٹھا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ ٹیکسی رک گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بچھو بابا بیٹھا تھا۔

وہ پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہوکر وہاں سے روانہ ہوگئی۔ بچھو بابا نے کہا''سر! میں نے آپ کے حکم کے مطابق پرل میں اس دشمن کو جانی نقصان نہیں پہنچایا۔ ناکارہ بنا دیا لیکن پبلو ماسٹر کے کمرے میں گیا تو وہاں آپ کے بھائی مقدر حیات نہیں تھے۔''

''میرا بھائی بہت ہی عجیب ہے۔ بڑا ہی باکمال اپنی سلامتی کے راستے خود ہی نکالتا چلا جاتا ہے۔''

''سر! آپ اپنی سلامتی کی باتیں کریں۔ یہ دردانہ اور شہباز درانی تو بہت ہی زبردست ہیں۔ وہ آپ کو طرح طرح کے الزامات کے شکنجے میں جکڑتے جارہے ہیں۔''

ذیشان نے کہا''میں چاہتا تھا قانون کی حدود میں ان کے حملوں کا توڑ کرتا رہوں لیکن وہ بڑی مکاری سے قانون کو ہاتھ میں لے رہے ہیں اور میرے خلاف ٹھوس ثبوت اور مستند گواہ جمع کرتے جارہے ہیں۔''

بچھو بابا نے کہا''آپ کے خلاف سب سے بڑا اور ٹھوس ثبوت آپ کا اپنا خاص ماتحت زبیری ہے جو آپ کے خلاف بیان دے چکا ہے۔''

''میرے اپنے ڈپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسران مجھ سے تعاون نہیں کررہے ہیں۔ مجھے ایک بار بھی زبیری سے ملاقات کرنے کا موقع نہیں دیا گیا ہے۔ میرے اختیارات اور ذرائع محدود کیے جارہے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں سر! ایسے ہی حالات میں آپ غیر قانونی طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔''

ذیشان اس کی باتیں سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ اس نے کہا''میرا بھائی مقدر حیات علم نجوم میں حیرت انگیز مہارت رکھتا ہے۔ وہ کسی کے بھی ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں جو کچھ کہتا ہے وہ بات پتھر کی لکیر بن جاتی ہے۔''

''وہ آپ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟''

''یہی کہ میری کامیابی ہوگی لیکن بڑی دشواریوں سے گزرنا ہوگا۔''

''ایسا تو سب ہی نجومی کہتے ہیں۔ سب ہی امید دلاتے ہیں۔ بات تو تب ہے کہ کامیابی کا کوئی ٹھوس راستہ دکھایا جائے۔''

''اس نے راستہ دکھایا ہے۔ یہ پیش گوئی کی ہے کہ میں دشمن کی کسی بہت بڑی کمزوری سے کھیلوں گا تو کامیابی حاصل ہوگی۔''

''دردانہ ماضی میں آپ کی رشتہ دار رہ چکی ہے۔ کیا آپ اس کی کسی بہت بڑی کمزوری سے واقف ہیں؟''

''ایک جوان بیٹا اپنی ماں کی بہت بڑی کمزوری بن جاتا لیکن اس کا جوان بیٹا نہیں رہا۔ وہ بیٹے کو ہارنے کے بعد ہی ے خلاف انتقامی کارروائی کررہی ہے۔''

''شہباز درانی کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''اسد عزیزی اس کا سب سے زبردست مہرہ ہے۔ اس ذریعے وہ بڑی بڑی واردات کرتا ہے اور بڑی بڑی سیاسی یابیاں حاصل کرتا ہے۔ میں نے تمہیں اس لیے بلایا تھا کہ اسد عزیزی کو اغوا کردو گے یا ختم کردو گے۔ اس طرح میں باز درانی کو بڑی حد تک کمزور بنا سکوں گا۔''

''تو پھر میں پہلا قدم یہی اٹھاؤں گا۔ آپ اسد عزیزی خفیہ ٹھکانوں کے بارے میں کچھ جانتے ہوں تو مجھے یں؟''

''اب اسے کسی خفیہ ٹھکانے میں تلاش کرنے کی ورت پیش نہیں آئے گی۔ وہ اسپتال میں پڑا ہے۔''

''وہ بیمار ہے؟''

''نہیں۔ ایک کار کے حادثے میں بری طرح زخمی ہوا ہے۔ میرے خاص ماتحت نے رپورٹ دی ہے کہ اس کے ب گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ باقی جسم کی ہڈیاں بھی چٹخ کر گئی ہیں۔ وہ کم از کم مہینے دو مہینے تک اسپتال میں پڑا رہے ا۔''

بچھو بابا نے پوچھا''اگر وہ اسپتال سے کبھی گھر نہ آئے ؟''

اس نے میں سر ہلاتے ہوئے کہا''میں یہی چاہتا ہوں یکن اسے قتل نہ کرو۔ دشمنوں کو موقع نہ دو کہ وہ کوئی نیا الزام برے سر تھوپ سکیں۔''

''آپ مشورہ دیں مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''بڑی رازداری سے ڈاکٹروں کے علاج کو ناکام بناؤ۔ ں کے زخموں کو بھرنے نہ دو۔ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ اس کے زخم ناسور بنتے چلے جائیں۔''

''یہ ہوجائے گا۔ میں اس اسپتال کی نرسوں اور وارڈ ائز کے ذریعے دواؤں میں ایسی ملاوٹ کروں گا کہ اس کے زخم بھی بھرنے نہیں پائیں گے۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ ٹیکسی اپنی مخصوص رفتار سے چلتی رہی پھر ذیشان نے کہا''ان گواہوں کو کمزور بنانے کی کوششیں کی جائیں جو میرے خلاف تیار کیے جارہے ہیں۔ زبیری کو بڑی سخت نگرانی میں رکھا گیا ہے۔ تم وہاں تک پہنچ نہیں پاؤ گے۔ اس کے بیوی بچے بھی اچانک ہی کہیں چلے گئے ہیں ورنہ انہیں زبیری کی کمزوری بنایا جاسکتا تھا۔''

بچھو بابا نے کہا''پبلو ماسٹر کے فون کالز ٹیپ کرنے سے پتا چلا کہ شہباز درانی نے اسے بلایا تھا۔ اسی طرح اگر آپ شہباز درانی اور دردانہ کے فون کالز کو ٹیپ کراتے رہیں تو ہمیں ان کی بہت سی اندرونی مصروفیات کا علم ہوتا رہے گا۔''

شہباز درانی کی کوٹھی میں ایک ہی ٹیلیفون ہے۔ وہ موبائل کے ذریعے کسی سے بھی خفیہ معاملات پر گفتگو نہیں کرتا ہے۔ ویسے دردانہ کا اکاؤنٹ جس بینک میں ہے وہاں کا منیجر میرا احسان مند ہے۔ اس نے مجھے رازداری سے بتایا ہے کہ دردانہ کے اکاؤنٹ میں پچھلے دو مہینے کے اندر کروڑوں روپے کا اضافہ ہوا ہے۔ اس کی آمدنی کے ذرائع نامعلوم ہیں۔ اس سلسلے میں اس کے خلاف محاسبہ کرایا جاسکتا ہے لیکن ہمیں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوگی۔ شہباز درانی کسی طرح اسے بچا لے گا۔''

بچھو بابا نے کہا''جس طرح وہ آپ پر سنگین الزامات لگا رہے ہیں۔ اسی طرح آپ بھی دردانہ پر الزامات لگائیں اور اس کے خلاف ٹھوس ثبوت حاصل کریں۔''

''میں اسی فکر میں ہوں۔''

اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا''اب مجھے گھر پہنچا دو۔''

گھر میں اسما اور عروج اسپتال جانے کے لیے تیار بیٹھی تھیں۔ عروج نے عینی سے کہا''تم آرام کرو۔ تمہارا وہاں جانا ضروری نہیں ہے۔ جو خاتون آنکھوں کا عطیہ دینا چاہتی ہیں ان کے شوہر سے معلومات حاصل کروں گی اور جو ڈاکٹر اس خاتون کا علاج کررہا ہے میں اس سے بھی بات کروں گی کہ آخر اس خاتون کو ایسا کیا روگ لگا ہے کہ وہ زندگی سے مایوس ہوچکی ہے۔''

عینی نے کہا''تم اپنا موبائل فون مجھے دو اور میرے لیے آج ایک نیا فون خرید کر لے آؤ۔ میں اس مسلسل تاریکی میں تنہا رہتی ہوں تو دل گھبرانے لگتا ہے۔''

ذیشان نے اس کے شانے کو تھپک کر کہا''اللہ نے چاہا تو اس خاتون سے ملاقات کے بعد بات بن جائے گی اور تم جلد ہی دیکھنے لگو گی۔''

وہ اسما اور عروج کے ساتھ ٹھیک آٹھ بجے اسپیشل وارڈ کے اس کمرے میں پہنچ گیا۔ جاوید برقی نے ان کی آمد پر مسرت کا اظہار کیا۔ بیڈ پر ایک نوجوان عورت لیٹی ہوئی تھی۔

اس نے تعارف کرایا''یہ میری وائف رومانہ ہے۔''

رومانہ برسوں کی بیمار لگ رہی تھی۔ بڑی کمزوری سے مسکرا کر آنے والوں کو دیکھا۔ ذیشان نے کہا''یہ میری وائف اسما ہے اور یہ میری کزن ڈاکٹر عروج ہے۔''

بیڈ کے ساتھ میڈیکل رپورٹ لگی ہوئی تھی۔ عروج اسے اٹھا کر پڑھنے لگی۔ اسما رومانہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ بڑے پیار سے اس کے ہاتھ کو تھام کر کہا ''آپ بہت خوبصورت ہیں۔ میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔ علاج نہیں کر سکتی لیکن دعائیں کرتی رہوں گی اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ کامل عطا فرمائے۔ آمین۔''

رومانہ نے بڑی کمزوری سے مسکراتے ہوئے کہا ''ڈاکٹر مایوس ہو چکے ہیں۔ دوائیں بے اثر ہو چکی ہیں۔ میں زندگی کی اس آخری اسٹیج پر ہوں جہاں دعائیں بھی شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرتیں۔ اس دنیا کی ہر دوا، ہر دعا، ہر امید ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔''

اسما نے اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا ''انسان کی آخری سانس تک اس کی آخری امید باقی رہتی ہے اور وہ آخری امید اللہ تعالیٰ سے رہتی ہے کہ اس کی طرف سے کوئی معجزہ رونما ہو سکتا ہے۔''

عروج نے رپورٹ پڑھنے کے بعد اسے پھر بیڈ سے لگا دیا۔ ذیشان نے پوچھا ''کیا مرض ہے؟''

وہ سر جھکا کر بولی ''بریسٹ کینسر۔ آخری اسٹیج ہے۔''

جاوید برقی نے بڑی مایوسی سے سر گھما کر اپنی وائف کو دیکھا پھر ذیشان سے کہا ''زندگی کے وہ آخری لمحات بڑے ہی اذیت ناک ہوتے ہیں جب معلوم ہو جائے کہ اب بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ کسی لمحے میں بھی سانسیں ساتھ چھوڑنے والی ہیں۔ میرے پاس دولت ہے، عزت ہے، شہرت ہے۔ دنیا کی ہر خوشی ہے۔ میں اپنی محبوب بیوی کو سب کچھ دے سکتا ہوں۔ صرف چند سانسیں نہیں دے سکتا۔''

عروج نے پوچھا ''شادی کو کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟''

''پانچ برس گزر چکے ہیں۔ ان پانچ برسوں میں میری رومانہ نے مجھے ایک بیٹا اور ایک بیٹی دی ہے۔ بیٹا چار برس کا ہے اور بیٹی دو برس کی۔''

وہ سر جھکا کر ایک گہری سانس لے کر بولا ''یہ تنہائی میں روتی ہے۔ بہت روتی ہے۔ میرا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتی۔ بچوں کی بہت فکر ہے۔ یوں تو ہمارے خاندان میں بے شمار افراد ہیں۔ میری سوتیلی ماں ہے۔ رومانہ نہیں چاہتی کہ اس کے بعد اس کے بچے میری سوتیلی ماں کے سائے میں پرورش پائیں یا میں اپنے خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کر کے اسے اپنے بچوں کی سوتیلی ماں بناؤں۔

عروج نے دھیمی آواز میں کہا ''یہ آخری اسٹیج میں ہیں۔ آپ ان کا دل رکھنے کے لیے وعدہ کر لیں کہ بچوں پر کبھی سوتیلی ماں نہیں لائیں گے۔ کبھی دوسری شادی نہیں کریں گے۔''

وہ بولا ''میں نے یہ بات کہی تھی لیکن وہ چاہتی ہے کہ میں دوسری شادی کروں۔ کسی ایسی لڑکی سے کروں جو میری اور میرے بچوں کی احسان مند ہو اور وہ کوئی اندھی ہو۔''

اس بات پر سب ہی نے اسے چونک کر دیکھا۔ اس نے کہا ''بظاہر یہ بات عجیب سی ہے لیکن میری وائف کی یہ آخری خواہش ہے کہ میں کسی ایسی اندھی لڑکی سے شادی کروں جو بینائی کی محتاج ہو۔ رومانہ اسے اپنی آنکھوں کا عطیہ دینا چاہتی ہے۔ وہ کہتی ہے جب وہ اندھی اس کی آنکھوں سے مجھے دیکھے گی، میرے بچوں کو دیکھے گی تو میری طرح انہیں بھرپور محبت دیتی رہے گی۔''

عروج نے کہا ''ایسا بھی نہیں ہوتا کہ رومانہ اپنا دل کسی ضرورت مند لڑکی کو دیدے اور وہ دل اس کے سینے میں منتقل ہو جائے تو وہ لڑکی اسی کے دل سے آپ کو چاہنے لگے گی اور ویسی ہی محبت دینے لگے گی۔ دل تو محض خون پمپ کرنے کا آلہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح آنکھیں دیکھنے کا ایک آلہ ہیں۔ اگر اس کی آنکھیں کسی دوسری لڑکی کو مل جائیں گی تو یہ ضروری نہیں کہ وہ لڑکی رومانہ کی آنکھوں سے آپ کو یا آپ کے بچوں کو دیکھے۔''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا ''بے شک۔ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے ترقی یافتہ دور سے گزر رہے ہیں۔ ایسی باتیں سوچنا نہیں چاہیے لیکن انسان اپنے دل سے مجبور ہو کر، اپنے عقیدے سے مجبور ہو کر ایک روحانی جذبے سے ایسی باتیں سوچتا ہے کہ ہو سکتا ہے اس کے مرنے کے بعد اس کا دل کسی دوسرے کے سینے میں دھڑکتا رہے اور اپنے محبوب کو پکارتا رہے۔ ہو سکتا ہے اس کی آنکھوں سے کوئی دوسری لڑکی مجھے، میرے بچوں کو دیکھے اور اسی طرح بھرپور محبت دیتی رہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا لیکن محبت کرنے والا دل کبھی نہیں مانتا۔ رومانہ کی محبت عقیدت اور جذبات کہتے ہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ مرنے کے بعد بھی کسی دوسری لڑکی کے ذریعے اپنی آنکھوں سے ہمیں دیکھتی رہے گی اور محبتیں دیتی رہے گی۔''

اسما بھی جاوید برقی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی اور اس کی باتیں سن رہی تھی۔ سوالیہ نظروں سے کبھی عروج کو کبھی ذیشان کو دیکھ رہی تھی۔ رومانہ نے کمزور سی آواز میں کہا ''میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کے قریب آ گئے۔ وہ بولی ''ہماری دنیا میں کتنے ہی لوگ انسانیت کے جذ

سے ضرورت مند افراد کو اپنے دل کا، اپنی آنکھوں کا، اور اپنے گردوں کا عطیہ دیتے ہیں۔ اس کے بدلے کوئی قیمت وصول نہیں کرتے ہیں لیکن میں ایک ماں ہوں۔ اپنے بچوں کے لیے خود غرض ہوں۔ یہ چاہتی ہوں صرف اسی لڑکی کو میری آنکھوں کا عطیہ ملے جو میرے بچوں کی ماں بننا قبول کرے اور بعد میں انہیں بھرپور ممتا دیتی رہے۔''

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ گہری گہری سانسیں لینے لگی پھر ذرا ٹھہر ٹھہر کر بولی ''یہ بات کوئی مانے یا نہ مانے۔ میرا دل کہتا ہے کہ میں مرنے کے بعد بھی اپنی آنکھوں سے اپنے بچوں کو دیکھتی رہوں گی۔ جس لڑکی سے منسلک رہوں گی۔ اسے اپنے بچوں کی طرف مائل کرتی رہوں گی۔''

ذیشان نے کہا ''ہم جس کے لیے یہاں آئے ہیں وہ میری چھوٹی بہن ہے۔''

اسما نے کہا ''وہ میری بہت ہی پیاری اور لاڈلی نند ہے۔''

عروج نے کہا ''وہ میری عزیز ترین سہیلی ہے۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ بس یہی ایک بینائی ہے جس سے وہ محروم ہو چکی ہے۔''

رومانہ نے کہا ''اللہ تعالیٰ سب کچھ نہیں دیتا۔ کسی نہ کسی بات کی کمی چھوڑ دیتا ہے۔ تاکہ وہ کمی وہ محرومی اس بندے کو اپنے خدا کی طرف جھکنے پر مجبور کرتی رہے۔''

اسما نے کہا ''آپ درست کہتی ہیں۔ میری نند کے پاس سب کچھ ہے پھر بھی وہ مجبور ہے۔ پتا نہیں آئی بینک والوں سے کب آنکھیں ملیں گی۔ اگر اس سے پہلے کوئی بات بن جاتی تو میری عینی کے لیے بہتر ہوتا۔''

عروج نے کہا ''لیکن عینی پہلے ہی کسی سے منسوب ہو چکی ہے۔ آپ کی خواہش کے مطابق وہ بعد میں آپ کے شوہر سے شادی نہیں کر سکے گی لیکن ہم اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ آپ کے بچوں کو بھرپور ممتا دیتی رہے گی۔ وہ بچے ہماری نگرانی میں ہماری سرپرستی میں پرورش پائیں گے۔ اس پر بھی سوتیلی ماں کا یا کسی سوتیلی دادی کا سایہ نہیں پڑنے دیں گے۔''

رومانہ نے آنکھیں بند کیں پھر تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولتے ہوئے کہا ''آپ کا پورا خاندان میرے بچوں کا سرپرست بننا چاہتا ہے اور میں اسے مناسب نہیں سمجھتی۔ ہمارے خاندان میں بھی بچوں کے سرپرست مل جائیں گے۔ میں تو ان بچوں کی ماں چاہتی ہوں۔ ان کے لیے ممتا چاہتی ہوں۔ جب تک میرے شوہر سے اس لڑکی کا رشتہ نہیں ہو گا وہ میرے بچوں کی ماں نہیں بنے گی۔ انہیں دن رات کمپنی نہیں دے گی۔ ان سے لاڈ پیار نہیں کرے گی۔ ان کی پرورش نہیں کرے گی تو کبھی میرے بچوں کو بھرپور ممتا نہیں ملے گی۔''

وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ پریشان ہو کر اپنے سر کو ادھر ادھر جھٹکنے لگی۔ جاوید برقی نے کہا ''ڈاکٹر نے زیادہ بولنے سے منع کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب مزید گفتگو نہ کی جائے۔''

رومانہ نے کہا ''میری آخری خواہش یہی ہے۔ یہ خواہش پوری ہو گی تو اسے میری آنکھوں کا عطیہ ضرور ملے گا۔''

یہ کہہ کر اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ خاموش ہو گئی۔

اسما، عروج، اور ذیشان ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ عروج نے جو میڈیکل رپورٹ پڑھی تھی اس کے مطابق رومانہ اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھی۔ اس وقت مقدر سے سانسیں لے رہی تھی۔ ڈاکٹر اس کی سانسیں بحال رکھے ہوئے تھے۔ وہ زیادہ سے زیادہ دو چار دنوں کی اور مہمان تھی۔

گھر واپس جاتے وقت عروج اسما اور ذیشان کو رومانہ کی حالت بتا رہی تھی۔ اسما نے اس کی باتیں سن کر کہا ''اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عینی اس کی شرط مان لے تو دو چار دنوں میں اسے آنکھوں کی روشنی مل سکتی ہے۔''

عروج نے کہا ''اور عینی کبھی نہیں مانے گی۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ شادی کرنا اور ہنستے کھیلتے اپنے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنا تو ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ شادی ہوتے ہی عینی دو بچوں کا بوجھ اٹھانا شروع کر دے۔ اپنی ذات کو بھول جائے اور ان کی ذمہ داریاں پوری کرتی رہے۔ ایک کنواری لڑکی سے اچانک ہی اماں جان بن جائے۔''

ذیشان کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے کہا ''یہ مجھے بھی پسند نہیں ہے۔''

اسما نے کہا ''ہم میں سے کسی کو پسند نہیں ہے۔ واقعی عینی بھی سنے گی تو صاف انکار کر دے گی۔''

مانا کہ انسان اپنی پسند کے مطابق کھاتا پیتا اور پہنتا اوڑھتا ہے لیکن زندگی میں ہر کام اپنی پسند کے مطابق نہیں ہوتا۔ کبھی پسند کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔ لاکھ تدبیر کرو اپنی پسند کا ہمسفر نہیں ملتا۔ ہتھیلی پر جس کا نام لکھ دیا گیا ہے وہی ملتا ہے۔

ابھی عینی کی ہتھیلی پر نہ تو پاشا کا نام لکھا ہوا تھا اور نہ ہی جاوید برقی کا۔ آنکھوں کی روشنی ملنے کے بعد بھی اسے تاریکی میں کبھی ادھر کبھی ادھر بھٹکنا تھا۔

☆☆☆

فلک ناز کچھ زیادہ ہی تجسس میں مبتلا ہوگئی تھی۔ اس نے فلک آفتاب کو اپنی بیگم اور بیٹے بابر کے ساتھ گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ ان کا تعاقب کیا تو معلوم ہوا تھا کہ وہ تینوں شہباز درانی کی کوٹھی میں گئے ہیں۔

یہ شدید حیرانی کی بات تھی کہ وردانہ جیسی دشمن عورت شہباز درانی کے ساتھ رہتی ہے اور وہ تینوں اس سے ملنے گئے تھے۔ یہ سوال ذہن میں چیخ رہا تھا۔ کیوں گئے تھے؟ ایک ایسی عورت سے دوستی کر رہے تھے جو ان کے بیٹے ذیشان کے خلاف کھلی دشمنی کر رہی تھی۔ ان کے بیٹے کو عدالت میں پہنچا کر پھانسی کے تختے تک پہنچانا چاہتی تھی۔

اتنی بڑی بات فلک ناز کے پیٹ میں نہیں رہ سکتی تھی۔ اس نے یہ بات ذیشان کو بتائی۔ ذیشان نے اپنے طور پر معلومات حاصل کیں اور اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ واقعی اس کے ممی ڈیڈی اور چھوٹا بھائی بابر اس کوٹھی میں وردانہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔

ذیشان نے یہ سوچ لیا تھا کہ بعد میں اپنے بھائی اور والدین کا محاسبہ کرے گا لیکن فلک ناز کو کسی کل چین نہیں آرہا تھا۔ وہ اس بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتی تھی کہ دشمن عورت سے دوستی کیوں کی جارہی ہے؟ وہ جلد ہی عینی، عروج، اور اسما کے ساتھ گھر واپس آگئی تھی۔ اسما بھی اپنی ساس کی ہیرا پھیری پر نظر رکھتی تھی۔ وہ بھی تجسس میں مبتلا ہوگئی تھی۔ ذیشان نے اسے اور فلک ناز کو سمجھایا تھا کہ وہ اس سلسلے میں فی الحال بیگم آفتاب اور فلک آفتاب سے کوئی سوال نہ کریں۔ ان کے معاملات سے انجان بن کر رہیں۔ وہ رات کو گھر آئے گا تو ان سے بات کرے گا۔

وہ تینوں شام کو واپس آئے تو اسما اور فلک ناز ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ انہیں توجہ سے دیکھ رہی تھیں۔ فلک آفتاب کے ہاتھ میں ایک براؤن کلر کا بریف کیس تھا۔ حالانکہ گھر سے جاتے وقت ان کے ساتھ ایسا کوئی سامان نہیں تھا۔ اب اس کے اندر کیا ہے؟ یہ سوال انہیں پریشان کرنے لگا۔

وہ ڈرائنگ روم میں آتے ہی فلک ناز اور اسما کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ انہیں ایک دم سے ایسا لگا جیسے وہ دونوں ان کی چوریاں پکڑنے بیٹھی ہوئی ہیں۔ وہ تینوں چند لمحات تک ان دونوں کو دیکھتے رہے۔ وہ دونوں بھی ان تینوں کو تکتے رہے پھر بیگم آفتاب نے خشک لہجے میں اپنے میاں سے کہا "اپنے کمرے میں چلیں۔"

میاں بیوی ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے، ان دونوں سے کتراتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جانے لگے۔ بابر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جارہا تھا۔ ذیشان نے اسما کو اور فلک ناز کو سختی سے منع کیا تھا کہ ان تینوں سے اس سلسلے میں کوئی سوال نہ کیا جائے۔ اب ذیشان کی یہ پابندی ان دونوں پر گراں گزر رہی تھی۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھی رہیں۔ فلک ناز نے کہا "تم دیکھ لینا۔ اب بھائی جان اور بھابی جان گھنٹوں اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلیں گے۔ ہم سے سامنا نہ کرنے کا بس یہی ایک طریقہ ان کے پاس ہے۔"

اسما نے کہا "آخر کب تک سامنا نہیں کریں گے۔ ذیشان آکر ان سے نمٹ لیں گے۔"

"ذیشان کو تو ڈیوٹی سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ پتا نہیں وہ کب واپس آئے گا۔ میرے اندر تو کھلبلی سی مچی ہوئی ہے۔ پتا نہیں اس بریف کیس میں وہ کیا لے کر آئے ہیں؟"

"وہ کچھ بھی لے کر آئے ہوں۔ آپ اس سلسلے میں ان سے کوئی سوال کریں گی یا کسی اور پہلو سے کوئی بات کریں گی تو وہ محتاط ہو جائیں گے۔ اصل بات چھپانے کے سو بہانے تراش لیں گے۔ انہیں فی الحال اس خوش فہمی میں مبتلا رہنے دیں... کہ ہم ان کے اور وردانہ کے تعلقات کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔"

وہ دونوں بڑی مشکلوں سے صبر کرتی رہیں۔ عینی اسپتال سے آگئی تھی اور عروج اسپتال کے سالانہ فنکشن میں شریک ہونے گئی تھی۔ اس طرح دن گزر گیا تھا پھر رات آٹھ بجے وہ لوگ جاوید برقی اور رومانہ سے ملنے گئے تھے۔ وہاں انہیں مایوسی ہوئی تھی۔ عینی کو آنکھوں کی روشنی مل سکتی تھی لیکن رومانہ کی شرط ایسی تھی جس پر نہ عینی عمل کر سکتی تھی اور نہ ہی کسی اور کے لیے وہ شرط قابل قبول ہو سکتی تھی۔ عروج، اسما، اور ذیشان گھر واپس آئے تو رات کے دس بج رہے تھے۔ عروج عینی سے باتیں کرنے کے لیے اس کے کمرے میں چلی گئی۔ ذیشان نے فلک ناز سے پوچھا "ممی اور ڈیڈی کہاں ہیں؟"

"شام کو گھر آتے ہی اپنے کمرے میں گھس گئے تھے۔ اب تک باہر نہیں نکلے ہیں۔ ذیشان نے پوچھا "بابر کہاں ہے؟"

"وہ اپنے کمرے میں ہے۔"

اسی وقت بابر سیڑھیوں سے اترتا ہوا آرہا تھا۔ ذیشان کو ڈرائنگ روم میں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس نے پوچھا "ممی اور ڈیڈی کہاں ہیں؟"

بابر نے کہا "اپنے کمرے میں ہیں۔"

"جاؤ انہیں یہاں بلاؤ۔ میں ان سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ چپ چاپ ان کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ فلک ناز نے اسما سے پوچھا "کیا تم نے ذیشان کو اس بریف کیس کے بارے میں بتایا ہے؟"

اسما نے کہا "ہم عینی کے معاملے میں الجھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی ساس اور سسر کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔"

ذیشان نے پوچھا "یہ کس بریف کیس کی بات کی جارہی ہے؟"

فلک ناز نے کہا "جب یہ تینوں وردانہ کے گھر سے واپس آئے تو بھائی جان کے ہاتھ میں براؤن کلر کا ایک بریف کیس تھا۔ بہت ہی خوبصورت اور قیمتی بریف کیس ہے۔"

اسما نے کہا "معلوم ہوتا ہے وہ وردانہ کے یہاں سے کوئی تحفہ لے کر آئے ہیں۔"

فلک ناز بولی "اور تحفہ کوئی بھاری بھرکم ہے۔ بھائی جان نے اسے جس انداز میں اٹھا رکھا تھا اس سے پتا چلتا تھا کہ بریف کیس اچھا خاصہ بھاری ہے۔"

ذیشان ان کی باتیں سن رہا تھا اور انہیں سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

بابر نے ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے کہا "بھائی جان! ممی اور ڈیڈی نے رات کا کھانا کھا لیا ہے اور اب آرام کر رہے ہیں۔ ڈیڈی نے کہا ہے کل صبح آپ سے باتیں کریں گے۔"

"صبح نہیں ابھی بات ہوگی۔ جاؤ اور ان کو بلا کر لاؤ ورنہ میں تمام گھر والوں کے ساتھ ان کے کمرے میں چلا آؤں گا۔"

بابر واپس چلا گیا۔ فلک ناز نے کہا "دیکھا بیٹے کیسے کترا رہے ہیں۔ دل میں چور ہے اس لیے تمہارے سامنے نہیں آرہے ہیں۔"

اس نے اسما سے کہا "بھوک لگ رہی ہے۔ یہاں کچھ کھانے کے لیے لے آؤ۔ ملازم سے کہو عینی اور عروج کے لیے بھی کھانا لے جائے۔"

اسما کچن میں آگئی۔ وہ ڈرائنگ روم سے آنا نہیں چاہتی تھی۔ اپنی ساس اور سسر کی باتیں سننا چاہتی تھی لیکن شوہر کا حکم تھا۔ کھانے کا بھی وقت گزر رہا تھا۔ اس لیے اس نے جلدی سے سالن گرم کیا۔ ملازم سے کہا "فوراً گرما گرم روٹیاں پکاؤ۔ ہمیں بھی دو اور عینی اور عروج کے کمرے میں بھی لے جاؤ۔"

وہ جلدی جلدی کچن کا کام نمٹا کر کھانے کی ٹرالی لے کر ڈرائنگ روم میں آئی تو وہاں ساس سسر نہیں تھے۔ پوچھا "کیا ہوا؟ ممی اور ڈیڈی نہیں آئے؟"

ذیشان نے ناگواری سے خشک لہجے میں کہا "نہیں۔ میں کھانے تک انتظار کروں گا پھر ان کے کمرے میں چلا جاؤں گا۔"

انہوں نے وہاں کھانا شروع کیا۔ فلک ناز نے کہا "یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ بیٹے کی عدالت میں آنے سے کس طرح انکار کریں۔"

ذیشان نے لقمہ چباتے ہوئے کہا "میں سمجھ رہا ہوں۔ وہ تینوں وہاں کشمکش میں ہوں گے لیکن انہیں آنا تو ہوگا ہی ورنہ میں وہاں جاؤں گا۔"

وہ کھاتے رہے اور باتیں کرتے رہے۔ بالآخر تھوڑی دیر بعد وہ تینوں ڈرائنگ روم میں آگئے۔ فلک آفتاب نے آتے ہی بیٹے کو گھورتے ہوئے کہا "کیا تم گھر میں بھی پولیس افسر بن کر رہنا چاہتے ہو؟ تمہیں اپنے ماں باپ کی نیند کا اور آرام کا خیال نہیں ہے؟ بس آرڈر دے دیا کہ حاضر ہو جائیں۔"

ذیشان نے کہا "پولیس والوں کے بارے میں تو یہ مشہور ہے کہ جب ان کے دل میں شبہات پیدا ہو جائیں تو وہ اپنے باپ کو بھی نہیں چھوڑتے۔"

"یعنی تم مجھ پر کسی طرح کا شبہ کر رہے ہو؟"

"جی ہاں۔ آپ میرے سوالوں کے جواب دیں۔ اگر میرے شبہات غلط ہوئے تو آپ سے معافی مانگ لوں گا۔"

بیگم آفتاب نے اور فلک آفتاب نے ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھا۔ وہ سمجھ گئے کہ کس قسم کے سوالات کیے جائیں گے۔ ذیشان نے پوچھا "آج آپ تینوں کہاں گئے تھے؟"

بیگم آفتاب نے کہا "ہم جہاں بھی گئے تھے اپنی اولاد کی بہتری کے لیے گئے تھے۔ تمہاری بہتری کے لیے گئے تھے۔"

"ممی! سیدھے سے سوال کا سیدھا سا جواب دیں۔ آپ سب کہاں گئے تھے۔"

وہ جھجکتے ہوئے بولی "وردانہ سے ملنے گئے تھے۔"

"آپ یہ جانتی ہیں نا کہ وہ عورت مجھے پھانسی کے تختے تک پہنچانے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہی ہے؟"

فلک آفتاب نے کہا "ہم جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ عورت بہت ہی وسیع ذرائع اور لامحدود اختیارات

رکھتی ہے۔ اس کے پیچھے جو شخص ہے اسے آج کے دور کا فرعون کہنا چاہیے۔ تم اس کے سامنے ایک ذرا ٹک نہیں سکو گے۔ ایک پھونک میں اڑ جاؤ گے۔ اسی لیے ہم چاہتے تھے کہ دشمنی ختم ہو جائے اور دردانہ سمجھوتے پر آمادہ ہو جائے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''ہم تمہارے ماں باپ ہیں۔ دشمن نہیں ہیں۔ تمہاری بہتری کے لیے وہاں گئے تھے۔''

وہ بولا ''ڈیڈی یہ میرا معاملہ ہے۔ میں اس عورت سے الجھا ہوا ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ عورت مر جائے گی لیکن سمجھوتا نہیں کرے گی۔ اس کے پاس جانے سے پہلے کیا آپ مجھ سے مشورہ نہیں کر سکتے تھے؟''

''ہم نے سوچا تھا پہلے دردانہ کو سمجھوتے پر آمادہ کر لیں پھر تمہیں بھی سمجھوتے پر راضی کریں گے۔''

''آپ نے اتنے بڑے معاملے میں اتنا بڑا اقدم اٹھایا۔ نہ بڑے بیٹے سے مشورہ کیا نہ اسے ساتھ لے گئے۔ چھوٹے بیٹے کو ساتھ لے گئے۔ یہ بابر کب سے میرے معاملے میں دلچسپی لینے لگا ہے؟''

بیگم آفتاب نے کہا: ''تم بھی میرے بیٹے ہو۔ یہ بھی میرا بیٹا ہے۔ میں کچھ سوچ سمجھ کر ہی اسے ساتھ لے گئی تھی۔ یہ چاہتی تھی کہ دردانہ پر ہم سب کی آمد کا اثر پڑے۔ وہ یہ سمجھے کہ پوری فیملی سمجھوتے پر راضی ہے۔ صرف تم رہ گئے ہو۔ اگر وہ راضی ہو جائے گی تو پھر ہم تمہاری اور اس کی ملاقات کرائیں گے۔''

اس نے لقمہ چباتے ہوئے پوچھا ''ہوں۔ تو وہ سمجھوتے کے لیے راضی ہو گئی ہے، اس لیے تحفوں کا لین دین شروع ہو گیا ہے؟''

بیگم آفتاب نے تعجب سے پوچھا ''تحفے۔؟''

''جی ہاں۔ آپ نے اسے کوئی تحفہ دیا ہوگا، تب ہی اس نے بریف کیس دیا ہے۔''

فلک آفتاب اور بابر نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ بیگم آفتاب غصے سے اسما کو اور فلک ناز کو گھور رہی تھی۔ وہ یہ سمجھ گئی تھی کہ انہی دونوں نے بریف کیس کے متعلق ذیشان کو بتایا ہے۔ فلک آفتاب نے کہا ''کیسی باتیں کرتے ہو بیٹا؟ ہم وہاں سمجھوتے کے لیے گئے تھے۔ تحفوں کے لین دین کے لیے نہیں گئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر میں نے وہ بریف کیس ایک دکان سے خریدا ہے۔''

ذیشان نے فلک ناز کو دیکھا۔ وہ اپنے بھائی فلک آفتاب سے بولی ''اگر آپ نے صرف بریف کیس خریدا ہے تو وہ خالی نہیں تھا۔ بھاری لگ رہا تھا۔''

بیگم آفتاب نے غصے سے کہا ''کیا تم اس کے اندر گھر دیکھ رہی تھیں کہ اس میں سامان بھرا ہوا ہے؟ تم ہمارے ب
ہمارے خلاف کیوں بھڑکا رہی ہو؟''

فلک ناز جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی۔ ذیشان نے ہاتھ اٹھ
کہا ''پھوپی جان! پلیز خاموش رہیں۔ مجھے بات کر دیں۔''

عینی عروج کے ساتھ بالکونی کی ریلنگ سے لگی کھڑی
اور نیچے ڈرائنگ روم میں ہونے والی باتیں سن رہی تھ
ذیشان نے پہلے اپنی ماں کو پھر اپنے باپ کو دیکھا پھر پو
''دردانہ کیا کہتی ہے؟''

بیگم آفتاب نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا ''بیٹے!
عورت منہ کی کڑوی ہے۔ دل کی بہت اچھی ہے۔ جب
نے اسے سمجھایا اور اپنی ممتا کا واسطہ دیا تو وہ فوراً سمجھوتے
لیے راضی ہو گئی۔''

''تعجب ہے۔ اس نے مجھ پر کئی الزامات لگائے ہیں
سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ میں نے اس کے بیٹے جواد کو
کیا ہے۔ اگر میں اس کے بیٹے کا قاتل ہوں تو کیا وہ
معاف کر دے گی؟ کتنا بڑا دل ہے اس کا؟ دل دریا ہے یا
سمندر؟''

''بیٹے! طعنے نہ دو۔ اس عورت کی صلح پسندی کو سمجھو،
کرو۔ ہم تمہاری بہتری کے لیے دشمنی اور مقدمہ بازی کا
طویل سلسلہ ختم کرنا چاہتے ہیں۔''

''یہ معلوم تو ہو کہ وہ اپنے بیٹے کا خون کیوں معا
کرے گی؟ کیوں مجھ سے صلح کرے گی؟''

بیگم آفتاب نے میاں کو دیکھا پھر کہا ''آپ وہاں کی
کھڑے ہیں؟ آرام سے بیٹھیں۔ بیٹے کو سمجھائیں کہ د
چاہتی ہے۔''

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ فلک ناز اور اسما کو دیکھنے
اس کے بعد کھنکھار کر گلا صاف کر کے بولا ''اس کی ایک
ہے۔ اگر ہم مان جائیں تو وہ تمہارے خلاف جتنے الزاما
ہیں، سب واپس لے لے گی۔ ہمارے درمیان آئندہ کبھی
دشمنی نہیں ہوگی۔''

ذیشان نے ہاتھ اٹھا کر کہا ''پلیز آپ اس کی شرط
کریں۔''

اس نے ہچکچاتے ہوئے فلک ناز کو اور اسما کو دیکھا پھ
''بیٹے میں تنہائی میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا بات ہے کہ آپ سب کے سامنے بولنا نہ

چاہتے؟ کیا وہ کوئی ناجائز بات منوانا چاہتی ہے؟''

وہ صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے بولا ''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ایک بات جو جائز ہوتی ہے۔ وہ دوسرے کے نقطہ نظر سے جائز نہیں ہوتی یا اس کے مزاج کے خلاف ہوتی ہے۔ تم یہاں مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ میرے ساتھ کمرے میں چلو۔''

ذیشان نے اسما کی طرف دیکھا۔ اسما نے کہا ''اگر وہ بات ہمارے گھر، ہمارے خاندان سے تعلق رکھتی ہے تو وہ ہم سے نہ چھپائی جائے۔''

فلک ناز نے کہا ''وہ بات ہمارے گھر سے یا گھرانے سے تعلق رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو ہم سب کو ایک دوسرے پر بھروسا کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے۔''

ذیشان نے کہا ''ڈیڈی! آپ تنہائی میں کیا بات کریں گے۔ یہ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اسما سے کوئی بات نہیں چھپاتا اور جب اسما سے کوئی بات نہیں چھپے گی تو پھر ایک پھوپی جان رہ جاتی ہیں۔ ان سے کیوں بات چھپائی جائے گی؟''

فلک ناز نے کہا ''دردانہ اتنی اہم ہو گئی ہے کہ صلح صفائی سے پہلے اسے سر پہ بٹھایا جا رہا ہے اور مجھے نیچے گرایا جا رہا ہے۔''

عینی کی آواز سن کر سب چونک گئے۔ سب ہی نے سر اٹھا کر بالکونی کی طرف دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھی ''بڑے ابو! اس کی شرط بیان کریں۔ میں بھی سننا چاہتی ہوں۔''

فلک آفتاب پریشان ہو کر اپنی بیگم کو اور بابر کو دیکھنے لگا۔ دردانہ کی شرط کا تعلق عینی سے تھا اور وہ عینی کے سامنے کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا۔

عروج نے ذیشان سے کہا ''بھائی جان! جب عینی اسپتال میں تھی تو آپ نے دردانہ کا فون سنا تھا۔ اس کی باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پاشا کو اس نے قیدی بنا کر رکھا ہے یا اس کو کسی طرح اپنے زیر اثر لے آئی ہے اور عینی کو اس کے پیچھے دوڑا رہی ہے۔ وہ ایک بار یہ دعویٰ کر چکی ہے کہ عینی کو اپنی بہو بنا کر رہے گی۔''

ذیشان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بالکونی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''یہ بات تو سمجھ میں آ گئی ہے کہ وہ عینی کو پاشا کے پیچھے دوڑا رہی ہے لیکن یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ اسے اپنی بہو بنانے کا دعویٰ کیوں کر رہی ہے جبکہ اس کا بیٹا مارا جا چکا ہے اور کوئی دوسرا بیٹا نہیں ہے؟''

عینی نے کہا ''اس نے ایک بار ہم سے کہا تھا کہ بارات لے کر یہاں آئے گی اور جب عینی بارات کے دولہا کو دیکھے گی تو فوراً نکاح قبول کر لے گی۔''

ذیشان نے عینی کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ عروج نے پوچھا ''اس کا مطلب کیا ہوا بھائی جان؟ کیا یہ بات صاف طور سے سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ وہ پاشا کو بارات کا دولہا بنا کرلانے کا ارادہ رکھتی ہے؟''

ذیشان سر جھکا کر ٹہلنے لگا پھر پلٹ کر بولا ''وہ دنیا کی بہت ہی ذلیل اور بدترین مکار عورت ہے۔ خواہ مخواہ میرے اور عینی کے پیچھے پڑ گئی ہے۔''

پھر اس نے اپنے ماں باپ کی طرف دیکھا اور کہا ''میرا خیال ہے دردانہ نے ایسی ہی کوئی شرط پیش کی ہے؟''

بیگم آفتاب نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ فلک آفتاب نے کہا ''ہاں۔ وہ کہتی ہے عینی کو اپنی بہو بنائے گی۔ اس سلسلے میں اگر تم اعتراض نہ کرو، اس کی حمایت کرو اور عینی کو اس کی بہو بننے دو گے تو تمام دشمنی ختم ہو جائے گی۔ وہ تم پر عائد کیے ہوئے تمام الزامات واپس لے لے گی۔''

''یہ آپ پہلے بھی بتا چکے ہیں اور میں سن چکا ہوں۔ آپ نے دردانہ سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ عینی کو بہو کیسے بنائے گی جبکہ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے؟''

''ہم نے پوچھا تھا۔ اس نے کہا اس کا ایک منہ بولا بیٹا ہے۔ وہ اس کے ذریعے عینی کو بہو بنا کر لے جانا چاہتی ہے۔''

''آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ منہ بولا بیٹا کون ہے؟''

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ دردانہ نے انہیں منع کیا تھا کہ ذیشان کے سامنے پاشا کا ذکر نہ کیا جائے۔ فلک آفتاب نے انکار میں سر ہلا کر کہا ''اس نے ہمیں تفصیل سے نہیں بتایا۔ بس یہ کہہ رہی تھی کہ عینی کو بہو بنانے کی حسرت ہے۔ وہ ایک منہ بولے بیٹے کے ذریعے اسے بہو بنا کر لائے گی۔''

ذیشان نے کہا ''وہ بکواس کرتی ہے۔ اس کی یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''بیٹے! غصہ نہ کرو۔ دردانہ سے نفرت کرتے ہو، کرتے رہو لیکن اپنی بہتری کے لیے بھی سوچو۔''

پھر وہ بالکونی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ''اور عینی تمہیں بھی اپنے بھائی جان کی بہتری کے لیے سوچنا چاہیے۔ اگر تم لوگوں کے خیال کے مطابق پاشا اس کے زیر اثر ہے یا اس کی قید میں ہے اور اس نے پاشا کو بیٹا بنایا ہوا ہے اور وہ اسے بارات کا دولہا بنا کر لانا چاہتی ہے تو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ تم تو اس سے شادی کرنا چاہتی تھیں اور آج بھی اس کا انتظار کر رہی ہو۔ جب وہ ایک دشمن عورت کے ذریعے تمہیں

مل رہا ہے تو کیا تم اس کی اس شرط سے انکار کر دو گی؟''

سبھی عینی کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ بولی'' میں انکار نہیں کروں گی۔ آپ لوگ چلے جائیں اور دردانہ سے کہہ دیں کہ اس کی شرط منظور کر لی جائے گی لیکن ہماری بھی ایک شرط ہے۔ وہ یہاں بارات لانے سے پہلے میرے بھائی جان سے پاشا کی ملاقات کرائے۔''

ذیشان نے کہا'' وہ صرف ہماری ملاقات ہی نہ کرائے بلکہ یہ بھی بتائے کہ اس نے پاشا کو کہاں چھپا کر رکھا ہے؟ اور اسے دور رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟ اور اس سے جا کر کہہ دیں۔ پہلے کی طرح پاشا کو یہاں آنے جانے کی آزادی ہوگی۔ اس کے بعد ہی شادی کی تاریخ مقرر کی جائے گی۔''

عروج نے عینی کے قریب ہو کر دھیمی آواز میں کہا'' یہی ہونا چاہیے۔ پاشا کو پہلے کی طرح ہمارے پاس آنا جانا چاہیے۔ اس طرح معلوم ہوگا کہ اب تک وہ ہم سے کیوں کتراتا رہا۔''

عینی نے کہا'' وہ سوتیلی ماں اپنے طور پر چالیں چل رہی ہے۔ مگر ہمارے بھائی جان بھی کم نہیں ہیں۔ وہ اپنی شرط منوا رہی ہے تو یہ بھی اپنی شرط منوائیں گے۔ اس طرح واقعی پاشا ہمارے قریب آسکے گا۔''

'' آؤ کمرے میں چلو۔ بھائی جان ان لوگوں سے خود نمٹ لیں گے۔''

عینی اس کا بازو تھام کر وہاں سے چلتی ہوئی کمرے میں آگئی۔ عروج نے اسے ایک کرسی پر بٹھایا پھر اس کے قریب ایک دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی'' تم اسے ماں نہ کہا کرو۔ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اسے سوتیلی ماں بھی کہا جائے۔ مجھے تو لگتا ہے وہ پیدائشی چڑیل ہے۔ جادو ٹونے جانتی ہے۔ کبھی کبھی میرے دل میں یہی خیال آتا ہے کہ اس نے کسی کالے عمل سے پاشا کو اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔''

وہ بڑے دکھ سے بولی'' یہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے عروج؟ پاشا میرے قریب سے ہو کر گیا لیکن میں اسے چھو بھی نہ سکی۔ میری آواز بھی اس کے کانوں تک نہ پہنچ سکی۔ ہمیں مقدر بھائی جان سے پوچھنا چاہیے کہ وہ ہمیں کب ملے گا؟ ہم کب تک اس کے لیے بھٹکتی رہیں گی؟''

عروج نے کہا'' مقدر بھائی جان نے تو کہہ دیا ہے کہ ابھی ہمارے نصیب میں بھٹکنا ہے۔ اب پاشا کہاں ہے؟ کس کے قبضے میں ہے؟ یہاں کیوں نہیں آرہا ہے؟ یہ سب معلوم کرنے کے لیے اس کا ہاتھ دیکھنا ضروری ہے۔ چونکہ بھائی جان نے اس کا ہاتھ نہیں دیکھا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں بتا سکتے۔

'' عینی! تمہاری دنیا میں تاریکی چھا گئی ہے۔ اس تاریکی میں پاشا تمہارے قریب سے بھی گزرے گا تو اسے نہیں دیکھ سکو گی اور میں آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھی ہوں۔ پاشا شہر میں رہتے ہوئے بھی مجھے کہیں دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ جب وہ دکھائی نہیں دے رہا ہے تو پھر میں بھی تمہاری طرح تاریکیوں میں بھٹک رہی ہوں۔ ہم دونوں کا مقدر ایک ہے۔''

فون کا بزر سنائی دیا۔ عروج نے اسے ہاتھ میں لے کر دیکھا پھر نمبر پڑھ کر بولی'' جاوید برتی کال کر رہا ہے۔''

عینی نے پوچھا'' کیا اسے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ اس کی وائف کی شرط ہمیں منظور نہیں ہے؟''

'' ہاں۔ بھائی جان نے کہہ دیا تھا۔ اس کے باوجود کہہ رہا تھا اتنی جلدی فیصلہ نہ کریں۔ ٹھہر جا کر اس کی باتوں غور کریں۔''

'' تم فون اٹینڈ کرو۔ دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔ آواز کا والیوم بڑھا دو۔''

عروج نے فون کی آواز آخری حد تک بڑھا دی اور عینی کے بالکل قریب آگئی۔ اپنے اور اس کے کان کے درمیان فون رکھتے ہوئے کہا'' ہیلو۔ آپ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟''

'' میں مس عینی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ میرا نام جاوید برتی ہے۔''

'' بھائی جان نے آپ سے کہہ تو دیا تھا کہ آپ کی وائف کی شرط قابلِ قبول نہیں ہے۔ اب آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

وہ بولا'' میں مانتا ہوں میری وائف نے آنکھوں کا عطیہ دینے کے سلسلے میں جو شرط لگائی ہے وہ آپ کے لیے تو کیا کسی کے لیے بھی قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ یوں تو کئی ضرورت مند لڑکیاں راضی بھی ہوسکتی ہیں لیکن وہ ضرورت مند لڑکیاں کہاں ہیں؟ یہ ہم نہیں جانتے۔ ادھر رومانہ کا یہ حال ہے کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اس پر بھاری پڑ رہا ہے۔''

عینی نے کہا'' مجھے آپ کی وائف سے ہمدردی ہے۔''

جاوید برتی نے کہا'' میں کسی بھی طرح اپنی بیوی کی آخری خواہش پوری کرنا چاہتا ہوں اور آخری خواہش یہی ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی اپنی آنکھوں سے مجھے اور اپنے بچوں کو دیکھتی رہے۔ زندگی مہلت نہیں دے رہی ہے۔ کسی ضرورت مند لڑکی کا انتظار کرتے رہے تو وہ اپنی آخری خواہش دل میں لیے اس دنیا سے چلی جائے گی۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا

ہے کہ ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ اس کی آخری خواہش ضرور پوری کروں گا۔''

'' جب کوئی ضرورت مند لڑکی نہیں ملے گی تو آپ رومانہ کی آخری خواہش کیسے پوری کریں گے؟''

'' میں چاہتا ہوں تم اس کی شرط مان لو۔ بعد میں مجھ سے شادی نہ کرو لیکن اس کی بینائی اپنی آنکھوں میں سجا لو۔ میں چاہتا ہوں وہ تمہاری آنکھوں کے ذریعے ہمیں دیکھتی رہے۔''

عروج نے پوچھا'' آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عینی آپ سے شادی نہ کرے لیکن آپ کی وائف سے جھوٹ بولے۔ اس کی تسلی کے لیے اس کے سامنے معاہدہ کرے؟''

'' ہاں۔ میں یہی چاہتا ہوں۔ میری رومانہ موت کے بعد یہ دیکھنے نہیں آئے گی کہ اس کی آخری خواہش کے مطابق عینی نے مجھ سے شادی کی ہے یا نہیں؟ اس کے بچوں کو ممتا دے رہی ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں میری صرف ایک شرط ہے۔''

'' آپ وہ شرط بھی بتا دیں۔''

'' میں چاہوں گا کہ میری رومانہ کی آنکھیں حاصل کرنے کے بعد عینی ہفتے میں ایک آدھ روز ضرور میرے بچوں کے پاس آیا کرے۔ چھٹی کا دن ان کے ساتھ گزارا کرے اور انہیں ایک ماں کا پیار دیتی رہے۔ مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھے۔''

عروج نے کہا'' آپ ایسی بات کہہ رہے ہیں جس کی ہم توقع بھی نہیں کر سکتے تھے۔''

'' میں چاہوں گا کہ عینی میرے اس جذبے کی قدر کرے کہ میں اپنی محبوب بیوی رومانہ کی آخری خواہش پوری کروں گا لیکن مختلف انداز میں۔ عینی مجھ سے شادی نہیں کرے گی اور نہ ہی میں اس کو اپنی طرف مائل کروں گا۔ بس اپنے بچوں کے لیے ممتا چاہتا ہوں گا۔''

عینی نے کہا'' آپ واقعی اپنی وائف سے محبت کرتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح اس کی آخری خواہش پوری کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے دل میں آپ کے لیے عزت پیدا ہوگئی ہے۔ ہم اس سلسلے میں بھائی جان سے بات کر کے آپ کو کوئی مناسب جواب دیں گے۔''

'' دیکھیے وقت بہت کم ہے۔ میں چاہوں گا کہ ایک آدھ گھنٹے میں مجھے جواب مل جائے اور اگر تم راضی ہو جاؤ تو کل اپنے بھائی جان کے ساتھ اسپتال آکر میری وائف کے سامنے معاہدے پر دستخط کر دو۔''

'' ٹھیک ہے۔ میں ایک آدھ گھنٹے میں کال کروں گی۔''

عروج نے فون بند کر دیا۔ عینی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

'' اللہ تعالیٰ تجھ پر مہربان ہے۔ جاوید برتی ایسی بات کہہ رہا ہے جو ہم سب کے لیے قابلِ قبول ہوسکتی ہے۔ بھائی جان بھی راضی ہو جائیں گے۔''

'' ہمیں فوراً بھائی جان کے پاس جانا چاہیے۔''

'' تم یہیں بیٹھو۔ میں ان سے بات کر کے آتی ہوں۔''

وہ اس کے شانے کو پیار سے تھپک کر کمرے سے باہر آئی۔ ریلنگ کے پاس آکر دیکھا تو ڈرائنگ روم خالی ہو چکا تھا۔ تمام افراد اپنے اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ اس نے پلٹ کر ذیشان کے کمرے کی طرف دیکھا۔ اندر روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ وہاں اسما ذیشان سے کہہ رہی تھی'' آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کے ڈیڈی اور آپ کا بھائی بابر بڑی سے بڑی رقم حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ وہ تین کروڑ میں نمرا کو مسز رانا کے حوالے کرنے کے لیے راضی ہو گئے تھے۔''

وہ بولا'' میں جانتا ہوں۔ ڈیڈی اور بابر ان دنوں بڑی سے بڑی رقم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مسز رانا کے ساتھ غلط ڈیلنگ کی تھی لیکن میں یہ نہیں مانوں گا کہ انہوں نے دردانہ سے کوئی بڑی رقم لی ہوگی اور اس کے عوض وہ عینی کو اس مکار عورت کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔''

'' آپ نہ مانیں مگر حقیقت یہی ہے۔ آپ کے ممی اور ڈیڈی یہ جانتے ہیں کہ صرف آپ کو راضی کرنا ہوگا اور وہ آپ کو راضی کرنے کے لیے یہ جھوٹ کہہ رہے ہیں کہ دردانہ آپ سے سمجھوتا کرے گی اور آپ کے خلاف جو الزامات ہیں وہ واپس لے گی۔ وہ عورت موم کی بنی ہوئی نہیں ہے۔ وہ اپنا ارادہ نہیں بدلے گی۔ آپ کی دشمن ہے دشمن ہی رہے گی اور آپ کے خلاف انتقامی کارروائیاں کرتی رہے گی۔''

'' میں تمام الزامات سے بچنے کی بھرپور کوششیں کر رہا ہوں۔ اب وہ ممی اور ڈیڈی سے دوستی کر کے مجھ سے سمجھوتا کرنے کی باتیں کر رہی ہے۔ یہ بھی اس کی کوئی مکاری ہوگی۔ اسی لیے اس کی شرط کے جواب میں اپنی ایک شرط رکھی ہے۔ دیکھتا ہوں وہ کیا جواب دیتی ہے۔''

'' وہ کوئی بھی جواب دے۔ آپ میری یہ بات مان لیں کہ آپ کے ڈیڈی اور بابر نے دردانہ سے کوئی بڑی رقم لی ہے۔ ان کے اس بریف کیس میں وہ رقم موجود ہے۔ آپ نے تو اس بریف کیس کو سرے سے نظر انداز ہی کر دیا ہے۔''

'' تم کیا چاہتی ہو؟ میں ابھی جا کر ان کے کمرے کی اور بریف کیس کی تلاشی لوں؟ یہ سراسر حماقت ہوگی۔ اگر وہاں سے کوئی بڑی رقم نہیں نکلی تو میرے والدین کی توہین بھی ہوگی

اوران کے سامنے مجھے شرمندہ بھی ہونا پڑے گا۔"

وہ قریب آگئی۔ اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی۔ "آپ پولیس والے ہیں۔ طرح طرح کے ہتھکنڈے جانتے ہیں۔ پلیز میری بات مان لیں۔ کسی طرح معلوم کریں کہ اس بریف کیس میں کیا ہے؟"

اسما! اگر ڈیڈی نے ایسی کوئی ہیرا پھیری کی ہے تو پھر وہ نادان نہیں ہیں۔ یہاں آتے ہی انہوں نے وہ رقم بریف کیس سے نکال کر ایسی جگہ چھپادی ہوگی جہاں وہ محفوظ رہے۔"

"اگر بڑی رقم ہے تو وہ گھر میں چھپا کر نہیں رکھیں گے۔ کل صبح ضرور بینک میں جمع کرنے جائیں گے۔"

ذیشان اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بولی "کیا آپ بینک منیجر کے ذریعے معلوم نہیں کر سکیں گے کہ انہوں نے کتنی رقم جمع کرائی ہے؟"

اس نے کہا "جس بینک میں ڈیڈی کا اکاؤنٹ ہے اس بینک کے منیجر کا ٹرانسفر دوسری جگہ ہوگیا ہے۔"

وہ پاؤں پٹخ کر بولی "میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ کو کسی بھی صورت سے کل اپنے ڈیڈی اور بابر کا مال پکڑنا ہوگا ورنہ میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔"

یہ کہہ کر وہ اس سے الگ ہوگئی اور منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ اتنے میں دروازے پر دستک سنائی دی۔ ذیشان نے دروازے پر آکر پوچھا "کون؟"

عروج نے کہا "بھائی جان! میں ہوں۔ کچھ ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔"

اس نے دروازہ کھولا۔ وہ اندر آگئی۔ اسما کو غور سے دیکھا پھر مسکرا کر بولی "لگتا ہے بھابی جان ناراض ہیں؟"

"تمہاری بھابی جان پاگل ہوگئی ہیں۔ خوامخواہ کہہ رہی ہیں کہ ڈیڈی نے اور بابر نے دردانہ سے کوئی بڑی رقم لی ہے۔ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ دردانہ خوامخواہ انہیں بڑی رقم کیوں دے گی۔"

عروج نے کہا "آپ برا نہ مانیں۔ بڑے ابو اور بابر قابلِ اعتماد نہیں رہے۔ وہ بڑی رقم حاصل کرنے کے لیے کسی کے ساتھ کسی طرح کا بھی لین دین کر سکتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ وہ دردانہ کی کوٹھی سے کوئی بریف کیس لے کر آئے ہیں۔ بھابی جان کا شبہ درست ہوسکتا ہے۔"

"تم بھی ان کی حمایت میں ہی بول رہی ہو۔ اچھا مجھ سے کیا باتیں کرنے آئی ہو؟"

وہ اسے جاوید برقی کے بارے میں بتانے لگی۔ اس نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا "یہ تو اس شخص نے بڑی اچھی آفر دی ہے۔ اگرچہ ہمیں آئی بینک سے آنکھیں مل سکتی ہیں؟ اس کی یہ بات درست ہے کہ پتا نہیں عینی کا نمبر آتے آتے وقت لگے گا۔ یہاں تو اسے آج کل میں ہی آنکھوں کا عطیہ مل سکتا ہے۔"

عروج نے کہا "ہمیں پھر جاوید برقی سے ملاقات کرنی چاہیے۔ اگر وہ یہ لکھ کر دے دے کہ عینی سے شادی نہیں کرے گا اور نہ ہی اسے اس سلسلے میں مجبور کرے گا تو پھر رومانہ کو جھوٹی تسلی دینے کے لیے اس سے معاہدہ کرلیا جائے گا۔ کیا مناسب ہوگا؟"

"میں اس پہلو پر غور کرتا ہوں۔ ہمیں اس معاملے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے مگر رومانہ کی حالت بھی بہت نازک ہے اس کے پاس بھی بہت مختصر سی زندگی رہ گئی ہے۔ وہ کسی وقت بھی یہ دنیا چھوڑ کر جاسکتی ہے۔"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا "ٹھیک ہے۔ میں ابھی جاوید برقی سے فون پر بات کرتا ہوں۔"

اس نے اپنا موبائل فون نکالا۔ اسی وقت اس کا بزر بولنے لگا۔ فون پر نمبر پڑھا پھر کہا "دردانہ مجھے کال کر رہی ہے۔"

اسما ناراض ہوکر منہ پھیرے کھڑی تھی۔ اس نے چونک کر اپنے شوہر کو دیکھا "وہ مکار عورت آپ کو کیوں کال کر رہی ہے؟ آپ اس سے بات نہ کریں۔"

"ایسی باتیں نہ کرو۔ دشمن سے کسی حد تک بول چال رکھنی چاہیے۔ دیکھتے ہیں یہ کیا کہتی ہے۔"

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو۔ میں ذیشان بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے دردانہ نے کہا "اور فون پر تو تم نے میرا نمبر پڑھ ہی لیا ہوگا۔ تمہاری ممی سے ابھی میری بات ہوئی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ تم نے عینی کی شادی کے سلسلے میں ایک شرط رکھی ہے۔ وہ یہ کہ شادی سے پہلے پاشا کو تم لوگوں سے ملایا جائے اور اسے تمہارے گھر آنے جانے دیا جائے۔"

"ہاں۔ میرا یہ مطالبہ مناسب ہے۔"

"لیکن میرے لیے نامناسب ہے۔ میں تمہاری یہ شرط نہیں مانوں گی۔"

"تو پھر میں بھی تمہاری شرط نہیں مانوں گا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "تمہیں میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔ میں بہت جلد اپنی شرط منوالوں گی اور عینی کو بہو بنا کر وہاں سے لے آؤں گی۔ تم منہ دیکھتے رہ جاؤ گے۔ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔"

"تمہارا یہ چیلنج سن کر مجھے غصہ نہیں آرہا ہے۔ میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ تم نے میری ممی اور ڈیڈی کو کیا گھول کر پلا دیا ہے کہ وہ تم سے دوستی کرنا چاہتے ہیں؟"

وہ پھر ہنستے ہوئے بولی "میرے پاس بڑے بڑے ہتھکنڈے ہیں۔ میں نے ایسا حربہ استعمال کیا ہے کہ تمہارے ماں باپ ساری زندگی میرے گن گاتے رہیں گے اور تمہاری حمایت کرنا بھول جائیں گے۔ دیکھتے جاؤ آگے آگے کیا ہوتا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کردیا۔ ذیشان نے اپنے فون کو گھورا پھر اسے بند کرتے ہوئے زیرِلب بڑبڑایا "میں نے ایسی مغرور اور بددماغ عورت کبھی نہیں دیکھی۔ پتا نہیں یہ کیا کرتی پھر رہی ہے؟ کس طرح ممی اور ڈیڈی کو اپنی طرف مائل کرلیا ہے؟"

اسما نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "آپ بہت پریشان ہیں۔ آرام سے بیٹھ جائیں۔ میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"نہیں۔ میں چائے نہیں پیوں گا۔"

پھر اس نے عروج سے کہا "میں بہت الجھا ہوا ہوں۔ ابھی جاوید برقی سے بات نہیں کرسکوں گا۔ ایسا کرو تم اس سے بات کرو اور کہو میں کل کسی وقت اس سے فون پر بات کروں گا۔ انشااللہ وہ اپنی بیوی کی آخری خواہش پوری کرسکے گا اور ہماری عینی کو بھی بینائی مل جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی جاکر جاوید برقی سے فون پر بات کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر عروج وہاں سے چلی گئی۔ ذیشان نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ اسما نے پوچھا "دردانہ کیا کہہ رہی تھی؟"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسما کو دیکھا پھر قریب آکر اسے اپنے بازوؤں میں لے کر بولا "تمہاری بات دل کو لگ رہی ہے۔ ابھی وہ کہہ رہی تھی کہ اس نے کوئی ایسا حربہ استعمال کیا ہے جس کے نتیجے میں ممی اور ڈیڈی ساری زندگی اس کے گن گاتے رہیں گے اور میری حمایت کرنا بھول جائیں گے۔"

اسما نے اپنی بانہیں اس کی گردن میں ڈالتے ہوئے کہا "میں پھر کہتی ہوں دردانہ نے آپ کی ممی ڈیڈی کو اور بابر کو خرید لیا ہے۔ بہت بڑی رقم دی ہے۔ پلیز آپ کسی بھی طرح اپنے والدین کے معاملے کی کھوج لگائیں۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا "ہاں۔ اب تو کچھ کرنا ہی ہوگا۔"

اس نے موبائل فون کو آن کیا۔ نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی بچھو بابا کی آواز سنائی دی "لیس سر! بچھو بابا حاضر ہے۔"

ذیشان نے پوچھا "تم میرے ڈیڈی اور میرے چھوٹے بھائی بابر کو پہچانتے ہو؟"

"جی ہاں۔ انہیں کئی بار دیکھ چکا ہوں۔"

"میرا اندازہ ہے کہ وہ دونوں کل صبح بینک جائیں گے۔ ان کے پاس اچھی خاصی رقم ہوگی۔ اس رقم کو لوٹ کر لے جانا ہے۔"

بچھو بابا نے حیرانی سے پوچھا "سر! آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے والد کو اور بھائی کو لوٹ لوں؟"

"میں نے ابھی فون پر یہی کہا ہے۔ میں کسی کا محاسبہ کرتے وقت رشتہ داری کا لحاظ نہیں کرتا۔"

"سمجھ گیا سر۔ کل یہ کام ہو جائے گا۔ وہ رقم بینک کے بجائے میرے پاس آجائے گی۔"

"اور ایک بات کا خیال رکھو۔ تم خود یہ واردات ہرگز نہیں کرو گے۔ کسی سے کراؤ گے۔"

"سمجھ گیا سر!"

دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس نے فون بند کر کے پوچھا "کون ہے؟"

میں نے کہا "بھائی جان! میں ہوں۔"

اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ میں نے اندر آتے ہوئے پوچھا "آپ لوگوں کی تنہائی میں مخل تو نہیں ہو رہا ہوں؟"

اسما نے مجھے غصے سے دیکھتے ہوئے پوچھا "یہ تم کہاں اڑتے پھرتے ہو؟ نظر ہی نہیں آتے۔ ہم پر مصیبت آرہی ہے اور تمہیں اپنے بھائی جان کی خیریت پوچھنے کی بھی فرصت نہیں۔"

میں ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے، مسکراتے ہوئے بولا "میں ایک بار کسی کا ہاتھ دیکھ لیتا ہوں تو پھر خیریت پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ میں نے ایک بار بھائی جان کا ہاتھ دیکھا ہے اور مجھے ان کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا رہتا ہے۔ ابھی تو میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں کہ آپ نے اپنے خاص آدمی کے ذریعے ہوٹل پرل میں میری جان بچائی۔"

"جان کیوں نہ بچاتا۔ تم خوامخواہ خطرے سے دوچار ہونے کے لیے وہاں گئے تھے۔ وہاں جانے کی ضرورت ہی

کیا تھی؟"

"بھائی جان! وہ دردانہ اور شہباز درانی صرف آپ کے ہی نہیں میرے بھی پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ میں آپ سے کچھ پوچھنے آیا ہوں۔"

"ہاں، پوچھو۔"

میں سب کچھ جانتا تھا مگر انجان بن کر بولا "آپ کا وہ خاص ماتحت کون ہے جسے آپ نے میری سلامتی کے لیے ہوٹل پرل میں بھیجا تھا۔"

"وہ میرا ایک خاص بندہ ہے۔ اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ راز داری سے میرا کام کرتا رہتا ہے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"مجھے اس کی ضرورت ہے۔ آپ مجھے اس کا نام بتائیں اور اس سے کہہ دیں کہ کل سے وہ میرے احکامات کی تعمیل کیا کرے گا۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم اسے شہباز درانی کے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہو۔ میں بھی یہی کرر ہا ہوں۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے اس کی کسی بہت بڑی کمزوری سے کھیلنا چاہیے۔ بچھو بابا بہت ہی سفاک قاتل بھی ہے اور ذہین اور حاضر دماغ بھی ہے۔ میں نے شہباز کے خلاف کارروائیاں کرنے کے لیے ہی اسے یہاں بلایا ہے۔ اس کا نام کچھ اور ہے۔ میں اسے بچھو بابا کہتا ہوں۔"

وہ میرے سامنے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "تمہیں یاد ہے تم نے ہی کہا تھا کہ جس شخص کے نام میں تین بار B آتے ہیں میں اسی کے تعاون سے کامیابی حاصل کرتا رہوں گا۔"

میں نے پھر انجان بن کر کہا "اچھا تو یہ وہی بچھو بابا ہے۔ واقعی اس کے نام میں تین بار B آتے ہیں۔"

اسما نے پوچھا "کیا تم بتا سکتے ہو کہ میری ساس اور سسر دردانہ سے دوستی کیوں کرر ہے ہیں؟"

"میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ اس گھر میں سب نے اپنے اپنے ہاتھ کی لکیریں دکھائیں۔ صرف بابر، بڑی امی اور بڑے ابو نے اپنے ہاتھ چھپا لیے۔ اگر میں ان میں سے کسی ایک کا بھی ہاتھ پڑھ لیتا تو مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ دردانہ سے کیوں دوستی کرر ہے ہیں؟ ابھی تو میں کچھ نہیں بتا سکوں گا۔"

پھر میں نے ذیشان سے کہا "بھائی جان! آپ آرام سے نہ بیٹھیں۔ فوراً بچھو بابا کو حکم دیں کہ وہ کل سے میرے احکامات کی تعمیل کرے گا۔"

"میں ابھی اسے فون کرتا ہوں۔ پہلے تم سے کچھ باتیں کرلوں۔"

"نہیں بھائی جان! آپ کے پاس وقت نہیں ہے۔ فوراً فون کریں۔"

اس نے اور اسما نے چونک کر مجھے دیکھا پھر ذیشان نے پوچھا "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ میرے پاس وقت نہیں ہے اس کا مطلب کیا ہوا؟"

میں کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا پھر بولا "مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے سی۔ آئی۔ اے والے آپ کو گرفتار کرنے آرہے ہیں۔"

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ اسما ایک دم سے گھبر گئی تھی۔ میں نے پوچھا "کیا آپ کو یقین نہیں آرہا ہے؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولا "تمہاری پیش گوئی ہمیشہ درست ثابت ہوتی ہے۔ تم نے مجھے پہلے یہ بات کیوں نہیں بتائی؟"

"بھائی جان! میں مجبور ہوں۔ آپ کے ہاتھ کی لکیروں نے بتایا ہے کہ آپ کو آہنی سلاخوں کے پیچھے رہنا چاہیے۔ اسی میں آپ کی بہتری ہے۔"

اسما نے غصہ سے کہا "کیا بکواس کرر ہے ہو؟ اپنے بھائی جان کو جیل بھجوانا چاہتے ہو؟"

"میں اپنے بھائی جان کا دشمن نہیں ہوں۔ انہیں تو ان کا مقدر آہنی سلاخوں کے پیچھے لے جائے گا۔"

پھر میں نے ذیشان سے کہا "بھائی جان! کیا آپ میرے مشوروں پر عمل کریں گے؟"

"ہاں۔ بولو، کیا مشورہ دیتے ہو؟"

"پہلی بات تو یہ کہ مصیبتیں آتی ہیں تو آنے دیا کریں۔ اب جو مصیبتیں آرہی ہیں وہ آپ کی بہتری کے لیے ہیں۔"

اسما نے جھنجلا کر مجھے مکا دکھاتے ہوئے کہا "اے مقدر! میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔ ایک تو مصیبتوں کی باتیں کرر ہے ہو اور اس پر کہہ رہے ہو کہ مصیبتوں کے آنے سے ان کی بہتری ہوگی۔"

میں نے اپنا منہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا "بھابی جان! آپ تو میری ماں جیسی ہیں۔ یہ لیں منہ توڑ دیں لیکن جو مشورے دے رہا ہوں ان پر بھائی جان عمل کریں گے تو ان کے لیے بہتر ہوگا۔"

میں نے پھر ذیشان سے مخاطب ہو کر کہا "آپ دیر نہ کریں۔ بچھو بابا کو ابھی فون کریں۔ کل کے بعد آپ کو کسی سے ملنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ آپ بچھو بابا سے بھی کوئی کام نہیں لے سکیں گے۔"

ذیشان نے تائید میں سر ہلایا۔ میں نے کہا "اسی لیے آپ سے کہہ رہا ہوں فوراً بچھو بابا کو فون کریں اور اس سے کہیں کہ کل سے وہ میرے احکامات کی تعمیل کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم کہتے ہو تو میں اسے حکم دیتا ہوں۔ وہ تمہارے ہر حکم کی تعمیل کرے گا۔ میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے زیادہ دیر نہیں رہوں گا۔ جلد ضمانت پر رہا ہو کر آجاؤں گا۔"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "میں آپ کو دوسرا مشورہ یہ دینا چاہتا ہوں کہ آپ ضمانت پر رہا ہو کر نہ آئیں۔ کم از کم ایک ہفتے تک جیل میں رہیں۔"

اسما نے پریشان ہو کر ذیشان سے کہا "یہ مقدر کو کیا ہوا ہے؟ آپ کو کیسے الٹے سیدھے مشورے دے رہا ہے؟"

اس نے اسما کے شانے کو تھپک کر کہا "تم ذرا خاموش رہو۔ مجھے بات کرنے دو۔"

پھر اس نے مجھ سے کہا "تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں اگر جیل میں رہوں گا تو میرا سروس کیریئر بالکل ہی تباہ ہو جائے گا۔"

"فی الحال تو وہ تباہ ہو رہا ہے۔ جب عدالت سے آپ کی بے گناہی ثابت ہو جائے گی تب ہی آپ کو کھوئی ہوئی عزت اور شہرت حاصل ہوگی۔"

"مجھے صرف ایک سوال کا جواب دو۔ تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ مجھے کم از کم ایک ہفتے تک جیل میں رہنا چاہیے؟"

میں چند لمحوں تک خاموش رہا۔ مسکرا کر اسے دیکھتا رہا پھر بولا "ایک ہفتے کے اندر دشمنوں کے خلاف جو وارداتیں ہوں گی۔ ان کا الزام آپ پر نہیں آسکے گا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کو دشمن کی کمزوری سے کھیلنا چاہیے۔ آپ ابھی تک ایسا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اب یہ کام میں کروں گا اور یہ تب ہی کروں گا جب آپ مجھ سے تعاون کریں گے اور میرے مشوروں پر عمل کریں گے۔"

اس نے کہا "ٹھیک ہے۔ تمہاری بات سمجھ میں آگئی ہے۔ میں یہی کروں گا۔"

ذیشان نے دوبارہ فون پر بچھو بابا سے رابطہ کیا پھر اس سے کہا "بچھو بابا! ایک بری خبر ہے۔ مجھے گرفتار کیا جانے والا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ مجھے فوراً بتائیں میں اس وقت کس طرح آپ کے کام آسکتا ہوں؟"

"اسی طرح کام آسکتے ہو کہ ایک ہفتے تک مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کرو گے۔ میرے چھوٹے بھائی مقدر حیات سے تمہارا رابطہ رہے گا۔ تم اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہو گے۔"

"میں الجھ رہا ہوں۔ آپ ایک ہفتے تک مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کریں گے؟"

"مجھے کسی سے ملنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ تم کسی بات کی فکر نہ کرو۔ ایک ہفتے بعد میں واپس آکر تمہیں ساری باتیں سمجھاؤں گا۔ فی الحال ایک بات یاد رکھو۔ کل سے مقدر حیات تمہیں اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے کا حکم دے تو تم کوئی سوال کیے بغیر چھلانگ لگا دو گے۔"

"آل رائٹ سر! کل سے میں مقدر حیات کا تابعدار بن کر رہوں گا۔"

ذیشان نے فون بند کیا پھر مجھ سے پوچھا "کیا میرے خلاف کوئی سنگین الزام ثابت ہو رہا ہے؟"

میں جانتا تھا کہ اسے کس بنیاد پر گرفتار کیا جائے گا لیکن میں نے انجان بن کر کہا "یہ تو گرفتار کرنے والا ہی جانتا ہے۔ اگر میں اس کے ہاتھ کی لکیر پڑھ لیتا تو آپ کو بتا دیتا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

انٹر کام کی گھنٹی بجنے لگی۔ ذیشان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر

بیڈ کے سرہانے جا کر وہاں سے ریسیور اٹھایا پھر کان سے لگا کر بولا ''ہاں۔ کیا بات ہے؟''

دوسری طرف سے فلک آفتاب کی گھبرائی ہوئی سی آواز سنائی دی ''بیٹے! یہ سی۔ آئی۔ اے والے آئے ہیں۔ ان کے پاس تمہاری گرفتاری کا وارنٹ ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں نیچے آ رہا ہوں۔''

اس نے ریسیور نیچے رکھ کر کہا ''مقدر! تم واقعی باکمال ہو۔ تمہاری پیش گوئی کے مطابق سی۔ آئی۔ اے والے مجھے گرفتار کرنے آ گئے ہیں۔ میں جا رہا ہوں۔''

اسما تیزی سے آ کر اس کے بازو سے لگ گئی ''نہیں۔ میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا آپ اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے؟''

''اسما تم نے سن لیا ہے۔ مقدر حیات کہتا ہے کہ مجھے جیل جانا چاہیے اور ایک ہفتے تک رہاں رہنا چاہیے تو میں یہی کروں گا۔ تم ناحق پریشان ہو رہی ہو۔ میں ایک ہفتے بعد واپس آ جاؤں گا۔''

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر جانے لگا۔ اسما بھی اس کے پیچھے جانے لگی۔ میں بہت پہلے سے جانتا تھا کہ ایسا ہونے والا ہے لیکن میں پہلے سے ذیشان کو بتا دیتا تو وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرتا۔ مقدر میں جو لکھا ہے وہ پورا نہ ہوتا۔ مجھے تو ہاتھ کی لکیروں پر چلنا پڑتا ہے اور میں چل رہا تھا لیکن جو بے گناہ ہیں، جن کے اعمال درست ہیں۔ ان کے لیے میں تدبیریں بھی کرتا ہوں اور ذیشان کے ہاتھ کی لکیر کہہ چکی تھی وہ میری ہی تدبیر سے دشمنوں پر رفتہ رفتہ غالب آئے گا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے باہر آ کر بالکونی کی ریلنگ کے پاس آ کر دیکھنے لگا۔ نیچے ڈرائنگ روم میں سی۔ آئی۔ اے کا افسر باقر مہدی سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ ذیشان اسما کے ساتھ نیچے ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا تھا۔ وہاں فلک ناز، فلک آفتاب، بیگم آفتاب، اور بابر سب ہی موجود تھے۔

ذیشان نے باقر مہدی سے پوچھا ''آپ مجھے کس الزام میں گرفتار کرنے آئے ہیں؟''

وہ مسکرا کر بولا ''یوں تو کئی الزامات آپ پر ہیں۔ ہمارے پاس ٹھوس ثبوت اور گواہ بھی موجود ہیں لیکن موجودہ الزام یہ ہے کہ آپ نے یاور خان کو حبسِ بے جا میں رکھ کر اس پر تشدد کیا ہے۔ یاور خان نے آپ پر الزام لگایا ہے کہ آپ اس کی مطلقہ بیوی سے عشق فرماتے ہیں اور اس سے ناجائز تعلقات قائم کر چکے ہیں۔''

''وہ بکواس کر رہا ہے اور آپ اس کی بکواس پر یقین کر رہے ہیں؟''

''ایسی بات نہیں ہے ایس۔ پی۔ صاحب! میڈم گل خانم کی گورنس نے بھی یہ بیان دیا ہے کہ آپ ایک رات دو بجے تک گل خانم کے ساتھ بند کمرے میں رہے تھے اور جب اس کمرے سے باہر آئے تو گل خانم کا لباس بدل چکا تھا۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ بدکار ہیں۔ فی الحال ایک مطلقہ عورت کے ساتھ بدکاری کا الزام آپ پر ہے۔ اب آپ کو اپنی صفائی میں جو کہنا ہے وہ آپ عدالت میں کہیں گے۔ ابھی تو آپ ہمارے ساتھ چلیں۔''

وہ ان کے ساتھ جانے لگا۔ اسما یہ سن کر گم صم سی ہو گئی تھی کہ محبت کرنے والا شوہر ایک رات دو بجے تک گل خانم کے ساتھ بند کمرے میں رہا تھا اور اس پر بدکاری کا الزام ثابت ہو رہا تھا۔

وہ روتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آنے لگی پھر اوپر مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ تیزی سے قریب آ کر بولی ''تم ہمارے اپنے ہو یا دشمن ہو؟ کیا تم سن رہے تھے کہ تمہارے بھائی جان پر کتنا سنگین الزام لگایا گیا ہے اور وہ الزام ثابت بھی ہو رہا ہے۔ بتاؤ، تم نے تو ان کے ہاتھ کی لکیریں پڑھی ہیں، کیا وہ بدکار ہو سکتے ہیں؟''

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا ''نہیں، انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ان کی نیکی ان کے لیے مہنگی پڑ رہی ہے۔''

''کیا تم اپنے بھائی جان کو بے گناہ ثابت نہیں کر سکتے؟ تم تو کسی کے بارے میں بھی بہت کچھ جان لیتے ہو۔''

''بھابی جان! میں نجومی ہوں۔ ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر ماضی، حال، اور مستقبل کی باتیں بتاتا ہوں۔ میں بھلا بھائی جان کو کس طرح غلط الزام سے بچا سکتا ہوں؟ اتنا آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ مصیبتوں سے ضرور گزریں گے لیکن آگے چل کر انہیں عزت اور نیک نامی حاصل ہو گی۔''

وہ روتے ہوئے بولی ''آگے کیا ہو گا یہ خدا جانتا ہے۔ ابھی تو میرے دل پر قیامت گزر رہی ہے۔''

''دکھ، مصیبتیں سب پر آتی ہیں۔ سب ہی انہیں برداشت کرتے ہیں اور صبر کرتے ہیں۔ آپ کو بھی برداشت کرنا ہو گا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔''

''ایسے حالات میں جب انسان اپنے لیے یا اپنوں کے لیے کچھ کر نہیں پاتا تو اسے صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔ صبر نہیں کرے تو کہاں جائے؟''

وہ مجھ سے منہ پھیر کر روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی دروازے کو اندر سے بند کرتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے ا۔ وہ صرف اس کا شوہر ہی نہیں تھا۔ اس کا عاشق بھی تھا۔ ہر کی عارضی جدائی برداشت ہو جاتی ہے لیکن عاشق کی رضی جدائی بھی برداشت نہیں ہوتی۔ دل اسی کے پاس نے کے لیے مچلتا رہتا ہے۔

وہ تھوڑی دیر تک روتی رہی۔ سوچتی رہی۔ یہ بات ذہن راں گزر رہی تھی کہ گل خانم کے ساتھ ذیشان پر بدکاری کا رام لگایا جا رہا تھا۔

شادی کی پہلی رات سے اب تک اس نے ذیشان کو کبھی شق مزاج نہیں پایا تھا۔ وہ کسی دوسری عورت کی طرف نہ ل ہوتا تھا نہ ہی ان کا ذکر سننا چاہتا تھا پھر یہ کہ اپنی اسما سے ں قدر دیوانہ وار محبت کرتا تھا کہ ایسے دیوانے کبھی کسی دوسری ورت کی طرف مائل نہیں ہوتے۔

اسما کے دل میں ایک ذرا سا شبہ تھا۔ میں نے اس شبے کو ور کر دیا۔ اسے یقین دلایا کہ ذیشان بدکار نہیں ہے۔ وہ وچنے لگی کہ اس کا شوہر بے گناہ ہے لیکن گل خانم کی گورنس نے اس پر الزام کیوں لگایا؟ اور یہ الزام سننے کے بعد گل خانم خاموش کیوں ہے؟ وہ ذیشان کی حمایت میں بیان کیوں نہیں ے رہی ہے؟

اس نے سر اٹھا کر فون کی طرف دیکھا۔ اس ٹیلیفون کے پاس ذیشان کا موبائل فون رکھا ہوا تھا۔ وہ جاتے ہوئے وہ فون وہاں چھوڑ گیا تھا۔ اسما نے اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ فون اٹھایا پھر گل خانم کے نمبر پنچ کرتی ہوئی بیڈ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد کسی مرد کی آواز سنائی دی ''ہیلو۔ آپ کون ہیں اور کس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟''

وہ بولی ''میں مسز ذیشان ہوں اور میڈم گل خانم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

دوسرے طرف سے کہا گیا ''سوری آپ براہ راست گل خانم سے اور اس کے سابقہ شوہر سے بات نہیں کر سکیں گی۔ کوئی پیغام ہو تو ہم ان تک پہنچا دیں گے۔''

اسما نے پوچھا ''آپ مجھے براہ راست گفتگو کرنے سے کیوں روک رہے ہیں؟''

''میڈم گل خانم سی۔ آئی۔ اے والوں کی نگرانی میں ہیں۔ کچھ قانونی کارروائیاں ہو رہی ہیں۔ جب تک یہ کارروائیاں پوری نہیں ہوں گی آپ یا کوئی بھی ان سے براہ راست گفتگو نہیں کر سکے گا۔''

اسما نے فون بند کر دیا۔ دل برداشتہ ہو کر ذیشان کی بے گناہی کے بارے میں سوچتی رہی۔ خدا سے دعا مانگنے لگی کہ کوئی ایسا معجزہ ہو جائے کہ اچانک بے گناہی ثابت ہو جائے اور ذیشان رہا ہو کر ابھی واپس آ جائے۔

ایسے وقت سب ہی یہی چاہتے ہیں کہ دعا مانگتے ہی ان کے حق میں کوئی معجزہ رونما ہو جائے لیکن یوں معجزہ رونما ہونے والی دعائیں قبول نہیں ہوا کرتیں۔ انتظار کرنا پڑتا ہے۔ کاتب تقدیر اچھے اور برے اعمال کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ دیر سے کرتا ہے مگر کرتا ہے۔ اندھیر نہیں کرتا۔

☆☆☆

پورے گھر میں ماتمی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ لوگ ذیشان کو گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ بیگم آفتاب اپنے بیٹے کے لیے روتی اور تڑپتی رہی۔ عینی اور عروج بھی رو رہی تھیں۔ عینی نے روتے ہوئے بیگم آفتاب سے کہا ''بڑی امی! آپ کی وجہ سے بھائی جان گرفتار ہوئے ہیں۔ کیا ضرورت تھی کہ آپ دردانہ کے پاس جاتیں اور اس سے دوستی کرتیں؟ وہ کیسی مکار عورت ہے یہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں۔ ایک طرف آپ کا سر سہلا رہی ہے اور دوسری طرف بھائی جان کے راستے میں کانٹے بچھا رہی ہے۔''

بیگم آفتاب نے فون کے ذریعے دردانہ سے رابطہ کرنا چاہا تو پتا چلا اس کا موبائل فون بند ہے۔ اس نے دوسرے فون پر رابطہ کرنا چاہا۔ شہباز درانی کی لیڈی سیکریٹری تہمینہ نے کہا۔ ''میڈم دردانہ شہر میں نہیں ہیں۔ کسی کام سے باہر گئی ہوئی ہیں۔''

دردانہ جانتی تھی کہ ذیشان کے گرفتار ہونے کے بعد اس کے ماں باپ پھر اس کی طرف دوڑیں گے اور ذیشان کی رہائی کے لیے پھر اس سے منتیں کریں گے اور وہ ایسی کوئی بات سننا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لیے اس نے اپنا موبائل فون بند کر دیا تھا اور تہمینہ سے کہلوا دیا تھا کہ وہ شہر میں نہیں ہے۔

گھر کے تمام افراد رات بڑی دیر تک جاگتے رہے اور ذیشان کی گرفتاری کے سلسلے میں مختلف پہلوؤں سے باتیں کرتے رہے۔ فلک آفتاب نے کہا تھا کہ وہ اگلی صبح کورٹ سے ضمانت نامہ حاصل کر کے ذیشان کو رہا کرا لے گا۔

اس بات پر ذیشان نے جاتے جاتے باپ کو باتیں سنائی تھیں اور کہا تھا ''مجھ سے ہمدردی نہ کریں۔ میری ضمانت لینے کی زحمت گوارا نہ کریں۔ میں جیل میں ہی رہوں گا اور اپنی رہائی کے لیے اپنے طور پر کوششیں کروں گا۔''

بہرحال کتنی ہی مصیبتیں آ جائیں انسان کھاتا پیتا اور سوتا

ضرور ہے۔ اس لیے تمام افراد ایک ایک کر کے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے۔ دوسری صبح فلک آفتاب اور بابر اپنی عادت کے خلاف جلد ہی بیدار ہو گئے کیونکہ انہیں بینک میں ایک بڑی رقم جمع کرانی تھی۔

پہلے وہ ڈرے اور سہمے ہوئے تھے کہ صبح بریف کیس میں دو کروڑ روپے لے کر جائیں گے تو ذیشان انہیں روک کر ان کے بریف کیس کی تلاشی لے سکتا تھا۔ اب یہ اندیشہ نہیں رہا تھا۔ راستے کے سب سے بڑے پتھر کو سی۔ آئی۔ اے والے لے گئے تھے۔

وہ باپ بیٹے جب بریف کیس لے کر گھر سے نکلے تو عینی اور عروج بھی پورچ میں کھڑی ہوئی تھیں اور اپنی کار میں بیٹھ رہی تھیں۔ فلک آفتاب نے پوچھا ''بیٹی! اتنی صبح کہاں جا رہی ہو؟''

عینی نے کہا ''عروج کی ڈیوٹی صبح نو بجے سے ہے۔ میں اس کے ساتھ جا رہی ہوں۔ اسپتال والے کوارٹر میں رہوں گی۔''

وہ دونوں اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ ان کے پیچھے فلک آفتاب کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ باپ بیٹے اس میں بیٹھ گئے۔ بابر نے کار اسٹارٹ کی اور کوٹھی کے احاطے سے باہر آ گیا۔ عروج اور عینی کی کار ان سے آگے جا رہی تھی۔ کچھ دور تک دونوں کے راستے ایک ہی تھے۔ دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد عروج اور عینی کی کار ایک چوراہے سے آگے نکل گئی۔ جب وہ باپ بیٹے چوراہے کے قریب پہنچے تو سگنل سرخ ہو گیا۔ بابر نے کار روک دی۔ آگے پیچھے اور دائیں بائیں بھی گاڑیاں رک رہی تھیں۔ اچانک ان کی کار کے دونوں پچھلے دروازے کھلے اور تین گن مین دھڑ دھڑاتے ہوئے اندر آ کر بیٹھ گئے۔ دونوں باپ بیٹوں کو گن پوائنٹ پر رکھ کر کہا ''خبردار! ایک ذرا آواز نہ نکالنا۔''

تین تین گنیں دیکھ کر دونوں کے ہوش اڑ گئے۔ بابر نے ہکلاتے ہوئے پوچھا ''تم۔ تم لوگ کون ہو؟ ہم سے کیا چاہتے ہو؟''

''وہ بریف کیس ہمیں دے دو۔''

فلک آفتاب نے بریف کیس اٹھا کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا ''نہیں، ایسا ظلم نہ کرو۔ یہ مجھ بوڑھے کی زندگی بھر کی کمائی ہے۔ اسے لے کر نہ جاؤ۔''

''زیادہ بکواس کرو گے تو گولی چل جائے گی۔ تمہارے دائیں طرف اور بائیں طرف ہماری گاڑیاں کھڑی ہوئی ہیں۔ ہم گولی ماریں گے اور یہاں سے نکل کر ان گاڑیوں میں بیٹھ کر چلے جائیں گے۔ زندگی پیاری ہے تو بریف کیس ہمارے حوالے کر دو۔''

دوسرے شخص نے کہا ''ابے! گن رکھ کر بھیک مانگ رہا ہے۔ چھینتا کیوں نہیں ہے؟''

فلک آفتاب کے پیچھے بیٹھے ہوئے گن مین نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس بریف کیس کو چھیننا چاہا۔ وہ گڑگڑانے لگا۔ خدا رسول کا واسطہ دینے لگا۔ ایک نے شارٹ گن کی نال اس کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے کہا ''گولی چل جائے گی۔ بریف کیس چھوڑ دے۔''

بریف کیس پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ زندگی عزیز تھی۔ بریف کیس ہاتھ سے نکل گیا۔

اتنے میں سگنل سبز ہو گیا۔ ایک گن مین نے بابر کو حکم دیا ''گاڑی آگے چلاؤ۔''

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ چپ چاپ گاڑی آگے بڑھا کر اس کی رفتار بڑھانے لگا۔ اس سے کہا گیا ''آگے بائیں طرف ایک موڑ ہے۔ گاڑی ادھر لے چلو۔''

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ آگے جا کر گاڑی کو بائیں طرف موڑ دیا۔ صبح کا وقت تھا۔ دکانیں ابھی کھلی بھی نہیں تھیں اس لیے اکا دکا لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ آگے جا کر بابر کو گاڑی روکنے کا حکم دیا گیا۔ اس نے گاڑی روکی تو پیچھے آنے والی دو گاڑیاں بھی رک گئیں۔ انہوں نے باہر نکل کر کار کے دو پہیوں پر فائر کر کے انہیں پنکچر کیا اور اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔ فلک آفتاب اپنا سر پیٹنے لگا۔ پہلے تین کروڑ روپے ہاتھ سے نکلے تھے۔ اب دو کروڑ ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ بابر اپنی سیٹ پر گم صم بیٹھا رہ گیا تھا۔

بعض افراد کے ہاتھوں پر تقدیر کی لکیر نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی بھی ہے تو اس لکیر پر کاٹ چھانٹ بہت ہوتی ہے۔ تقدیر بنتے بنتے بگڑتی رہتی ہے۔ ان باپ بیٹے کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔

ادھر عینی کی تقدیر میں بھی کچھ خرابی لکھی ہوئی تھی۔ عروج نے ایک پرائیویٹ اسپتال کے سامنے کار کو روکتے ہوئے کہا ''تمہارے ڈاکٹر نے جو دوا لکھ کر دی ہے وہ یہاں مل سکتی ہے۔ تم بیٹھی رہو۔ میں ابھی آتی ہوں۔''

عینی نے پوچھا ''کتنی دیر لگاؤ گی؟''

''جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔ وہاں ایک ڈاکٹر سے ملنا ہے۔ اسی سے وہ دوا مل سکتی ہے۔ بس سمجھو ابھی گئی اور ابھی آئی۔''

وہ کار سے اترتی ہوئی دروازہ بند کرتی ہوئی وہاں سے گئی۔ عینی اپنے مقدر کے اندھیرے میں چپ چاپ بیٹھی تھی کہ پاشا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ ''اگر آپ کہیں گی تو آج صبح میں وہاں چلا جاؤں گا۔''

عینی نقار خانے کے شور میں بھی اپنے پاشا کی آواز پہچان سکتی تھی۔ اس نے تڑپ کر پکارا ''پاشا! رک جاؤ۔ مجھے دیکھو۔ میں کار میں بیٹھی ہوئی ہوں۔''

پاشا کی آواز ذرا دور ہوتی جا رہی تھی۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا ''آپ مجھے دس ہزار روپے دیں۔ میں اپنی پسند کا لباس اور جوتے وغیرہ خرید کر لے آؤں گا۔''

اس کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی..... عینی تڑپ کر دروازے کو کھول کر باہر نکل گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ راستہ کہاں ہے اور فٹ پاتھ کہاں ہے؟ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا تو فٹ پاتھ کی اونچائی سے ٹکرا کر اوندھے منہ گر پڑی۔ اس کے گرتے ہی آگے جانے والا ایک شخص رک گیا۔ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا ٹیپ ریکارڈر تھا۔ اس ٹیپ ریکارڈر سے پاشا کی آواز ابھر رہی تھی۔

عینی فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ شخص پھر آگے بڑھنے لگا۔ اس کے ساتھ پاشا کی ابھرنے والی آواز بھی دور ہونے لگی۔ عینی دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر آگے بڑھتی ہوئی اسے آواز دے رہی تھی ''پاشا! تم آگے جا رہے ہو۔ میری آواز کیوں نہیں سن رہے ہو؟''

وہ ایک ایک قدم سنبھل سنبھل کر بڑھتی جا رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی ''تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟ ذرا چپ ہو جاؤ پہلے میری بات سن لو۔ کیا تمہیں میری آواز سنائی نہیں دے رہی ہے؟''

ٹیپ ریکارڈر کے کان نہیں ہوتے۔ ہوتے بھی ہیں تو وہ خود بولتے وقت نہیں سنتا۔ وہ بولنے والے کو دیکھ نہیں سکتی تھی، سن سکتی تھی۔ اس آواز کے پیچھے ایسے جا رہی تھی جیسے قصہ حاتم طائی کے کوہ ندا سے بلاوا آ رہا ہو ''یا اخی۔! یا اخی۔! آ جا۔ آ جا۔!۔''

پاشا بول رہا تھا مگر بہرا تھا۔ اس کی آواز نہیں سن رہا تھا۔ عینی اس کی آواز سن رہی تھی لیکن اندھی تھی اسے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ اس کی ہم سفر تھی لیکن تاریک راہوں کی ہم سفر یہ نہیں جانتی تھی کہ پاشا کا بلاوا اسے کس سمت لیے جا رہا ہے؟

پندرہ منٹ بعد عروج واپس آئی تو کار خالی تھی۔ اس نے چونک کر آس پاس ادھر ادھر دیکھا پھر آواز دی ''عینی! تم کہاں ہو؟''

وہ اپنی سہیلی کی آواز سے دور پاشا کی آواز کے پیچھے کہیں جا چکی تھی۔ حدِ نظر تک کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ہتھیلی پر تقدیر کی لکیریں کتنی آڑھی ترچھی ہوتی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتیں۔ بھول بھلیاں سی لگتی ہیں۔ میں ان بھول بھلیوں والی لکیروں پر چلتا رہتا ہوں اور یہ جانتا ہوں کہ عینی اپنی تقدیر کی کس لکیر پر چلتی ہوئی کہاں جا رہی ہے؟

اور میں اس لیے جانتا ہوں کہ۔

اک بازی گر ہوں۔

ہاتھوں کی لکیروں پر،

تمہارا ہم سفر ہوں۔

تمہارا دوست بھی ہوں۔

اور دشمن بھی۔

تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں۔

تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں۔

مقدر ہوں۔ میں مقدر ہوں۔

اک بازی گر ہوں۔

عروج کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھار ہا تھا۔ عینی کی آنکھوں میں تو پہلے ہی تاریکی چھا چکی تھی اور اس تاریکی میں وہ نہ جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔ اب آنکھوں والی عروج کو وہ دکھائی نہیں دے رہی تھی اور جب دکھائی نہ دے تو آنکھوں والے بھی اندھے کہلاتے ہیں۔

وہ پریشان ہو کر عینی کو ڈھونڈتی اور لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھتی رہی۔ پھر مایوس ہو کر اس نے سوچا فوراً بھائی جان کو فون کرے پھر یاد آیا انہیں تو پچھلی رات گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔ اب کیا کرے؟ کہاں جائے؟ کس ہمدرد کو پکارے؟

دوسری طرف فلک آفتاب اور بابر اپنی کار کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ذہن میں بھی یہی سوالات تھے کہ اب کیا کریں؟ نامعلوم افراد ان کے دو کروڑ روپے چھین کر لے گئے تھے۔ اب کسے مدد کے لیے پکاریں؟ وہ قانونی طور پر تو کسی کی مدد حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے ایس۔ پی۔ بیٹے سے بھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ ایک تو وہ گرفتار ہو گیا تھا اور اگر گرفتار نہ بھی ہوتا تب بھی یہ بات اس سے چھپانی ہی تھی کہ ان کے دو کروڑ لوٹ لیے گئے ہیں۔

بابر نے کہا ''ڈیڈ کم از کم ممی کو تو بتا دیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہو چکا ہے۔''

فلک آفتاب نے موبائل پر نمبر پنچ کرنا چاہا پھر رک کر بولا۔ ''تمہاری ممی کو کیسے بتاؤں؟ وہاں تو ایک جگہ گھنٹی بجے گی تو سب کو پتا چل جائے گا کہ فون آ رہا ہے۔ پھر فلک ناز، اسما کوئی بھی ہماری بات سن سکتا ہے۔ فی الحال وہاں تمہاری ممی سے بات کرنا مناسب نہیں ہوگا۔''

ان کے ساتھ اب یہ مسئلہ تھا کہ وہ گھر بھی نہیں جا سکتے تھے کیونکہ گاڑی کے دو ٹائر بیکار ہو چکے تھے۔ فلک آفتاب نے اس سلسلے میں مدد کے لیے ایک گیراج فون کیا اور مکینک کا انتظار کرنے لگا۔ بابر نے کہا ''ڈیڈ! دردانہ کو بھی تو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے ساتھ اتنی بڑی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔''

فلک آفتاب نے دردانہ کے نمبر پنچ کیے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی ''ہیلو۔ میں بول رہی ہوں۔''

''دردانہ! میں فلک آفتاب بول رہا ہوں۔''

''ہاں بولیے۔ کل رات کو بھی آپ نے فون کیا تھا مگر افسوس کہ میں یہاں نہیں تھی اور موبائل فون بھی یہیں بھول گئی تھی۔''

وہ بڑے درد بھرے لہجے میں بولا ''دردانہ! ہم کیا بتائیں ہم پر مصیبتوں پر مصیبتیں آ رہی ہیں۔''

وہ انجان بن کر مسکراتے ہوئے بولی ''کیا ہوا! تو ہے؟''

''خیریت ہی تو نہیں ہے۔ پچھلی رات سی۔ آ[ئی۔ اے والے] ذیشان کو گرفتار کر کے لے گئے۔''

''میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا وہ مجھ[ے] نہیں کرے گا۔ بہت ہی بد دماغ ہے۔ اس نے فون پ[ر] کل رات ہی کہہ دیا تھا کہ وہ میری شرط نہیں مانے گا کیوں اس کا لحاظ کرتی؟ آپ نے نتیجہ دیکھ لیا۔ سی۔ آ[ئی۔ اے] والے اسے گرفتار کر کے لے گئے۔ یہ تو ابھی ابتدا ہے آگے دیکھتے رہیں، وہ اس سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہ[و] گا۔''

فلک آفتاب نے کہا ''ہمارا کام تھا بیٹے کو سمجھانا۔ سمجھا دیا۔ وہ پھر بھی تم سے دشمنی کر رہا ہے تو واقعی نتا[ئج] کے سامنے آ رہے ہیں لیکن اس معاملے سے ہٹ کر ساتھ ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔''

اس نے پھر انجان بن کر پوچھا ''بہت بڑی ٹریج[ڈی ہو] گئی ہے؟ آپ کچھ زیادہ ہی پریشان لگ رہے ہیں؟''

''پریشانی کی ہی بات ہے۔ ہمارے وہ دو کروڑ جو تم نے دیے تھے، اسے ڈاکو لوٹ کر لے گئے ہیں۔''

اس وقت دردانہ کا جی چاہ رہا تھا فلک شگاف [قہقہے] لگائے۔ اسے ہر طرف سے کامیابی ہو رہی تھی۔ تھوڑ[ی دیر] پہلے اطلاع ملی تھی کہ عینی کو اغوا کر کے لایا جا رہا ہے۔ [پچھلی] رات یہ کامیابی ہوئی تھی کہ ذیشان کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ [تیسری] کامیابی یہ تھی کہ شہباز کے آدمی وہ دو کروڑ روپے لوٹ [کر لا] رہے تھے۔

فلک آفتاب نے پوچھا ''دردانہ! تم چپ کیوں [ہو؟ کیا] تمہیں ہماری بات کا یقین نہیں ہو رہا؟''

وہ بولی ''ہاں۔ یقین نہیں ہو رہا ہے۔ آخر اتنی بڑ[ی رقم] کون لوٹ کر لے جائے گا؟ اور پھر کسے معلوم تھا کہ آپ [کے] پاس اتنی بڑی رقم ہے؟''

''تم یقین کرو اس رقم کے بارے میں کسی کو معلو[م نہیں] تھا۔ ہم بڑی رازداری سے بینک میں جمع کرنے جا [رہے] تھے۔ جو لوگ ہمیں لوٹ کر لے گئے ہیں۔ لگتا ہے انہیں [بھی] اتنی بڑی رقم ملنے کی امید نہیں ہو گی۔''

دردانہ نے کہا ''ہاں یہی ہو سکتا ہے۔''

''پلیز دردانہ! ہمارے لیے کچھ کرو۔''

''اب میں کیا کر سکتی ہوں؟ میں نے مفت میں اتنی رقم آپ لوگوں کو دی۔ نہ دیتی تو کیا بگاڑ لیتے؟ ہر حال

[...]ی بیگم میری تابعدار بن کر رہنے پر مجبور ہیں اور ہمیشہ [...]ی لیکن میں نے دوستی اور رشتہ داری قائم رکھنے کے لیے [...] قیمتی ہیرے دیے پھر ان ہیروں کے عوض رقم دے دی۔ وہ [...]ے میرے پاس واپس آ گئے اور رقم ڈاکو لے گئے۔ آپ واقعی بد نصیب ہیں۔ بہت ہی بد نصیب ہیں۔''

''تمہارے ذرائع بہت وسیع ہیں۔ شہباز صاحب [...]ے لیے کچھ کر سکتے ہیں؟ ان لٹیروں کا پتا چلا سکتے ہیں؟''

''ٹھیک ہے۔ میں شہباز درانی سے کہوں گی۔ لیکن اتنی [...]رقم لوٹنے والے نادان نہیں ہوں گے۔ شاید ہی ہمارے [...]سکیں پھر بھی کوشش کی جائے گی۔''

اس نے رابطہ ختم کر دیا پھر دل کھول کر قہقہے لگانے لگی۔ [...]ز درانی بیڈ روم کی طرف آ رہا تھا۔ دور سے قہقہے سن کر [...]ن ہوا پھر آگے بڑھ کر دروازہ کھولتے ہوئے دیکھا۔ [...]انہ وہاں تنہا مستی میں قہقہے لگا رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر [...]ا ''کیا بات ہے۔ ایسی کیا بات ہو گئی؟''

وہ پلٹ کر لہراتے ہوئے اس کے قریب آتی ہوئی بولی۔ [...]ل ذیشان گرفتار ہو گیا۔ آج عینی بھی میرے پاس آ رہی [...] اور ادھر فلک آفتاب کو دیے گئے دو کروڑ بھی میرے پاس [...]س آ رہے ہیں۔''

وہ شاید شہباز درانی کے ساتھ زیادہ اظہارِ محبت کی خاطر [...]رے کا دروازہ بند کرنا چاہتی تھی کہ وہ بولا ''ابھی تو تم [...]رے ساتھ ڈرائنگ روم میں آؤ۔ وہاں وہ مشہور و معروف [...]ی ببلو ماسٹر آیا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں، وہ تمہارا ہاتھ بھی [د]یکھے۔''

وہ اپنی دونوں ہتھیلیاں بلند کرتے ہوئے فخر سے بولی۔ [...]میرا ہاتھ اب کوئی اور کیا دیکھے گا۔ میری ہتھیلیوں پر تو خوش [قس]متی کے ستارے چمک رہے ہیں۔''

وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بولا ''تمہیں خوش رکھنے کے لیے اور مقدر کو جگائے رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم [ا]پنے مقدر کا حال جانتے رہیں۔ ساؤتھ افریقا کا ایک بہت [مع]روف وچ ڈاکٹر ژنگورارا بھی کل یہاں آنے والا ہے۔''

وہ بولی ''ژنگورارا۔ یہ کیسا نام ہے؟''

''افریقی جادوگروں کے روایتی نام کچھ اسی طرح کے ہوا کرتے ہیں۔ آؤ چلیں۔''

وہ بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئے۔ وہاں ببلو [م]اسٹر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اٹھ کر شہباز درانی سے مصافحہ کیا۔ شہباز نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ''یہ میری جانِ حیات دردانہ ہے۔''

دردانہ نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مشرقی عورتیں مردوں سے مصافحہ نہیں کرتیں لیکن مجھے تم سے ہاتھ ملانے میں کوئی اعتراض نہیں کیونکہ تم تو میری قسمت کا حال بتانے کے لیے میرا ہاتھ پکڑنے ہی والے ہو۔''

ببلو ماسٹر نے ہنستے ہوئے اس سے مصافحہ کیا اور کہا۔ ''لیکن پہلے میں مسٹر درانی کا ہاتھ دیکھوں گا کیونکہ مقدر حیات کے ہاتھ کی لکیروں نے مجھے چکرا دیا ہے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں یکساں ہیں یا نہیں؟''

شہباز درانی اس کے پاس آ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا ''ٹھیک ہے۔ میں بھی یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ اس کا ہاتھ دیکھتے ہی حیران ہو گیا۔ کہنے لگا ''مائی گاڈ! میں زندگی میں پہلی بار دو ہاتھوں کو ایک جیسا دیکھ رہا ہوں۔ آپ کی ہر لکیر جو بات کہہ رہی ہے وہی اس کے ہاتھ کی ہر لکیر کہہ رہی تھی۔''

''اس کے ہاتھ کی لکیریں کیا کہہ رہی تھیں؟''

اس نے ایک جگہ انگلی پھیرتے ہوئے کہا ''یہ لکیر کہہ رہی ہے کہ آپ کسی عورت سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ اس کے دیوانے ہیں۔ یہی بات اس کے ہاتھ کی لکیر بھی کہہ رہی تھی کہ وہ بھی کسی کو بہت چاہتا ہے۔ دیوانوں کی طرح چاہتا ہے۔''

شہباز درانی نے کہا ''ایسا تو کتنے ہی ہاتھوں کی لکیریں کہیں گی۔ کتنے ہی لوگ محبت کرتے ہیں۔''

''میں بحث نہیں کروں گا۔ ابھی آپ کو یقین ہو جائے گا۔ آپ کے ہاتھ کی یہ لکیر کہہ رہی ہے کہ آپ اپنے ایک دشمن کے مقابلے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ یہی ناکامیاں میں نے مقدر حیات کے ہاتھوں میں پڑھی ہیں۔''

ببلو ماسٹر درست کہہ رہا تھا۔ جب وہ میرا ہاتھ دیکھ رہا تھا تو ان لمحات میں میرے ہاتھ پر شہباز کی لکیریں نقش تھیں۔ ان میں سے ایک لکیر یہی کہہ رہی تھی کہ میں بھی کئی معاملات میں ناکام ہو رہا ہوں۔ یہ بات اس طرح درست تھی کہ میں نے سی۔ آئی۔ اے کے افسر باقر مہدی کو ذیشان کے خلاف ایکشن لینے اور گرفتاری کا وارنٹ حاصل کرنے سے نہیں روکا تھا۔ میں نمرہ کو دل و جان سے چاہتا ہوں لیکن میرا رقیب اسے اپنے ساتھ لے گیا اور میں نے اسے جانے سے نہیں روکا۔ یہ بھی میری ایک ناکامی تھی جو مصلحتاً تھی۔ ایک اور ناکامی یہ تھی کہ عینی کو اغوا کیا گیا اور میں نے اسے اغوا ہونے سے نہیں روکا تھا۔

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں میں کہ لکیر کا فقیر ہوں۔ ہاتھ کی لکیریں جو کہتی ہیں، اسی کے مطابق چلتا ہوں۔ کسی کی کامیابی

کے ساتھ کامیاب ہوتا ہوں۔ کسی کی ناکامیوں کے ساتھ ناکام ہو جاتا ہوں۔

پبلو ماسٹر نے اس کی مٹھی بند کرتے ہوئے کہا" ہاتھ کیا دیکھوں؟ یہ تو بالکل مقدر حیات کا ہاتھ لگ رہا ہے۔ ہاں ایک بات یاد آ رہی ہے' کیا اس نے آپ سے کہا ہے کہ آپ اسے ہلاک کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ آپ کی موت نہیں آئے گی؟"

اس نے پوچھا" کیا وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہی ہم دونوں کے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی ہیں؟"

"بے شک یہی کہہ رہی ہیں۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔" کیا مصیبت ہے؟ کیا مقدر کا تماشا ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا' وہ کیسے میری زندگی اور موت کے ساتھ جڑ گیا ہے؟"

وہ وہاں سے اٹھ کر دوسرے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا پھر بولا" یہ بات میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ علم نجوم سے مجھے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ وہ بہت سارے علوم جانتا ہے یا نہیں۔ اس لیے میں نے وچ ڈاکٹر ژنگو رارا کو یہاں بلایا ہے۔"

پبلو ماسٹر نے کہا" آپ مانیں یا نہ مانیں، آپ دونوں کے ہاتھ کی لکیریں یہ کہہ رہی ہیں کہ آپ میں سے کوئی پراسرار علم نہیں جانتا ہے۔ اس لیے آپ یہ غلط سوچ رہے ہیں کہ مقدر حیات در پردہ پراسرار علوم میں مہارت رکھتا ہے۔"

"میں تمہارے علم نجوم سے انکار نہیں کروں گا لیکن تم بھی یہ مان لو کہ وہ ضرور پراسرار علم جانتا ہے۔ تم نے دیکھا تھا کہ میرا ایک آدمی اسے ہلاک کرنے گیا تھا۔ اس سے پہلے ہی اسے معلوم ہو گیا کہ اس پر حملہ کیا جانے والا ہے اس لیے وہ حملہ کرنے والا ناکام رہا اور وہ کم بخت تمہارے کمرے سے زندہ سلامت واپس چلا گیا۔"

دردانہ نے پبلو ماسٹر کے پاس آ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا" آپ شہباز سے بے شک بحث کرتے رہیں لیکن میرا ہاتھ بھی تو دیکھیں۔"

اس نے اپنی ہتھیلی اس کے آگے پھیلا دی۔ وہ اسے توجہ سے پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا" آپ کی زندگی میں جگنو چمک رہے ہیں۔"

دردانہ نے پوچھا" اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"یہی کہ آپ کی زندگی میں جو بھی خوشیاں اور کامیابیاں آتی ہیں، وہ جگنو کی طرح ہوتی ہیں۔ چمکتی ہیں اور بجھ جاتی ہیں۔ مثلاً آپ کو ابھی کوئی خوشی مل رہی ہے تو وہ تھوڑی دیر بعد جگنو کی طرح بجھ جائے گی۔ کوئی کامیابی حاصل ہو رہی اس کے بعد آپ کو ناکامی کی بھی خبر ملے گی۔"

"میں آپ کی یہ بات کیسے مان لوں جبکہ مجھے خوشیاں مل رہی ہیں، کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں؟"

"نہ مانیں۔ میں تو وہی کہوں گا جو آپ کے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی ہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ درانی نے آگے بڑھ کر فون کے پاس آ کر ریسیور اٹھا اسے کان سے لگا کر کہا" ہاں۔ میں بول رہا ہوں۔"

وہ دوسری طرف کی باتیں سن رہا تھا۔ دردانہ اسے رہی تھی۔ اس کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہو رہی تھی گرج کر بولا" کیا بکواس کر رہے ہو؟ تم نے کن لوگوں کو پوائنٹ پر رکھا تھا؟ کیا وہ باپ بیٹے تھے؟"

اس نے دوسری طرف کی بات سنی پھر پوچھا" وہاں باپ بیٹے نہیں تھے۔ صرف ایک جوان کار ڈرائیو تھا؟ تم لوگوں نے کس کار پر حملہ کیا تھا؟ گاڑی کا نمبر بتاؤ۔

اس نے دوسری طرف کی بات سنی پھر دہاڑتے ہو۔ "کتے کے بچے۔ تمہیں یہ نمبر نہیں بتایا گیا تھا۔ فلک آفتاب کار کا نمبر کے ایچ۔ زیرو سیون ون سیون ہے اور تم رہے ہو کے ایچ ون سیون ون۔ کیا صبح کے وقت شراب واردات کرتے ہو؟ یو ایڈیٹ میں تم سے بعد میں لوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ دردانہ پریشان ہو کر پوچھا" کیا ہوا؟"

"تم ابھی خوش ہو رہی تھیں کہ تمہارے دو کروڑ واپس آنے والے ہیں لیکن وہ گدھے کسی دوسری کار میں گئے تھے۔ وہاں انہوں نے گن پوائنٹ پر رقم نکلوا۔ کوشش کی تو کار والے کے پاس سے صرف دس ہزار ر نکلے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی" ابھی تھوڑی دیر پہلے تو خود آفتاب نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے دو کروڑ روپے گن پوا پر چھین لیے گئے ہیں۔"

شہباز درانی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ وہ سوچ گیا پھر بولا" تعجب ہے۔ اگر ہمارے آدمیوں نے ایسا نہ ہے تو پھر وہ کون لوگ ہیں جو ان باپ بیٹے سے رقم چھ لے گئے؟"

دردانہ نے پریشان ہو کر اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ پبلو ماسٹر کو دیکھا۔ وہ مسکرا کر بولا" میں آپ کے معاملات

نا لیکن میری بات درست ہو رہی ہے کہ آپ کو جو خوشی ل ہوئی تھی وہ عارضی ثابت ہوئی۔ جگنو کی طرح چمک کر گئی۔"

کچھ دیر پہلے وہ خوشی سے جھوم رہی تھی۔ قہقہے لگا رہی تھی۔ مایوس ہو کر شہباز درانی کو دیکھنے لگی۔ شہباز نے کہا" پبلو ٹھیک ہے۔ تمہاری یہ بات درست ثابت ہو رہی ہے ن ایک ناکامی سے کچھ نہیں ہوتا۔ میری دردانہ میری پناہ رہتی ہے۔ اسے مزید خوشیاں حاصل ہوں گی اور اس پر ہی کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

پبلو ماسٹر نے بڑے ہی مستحکم لہجے میں کہا" آئے گی۔"

ان دونوں نے اسے چونک کر دیکھا پھر شہباز درانی نے چھا" تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ بولا" میں ابھی میڈم کا ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ یہ کہنا نہیں ہتا تھا لیکن آپ کو خوش فہمی میں مبتلا رہنے نہیں دوں گا۔ آپ ہاتھ یہ ضرور کہتا ہے کہ آپ کو بہت تحفظ حاصل ہے۔ آپ پر مصیبتیں آتے آتے رہ جاتی ہیں لیکن یہ ہمیشہ نہیں ہوگا۔ ایک بہت ہی زبردست دشمن آپ کے تعاقب میں ہے۔ آپ کو جلد کوئی نقصان پہنچنے والا ہے۔"

شہباز نے کہا" ماسٹر! تم دردانہ کو ڈرانے والی باتیں کر رہے ہو۔"

"جو سچ ہے وہ کہہ رہا ہوں۔ یہ ہفتہ میڈم کے لیے بھاری ہے۔ سات دنوں کے اندر کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آ سکتا ہے۔"

دردانہ گھبرا گئی۔ وہ اٹھ کر چلتی ہوئی شہباز کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ شہباز نے اسے ایک بازو میں لے کر تھپکتے ہوئے کہا۔ "ڈونٹ وری۔ تم اس ہفتے کوٹھی سے باہر نہیں نکلو گی۔"

پبلو ماسٹر نے کہا" مسٹر درانی! گھر ہو یا باہر، آسمان ہو یا زمین، انسان کہیں بھی چلا جائے' وہاں مقدر اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ موت اور مقدر کہیں بھی اپنے حصے کی بازی کھیلنے پہنچ جاتے ہیں۔"

شہباز نے ناگواری سے پوچھا" تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ دردانہ کو موت بھی آ سکتی ہے؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔ ان کی زندگی کو فوری خطرہ نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ سمجھا رہا ہوں کہ آپ انہیں گھر کے اندر بند کر دیں یا کسی تہ خانے میں چھپا دیں جو مصیبت آنے والی ہے وہ ضرور آئے گی۔"

وہ جھنجلا کر بولا" کچھ معلوم تو ہو کیسی مصیبت آنے والی ہے؟ کب آنے والی ہے؟ کیا تم وضاحت سے نہیں بتا سکتے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا" میرا علم اتنا ہی ہے۔ ہاتھ کی لکیریں جتنا کہہ رہی ہیں اتنا ہی بتا رہا ہوں۔ اس سے زیادہ بتانے کے قابل نہیں ہوں۔"

وہ دردانہ کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے پریشان ہو کر بولا۔ "میں نے خواہ مخواہ تمہیں دردانہ کا ہاتھ دیکھنے کے لیے کہہ دیا۔ تمہیں یہاں نہ بلاتا تو اچھا ہوتا۔"

وہ بولا" یہی تو ہاتھ کی لکیروں اور مقدر کی باتیں ہیں۔ مجھے یہاں نہ بلانے کی بات کر رہے ہیں لیکن مقدر چاہتا تھا کہ میں یہاں آؤں۔ اس لیے آپ نے بلایا ہے۔ آپ نے ابھی کہا ہے کہ کسی وچ ڈاکٹر ژنگو رارا کو یہاں بلایا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ یہاں آ جائے۔ مقدر کی مرضی ہو گی تو آپ کی اس سے ملاقات ہو گی۔"

وہ پبلو ماسٹر کی باتوں سے الجھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا وہ وچ ڈاکٹر نہیں آئے گا؟"

"جب آپ نے بلایا ہے تو وہ ضرور آئے گا۔ میں تو مقدر کی بات سمجھا رہا ہوں کہ وہ آنے والوں کو روک دیتا ہے اور رکنے والوں کو آگے بڑھا دیتا ہے۔"

پتا نہیں کیا ہونے والا تھا؟ شہباز درانی کو اس کا انتظار تھا۔ وہی اسے میری پُراسراریت کے بارے میں کچھ بتا سکتا تھا۔ پھر وہی سوال پیدا ہوتا تھا' کیا وہ آ جائے گا؟ کیا میرے بارے میں کچھ بتا پائے گا؟

☆☆☆

ذیشان کی گرفتاری نے بچھو بابا کے دماغ میں گرمی پیدا کر دی تھی۔ وہ ذیشان کو دل و جان سے چاہتا تھا۔ یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سی' آئی' اے والے اتنے بڑے افسر کو گرفتار کر کے لے جائیں گے۔ وہ اس کی گرفتاری پر اپنی توہین محسوس کر رہا تھا۔

اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ اپنے باس کو قانون کی گرفت میں جانے سے نہ روک سکا۔ وہ غصے کے باوجود موقع اور مصلحت کو سمجھ رہا تھا۔ پھر ذیشان نے اسے سمجھایا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے ایک ہفتے تک سلاخوں کے پیچھے رہے گا۔ لہٰذا اس کی عدم موجودگی میں مقدر حیات کے احکامات کی تعمیل کرے۔

پہلے تو اس نے ذیشان کے احکامات کی تعمیل کی۔ اس نے کہا تھا کہ اسد عزیزی کے زخموں کو بھرنا نہیں چاہیے۔ ان زخموں کو ناسور بناتے رہو۔ اس نے ایسا کرنے میں دیر نہیں

کی۔ رات ایک بجے ہاسپٹل میں پہنچا۔ آدھی رات کے بعد وہاں سناٹا اور ویرانی تھی۔ وارڈ بوائز اپنے اپنے کمروں میں جاکر سو گئے تھے۔ صرف ایک نرس مریضوں کے وارڈز کے درمیان بنے ہوئے ایک چھوٹے سے کمرے میں جاگ رہی تھی۔

بچھو بابا نے نوٹوں کی گڈیوں کے ساتھ ایک سائلینسر لگا ہوا ریوالور بریف کیس میں رکھا پھر اس بریف کیس کے ساتھ نرس کے کمرے میں پہنچ گیا۔ نرس نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ مسکرا کر بولا ''تم مجھے نہیں جانتیں' لیکن میں تمہیں جانتا ہوں۔ تمہارا نام ماریہ ہے۔ تم بہت برے حالات سے گزر رہی ہو۔ میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔ کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟''

''بیٹھ جاؤ۔ تم یہ کیسے جانتے ہو کہ میں برے حالات سے گزر رہی ہوں؟''

وہ بیٹھتے ہوئے بولا ''ہمارا پیشہ ایسا ہے کہ ہمیں اپنے ضرورت کے لوگوں کے بارے میں اہم معلومات حاصل کرنی پڑتی ہے۔''

وہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر بولی۔

''میرے برے حالات کیا ہیں؟ کیا تم بتا سکتے ہو؟''

''تمہارا شوہر تمہیں طلاق دے کر کسی دوسری عورت کے ساتھ رہنے لگا ہے۔ تم اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لیے دن رات محنت کرتی رہی ہو۔ اسپتال سے جو تنخواہ ملتی ہے اس میں تمہارا گزارا نہیں ہوتا اس لیے تم اس اسپتال سے دوائیں چوری کرکے باہر فروخت کر دیتی ہو۔ ناجائز حمل گرانے کے سلسلے میں اچھی خاصی رقم وصول کرتی رہتی ہو۔''

وہ غصے سے بولی ''تم بکواس کر رہے ہو۔ سراسر الزام لگا رہے ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ' ورنہ میں وارڈ بوائز کو بلاؤں گی وہ تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکال دیں گے۔''

اس نے بریف کیس کھول کر ریوالور دکھاتے ہوئے کہا ''اس میں سائلینسر لگا ہوا ہے۔ آواز نہیں ہوگی۔ کسی کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں گولی مار دوں گا۔''

وہ ریوالور دیکھتے ہی سہم گئی۔ ہونٹوں کو سختی سے بند کرلیا۔

بچھو بابا نے کہا ''میرے سامنے شریف اور پارسا نہ بنو۔ تمہاری طرح میں بھی الٹے سیدھے دھندے کرتا ہوں۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ میری بات مان لوگی تو ابھی اسی وقت تمہیں ایک لاکھ روپے ملیں گے۔''

ماریہ نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کھلے ہوئے بریف کیس کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے بولا۔

''دیکھو، یہ پورے ایک لاکھ روپے ہیں۔''

بریف کیس میں نوٹوں کی گڈیاں پڑی ہوئی تھیں حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان نوٹوں کو دیکھنے لگی۔ بچھو بابا نے کہا ''تم نے ملک سے باہر بھیجنے والے ایک ایجنٹ سے بات کی ہے کہ وہ تمہارے بیٹے کو لندن پہنچا کر وہاں ملازمت دلا دے۔ ملازمت بالکل پکی ہے۔ کسی طرح کے دھوکے کا احتمال نہیں ہے لیکن بیٹے کو باہر بھیجنے کے لیے تمہیں ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے اور وہ یہاں تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ میں یہ رقم تمہارے لیے لایا ہوں۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''میں سمجھ گئی۔ اتنی رقم کے بدلے تم مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہو۔''

''تم نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ اس لیے کچھ کہنے سے پہلے ہی سمجھ گئی ہو۔ یہاں اسپیشل وارڈ کے کمرا نمبر دو میں ایک زخمی ہے۔ اس کا نام اسد عزیزی ہے۔''

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی ''اس کے گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ آپریشن کے ذریعے جوڑی گئی ہے۔ پسلی کی ایک ٹوٹی ہوئی ہڈی کو بھی جوڑا گیا ہے۔ وہ بری طرح زخمی ہوکر یہاں آیا تھا۔''

''میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ اس کے زخم بھرنے نہ پائیں بلکہ ناسور بن جائیں۔ تم اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہو؟''

وہ تھوڑی دیر تک اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی ''اگر یہ رقم ابھی مجھے دے کر جا رہے ہو تو تمہارا کام ہو جائے گا۔''

''مجھے سمجھاؤ کام کیسے ہوگا؟''

''میں اسے انجکٹ کرنے والی دوائیں تبدیل کر دیتی ہوں۔ انجکشن دینے والی دواؤں کی شیشیاں وہی رہیں گی لیبل بھی وہی رہیں گے لیکن ان کے اندر کی دوائیں تبدیل ہو جائیں گی اور وہ دوائیں مضر رسا ہوں گی جو رفتہ رفتہ اس کے زخموں کو ناسور بناتی رہیں گی۔''

''اس کے منفی نتائج کب ظاہر ہوں گے؟''

''چند گھنٹوں بعد ظاہر ہونے لگیں گے۔ ڈاکٹر دوائیں تبدیل کریں گے۔ دوسرے انجکشن کی شیشیاں لائی جائیں گی۔ میں ان شیشیوں میں بھی دوائیں تبدیل کر دیا کروں گی۔''

وہ مسکرا کر بولا ''تم بہت کام کی عورت ہو۔ آئندہ بھی میں تم سے کام لیا کروں گا۔''

وہ بریف کیس بند کر کے اسے دیتے ہوئے بولا ''

خاطر خواہ نتائج ظاہر ہوتے رہے تو سمجھو تمہیں پچاس ہزار روپے اور ملیں گے۔''

وہ خوش ہوکر بولی ''پھر تو میں ساری زندگی تمہاری کنیز بن کر رہوں گی۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ پھر بولا۔ ''میری دوستی تمہیں فائدہ پہنچائے گی۔ دشمنی مہنگی پڑے گی۔''

اس نے ریوالور دکھاتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارے بیٹے کو سات سمندر پار بھیجنے میں مدد کر رہا ہوں' دشمنی کی تو اسے سات سمندروں میں ڈبو بھی سکتا ہوں۔''

وہ ریوالور کو لباس میں چھپاتا ہوا وہاں سے چلا آیا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ کی لکیروں پر چل رہا تھا۔ اگرچہ وہ ذیشان کے احکامات کی تعمیل کر رہا تھا لیکن حقیقتاً وہ اپنے ہاتھ کی لکیروں کی مطابق عمل کرتا جا رہا تھا۔

دوسری صبح اس نے فلک آفتاب کو لوٹنے کے لیے اپنے ماتحتوں کو استعمال کیا۔ دن کے دس بجے تک اس کے ماتحتوں نے اس کے پاس دو کروڑ روپے پہنچا دیے۔ میں نے فون پر اسے مخاطب کیا ''ہیلو بچھو بابا! میں مقدر حیات بول رہا ہوں۔''

وہ بولا ''یس سر! میں اپنے باس کے حکم کے مطابق آج سے آپ کا تابعدار ہوں۔ آپ حکم دیں مجھے کیا کرنا ہے؟''

''فی الحال تو رپورٹ دو کہ بھائی جان کی گرفتاری کے بعد اب تک کیا کرتے رہے ہو؟''

وہ رپورٹ پیش کرنے لگا کہ اس نے کس طرح اسپتال کی ایک مجرمانہ ذہن رکھنے والی نرس کو ٹریپ کیا ہے اور اس کے ذریعے کس طرح اسد عزیزی کو ہمیشہ بیمار بنائے رکھے گا۔ اس کے زخم ناسور بن کر اس انتہا کو پہنچ جائیں گے کہ وہ اپنی آخری عمر تک اپاہج بنا رہے گا۔

میں نے کہا ''بھائی جان ایک پولیس افسر ہیں۔ ان کی تنخواہ اتنی نہیں ہے کہ وہ لاکھوں روپے خرچ کرتے رہیں اور اپنے آلہ کاروں اور ماتحتوں کو بڑی بڑی رقمیں ادا کرتے رہیں۔ تم نے نرس ماریہ کو ایک لاکھ روپے دیئے۔ یہ رقم تمہارے پاس کہاں سے آئی؟''

''سر! میں بھی کوئی خاندانی رئیس نہیں ہوں۔ باس کے حکم سے مجرمانہ ذہن رکھنے والوں کو ٹریپ کرتا ہوں اور ان سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتا ہوں۔ شہباز درانی نے آپ کی اصلیت اور کمزوریاں معلوم کرنے کے لیے ایک پبلو ماسٹر کو یہاں بلایا تھا۔ میں نے اس نجومی پبلو ماسٹر سے دس لاکھ روپے وصول کیے۔ ان ہی میں سے ایک لاکھ روپے میں نے نرس ماریہ کو دیے ہیں۔''

میں نے پوچھا ''ان باپ بیٹے سے چھینی ہوئی رقم کہاں ہے؟''

''میرے پاس امانت کے طور پر ہے۔ آپ جہاں حکم دیں گے وہاں پہنچا دوں گا۔''

''نہیں۔ وہ رقم تم اپنے اکاؤنٹ میں رکھو۔ جب بھائی جان واپس آئیں تو انہیں دے دینا۔''

''سر! میں ان گواہوں کو ٹھکانے لگانا چاہتا ہوں جنہیں باس کے خلاف عدالت میں استعمال کیا جانے والا ہے۔''

''میں خون خرابے کی اجازت نہیں دوں گا۔ تم میری لائن آف ایکشن پر چلو گے۔ شہباز درانی اور دردانہ کو کمزور سے کمزور تر بناتے جاؤ گے۔ ہم انہیں بھی قانونی شکنجے میں لے لیں گے۔''

''شہباز درانی بڑے بڑے سیاسی جرائم کا مرتکب ہوتا رہتا ہے لیکن ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت کوئی گواہ نہیں ہے۔''

''بے شک شہباز درانی کی پشت پر اتنی بڑی طاقت ہے کہ وہ پاکستانی قوانین کی گرفت میں نہیں آتا لیکن میں اسے گرفت میں لاؤں گا۔ فی الحال ہمیں دردانہ کے خلاف محاذ آرائی کرنی ہے۔ کیا تم یہاں کے ایک سیاست دان جان محمد گبول کو جانتے ہو؟''

''اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''پچھلے دنوں اس کے ہاں ایک بڑی ڈکیتی ہوئی۔ دو کروڑ روپے کے ہیرے چرا لیے گئے اور کچھ ایسی دستاویزات بھی چرائی گئیں' جن کے ذریعے جان محمد کی ذاتی اور سیاسی زندگی کے بہت سے شرم ناک اور مجرمانہ راز ظاہر ہو سکتے ہیں۔''

میں نے اسے بتایا کہ شہباز درانی جان محمد گبول کی یہ ساری کمزوریاں اپنے ہاتھ میں رکھ کر اسے اپنے اشاروں پر نچانا چاہتا تھا۔ جان محمد ہر الیکشن میں کامیاب ہوکر قومی اسمبلی میں پہنچتا تھا اور وہاں سے کسی نہ کسی شعبہ کی وزارت ضرور حاصل کرتا تھا۔ شہباز اپنے مقاصد کے لیے اسے اسمبلی میں کٹھ پتلی بنا کر رکھنا چاہتا تھا۔

بچھو بابا نے پوچھا ''سر! وہ ہیرے اور دستاویزات کہاں ہیں؟''

''دستاویزات میرے پاس ہیں اور ہیرے دردانہ کے پاس۔''

''اب آپ کیا چاہیں گے؟''

''میں نے ان دستاویزات کو شہباز تک پہنچنے نہیں دیا۔

اب وہ جان محمد گبول کو نہ بلیک میل کر سکے گا نہ اسے کٹھ پتلی بنا سکے گا۔ وہ اپنی اس ناکامی کے باعث اپنے امریکی آقاؤں کے سامنے جوابدہ ہوگا۔ اس طرح میں اسے کمزور بناتا جارہا ہوں۔"

"میں سمجھ گیا۔ آپ شہباز درانی سے نمٹ رہے ہیں۔ مجھے دردانہ سے نمٹنا ہوگا۔"

"ہاں۔ میں چاہتا ہوں تم ایک پراسرار اجنبی بن کر گبول سے فون پر باتیں کرو۔ اسے بتاؤ کہ اس کے دستاویزات تمہارے پاس محفوظ ہیں۔ شہباز درانی بلیک میل نہیں کر سکے گا۔" میں اسے سمجھانے لگا کہ آئندہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ میری تمام باتیں سننے کے بعد بولا "یس سر! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ اب کچھ عینی کا ذکر ہونا چاہیے کہ اس پر کیا گزر رہی ہے؟

☆☆☆

عینی کو خود پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں گم ہوگئی تھی؟ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ اپنے وجود سے غافل کہیں پڑی ہوئی تھی۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے انسان سانس لیتے لیے مردہ ہو جاتا ہے اور مردہ ہو کر بھی زندہ رہتا ہے۔ زندگی اور موت کے درمیان وہ کچھ وقت کہاں گزارتا ہے اسے خبر نہیں ہوتی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے..... ساری دنیا بجھ گئی تھی، گم ہوگئی تھی پھر بھی وہ دنیا والوں کو چھو کر اور ان کی آوازیں سن کر یہ سمجھ سکتی تھی کہ اسی دنیا میں موجود ہے لیکن بے ہوشی کی حالت میں نہ کسی چیز کو چھو سکتی تھی نہ کسی کی آواز سن سکتی تھی۔

پھر اس کے حواس آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگے۔ اس کی سماعت جاگنے لگی۔ کانوں میں دھیمی دھیمی سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

آنکھیں کھولنے سے کیا ہوتا ہے؟ اسے تو کچھ دکھائی نہیں دے سکتا تھا اور نہ ہی اس وقت کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی "مجھے کچھ دکھائی کیوں نہیں دے رہا ہے؟ میں آنکھیں کھول کر دیکھ رہی ہوں۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ کیا رات ہو چکی ہے اور میں نے لائٹ نہیں جلائی ہے؟

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات تیسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں